سیرتِ رسولِ عربی ﷺ
پروفیسر علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر زاویہ
زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ لاہور

حسن و جمالِ مصطفیٰ

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ

وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ

كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

پروفیسر علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

زاویہ پبلشرز

(8-C محی الدین بلڈنگ) داتا دربار مارکیٹ، لاہور

فون: 042-7248657

موبائل: 0300-9467047 - 0300-4505466

Email:zaviapublishers@yahoo.com

2010

بار اول 1000

ہدیہ .... ۲۵۰ روپے

زیر اہتمام .... نجابت علی تارڑ

ملنے کے پتے

اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5536111

کتاب گھر، کمیٹی چوک، راولپنڈی 051-5552929

اسلامک بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی 051-5536111

احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی 051-5558320

مکتبہ قادریہ، پرانی سبزی منڈی، کراچی 0213-4944672

مکتبہ برکات المدینہ، بہادرآباد کراچی 0213-4219324

مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی 0213-2216464

حنفیہ پارک پبلی کیشنز، کھارادر، کراچی

مکتبہ غنی سلطان، حیدرآباد 0321-3025510

مکتبہ قادریہ، سرکلر روڈ، گوجرانوالہ 055-4237699

مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ لاہور 0423-7226193

کتب خانہ حاجی مشتاق احمد، ملتان 061-4545486

فہرست

چھٹا باب

جلد دوم

ساتواں باب

❀❀❀❀

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

در تو بینی را حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پنہاں بگیر

پہلا مقدمہ

ملک عرب کا جغرافیہ

ملک عرب برّ اعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ چونکہ اس کو تین طرف سے سمندر نے اور چوتھی طرف سے دریائے فرات نے جزیرے کی طرح گھیرا ہوا ہے اس لیے اسے جزیرہ عرب کہتے ہیں۔

اس کے شمال میں بلاد شام و عراق ہیں۔ مغرب میں بحر احمر یعنی بحیرہ قلزم جنوب میں بحر ہند اور مشرق میں خلیج عمان اور خلیج فارس ہیں۔

اس کا طول شمالاً جنوباً پندرہ سو میل کے قریب اور اوسط عرض شرقاً غرباً آٹھ سو میل ہے۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ بیس ہزار مربع میل یعنی براعظم یورپ کی ایک تہائی کے قریب ہے۔

علمائے جغرافیہ نے بربنائے طبیعت ارضی اس ملک کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے جن کا بیان بطریق اختصار نیچے لکھا ہے۔

ا۔ اقلیم حجاز: جو مغرب میں بحر احمر کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ حجاز سے ملحق ساحل بحر کو جو نشیب ہے تہامہ یا غور کہتے ہیں، اور حجاز سے مشرق کو جو حصہ ملک ہے وہ نجد (زمین مرتفع) کہلاتا ہے۔ حجاز چونکہ نجد و تہامہ کے درمیان حاجز و حائل ہے۔ اس لیے اسی نام سے موسوم ہے۔

حجاز کے مشہور شہروں میں مکہ مشرفہ ہے جو مشرق میں جبل ابوقبیس اور مغرب میں جبل قعیقعان کے درمیان واقع ہے۔ اس شہر مبارک میں نوشیرواں کی تخت نشینی کے بیالیسویں سال فیل میں ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو سیدنا مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ پیدا ہوئے۔ خانہ کعبہ (بیت اللہ شریف) اسی شہر میں ہے۔ مناسک حج کے مشہور مقامات میں سے صفا اور مروہ تو بیت اللہ شریف کے عین قریب ہی ہیں۔ منیٰ تین میل مشرق کو ہے۔ منیٰ سے اسی قدر فاصلے پر مشرق کی طرف مزدلفہ اور مزدلفہ سے مشرق کو اتنے ہی مسافت پر عرفات ہے۔

مکہ مشرفہ سے شمال کی طرف قریباً دو سو میل کے فاصلہ پر مدینہ منورہ ہے۔ جہاں حضور سرورِ

کائنات علیہ الوف التحیۃ والصلوٰۃ کا مزارِ مقدس واقع ہے۔ مدینہ منورہ سے قریباً تین میل شمال کو جبل احد ہے۔ جہاں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے۔ عبارت حذف ہے

مکہ مشرفہ کی بندرگاہ جدہ ہے جو ۴۴ میل کے فاصلے پر بحیرہ قلزم کے ساحل پر ہے۔ حجاز ریلوے لائن ۱۹۰۸ء میں دمشق سے مدینہ منورہ تک تیار ہوگئی تھی۔ مدینہ منورہ سے مکہ مشرفہ کی اس وقت تک تیار نہیں ہوئی۔

اس اقلیم میں حرمین شریفین کے علاوہ بدر، احد، خیبر، فدک، حنین، طائف تبوک اور غدیر خم اسلامی تاریخ میں بہت مشہور ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر مدین تبوک کے محاذ میں ساحل بحر احمر پر واقع ہے۔ حجر میں جو وادی القریٰ میں ہے آثار ثمود اب تک پائے جاتے ہیں۔ طائف اہل مکہ مشرفہ کا مصیف ہے یہاں کے میوے مشہور ہیں۔

۲۔ اقلیم یمن: جو حجاز کے جنوب میں بحر احمر اور بحر ہند کے ساحل سے متصل واقع ہے اس کی یمن برکت یا کعبۃ اللہ سے جانب یمین ہونے کے سبب سے اس نام سے موسوم ہے۔

اس اقلیم میں نجران، صنعاء اور سباء و مارب مشہور تاریخی مقامات ہیں۔ مخہ، حدیدہ اور زبید تجارتی حیثیت رکھتے ہیں۔

صنعاء دار السلطنت ہے جو عدن سے ۱۲۸ میل ہے۔ کنیسہ قلیس اسی شہر میں تھا۔ اس کا بندرگاہ حدیدہ ہے۔ جہاں سے بن اور چمڑے بیرونی ممالک کو جاتے ہیں۔ صنعاء سے چار دن کی مسافت پر سبا و مآرب کے آثار پائے جاتے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

نجران ایک بڑا شہر تھا جس کے متعلق ستر گاؤں تھے۔ یہ شہر ملک عرب میں عیسائیت کا مرکز تھا۔ یہاں ایک بڑا گرجا تھا۔ جسے بنو عبدالمدان بن الدیان حارثی نے کعبۃ اللہ کے مقابلہ میں بنایا تھا۔ وہ کعبۃ اللہ کی طرح اس کی تعظیم کرتے تھے اور اسے کعبہ نجران کہا کرتے تھے۔ اسی گرجا کے بڑے بڑے پادری ہجرت کے بارہویں سال حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے اور حضور نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تھی۔ نجران ہی کے ایک گاؤں میں قصہ اصحاب اخدود وقوع میں آیا تھا۔ جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں پایا جاتا ہے۔

۳۔ اقلیم حضرموت: جو یمن کے مشرق میں بحر ہند کے ساحل سے متصل واقع ہے۔ اس کے مشہور شہر تریم اور شبام دار السلطنت ہے ان کے علاوہ مرباط، ظفار، شحر اور مکلہ ساحل پر واقع ہیں۔ مکلہ سے لوبان بیرونی ممالک کو جاتا ہے۔

۴-اقلیم مہرہ: جو حضر موت کے مشرق میں واقع ہے۔ یہاں کے اونٹ مشہور ہیں۔ جنہیں قبیلہ مہرہ کی طرف نسبت کر کے اہل مہریہ بولتے ہیں۔ یہاں کے باشندوں کی غذا عموماً مچھلی ہے۔

۵-اقلیم عمان: جو مہرہ سے ملحق ہے۔ اس کے مشہور شہروں میں سے مسقط اور صحار ہیں۔ یہاں کے باشندے عموماً خوارج اباضیہ ہیں۔

۶-اقلیم الاحساء: جسے بحرین بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ بحر فارس و بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے۔ اس طرف کے جزائر میں موتیوں کے مغاص ہیں۔ اس کے مشہور شہروں میں سے قطیف، ہفوف اور ہجر ہیں۔ یہاں کے باشندے عموماً رافضی تبرائی ہیں۔

۷-اقلیم نجد: جو حجاز کے مشرق اور صحرائے شام کے جنوب میں ہے۔ اسی اقلیم کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔ یہ پیشین گوئی محمد بن عبدالوہاب اور فرقہ وہابیہ کے ظہور سے پوری ہوگئی۔ اسی اقلیم کے شمالی حصے میں حرب داحس اور حرب بسوس وقوع میں آئیں۔ جن میں سے ہر ایک چالیس سال تک جاری رہی۔ وہابیہ کا دارالسلطنت ریاض ہے۔

۸-اقلیم الاحقاف: جو عمان و احساء و نجد و حضر موت و مہرہ کے درمیان میں ایک وسیع بے آباد صحرا ہے، اس کا حال معلوم نہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر مبارک حضر موت کے متصل احقاف ہی میں ہے۔

پیداوار: یمن وغیرہ میں پیڑ اور صمغ عربی کے درخت (اقاقیا) ہوتے ہیں حضر موت میں نباتات عطریہ اور مشمومات اور عود قاقلی ہوتا ہے۔ کھجور، کپاس مکئی اور چاول یمن میں خصوصیت سے ہوتے ہیں۔ سنا جنوبی حجاز اور تہامہ میں ہوتی ہے۔ بلسان مکہ مشرفہ کے قریب اور حنا مغربی ساحل پر پائی جاتی ہے۔ نجد کے گھوڑے اور مہرہ کے اونٹ مشہور ہیں۔ گدھے، دنبے، بکریاں اور مویشی کثرت سے ہیں۔ عرب میں وحوش میں سے شتر مرغ، چیتا، پلنگ سیاہ گوش اور کفتار ہیں۔

......☆☆☆......

دوسرا مقدمہ

عرب کی تاریخِ قدیم پر طائرانہ نظر

زمانہ قدیم میں طوفانِ نوح کے بعد جزیرۂ عرب میں سام بن نوح کی نسل کے لوگ آباد تھے۔ چنانچہ بنو یعرب بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام یمن میں بستے تھے۔ بنو جرہم بن قحطان اور بنو عملیق بن لوذ بن سام حجاز میں رہتے تھے۔ بنو طسم بن لوذ اور بنو جدیس بن عامر بن آرم بن سام یمامہ میں بحرین تک پھیلے ہوئے تھے۔ قوم عاد بن عوض بن آرم شحر و عمان و حضرموت کے مابین احقاف میں آباد تھی۔ اس قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا تھا۔ قوم ثمود بن جاثر بن آرم حجاز و شام کے درمیان حجر میں آباد تھی۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔

ایک زمانہ گزرنے پر عاد و ثمود جدیس و عمالیق و جرہم فنا ہو گئے۔ اس واسطے ان کو عرب بائدہ بولتے ہیں۔ ان میں سے جو باقی رہے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مل جل گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی قبیلہ جرہم میں ہوئی تھی اس واسطے ان کی اولاد کو عرب مستعربہ کہتے ہیں۔ اور بنو قحطان کو عرب عاربہ یعنی اصلی عرب بولتے ہیں۔ القصہ مذکورہ بالا تباہی و اختلاط کے بعد عرب میں دو بڑے قبیلے رہ گئے۔

بنو قحطان اور بنو عدنان (بنو اسمٰعیل) ان دونوں کی بہت سی شاخیں تھیں۔ اب عرب کا بڑا حصہ خاندان اسمٰعیل سے ہے۔ اور خود حضور سید المرسلین ﷺ بھی اسی خاندان سے ہیں۔

قدیم الایام سے عربوں کی تجارت مصر و شام کے ساتھ تھی۔ چنانچہ جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کوئیں میں گرا دیا تو انہوں نے دیکھا کہ گلعاد سے اسماعیلیوں کا قافلہ آ رہا ہے۔ جن کے اونٹوں پر ادویہ و بلسان و مرلدے ہوئے ہیں اور وہ مصر کو جا رہے ہیں (۱)۔ یہ چیزیں لاشوں کے معطر بنانے میں مصریوں کے کام آیا کرتی تھیں۔ اس کے مدتوں بعد وہ اہالی صور کے ساتھ مویشیوں اور ادویہ اور بیش بہا پتھروں اور سونے کی تجارت کرتے دیکھے جاتے ہیں (۲)۔ قرون ماضیہ میں عربوں پر بہت سے بیرونی حملے ہوئے۔ مگر وہ کسی کے ماتحت نہ رہے۔ چنانچہ مصری فاتح شیشک ان کو زیر نہ کر سکا۔ قیروش فارسی (متوفی ۵۲۹ قبل مسیح) نے عرب کے شمالی حصے کے بعض عربوں کو مغلوب کیا۔ مگر مورخ ہیرو

دوتس (متوفی ۴۲۴قبل مسیح) ہمیں یقین دلاتا ہے کہ دارہشتلسپ (جس نے سلطنت فارس کی توسیع کی تھی) کے عہد میں عرب خراج سے بری تھے۔ بخت نصر بابلی نے ان پر حملہ کیا۔ اوران کے بہت سے شہر فتح کیے۔ مگر غنیمت لے کر اپنے وطن کو چلا آیا (۳)۔ سکندرِ اعظم کا جانشین انطیغونس (متوفی ۳۰۱قبل مسیح) ان پر حملہ آور ہوا۔ مگر اسے ان کے ساتھ ان ہی کی شرائط پر صلح کرنی پڑی۔ رومی فاتح پو مپے (مولود ۱۰۶قبل مسیح) نے ملک عرب کے ایک حصے کو تاخت وتاراج کیا۔ مگر اس کی فوج پسپا ہوئی تو عربوں نے شدت سے تعاقب کیا۔ اور وہ کچھ عرصے تک شام میں رومیوں کو تنگ کرتے رہے۔ ولادت مسیح سے تقریباً ۲۳ سال پہلے رومی سپہ سالار الیوس گالس بحیرہ قلزم تک آیا۔ اس نے چاہا کہ عرب کو فتح کرلے مگر ناکام رہا۔ طراجان رومی نے ۱۲۰ء کے قریب ان پر حملہ کیا اور شہر حجرہ کا محاصرہ کر لیا مگر رعد وژالہ وگرد باد اور مکھیوں کے جھنڈ کے سبب سے اس کا لشکر کامیاب نہ ہوا۔ جب وہ حملہ کرتے تو یہی آفتیں پیش آتیں۔ ۲۰۰ء کے قریب سیواروس رومی نے لشکر کثیر اور سامان حرب کے ساتھ شہر حجر کا دوبارہ محاصرہ کیا مگر لشکر وشاہ کے درمیان ایک بے وجہ تنازع نے شاہ کو محاصرہ اٹھالینے پر مجبور کر دیا (۴)۔ شاہ فارس شاپور ذوالاکتاف نے عرب پر حملہ کیا۔ تو بحرین وحجر ویمامہ میں کشت وخون کرتا ہوا مدینہ تک پہنچ گیا۔ سردارانِ عرب جو گرفتار ہو کر آتے تھے۔ وہ ان کے مونڈھے نکال دیتا تھا۔ اس لیے اسے ذوالاکتاف کہتے تھے۔ (۵) مگر اسی بادشاہ نے ۳۶۰ء کے قریب تکریت پر جو خودمختار عربوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا حملہ کیا تو ناکام رہا۔ (۶) دسویں صدی قبل مسیح میں یمن میں ملوک حمیر بن سبا میں سے ایک فاسق خبیث بادشاہ مالک نام تھا۔ وہ باکرہ عورتوں کو بلا کر ان کی آبروریزی کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی چچازاد بہن بلقیس سے بھی یہی ارادہ ظاہر کیا۔ بلقیس نے کہا کہ میرے محل میں آجانا۔ اور اس کے قتل کرنے کے لیے اپنے اقربا میں سے دو آدمی مقرر کیے۔ جب وہ محل میں داخل ہوا تو ان آدمیوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ اہل یمن نے اسی سبب سے بلقیس کو اپنا حکمران بنایا۔ ورنہ وہ عورت کی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے۔ یہ وہی بلقیس ہے جس کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

بلقیس کے بعد خاندان حمیر کے بہت سے بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت یمن پر متمکن ہوئے۔ جب اہل یمن نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ تو ان پر سیل عرم بھیجا گیا۔ جس سے ان کے باغات وغیرہ برباد ہو گئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے وہ رزق ومعاش کی تلاش میں مختلف اطراف کو ہجرت کر کے چلے گئے۔ چنانچہ بنولخم بن عدی کی ایک جماعت خراسان کی طرف نکلی۔ انہوں نے دریائے فرات کے قریب شہر حیرہ کی بناڈالی۔ جو بعد میں اسی خاندان کا دارالسلطنت رہا۔ ملوک لخمیہ ومناذرہ ۲۴۴ء تک اکاسرہ کی طرف سے عراق پر گورنر ہوتے رہے۔ اس کے بعد اسلام کا تسلط ہو گیا۔

بنولخم کی طرح بنوقحطان کی ایک جماعت ہجرت کر کے دمشق کے متصل ایک چشمہ پر جسے غسان کہتے تھے جا اتری۔ وہ آخر کار شام کے حکمران بن گئے۔ ملوک غسان جنہیں مورخین عرب، عرب متصرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قیاصرہ روم کی طرف سے قریبا ۲۰۰ء سے ۶۳۶ء تک ملک شام میں حکمرانی کرتے رہے۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم تھا۔ جو بھاگ کر قیصر کے ہاں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ ملک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں سے مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

بنوقحطان میں سے قبیلہ ازد کے دو بھائی اوس وخزرج مدینہ میں آ بسے۔ انصار ان ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ قحطانیوں میں سے بعض اندرون جزیرہ عرب میں چلے گئے۔ چنانچہ ملوک کندہ نے نجد میں اپنی سلطنت قائم کی۔ ان کے علاوہ عرب میں اور متفرق ملوک تھے جن کے ذکر کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔

سیل عرم کے بعد جو لوگ یمن میں رہ گئے ان پر بنوقحطان بدستور حکمرانی کرتے رہے ان بادشاہوں میں سے ایک کا نام شمر بن افریقیس بن ابرہہ تھا کہتے ہیں کہ شمر مذکور بڑا عالی ہمت تھا۔ اس نے عراق پر لشکر کشی کی۔ اور اسے فتح کر کے چین کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں جب وہ صغد میں پہنچا تو اس نواح کے باشندے ایک مقام میں پناہ گزین ہو گئے۔ شمر نے چاروں طرف سے محاصرہ کر کے ان کو قتل کیا۔ اور اس مقام کو کھدوا کر ویران کر دیا۔ اس واسطے اس مقام کو شمر کند کہنے لگے۔ جسے عرب، معرب کر کے سمرقند بولتے تھے۔ شمر وہاں سے چین کی طرف بڑھا مگر وہ اور اس کی فوج پیاس سے ہلاک ہو گئی۔ (۷) تبابعہ (۸) یمن میں سے تبان اسعد ابو کرب تھا۔ وہ بلاد مشرق کو فتح کر کے واپس آتا ہوا مدینہ میں اترا۔ جہاں وہ جاتا ہوا اپنے بیٹے کو چھوڑ گیا تھا۔ مگر اس کو کسی نے ناگہان قتل کر دیا۔ اس لیے تبع مذکور نے مدینہ اور اہل مدینہ کو تباہ کرنا چاہا۔ مگر یہود بنی قریظہ سے دو عالموں نے تبع کو منع کیا۔ اس نے وجہ دریافت کی۔ تو عالموں نے کہا کہ آخر زمانہ میں قریش میں سے ایک پیغمبر پیدا ہو گا جس کی ہجرت اسی شہر مدینہ کی طرف ہو گی۔ وہ یہ سن کر باز آیا اور اس نے مذہب یہود اختیار کر لیا۔

تبع مذکور مدینہ سے اپنے وطن یمن کی طرف روانہ ہوا راستے میں اس نے مکہ میں چھ دن قیام کیا۔ اور طواف کر کے کعبہ پر بردِ یمانی چڑھائی۔ یہ تبع پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے بیت اللہ پر پردہ چڑھایا۔ مکہ سے وہ یمن میں آیا۔ دونوں عالم اس کے ساتھ تھے۔ اس نے اپنی قوم یعنی حمیر کو یہودیت کی دعوت دی۔ حمیر اس وقت تک بت پرست تھے۔ انہوں نے تبع کی دعوت سے آخر کار مذہب یہود اختیار کر لیا۔

تبان اسعد کے بعد اس کے بیٹے حسان کو عمرو بن تبان اسعد نے ملک کے لالچ میں قتل کر دیا۔ عمرو

مذکور بھی جلدی ہلاک ہو گیا۔ اور حمیر کی سلطنت کا شیرازہ پراگندہ ہو گیا۔ لخنیعہ ینوف ذوشناتر جو شاہی خاندان میں سے نہ تھا ان کا بادشاہ بن بیٹھا۔ وہ فاسق خبیث تھا۔ ابنائے ملوک سے لواطت کیا کرتا تھا۔ تا کہ وہ بادشاہ نہ بن جائیں۔ کیوں کہ اس زمانہ میں عرب کی عادت تھی کہ ایسے شہزادے کو بادشاہ نہ بناتے تھے۔ زرعہ بن تبان اسعد اپنے بھائی حسان کے قتل کے وقت بچہ ہی تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھا۔ اس کے سر کے بال پیٹھ پر پہنچے تھے۔ اس واسطے اس کا لقب ذونواس تھا۔ خوبصورتی کے سبب سے لوگ اسے یوسف کہا کرتے تھے۔ ذوشناتر نے اسے بلا بھیجا۔ ذونواس سمجھ گیا اور ایک تیز چھری جوتے میں پاؤں تلے چھپا کر لے گیا۔ جب وہ خلوت میں پہنچا تو اسی چھری سے ذوشناتر کا کام تمام کر دیا۔ یہ شجاعت دیکھ کر حمیر نے ذونواس ہی کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اہل نجران اس وقت عیسائی تھے۔ ذونواس لشکر سمیت نجران میں گیا۔ اور اس نے اہل نجران کو یہودیت کی دعوت دی۔ ذونواس نے ایک خندق کھدوا کر آگ سے بھر دی۔ جو لوگ یہودی ہونے سے انکار کرتے وہ ان کو آگ میں گرا دیتا تھا۔ قرآن کریم میں اسی ذونواس اور اس کے اصحاب کو سورہ بروج میں اصحاب الاخدود کہا گیا ہے۔ نجران کے عیسائیوں میں سے ایک شخص دوس ذو ثعلبان قیصر روم جسٹینین (متوفی ۵۶۵ء) کے پاس پہنچا۔ اور اسے سب ماجرا کہہ سنایا۔ قیصر نے جواب دیا کہ تمہارا ملک ہم سے بہت دور ہے۔ ہم شاہ حبشہ نجاشی کو جو عیسائی ہے تمہاری مدد کے لیے لکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ دوس قیصر کا نامہ نجاشی کے پاس لایا۔ نجاشی نے اپنے ایک امیر ارياط کو لشکر جرار دے کر دوس کے ساتھ روانہ کیا۔ اس لشکر میں ابرہہ اشرم بھی تھا۔ ذونواس کو شکست ہوئی۔ وہ بدیں خیال کے مبادا دشمن کے ہاتھ گرفتار ہو جائے ۵۲۸ء میں سمندر میں ڈوب کر مر گیا۔ ارياط ۵۲۹ء سے ۵۴۹ء تک یمن میں حکمران رہا۔ وہ کمزوریوں پر تعدی کیا کرتا تھا۔ اس لیے بہت سی رعیت اس کے خلاف ابرہہ سے مل گئی۔ ابرہہ نے ارياط سے کہا کہ ہم دونوں سمجھ لیں۔ چنانچہ دونوں لڑنے لگے۔ ابرہہ نے پس پشت ایک غلام کو مقرر کیا تھا۔ جب ارياط نے حربہ مارا تو ابرہہ کی پیشانی پر پڑا اور اس کی آنکھ، ناک اور ہونٹ کاٹ دیئے۔ اسی سبب سے اس کو ابرہہ اشرم کہتے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس غلام نے ابرہہ کی پشت کی طرف سے نکل کر ارياط کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح حبشہ اور یمن نے ابرہہ کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ نجاشی یہ حال سن کر ابرہہ پر ناراض ہوا۔ مگر ابرہہ نے معافی مانگ کر اس کو راضی کر لیا۔ اسی ابرہہ نے صنعا میں ایک گرجا بنایا تھا۔ تا کہ عرب بجائے کعبۃ اللہ کے اس کا طواف کیا کریں مگر بنو کنانہ میں سے ایک شخص نے اس میں بول و براز کر دیا۔ اس پر ابرہہ ہاتھی لے کر خانہ کعبہ کو ڈھانے آیا مگر وہ اور اس کی فوج تباہ ہو گئی۔ یہ قصہ اصحاب فیل قرآن مجید میں مذکور ہے۔ حضور ختم المرسلین ﷺ کا تولد شریف اس واقعہ کے پچپن دن بعد ہوا۔

ابرہہ کے بعد اس کا بیٹا یکسوم تختِ یمن پر بیٹھا۔ مگر جلد ہی ہلاک ہو گیا۔ پھر یکسوم کا بھائی مسروق تخت نشین ہوا۔ اہل یمن اجنبیوں کی حکومت سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اس لیے سیف بن ذی یزن حمیری قیصرِ روم کے پاس گیا اور اپنے ملک کو غیروں کی غلامی سے آزاد کرنے کے لیے اس کی مدد مانگی۔ قیصر نے مدد دینے سے انکار کر دیا۔ اس لیے وہ کسریٰ نوشیرواں کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ ہمارے ملک پر اجنبیوں کی حکومت ہے اگر آپ مدد دیں تو ہمارا ملک آپ کے زیرِ فرمان ہو جائے گا۔ کسریٰ کے ایک مرزبان نے یہ مشورہ دیا کہ بادشاہ کے قید خانہ میں آٹھ سو واجب القتل موجود ہیں ان کو بھیج دیا جائے۔ اگر وہ ہلاک ہو گئے فہو المراد۔ اور اگر فتح یاب ہو گئے تو علاقہ مفتوحہ آپ کے قبضہ میں آ جائے گا۔ چنانچہ قیدیوں میں سے ایک شخص وہرز کی سرکردگی میں وہ سب مہم یمن پر بھیج دیئے گئے۔ اہل فارس کو فتح نصیب ہوئی۔ اور مسروق مارا گیا۔ اس طرح حبشہ کا تصرف یمن پر بہتر سال (۵۲۹ء سے ۶۰۱ء تک) رہا۔

وہرز کے بعد کسریٰ کی طرف سے مرزبان بن وہرز پھر تینجان بن مرزبان نائب السلطنت مقرر ہوا۔ تینجان کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ مگر کسریٰ نے اسے معزول کر کے باذان کو اپنا نائب مقرر کیا۔ جب حضور سید المرسلین ﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت یہی باذان حاکم یمن تھا۔ جب کسریٰ (خسرو پرویز) کو حضور اقدس ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی تو اس نے باذان کو لکھا کہ تم اس مدعی نبوت کے پاس جاؤ اور اسے کہہ دو کہ اپنے دعوے سے باز آجائے۔ ورنہ سر قلم کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ باذان نے وہ خط رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیج دیا۔ حضور نے باذان کو جواب میں لکھا کہ کسریٰ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو قتل ہو جائے گا۔ جب یہ نامہ باذان کو ملا تو کہنے لگا کہ اگر وہ نبی ہیں تو ایسا ہی ہو گا۔ چنانچہ کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے اسی مہینے اور اسی تاریخ کو قتل کر دیا۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی۔ یہ دیکھ کر باذان اور دیگر اہل فارس جو یمن میں تھے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حروب عرب کہ جنہیں ایام عرب سے تعبیر کیا جاتا ہے اس مختصر مقدمہ میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ عرب جاہلیت کی دینی و اخلاقی حالت کا بیان آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

باب : ۱

برکاتِ نورِ محمدی ﷺ

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے بالواسطہ اپنے حبیب محمد ﷺ کا نور پیدا کیا پھر اسی نور کو خلق عالم کا واسطہ ٹھہرایا(۱)۔ اور عالم ارواح ہی میں اس روح سراپا نور کو وصف نبوت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ ایک روز صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کی نبوت کب ثابت ہوئی آپ نے فرمایا و آدم بین الروح والجسد۔ (۲)۔ یعنی میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم کی روح نے جسم سے تعلق نہ پکڑا تھا۔ بعد ازاں اسی عالم میں اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی روحوں سے وہ عہد لیا جو اذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین میں مذکور ہے (۳)۔ جس وقت ان پیغمبروں کی روحوں نے عہد مذکورہ کے مطابق حضور علیہ السلام کی نبوت و امداد کا اقرار کر لیا تو نورِ محمدی کے فیضان سے ان روحوں میں وہ قابلیتیں پیدا ہو گئیں کہ دنیا میں اپنے اپنے وقت میں ان کو منصب نبوت عطا ہوا۔ اور ان سے معجزات ظہور میں آئے۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا:

وَكُلُّ ای اَتیَ الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا فَاِنَّمَا ا تَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمْ

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا يُظْهِرْنَ اَنوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

ترجمہ منظوم

معجزے جتنے کہ لائے رسولانِ کرام

لڑی کے نور سے جا ملتی ہے سب کی بہم

آفتاب فضل ہے وہ سب کواکب اس کے تھے

ظلمتوں میں نور پھیلایا جنہوں نے بیش و کم

اسی عہد کے سبب حضرات انبیائے سابقین علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو حضور نبی آخر الزمان علیہ السلام کی آمد و بشارت اور ان کے اتباع و امداد کی تاکید فرماتے رہے ہیں۔ اگر حضور نبی امی و ابی ھو وامی کی نبوت دنیا میں ظاہری نہ ہوتی۔ تو تمام انبیاء سابقین علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوتیں باطل ہو جاتیں اور وہ تمام بشارتیں ناتمام رہ جاتیں۔ پس دنیا میں حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری نے تمام انبیائے

سابقین علیہم السلام کی نبوتوں کی تصدیق فرمادی (۴)۔

جس طرح نبی کریم ﷺ جاء بالحق وصدق المرسلین کا نور از بہر منبع انوار الانبیاء تھا اسی طرح آپ کے جسم اطہر کا مادہ بھی لطیف ترین اشیاء سے تھا۔ چنانچہ حضرت کعب احبار سے منقول ہے۔ (۵) کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو پیدا کرنا چاہا تو جبرائیل کو حکم دیا کہ سفید مٹی لاؤ۔ پس جبرئیل بہشت کے فرشتوں کے ساتھ اترے اور حضرت کی قبر شریف کی جگہ سے مٹھی بھر خاک سفید چمکتی دمکتی اٹھالائے۔ پھر وہ مشت خاک سفید بہشت کے چشمہ تسنیم کے پانی سے گوندھی گئی۔ یہاں تک کہ سفید موتی کی مانند ہوگئی۔ جس کی بڑی شعاع تھی بعد ازاں فرشتے اسے لے کر عرش و کرسی کے گرد اور آسمانوں اور زمین میں پھرے یہاں تک کہ تمام فرشتوں نے آپ (روحِ انور مادہ اطہر) کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے پہچان لیا۔ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو اپنے حبیب پاک کے نور کو ان کی پشت مبارک میں بطور ودیعت رکھا۔ اس نور کے انوار ان کی پیشانی میں یوں نمایاں تھے جیسے آفتاب آسمان اور چاند اندھیری رات میں۔ اور ان سے عہد لیا گیا کہ یہ نور انوار پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوا کرے۔ اسی واسطے جب وہ حضرت حواء علیہا السلام سے مقاربت کا ارادہ کرتے تو انہیں پاک و پاکیزہ ہونے کی تاکید فرماتے یہاں تک کہ وہ نور حضرت حواء علیہا السلام کے رحم پاک میں منتقل ہوگیا اس وقت وہ انوار جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھے حضرت حواء کی پیشانی میں نمودار ہوئے۔ ایام حمل میں حضرت آدم علیہ السلام نے بپاس ادب تعظیم حضرت حواء سے مقاربت ترک کردی۔ یہاں تک کہ حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو وہ نور ان کی پشت میں منتقل ہوگیا۔ یہ حضور علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ حضرت شیث علیہ السلام کیلئے پیدا ہوئے۔ آپ کے بعد ایک بطن میں جوڑا (لڑکا اور لڑکی) پیدا ہوتا رہا اس طرح یہ نورِ پاک، پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا ہوا حضور علیہ السلام کے والد ماجد حضرت عبداللہ تک پہنچا۔ اور ان سے بناء برقول اصح ایام تشریق میں جمعہ کی رات کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے رحم پاک میں منتقل ہوا۔

اسی نور کے پاک وصاف رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ حضرت کے تمام آباؤ امہات کو شرک و کفر کی نجاست اور زنا کی آلودگی سے پاک رکھا۔ اسی نور کے ذریعہ سے حضرت کے تمام آباؤ اجداد نہایت حسین و مرجع خلائق تھے۔ اسی نور کی برکت سے حضرت آدم نبینا و علیہ السلام ملائک کے مسجود بنے اور اسی نور کے وسیلہ سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت نوح علی نبینا و علیہ السلام کی کشتی طوفان میں غرق ہونے سے بچی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ السلام پر آتش نمرود گلزار ہوگئی۔ اور اسی

نور کے طفیل سے حضرات انبیائے سابقین علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات پر اللہ تعالیٰ کی عنایات بے غائب ہوئیں۔

جب آنحضرت ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی اجازت سے آپ کی مدح میں چند اشعار عرض کیے۔ جن میں مذکور ہے کہ کشتی کا طوفان سے بچنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتشِ نمرود کا گلزار ہو جانا حضور کے نور ہی کی برکت سے تھا۔ حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت تابعی کوفی رضی اللہ عنہ حضور رسول اکرم ﷺ کی مدح میں یوں فرماتے ہیں: (۷)

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاکَ مَا خُلِقَ امْرَءٌ ۔۔۔ کَلَّا وَ لَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاکَا

اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُّوْرِکَ لِلْبَدْرِ السَّنَا ۔۔۔ وَالشَّمْسُ مُشْرِقَۃٌ بِنُوْرِ بَھَاکَا

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ ۔۔۔ مِنْ زَلَّۃٍ بِکَ فَازَ وَ ھُوَ اَبَاکَا

وَ بِکَ الْخَلِیْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُہٗ ۔۔۔ بَرْدًا وَّ قَدْ خَمِدَتْ بِنُوْرِ سَنَاکَا

وَ دَعَاکَ اَیُّوْبُ لِضُرٍّ مَسَّہٗ ۔۔۔ فَاُزِیْلَ عَنْہُ الضُّرُّ حِیْنَ دَعَاکَا

وَ بِکَ الْمَسِیْحُ اَتٰی بَشِیْرًا مُّخْبِرًا ۔۔۔ بِصِفَاتِ حُسْنِکَ مَا دِحًا لِعُلَاکَا

کَذٰلِکَ مُوْسٰی لَمْ یَزَلْ مُتَوَسِّلًا ۔۔۔ بِکَ فِی الْقِیٰمَۃِ مُحْتَمًا بِحِمَاکَا

وَالْاَنْبِیَآءُ وَ کُلُّ خَلْقٍ فِی الْوَرٰی ۔۔۔ وَالرُّسُلُ وَالْاَمْلَاکُ تَحْتَ لِوَاکَا

"آپ کی وہ مقدس ذات ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہرگز کوئی آدمی پیدا نہ ہوتا۔ اور نہ کوئی مخلوق پیدا ہوتی۔ آپ وہ ہیں کہ آپ کے نور سے چاند کو روشنی ہے اور سورج آپ ہی کے نورِ زیبا سے چمک رہا ہے آپ وہ ہیں کہ جب آدم نے لغزش کے سبب سے آپ کا وسیلہ پکڑا تو وہ کامیاب ہو گئے۔ حالانکہ وہ آپ کے باپ ہیں آپ کے وسیلہ سے خلیل نے دعا مانگی تو آپ کے روشن نور سے آگ ان پر ٹھنڈی ہو گئی اور بجھ گئی۔ اور ایوب نے اپنی مصیبت میں آپ ہی کو پکارا تو اس کے پکارنے پر ان کی مصیبت دور ہو گئی۔ اور مسیح آپ ہی کی بشارت اور آپ ہی کی صفات حسنہ کی خبر دیتے اور آپ کی مدح کرتے ہوئے آئے۔ اسی طرح موسیٰ آپ کا وسیلہ پکڑنے والے اور قیامت میں آپ کے سبزہ زار میں پناہ لینے والے رہے اور انبیاء اور مخلوقات میں سے ہر مخلوق اور پیغمبر اور فرشتے آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔"

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں:

د صلی اللہ علی نور کز شد نور ہا پیدا

زمین از حب او ساکن فلک در عشق او شیدا
محمد احمد و محمود دے زا خالقش بستود
کزوشد بود ہر موجود زوشد دیدہا بینا
اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ، نہ نوح از غرق نجینا
نہ ایوب از بلا راحت نہ یوسف حشمت و جاہت
نہ عیسیٰ آں مسیحا دم نہ موسیٰ آں یدِ بیضا

......☆☆☆......

باب : ۲

حالاتِ نسب وولادت شریف تا بعثت شریف

حضور علیہ السلام کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ اور عدنان حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد سے ہیں۔

خاندانی شرافت وسیادت: رسول اللہ ﷺ کا خاندان عرب میں ہمیشہ سے ممتاز ومعزز چلا آتا تھا۔ نضر (یا فہر) کا لقب قریش تھا۔ اس وجہ سے اس کی اولاد کو قریشی اور خاندان کو قریش کہنے لگے اور اس سے اوپر والے کنانی کہلائے۔ قریش کی وجہ تسمیہ میں بہت سے مختلف اقوال ہیں جن کے ایراد کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں بنی آدم کے بہترین طبقات سے بھیجا گیا۔ ایک قرن بعد دوسرے قرن کے یہاں تک کہ میں اس قرن سے ہوا۔ جس سے کہ ہوا"۔ حدیث مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے کنانہ کو برگزیدہ بنایا۔ اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ بنایا۔ اسی طرح ترمذی شریف میں بہ سند حسن آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو مجھ کو ان کے سب سے اچھے گروہ میں بنایا۔ پس میں روح وذات اور اصل کے لحاظ سے ان سب سے اچھا ہوں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے:

لَمْ يَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ   اَبَدًا وَّ عِلْمِيْ اَنَّهٗ لَا يَخْلُقُ

خدا نے حضرت محمد کا مثل کبھی پیدا نہیں کیا
اور مجھے علم ہے کہ وہ آپ کا مثل پیدا نہ کرے گا

نضر کے بعد فہر اپنے وقت میں رئیس عرب تھا۔ اس کا ہم عصر احسان بن عبد کلال حمیری چاہتا تھا کہ کعبہ کے پتھر اٹھا کر یمن میں لے جائے۔ تا کہ حج کے لیے وہیں کعبہ بنا دیا جائے۔ جب وہ اس ارادے سے حمیر وغیرہ کو ساتھ لے کر یمن سے آیا۔ اور مکہ سے ایک منزل پر مقام نخلہ میں اترا۔ تو فہر نے

قبائل عرب کو جمع کر کے اس کا مقابلہ کیا۔ حمیر کو شکست ہوئی۔ حسان گرفتار ہوا اور تین برس کے بعد فدیہ دے کر رہا ہوا۔ اس واقعہ سے فہر کی ہیبت و عظمت کا سکہ عرب کے دلوں میں جم گیا۔

فہر کے بعد قصی (۱) بن کلاب نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا۔ قصی مذکور آنحضرت ﷺ کے جد خامس ہیں۔ ان کا اصلی نام زید تھا۔ کلاب کی وفات کے بعد ان کی والدہ فاطمہ نے بنو عذرہ میں سے ایک شخص ربیعہ بن حزام سے شادی کر لی تھی۔ وہ فاطمہ کو اپنی ولایت یعنی ملک شام کو لے گیا۔ فاطمہ اپنے ساتھ زید کو بھی لے گئی۔ چونکہ زید ابھی بچہ ہی تھے اور اپنے وطن مالوف سے دور جا رہے تھے اس لیے ان کو قصی (تصغیر اقصی بہ بعید) کہنے لگے۔ جب قصی جوان ہو گئے تو پھر مکہ میں اپنی قوم میں آ گئے۔ اور وہیں حلیل خزاعی کی بیٹی سے شادی کر لی۔ حلیل اس وقت کعبہ کا متولی تھا۔ اس کے مرنے پر تولیت قصی کے ہاتھ آئی۔ اس نے خزاعہ کو بیت المال سے نکال دیا۔ اور قریش کو گھاٹیوں پہاڑیوں اور وادیوں سے جمع کر کے مکہ کے اندر اور باہر آباد کیا۔ اس وجہ سے قصی کو مجمع بھی کہتے ہیں۔

قصی نے کئی کارہائے نمایاں کیے۔ چنانچہ ایک کمیٹی گھر قائم کیا جسے دار الندوہ کہتے ہیں۔ مہمات امور میں مشورے یہاں کرتے۔ لڑائی کے لیے جھنڈا یہیں تیار ہوتا۔ نکاح اور دیگر تقریبات کی مراسم یہیں ادا کرتے۔ حرم کی رفادت و سقایت (۲) کا منصب بھی قصی ہی نے قائم کیا۔ چنانچہ موسم حج میں قریش کو جمع کر کے یہ تقریر کی۔ ''تم خدا کے پڑوسی اور خدا کے گھر کے متولی ہو۔ اور حجاج خدا کے مہمان اور خدا کے گھر کے زائرین ہیں۔ وہ اور مہمانوں کی نسبت تمہاری میزبانی کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لیے ایام حج میں ان کے کھانے پینے کے لیے کچھ مقرر کرو''۔ اس پر قریش نے سالانہ رقم مقرر کی۔ جس سے ہر سال ایام منیٰ میں غریب حاجیوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اسقایت کے لیے قصی نے چرمی حوض بنائے جو ایام حج میں کعبہ کے صحن میں رکھے جاتے تھے ان حوضوں کے بھرنے کے لیے مکہ کے کوؤں کا پانی مشکوں میں اونٹوں پر لایا جاتا تھا۔ ان مناصب کے علاوہ قریش کے باقی شرف بھی یعنی حجابت (کعبہ کی کلید برادری و تولیت) اور لواء (علم بندی) اور قیادت (امارت لشکر) قصی کے ہاتھ میں تھے۔ اور قصی ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے مزدلفہ پر روشنی کی تاکہ لوگوں کو عرفات نظر آ جائے۔

قصی کے چار لڑکے (عبد الدار، عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد) اور دو لڑکیاں (تخمر، برہ) تھیں۔ عبد الدار اگرچہ عمر میں سب سے بڑا تھا۔ مگر شرافت و وجاہت میں اپنے بھائیوں کے ہم پایہ نہ تھا۔ اور عبد مناف تو سب سے اشرف تھے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد رابع تھے۔ ان کا اصلی نام مغیرہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے نور کی جھلک ان کی پیشانی میں ایسی تھی کہ ان کو قمر البطحا (وادی مکہ کا چاند) کہا کرتے تھے۔ جب قصی بہت بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے عبد الدار سے کہا کہ میں تجھے تیرے بھائیوں

کے برابر کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حرم شریف کے تمام مناصب اس کے سپرد کر دیے قصی کی ہیبت کے سبب سے اس وقت کسی نے اعتراض نہ کیا۔ مگر قصی کے بعد جب عبدالدار اور عبدمناف کا بھی انتقال ہو چکا تو عبدمناف کے بیٹوں (ہاشم، عبدشمس، مطلب، نوفل) نے اپنا استحقاق ظاہر کیا اور چاہا کہ حرم شریف کے وظائف عبدالدار کی اولاد سے چھین لیں۔ اس پر قریش میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بنو اسد بن عزیٰ اور بنو زہرہ بن کلاب اور بنو تیم بن مرہ اور بنو حارث بن فہر یہ سب بنو عبدمناف کی طرف اور بنومخزوم اور بنو سہم اور بنو جمح اور بنو عدی بن کعب دوسری طرف ہو گئے۔ بنو عبدمناف اور ان کے احلاف نے قسمیں کھا کر معاہدہ کیا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ اور یک جہتی کے اظہار کے لیے ایک پیالہ خوشبو سے بھر کر حرم شریف میں رکھا۔ اور سب نے اس میں اپنی انگلیاں ڈبوئیں۔ اس لیے ان پانچ قبائل کو مطیبین کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے فریق نے باہم معاہدہ کیا اور ایک پیالہ خون سے بھر کر اس میں اپنی انگلیاں ڈبو کر چاٹ لیں۔ اس لیے ان پانچ قبائل کو لعقۃ الدم (خون کے چاٹنے والے) کہتے ہیں۔ غرض ہر دو فریق لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر اس بات پر صلح ہو گئی کہ سقایت و رفادت و قیادت بنو عبد مناف کو دی جائے۔ اور حجابت و لواء و ندوہ بدستور بنو عبدالدار کے پاس رہے۔ چنانچہ ہاشم کو جو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ سقایت و رفادت ملی۔ ہاشم کے بعد مطلب کو اور مطلب کے بعد عبدالمطلب اور عبدالمطلب کے بعد ابو طالب کو ملی۔ اور ابو طالب نے اپنے بھائی عباس کے حوالہ کر دی۔ قیادت عبد شمس کو دی گئی۔ عبد شمس کے بعد اس کے بیٹے امیہ کو پھر امیہ کے بیٹے حرب کو پھر حرب کے بیٹے ابوسفیان کو عطا ہوئی۔ اس لیے جنگ احد اور احزاب میں ابوسفیان ہی قائد تھا۔ جنگ بدر کے وقت وہ قافلہ قریش کے ساتھ تھا۔ اس لیے عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس امیر الجیش تھا۔ دار الندوہ عبدالدار کی اولاد میں رہا۔ یہاں تک کہ عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ انہوں نے اسے دار الامارت بنا لیا اور آخر کار حرم میں شامل ہو گیا۔ حجابت آج تک عبدالدار کی اولاد میں ہے۔ اور وہ بنو شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار ہیں۔ لواء بھی اسی کی اولاد میں رہا۔ چنانچہ جنگ احد میں جھنڈا ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ جب ایک قتل ہو جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لیتا۔ اس طرح ان کی ایک جماعت قتل ہو گئی۔

ہاشم (۳) نے منصب رفادت و سقایت کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو صبح کے وقت کعبہ سے پشت لگا کر یوں خطاب کرتے تھے۔ "اے قریش کے گروہ! تم خدا کے گھر کے پڑوسی ہو۔ خدا نے بنی اسمٰعیل میں سے تم کو اس کی تولیت کا شرف بخشا ہے اور تم کو اس کے پڑوس کے لیے خاص کیا ہے۔ خدا کے زائرین تمہارے پاس آ رہے ہیں جو اس کے گھر کی تعظیم کرتے ہیں۔ پس وہ اس خدا

کے مہمان ہیں۔ اور خدا کے مہمانوں کی میزبانی کا حق سب سے زیادہ تم پر ہے۔ اس لیے تم خدا کے مہمانوں اور اس کے گھر کے زائرین کا اکرام کرو۔ جو ہر ایک شہر سے تیروں جیسی لاغر اور سبک اندام اونٹنیوں پر ژولیدہ مو اور غبار آلودہ آ رہے ہیں۔ اس گھر کے رب کی قسم اگر میرے پاس اس کام کے لیے کافی سرمایہ ہوتا تو میں تمہیں تکلیف نہ دیتا میں اپنے کسب حلال کی کمائی میں سے دے رہا ہوں۔ تم میں سے بھی جو چاہے ایسا کرے۔ میں اس گھر کی حرمت کا واسطہ دے کر گزارش کرتا ہوں کہ جو شخص بیت اللہ کے زائرین کو اپنے مال سے دے، وہ بجز حلال کی کمائی کے نہ ہو"۔ اس تقریر پر قریش اپنے حلال مالوں میں سے دیا کرتے اور دارالندوہ میں جمع کر دیتے۔

ہاشم کا اصلی نام عمرو تھا۔ علو رتبہ کے سبب عمرو العلا کہلاتے تھے۔ نہایت مہمان نواز تھے، ان کا دستر خوان ہر وقت بچھا رہتا تھا۔ ایک سال قریش میں سخت قحط پڑا۔ یہ ملک شام سے خشک روٹیاں خرید کر ایام حج میں مکہ پہنچے اور روٹیوں کا چورہ کر کے اونٹوں کے گوشت کے شوربے میں ڈال کر ثرید بنایا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلایا۔ اس دن سے ان کو ہاشم (روٹیوں کا چورہ کرنے والا) کہنے لگے۔

عبد مناف کے صاحبزادوں نے قریش کی تجارت کو بہت ترقی دی اور دول خارجہ کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے ان سے کاروان قریش کے لیے فرامین حفظ و امن حاصل کیے۔ چنانچہ ہاشم نے قیصر روم اور ملک غسان سے اور عبد شمس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے اور نوفل نے اکاسرہ عراق سے اور مطلب نے یمن کے شاہ حمیر سے اسی قسم کے فرمان لکھوا لیے۔ اس کے بعد ہاشم نے قریش کے لیے سال میں دو تجارتی سفر مقرر کیے اس لیے قریش موسم سرما میں یمن و حبشہ میں اور گرما میں عراق و شام میں جاتے اور ایشیائے کوچک کے مشہور شہر انقرہ (انگورہ) تک پہنچ جاتے۔

ہاشم کی پیشانی میں نور محمدی چمک رہا تھا۔ احبار میں سے جو آپ کو دیکھتا آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا۔ قبائل عرب و احبار میں سے آپ کو شادی کے پیام آتے مگر آپ انکار کر دیتے۔ ایک دفعہ بغرض تجارت آپ ملک شام کو گئے۔ راستے میں مدینہ بنو عدی بن نجار میں سے ایک شخص عمرو بن زید بن لبید خزرجی کے ہاں ٹھہرے۔ اس کی صاحبزادی سلمیٰ حسن و صورت و شرافت میں اپنی قوم کی تمام عورتوں میں ممتاز تھی۔ آپ نے اس سے شادی کر لی۔ مگر عمرو نے ہاشم سے یہ عہد لیا کہ سلمیٰ (۴) جو اولاد جنے گی وہ اپنے میکے میں جنے گی۔ شادی کے بعد ہاشم شام کو چلے گئے۔ جب واپس آئے تو سلمیٰ کو اپنے ساتھ مکہ میں لے آئے۔ حمل کے آثار بخوبی محسوس ہوئے تو سلمیٰ کو مدینہ میں چھوڑ کر آپ شام کو چلے گئے۔ اور وہیں غزہ (۵) میں پچیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اور غزہ ہی میں دفن ہوئے۔ سلمیٰ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کے سر میں کچھ سفید بال تھے۔ اس لیے ان کا نام شیبہ رکھا گیا۔ اور شیبۃ الحمد بھی کہتے

تھے۔ حمد کی نسبت اس کی طرف اس امید پر کی گئی کہ اس سے افعال نیک سرزد ہوں گے۔ جس کے سبب سے لوگ اس کی تعریف کیا کریں گے شیبہ سات یا آٹھ سال مدینہ ہی میں رہے۔ پھر مطلب کو خبر لگی تو بھتیجے کو لینے کے لیے مدینہ میں پہنچے۔ جب مدینہ سے واپس آئے تو شیبہ کو اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کر لیا۔ شیبہ کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ جب چاشت کے وقت مکہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے مطلب سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ مطلب نے کہا یہ میرا عبد (غلام) ہے۔ اس وجہ سے شیبہ کو عبدالمطلب کہنے لگے۔ وجہ تسمیہ میں بعضوں نے اور قول بھی نقل کیے ہیں۔

مطلب کے بعد اہل مکہ کی ریاست عبدالمطلب کو ملی (۶)۔ اور رفادت و سقایت ان کے حوالہ ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کا نور ان کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ ان سے کستوری کی سی خوشبو آتی تھی۔ جب قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا تو عبدالمطلب کو کوہ شبیہ پر لے جاتے اور ان کے وسیلہ سے بارگاہ رب العزت میں دعا مانگتے۔ اور ایام قحط میں ان کے واسطے سے طلب باراں کرتے اور وہ دعا قبول ہوتی۔ عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جو تحنث کیا کرتے تھے۔ یعنی ہر سال ماہ رمضان میں کوہ حرا میں جا کر خدا کے گیان دھیان میں گوشہ نشین رہا کرتے۔ وہ موحد تھے۔ شراب و زنا کو حرام جانتے تھے۔ نکاح محارم سے اور بحالت برہنگی طواف کعبہ سے منع کرتے۔ لڑکیوں کے قتل سے روکتے۔ چور کا ہاتھ کاٹ دیتے۔ بڑے مستجاب الدعوات اور فیاض تھے اپنے دستر خوان سے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پرند چرند کو کھلایا کرتے تھے۔ اس لیے انہیں مطعم الطیر (پرندوں کو کھلانے والے) کہتے تھے یہ سب کچھ نور محمدی کی برکت سے تھا۔

عبدالمطلب نے چاہ زمزم کو نئے سرے سے کھدوا کر درست کیا۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ حضرت اسماعیل علیٰ نبینا و علیہ السلام کے بعد کعبہ کی تولیت نابت بن اسمٰعیل کے سپرد ہوئی نابت کے بعد نابت کا نانا مضاض بن عمرو جرہمی متولی ہوا۔ جب بنو جرہم حرم شریف کی بے حرمتی کرنے اور کعبہ کے مال اپنے خرچ میں لانے لگے تو بنو بکر بن عبد مناف بن کنانہ اور غبشان خزاعی نے ان کو مکہ سے یمن کی طرف نکال دیا۔ اس وقت سے خزاعہ متولی ہوئے۔ خزاعہ میں سے اخیر متولی حلیل بن حبشیہ تھا۔ جس کے بعد تولیت قصی کے ہاتھ آئی جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی نے جاتے وقت کعبہ کے ہر دو غزال طلائی اور حجر رکن کو زمزم میں ڈال کر اسے ایسا بند کر دیا تھا کہ مدت گزرنے پر کسی کو اس کا نشان تک معلوم نہ رہا۔ آخر کار عبدالمطلب کو خواب میں اس کے کھودنے کا اشارہ ہوا۔ عبدالمطلب کے ہاں اس وقت صرف ایک صاحبزادہ حارث تھا۔ اسی کو ساتھ لے کر کھودنے لگے۔ جب کوئیں کا بالائی حصہ نظر آیا تو خوشی میں تکبیر کہی۔ کھودتے کھودتے ہر دو غزال اور کچھ تلواریں اور زرہیں برآمد ہوئیں۔ یہ دیکھ کر

قریش نے کہا کہ اس میں ہمارا بھی حق ہے۔ عبدالمطلب نے بجائے مقابلہ کے اس معاملہ کو قرعہ اندازی پر چھوڑا چنانچہ ہر دو غزال کا قرعہ کعب پر اور تلواروں اور زرہوں کا قرعہ عبدالمطلب پر پڑا اور قریش کے نام کچھ نہ نکلا۔ اس طرح عبدالمطلب نے زمزم کو کھود کر درست کیا۔ اس وقت سے زمزم کا پانی حاجیوں کے کام آنے لگا۔ اور مکہ کے کنوؤں کے پانی کی ضرورت نہ رہی۔

زمزم کے کھودنے میں عبدالمطلب نے اپنے معاونین کی قلت محسوس کر کے یہ منت مانی تھی کہ اگر میں اپنے سامنے دس بیٹوں کو جوان دیکھ لوں۔ تو ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں قربان کروں گا۔ جب مراد بر آئی تو ایفائے نذر کے لیے دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے۔ اور پجاری سے اپنی نذر کا حال بیان کیا اور کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو دیکھو کس کا نام نکلتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے اپنے نام کا قرعہ دیا۔ ایک طرف پجاری قرعہ نکال رہا تھا۔ دوسری طرف عبدالمطلب یوں دعا کر رہے تھے۔ "یا اللہ میں نے ان میں سے ایک کی قربانی کی منت مانی تھی اب میں ان پر قرعہ اندازی کرتا ہوں تو جسے چاہتا ہے اس کا نام نکال"۔ اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا۔ جو رسول اللہ ﷺ کے والد اور عبدالمطلب کو سب بیٹوں میں پیارے تھے۔ عبدالمطلب چھری ہاتھ میں لے کر ان کو قربان گاہ کی طرف لے چلے۔ مگر قریش اور عبداللہ کے بھائی مانع ہوئے۔ آخر کار عبداللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈال گیا اتفاق یہ کہ عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ پھر عبداللہ اور بیس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا مگر نتیجہ وہی نکلا۔ بڑھاتے بڑھاتے سو اونٹوں پر نوبت پہنچی تو قرعہ اونٹوں پر نکلا۔ چنانچہ عبدالمطلب نے سو اونٹ قربانی کیے، اور عبداللہ بچ گئے۔ اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے انا ابن الذبیحین یعنی میں دو ذبیح (اسمٰعیل وعبداللہ) کا بیٹا ہوں۔

جب عبدالمطلب اونٹوں کی قربانی سے فارغ ہوئے تو عبداللہ کی شادی کی فکر ہوئی۔ عبداللہ نور محمدی کے سبب کمال حسن و جمال رکھتے تھے۔ قضیہ ذبح سے اور مشہور ہو گئے۔ قریش کی عورتیں ان کی طرف مائل تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو پردہ عفت وعصمت میں محفوظ رکھا۔ عبدالمطلب ان کے لیے ایسی عورت کی تلاش میں تھے جو شرف نسب وحسب وعفت میں ممتا ہو۔ اس لیے وہ ان کو بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کے ہاں لے گئے۔ وہب کی بیٹی آمنہ زہریہ قرشیہ نسب وشرف میں قریش کی تمام عورتوں سے افضل تھیں عبدالمطلب نے وہب کو عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ اور وہیں عقد ہو گیا (۷)۔ بعض کہتے ہیں کہ آمنہ اپنے چچا وہب کے پاس رہتی تھیں۔ عبدالمطلب نے وہب کو پیغام دیا اور نکاح ہو گیا اور اسی مجلس میں خود عبدالمطلب نے وہب کی صاحبزادی ہالہ سے شادی کی۔

عبدالمطلب کے ہاں بقول ابن ہشام پانچ بیویوں سے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں جن کی تفصیل یوں ہے:

زوجہ کا نام	اولاد
سمراء بنت جندب ہوازنیہ	حارث (۸)
لبنیٰ بنت ہاجرہ خزاعیہ	ابولہب (اصلی نام عبدالعزیٰ)
فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ	ابو طالب (اصلی نام عبد مناف) زبیر۔ عبداللہ (والد رسول اللہ)۔ بیضاء۔ عاتکہ۔ برہ۔ امیمہ۔ اروی۔
ہالہ بنت وہیب زہریہ	حمزہ۔ مقوم۔ حجل۔ صفیہ۔
نتیلہ بنت خباب خزرجیہ	عباس۔ ضرار۔

جب نورِ محمدی حضرت آمنہ کے رحم مبارک میں منتقل ہو گیا تو کئی عجائبات ظہور میں آئے۔ اس سال قریش میں سخت قحط سالی تھی۔ اس نور کی برکت سے زمین پر جابجا روئیدگی کی مخملی چادر نظر آنے لگی۔ درختوں نے اپنے پھل جھکا دیے اور مکہ میں اس قدر فراخ سالی ہوئی کہ اس سال کو سَنَۃُ الْفَتْح وَالابتھاج کہنے لگے۔ قریش کا ہر ایک چار پایہ فصیح عربی زبان میں حضرت آمنہ کے حمل کی خبر دینے لگا۔ بادشاہ کے تخت اور بت اوندھے گر پڑے۔ مشرق و مغرب کے وحشی چرند پرند اور دریائی جانوروں نے ایک دوسرے کو خوشخبری دی۔ جن پکار اٹھے کہ حضرت کا زمانہ قریب آ گیا۔ کہانت کی آبرو جاتی رہی اور رہبانیت پر خوف طاری ہوا۔ حضرت کی والدہ ماجدہ نے خواب میں سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے "تیرے پیٹ میں جہان کا سردار ہے۔ جب وہ پیدا ہوں تو ان کا نام محمد رکھنا"۔

حضرت عبداللہ کی وفات: جب قول مشہور کے موافق حمل شریف کو دو مہینے پورے ہو گئے تو حضرت کے دادا عبدالمطلب نے آپ کے والد حضرت عبداللہ کو مدینہ میں کھجوریں لانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہ وہاں اپنے والد کے ننھیال بنو عدی بن نجار میں ایک ماہ بیمار رہ کر انتقال فرما گئے۔ اور وہیں دار نابغہ میں دفن ہوئے۔ بعضے کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو تجارت کے لیے ملک شام بھیجا تھا۔ وہ واپس آتے ہوئے مدینہ میں بنو عدی میں ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ حضرت عبداللہ کا ترکہ ایک لونڈی ام ایمن برکہ حبشیہ اور پانچ اونٹ اور کچھ بکریاں تھیں۔

واقعہ اصحابِ فیل: تولد شریف سے ۵۵ دن پہلے ایک واقعہ پیش آیا جو اصحاب فیل کا واقعہ کر کے مشہور ہے۔ اس واقعہ کی کیفیت بطریق اختصار یوں ہے کہ اس وقت شاہ حبشہ کی طرف سے ابرہہ یمن کا گورنر تھا۔ اس نے شہر صنعاء میں ایک کلیسا بنایا اور شاہ حبشہ کو لکھا کہ میں نے آپ کے لیے ایک بے نظیر کلیسا بنوایا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ عرب کے لوگ آئندہ خانہ کعبہ کو چھوڑ کر یہیں حج و طواف کیا کریں۔ جب یہ خبر عرب میں مشہور ہو گئی تو بنی کنانہ میں سے ایک شخص نے غصہ میں آ کر اس کلیسا میں بول و براز کر دیا۔ یہ دیکھ کر ابرہہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دوں تو میرا نام ابرہہ نہیں۔ اسی وقت فوج و ہاتھی لے کر کعبہ پر چڑھائی کی۔ یہاں تک کہ مقام مغمس میں جو مکہ مشرفہ سے دو میل ہے جا اترا۔ اور ایک سردار کو حکم دیا کہ اہل مکہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے۔ چنانچہ وہ سردار قریش کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک لایا جن میں دو سو اونٹ عبدالمطلب بن ہاشم کے بھی تھے۔ بعد ازاں ابرہہ کی طرف سے حناطہ حمیری گیا اور عبدالمطلب کو ابرہہ کے پاس لے آیا۔ ابرہہ نے عبدالمطلب کا بڑا اکرام کیا اور دونوں میں بذریعہ ترجمان یہ گفتگو ہوئی:

ابرہہ: تم کیا چاہتے ہو؟

عبدالمطلب: میرے اونٹ واپس کر دو۔

ابرہہ: (متعجب ہو کر) تمہیں اونٹوں کا تو خیال ہے۔ مگر خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین ہے اور جسے میں ڈھانے آیا ہوں اس کا نام تک نہیں لیتے۔

عبدالمطلب: میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ خانہ کعبہ کا مالک اور ہے۔ وہ اپنے گھر کو بچائے گا۔

ابرہہ: خانہ کعبہ مجھ سے بچ نہیں سکتا۔

عبدالمطلب: پھر تم جانو اور وہ۔

اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر مکہ میں واپس آ گیا اور قریش سے کہنے لگا کہ شہر مکہ سے نکل جاؤ اور پہاڑوں کے دروں میں پناہ لو۔ یہ کہہ کر خود چند آدمیوں کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں گیا اور دروازے کا حلقہ پکڑ کر یوں دعا کی:

لاھمّ ان العبد یمنع رحلہ فامنع دارك لایغلبنّ صلیبھم ومحالھم غلوا محالك
ان کنت تارکھم و قبلتنا فأمر ما بدالك

"اے اللہ! بندہ اپنے گھر کو بچایا کرتا ہے تو بھی اپنا گھر بچا۔
ایسا نہ ہو کہ کل کو ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر غالب آ جائے۔
اگر تو ہمارے قبلہ کو ان پر چھوڑنے لگا ہے تو حکم کر جو چاہتا ہے۔"

ادھر عبدالمطلب یہ دعا کر کے اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑوں کے درے میں پناہ گزیں ہوا۔ ادھر صبح کو ابرہہ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے فوج اور ہاتھی لے کر تیار ہوا۔ جب اس نے ہاتھی کا منہ مکہ کی طرف کیا تو وہ بیٹھ گیا۔ بہتیرے آنکس مارے مگر نہ اٹھا۔ آخر مکہ کی طرف سے اس کا منہ موڑ کر اٹھایا تو اٹھا اور تیز بھاگنے لگا۔ غرض جب مکہ کی طرف اس کا منہ کرتے تو بیٹھ جاتا۔ اور کسی دوسری طرف کرتے تو اُٹھ کر بھاگتا۔ اسی حال میں اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف ابابیلوں کے غول کے غول بھیجے۔ جن کے پاس کنکریاں تھیں۔ ایک ایک چونچ میں اور دو دو پنجوں میں انہوں نے کنکریوں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ جس پر کنکر گرتی ہلاک ہو جاتا۔ یہ دیکھ کر ابرہہ کا لشکر بھاگ نکلا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر دشمن سے بچالیا۔ قرآن مجید سورہ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

قصہ اصحاب فیل میں دو طرح سے حضرت کی کرامت ظاہر ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر اصحاب فیل غالب آتے تو وہ حضرت کی قوم کو قید کر لیتے اور غلام بنا لیتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو ہلاک کر دیا۔ تاکہ اس کے حبیب پاک پر حمل و طفولیت کی حالت میں اسیری و غلامی کا دھبہ نہ لگے۔ دوسرے یہ کہ اصحاب فیل نصاریٰ اہل کتاب تھے جن کا دین قریش کے دین سے جو بت پرست تھے یقیناً بہتر تھا۔ مگر یہ کہ حضرت کے وجود باجود کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی حرمت قائم رکھنے کے لیے قریش کو باوجود بت پرست ہونے کے اہل کتاب پر فتح دی۔ یہ واقعہ حضرت کی نبوت کا پیش خیمہ تھا۔ کیوں کہ آپ کے دین میں اسی بیت اللہ کی تعظیم اسی کے حج اور اسی کی طرف نماز کا حکم ہوا۔

تولد شریف: جب حمل شریف کو چاند کے حساب سے پورے نو مہینے ہو گئے تو حضور اقدس ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن فجر کے وقت کہ ابھی بعض ستارے آسمان پر نظر آ رہے تھے پیدا ہوئے۔ دونوں ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے۔ سر آسمان طرف اٹھا ہوئے (جس سے آپ اپنے علو مرتبہ کی طرف اشارہ فرما رہے تھے) بدن بالکل پاکیزہ اور تیز بو کستوری کی طرح خوشبودار ختنہ کیے ہوئے۔ ناف بریدہ۔ چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح نورانی۔ آنکھیں قدرتِ الٰہی سے سرمگیں۔ دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت درخشاں۔ آپ کی والدہ نے آپ کے دادا عبدالمطلب کو جو اس وقت خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے بلا بھیجا۔ وہ حضرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور بیت اللہ شریف میں لے جا کر آپ کے لیے صدق دل سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی ثُوَیبہ نے ابولہب کو تولد شریف کی خبر دی تو اس نے اس خوشی میں ثُوَیبہ کو آزاد کر دیا۔

حضرت جس مہینے میں پیدا ہوئے۔ اس کا نام تو ربیع تھا ہی۔ مگر وہ موسم بھی ربیع (بہار) کا تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ربیع فی ربیع فی ربیع و نور فوق نور فوق نور

چہرہ مبارک ۱۲ موسم ربیع ۱۲ ماہ تولد شریف ۱۲

تولد شریف کی خوشی کا ثمرہ: ابولہب کی موت کے ایک سال بعد حضرت عباس نے خواب میں ابولہب کو برے حال میں دیکھا۔ پوچھا تجھے کیا ملا؟ ابولہب نے جواب دیا:

لم الق بعد کم غیر انی سقیت فی ھٰذہ بعتاقتی ثویبۃ۔

"تمہارے بعد مجھے کچھ آرام نہیں ملا سوائے اس کے کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کے سبب سے بمقدار اس (مغاک میان ابہام وسبابہ) کے پانی مل جاتا ہے جسے میں پی لیتا ہوں۔"

اس حدیث (۹) عزدہ بن زبیر کا مطلب یہ ہے کہ ابولہب بتا رہا ہے کہ میرے اعمال رائیگاں گئے سوائے ایک کے اور وہ یہ کہ میں نے حضرت کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ اس ایک عمل کا فائدہ باقی رہ گیا۔ اور وہ یوں ہے کہ اس کے بدلے ہر دوشنبہ کو ابہام وسبابہ کے درمیانی مغاک کی مقدار مجھے پانی مل جاتا ہے جسے میں انگلیوں سے چوس لیتا ہوں اور عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ یہ حضور رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات سے ہے۔ ورنہ کافر کا کوئی عمل فائدہ نہ دے گا۔

فقیر توکلی گزارش کرتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کے تولد شریف پر خوشی منانے سے ایک کافر کو یہ فائدہ پہنچا تو قیاس کیجئے کہ ایک مسلمان جو ہر سال میلاد شریف کراتا اور حضور احمد مختار ﷺ کے تولد شریف پر خوشیاں مناتا اس دارِ فانی سے رخصت ہو جائے تو اسے کس قدر فائدہ پہنچے گا۔

تولد شریف کے وقت خوارق: تولد شریف کے وقت غیب سے عجیب وغریب اور خارق عادت امور ظاہر ہوئے تاکہ آپ کی نبوت کی بنیاد پڑ جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ وپسندیدہ ہیں اور ان کے نور سے حرم شریف کی پست زمین اور ٹیلے روشن ہو گئے۔ آپ کے ساتھ ایسا نور نکلا کہ مکہ مشرفہ کے رہنے والوں کو ملک شام کے قیصری محل نظر آ گئے۔ شیاطین پہلے آسمانوں پر چلے جاتے اور کاہنوں کو بعض مغیبات کی خبر دے دیتے تھے اور وہ لوگوں کو کچھ اپنی طرف سے ملا کر بتا دیا کرتے تھے۔ اب آسمانوں میں ان کا آنا جانا بند کر دیا گیا۔ اور آسمانوں کی حفاظت شہاب ثاقب سے کر دی گئی۔ اس طرح وحی وغیر وحی میں خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ جاتا رہا۔ شہر مدائن میں محل کسریٰ پھٹ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ اس میں اشارہ تھا کہ چودہ حکمرانوں کے بعد ملک فارس خادمانِ اسلام کے قبضہ میں آ جائے گا (۱۰)۔ فارس کے آتش کدے ایسے سرد پڑ گئے کہ ہر چند ان میں آگ جلانے کی کوشش کی جاتی تھی مگر نہ جلتی تھی بحیرہ ساوہ جو

ہمدان وقم کے درمیان چھ میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا اور جس کے کناروں پر شرک و بت پرستی ہوا کرتی تھی یکایک بالکل خشک ہو گیا۔ وادی ساوہ (شام و کوفہ کے درمیان) کی ندی جو بالکل خشک پڑی تھی لبالب بہنے لگی۔

رضاعت: آنحضرت ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے کئی دن دودھ پلایا۔ پھر ابولہب کی آزاد کی ہوئی لونڈی ثویبہ نے چند روز ایسا ہی کیا۔ بعد ازاں حلیمہ سعدیہ نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی۔

قریش میں دستور تھا کہ شہر کے لوگ اپنے شیر خوار بچوں کو بدوی آبادی میں بھیج دیا کرتے تھے تاکہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت اور عرب کی خالص خصوصیات حاصل کریں اور مدت رضاعت کے ختم ہونے پر عوضانہ دے کر واپس لے آتے تھے۔ اس لیے نواح مکہ کے قبائل کی بدوی عورتیں سال میں دو دفعہ ربیع و خریف میں بچوں کی تلاش میں شہر مکہ میں آیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس دفعہ قحط سالی میں حلیمہ سعدیہ اپنے قبیلہ کی دس عورتوں کے ساتھ اسی غرض سے شہر میں آئی۔ حلیمہ کے ساتھ اس کا شیر خوار بچہ عبداللہ نام، اس کا شوہر حارث بن عبدالعزیٰ سعدی، ایک دراز گوش اور ایک اونٹنی تھی۔ بھوک کے مارے نہ اونٹنی دودھ کا ایک قطرہ دیتی تھی اور نہ حلیمہ کی چھاتیوں میں کافی دودھ تھا۔ اس لیے بچہ بے چین رہتا تھا۔ اور رات کو اس کے رونے کے سبب سے میاں بیوی سو بھی نہ سکتے تھے۔ اب قسمت جاگی تو حلیمہ کو جو شرف و کمال میں مشہور تھی ایسا مبارک رضیع مل گیا کہ ساری زحمت کافور ہو گئی۔ دیکھتے ہی دائیں چھاتی سے لگا لیا۔ دودھ نے جوش مارا۔ حضرت نے پیا اور بائیں چھاتی چھوڑ دی جس سے حلیمہ کے بچہ نے پیا۔ اس کے بعد بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ یہ عدل جبلی کا نتیجہ تھا۔ ڈیرے پر پہنچی تو پھر دونوں بچوں نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ حارث نے اٹھ کر اونٹنی کو جو دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے جس سے میاں بیوی سیر ہو گئے اور رات آرام سے کٹی۔ اس طرح تین راتیں مکہ میں گزار کر حضرت آمنہ کو وداع کر دیا گیا اور حلیمہ اپنے قبیلہ کو آئی اس نے حضرت کو اپنے آگے دراز گوش پر سوار کر لیا۔ دراز گوش نے پہلے کعبہ کی طرف تین سجدے کر کے سر آسمان کی طرف اٹھایا گویا شکریہ ادا کیا کہ اس سے یہ خدمت لی گئی۔ پھر روانہ ہوئی۔ اور حضرت کی برکت سے ایسی چست و چالاک بن گئی کہ قافلہ کے سب چوپایوں سے آگے چل رہی تھی حالانکہ جب آئی تھی تو کمزوری کے سبب سے سب سے پیچھے رہ جاتی تھی۔ ساتھ کی عورتیں حیران ہو کر پوچھتیں تھیں ابو ذویب کی بیٹی! کیا یہ وہی دراز گوش ہے؟ حلیمہ جواب دیتی، واللہ یہ وہی ہے بنو سعد میں اس وقت سخت قحط تھا۔ مگر حضرت کی برکت سے حلیمہ کے مویشی سیر ہو کر آتے اور خوب دودھ دیتے۔ اور دوسروں کے مویشی بھوکے آتے اور وہ دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ

دیتے۔ اس طرح حلیمہ کی سب تنگ دستی دور ہوگئی (۱۱)۔

حلیمہ حضرت کو کسی دور جگہ نہ جانے دیتی تھی۔ ایک روز وہ غافل ہوگئی۔ اور حضرت اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ دوپہر کے وقت بھیڑوں کے ریوڑ میں تشریف لے گئے مائی حلیمہ تلاش میں نکلی۔ اور آپ کو شیماء کے ساتھ پایا۔ کہنے لگی ایسی تپش میں؟ شیما بولی (۱۲): ''اما جان میرے بھائی نے تپش محسوس نہیں کی۔ بادل آپ پر سایہ کرتا تھا۔ جب آپ ٹھہر جاتے تو بادل بھی ٹھہر جاتا اور جب آپ چلتے تو بادل بھی چلتا۔ یہی حال رہا یہاں تک کہ ہم اس جگہ آپہنچے ہیں''۔

جب حضرت دو سال کے ہوگئے تو مائی حلیمہ نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔ اور آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لے کر آئی اور کہا۔ کاش تو اپنے بیٹے کو میرے پاس اور رہنے دے تاکہ قوی ہو جائے۔ کیوں کہ مجھے اس پر وبائے مکہ کا ڈر ہے۔ یہ سن کر بی بی آمنہ نے آپ کو حلیمہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ حلیمہ کا بیان ہے کہ ہمیں واپس آئے دو یا تین مہینے گزرے تھے کہ ایک روز حضرت اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ ہمارے گھروں کے پیچھے ہماری بھیڑوں میں تھے کہ آپ کا بھائی دوڑتا آیا۔ کہنے لگا کہ میرے اس قریشی بھائی کے پاس دو شخص آئے جن پر سفید کپڑے ہیں۔ انہوں نے پہلو کے بل لٹا کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ یہ سن کر میں اور میرا خاوند دوڑے گئے۔ دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں اور چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ ہم دونوں آپ کے گلے لپٹ گئے اور پوچھا، بیٹا! تجھے کیا ہوا؟ آپ نے بیان کیا کہ دو شخص میرے پاس آئے جن پر سفید کپڑے تھے۔ انہوں نے پہلو کے بل لٹا کر میرا پیٹ پھاڑ دیا۔ اور اس میں سے ایک خون کی پھٹکی نکال کر کہا: هٰذَا حَظُّ الشَّيْطٰنِ مِنْكَ (یہ تجھ سے شیطان کا حصہ ہے) پھر اسے ایمان و حکمت سے بھر کر سی دیا۔ پس ہم آپ کو اپنے خیمہ میں لے آئے۔ میرے خاوند نے کہا، حلیمہ! مجھے ڈر ہے اس لڑکے کو کچھ آسیب ہے۔ آسیب ظاہر ہونے سے پہلے اسے اس کے کنبے میں چھوڑ آ۔ میں آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لائی اور بڑے اصرار کے بعد اس سے حقیقت حال بیان کی۔ ماں نے کہا: اللہ کی قسم ان پر شیطان کو دخل نہیں۔ میرے بیٹے کی بڑی شان ہے۔

تعددِ شقِ صدر: واضح رہے کہ حضور علیہ السلام کا شق صدر چار مرتبہ ہوا ہے۔ ایک وہ جس کا ذکر اوپر ہوا۔ یہ اس واسطے تھا کہ حضور انور وساوس شیطان سے جن میں بچے مبتلا ہوا کرتے ہیں محفوظ رہیں۔ اور بچپن ہی سے اخلاق حمیدہ پر پرورش پائیں۔ دوسری مرتبہ دس برس کی عمر میں ہوا تاکہ آپ کامل ترین اوصاف پر جوان ہوں۔ تیسری مرتبہ غارِ حرام میں بعثت کے وقت ہوا تاکہ آپ وحی کے بوجھ کو برداشت کر سکیں۔ چوتھی مرتبہ شب معراج میں ہوا تاکہ آپ مناجات الٰہی کے لیے تیار ہو جائیں۔

حضرت آمنہ کی وفات: حضرت کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ میں آپ کے دادا کے ننہال بنو عدی بن نجار میں ملنے گئیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں۔ ام ایمن بھی ساتھ تھی۔ جب واپس آئی تو راستے میں مقام ابوا میں انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔

ہجرت کے بعد جب حضرت کا گذر بنو نجار پر ہوا تو اپنے قیام مدینہ کا نقشہ سامنے آ گیا اور اپنے قیام گاہ کو دیکھ کر فرمایا۔ "اس گھر میں میری والدہ مکرمہ مجھے لے کر ٹھہری تھیں۔ میں بنی عدی بن نجار کے تالاب میں تیرا کرتا تھا"۔ (مواہب لدنیہ)

عبدالمطلب و ابو طالب کی کفالت: ام ایمن حضرت کو مکہ میں لائیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب کے حوالہ کیا۔ عبدالمطلب آپ کی پرورش کرتا رہا۔ مگر جب آپ کی عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو اس نے بھی وفات پائی اور حسب وصیت آپ کا چچا ابو طالب جو حضرت علی کا باپ اور آپ کے والد عبداللہ کا ماں جایا بھائی تھا۔ آپ کی تربیت کا کفیل ہوا۔ ابو طالب نے آپ کی کفالت کو بہت اچھی طرح انجام دیا۔ اور آپ کو اپنی ذات اور بیٹوں پر مقدم رکھا۔

طفولیت میں حضرت کی دعا سے نزولِ باراں: ایک دفعہ ابو طالب نے حضرت کو ساتھ لے کر بارش کے لیے دعا کی تھی جو حضور کی برکت سے فوراً قبول ہوئی تھی۔ چنانچہ ابن عساکر جہلمہ بن عرفطہ سے ناقل ہے کہ اس نے کہا کہ میں مکہ میں آیا۔ اہل مکہ قحط میں مبتلا تھے۔ ایک بولا کہ لات وعزیٰ کے پاس چلو دوسرا بولا کہ منات کے پاس چلو۔ یہ سن کر ایک خوبرو جید الرائے بوڑھے نے کہا تم کہاں الٹے جا رہے ہو۔ حالانکہ ہمارے درمیان باقیہ ابراہیم وسلالہ اسماعیل موجود ہے۔ وہ بولے کیا تمہاری مراد ابو طالب ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ پس وہ سب اٹھے اور میں بھی ساتھ ہو لیا۔ جا کر دروازے پر دستک دی ابو طالب نکلا تو کہنے لگے: "ابو طالب! جنگل قحط زدہ ہو گیا۔ ہمارے زن و فرزند قحط میں مبتلا ہیں۔ چل مینہ مانگ"۔ پس ابو طالب نکلا اس کے ساتھ ایک لڑکا تھا۔ گویا آفتاب تھا۔ جس سے ہلکا سیاہ بادل دور ہو گیا ہو۔ اس کے گرد اور چھوٹے چھوٹے لڑکے تھے۔ ابو طالب نے اس لڑکے کو لیا اور اس کی پیٹھ کعبہ سے لگا دی۔ اس لڑکے (محمد ﷺ) نے التجا کرنے والے کی طرح اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ حالانکہ اس وقت آسمان پر کوئی بادل کا ٹکڑا نہ تھا۔ اشارہ کرنا تھا کہ چاروں طرف سے بادل آنے لگے۔ برسا اور خوب برسا جنگل میں پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ اور آبادی و وادی سب سرسبز و شاداب ہو گئے۔ اسی بارے میں ابو طالب نے کہا ہے:

وابیض یستقی الغمام بوجهه ثمال الیتمیٰ عصمة للارامل

''اور گورے رنگ والے جن کی ذات کے وسیلہ سے نزول باراں طلب کیا جاتا ہے۔
یتیموں کے ملجاو ماوی۔ رانڈوں اور درویشوں کے نگہبان۔''

بعثت کے بعد جب قریش آنحضرت ﷺ کو ستارہے تھے تو ابو طالب نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو سیرت ابن ہشام میں دیا ہوا ہے۔ شعر مذکور اسی قصیدے میں سے ہے۔ اس شعر میں ابو طالب قریش پر بچپن سے حضرت کے احسانات جتارہا ہے۔ اور گویا کہہ رہا ہے کہ ایسے قدیم بابرکت محسن کے درپے آزار کیوں ہو؟ (مواہب وزرقانی)

شام کا پہلا سفر: جب حضرت کی عمر مبارک بارہ سال کی ہوئی تو ابو طالب حسب معمول قافلہ قریش کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام کو جانے لگا۔ یہ دیکھ کر آپ اس سے لپٹ گئے۔ اس لیے اس نے آپ کو بھی ساتھ لے لیا۔ جب قافلہ شہر بُصریٰ میں پہنچا تو وہاں بحیرا راہب نے آپ کو دیکھ کر پہچان لیا۔ اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا، یہ سارے جہان کا سردار ہے۔ رب العالمین کا رسول ہے۔ اللہ اس کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا۔ قریشیوں نے پوچھا تجھے یہ کیوں کر معلوم ہوا۔ اس نے کہا کہ جس وقت تم گھاٹی سے چڑھے کوئی درخت اور پتھر باقی نہ رہا مگر سجدے میں گر پڑا۔ درخت اور پتھر پیغمبر کے سوا کسی دوسرے شخص کو سجدہ نہیں کرتے اور میں ان کو مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو ان کے شانے کی ہڈی کے نیچے سیب کی مانند ہے پھر اس راہب نے کھانا تیار کیا۔ جب وہ ان کے پاس کھانا لایا تو حضرت اونٹوں کے چرانے میں مشغول تھے۔ اس نے کہا، آپ کو بلالو۔ آپ آئے تو بادل نے آپ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ جب آپ قوم کے نزدیک آئے تو ان کو درخت کے سایہ کی طرف آگے بڑھے ہوئے پایا جس وقت آپ بیٹھ گئے تو درخت کا سایہ آپ کی طرف ہٹ آیا۔ پھر کہا: ''تمہیں خدا کی قسم بتاؤ ان کا ولی کون ہے؟ انہوں نے کہا ابو طالب۔ پس اس نے ابو طالب سے بتاکید تمام کہا کہ ان کو مکہ واپس لے جاؤ۔ کیوں کہ اگر تم آگے بڑھو گے تو ڈر ہے کہیں یہودی ان کو قتل کر دیں۔ لہٰذا ابو طالب آپ کو واپس لے آیا۔ اور شہر بُصریٰ سے آگے نہ بڑھا اور اس راہب نے حضرت کو خشک روٹی اور زیتون کا تیل زادِ راہ دیا۔ (۱۳)

حرب فجار میں شرکت: آغازِ اسلام سے پہلے عرب میں جو لڑائیاں ان مہینوں میں پیش آتی تھیں جن میں لڑنا ناجائز تھا حروب فجار کہلاتی تھیں۔ چوتھی یعنی اخیر حرب فجار میں حضور اقدس ﷺ نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ نعمان بن منذر شاہ حیرہ ہر

سال اپنا تجارتی مال بازار عکاظ میں فروخت ہونے کے لیے اشراف عرب میں سے کسی کی پناہ میں بھیجا کرتا تھا۔ اس دفعہ جو اس نے اونٹ لدوا کر تیار کیے۔ اتفاقاً عرب کی ایک جماعت اس کے پاس حاضر تھی جن میں بنی کنانہ میں سے براض اور ہوازن میں سے عروہ رحال موجود تھا۔ نعمان نے کہا: اس قافلہ کو کون پناہ دے گا؟ براض بولا: میں بنی کنانہ سے پناہ دیتا ہوں۔ نعمان نے کہا میں ایسا شخص چاہتا ہوں جو اہل نجد تہامہ سے پناہ دے۔ یہ سن کر عروہ نے کہا: (۱۴) اکلب خلیع یجیر ھا لک میں اہل نجد و تہامہ سے پناہ دیتا ہوں۔ براض نے کہا اے عروہ کیا تو بنی کنانہ سے پناہ دیتا ہے؟ عروہ نے کہا: تمام مخلوق سے۔ پس عروہ اس قافلہ کے ساتھ نکلا۔ براض بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ اور موقع پا کر عروہ کو ماہ حرام میں قتل کر ڈالا۔ ہوازن نے قصاص میں براض کو قتل کرنے سے انکار کیا۔ کیوں کہ عروہ ہوازن کا سردار تھا۔ وہ قریش کے کسی سردار کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ مگر قریش نے منظور نہ کیا۔ اس لیے قریش و کنانہ اور ہوازن میں جنگ چھڑ گئی۔ کنانہ کا سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا۔ جو ابوسفیان کا باپ اور حضرت امیر معاویہ کا دادا تھا۔ اور ہوازن کا سپہ سالار اعظم مسعود بن معتب ثقفی تھا۔ لشکر کنانہ کے ایک پہلو پر عبداللہ بن جدعان اور دوسرے پر کریز بن ربیعہ اور قلب میں حرب بن امیہ تھا۔ اس جنگ میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے ایک میں حضرت کے چچا آپ کو بھی لے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک چودہ سال کی تھی۔ مگر آپ نے خود لڑائی نہیں کی۔ بلکہ تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے رہے چنانچہ فرماتے ہیں: (۱۵) وکنت انبل علیٰ اعمامی بعضے کہتے ہیں آپ نے بھی تیر پھینکے تھے بہر حال اخیر میں فریقین میں صلح ہو گئی۔

حلف الفضول میں شرکت: جب قریش حرب فجار سے واپس آئے تو یہ واقعہ پیش آیا کہ شہر زبید کا ایک شخص اپنے مالِ تجارت مکہ میں لایا جسے عاص بن وائل سہمی نے خرید لیا۔ مگر قیمت نہ دی۔ اس پر زبیدی نے اپنے احلاف عبدالدار و مخزوم و جمح و سہم و عدی بن کعب سے مدد مانگی مگر ان سب نے مدد دینے سے انکار کیا۔ پھر اس نے جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر فریاد کی۔ قریش کعبہ میں سن رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنوہاشم زہرہ اور بنو اسد بن عبدالعزیٰ سب عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور باہم عہد کیا کہ ہم ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کیا کریں گے۔ اور مظالم واپس کرا دیا کریں گے اس کے بعد وہ سب عاص بن وائل کے پاس گئے اور ان سے زبیدہ کا مال واپس کرایا۔ اس معاہدہ کو حلف الفضول اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ اس معاہدہ کے مشابہ تھا جو قدیم زمانہ میں جرہم کے وقت مکہ میں بریں مضمون ہوا تھا کہ ہم ایک

دوسرے کی حق رسائی کیا کریں گے۔ اور قوی سے ضعیف کا اور مقیم سے مسافر کا حق لے کر دیا کریں گے۔ چونکہ جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے ان سب کا نام فضل تھا۔ جن میں سے فضل بن حارث اور فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ تھے۔ اس لیے اس کو "حلف الفضول" سے موسوم کیا گیا تھا۔
اس معاہدہ قریش میں آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے۔ اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدے کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں اسے نہ توڑتا اور ایک روایت میں ہے کہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایسے معاہدے میں حاضر ہوا کہ اگر اس سے غیر حاضری پر مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں پسند نہ کرتا۔ اور آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم یاآلِ حلف الفضول کہہ کر پکارے تو میں مدد دینے کو حاضر ہوں۔

شام کا دوسرا سفر: جب حضرت کی عمر مبارک پچیس سال کی ہوئی تو آپ کے صدق و امانت کا شہرہ دور دور تک پہنچ چکا تھا یہاں تک کہ زبان خلق نے آپ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت خدیجہ نے جو ایک معزز مالدار خاتون تھیں آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں۔ جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں، آپ کو اس کا مضاعف دوں گی۔ حضور علیہ السلام نے قبول فرمایا۔ اور مالِ تجارت لے کر شام کو روانہ ہوئے۔ حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ آپ کے ساتھ تھا جو آپ کی خدمت کرتا تھا اور آپ کی ضروریات کا متکفل تھا۔ جب آپ شام میں پہنچے تو بازار بُصریٰ میں ایک راہب نسطورا نام کی خانقاہ کے نزدیک اترے۔ وہ راہب میسرہ کی طرف آیا اور اسے جانتا تھا۔ کہا: "اے میسرہ! یہ کون ہے جو اس درخت کے نیچے اترا ہے"۔ میسرہ نے کہا۔ اہل حرم میں سے قریش سے ہے راہب نے کہا۔ سوائے نبی کے اس درخت کے نیچے کبھی کوئی نہیں اترا۔ پھر اس نے پوچھا۔ کیا اس کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے۔ میسرہ نے جواب دیا ہاں۔ اور کبھی دور نہیں ہوتی۔ یہ سن کر راہب بولا: "یہ وہی ہیں اور یہی آخر الانبیاء ہیں۔ کاش میں ان کو پاؤں جس وقت یہ مبعوث ہوں گے"۔ اور میسرہ سے کہا کہ "ان سے جدا نہ ہونا اور نیک نیتی سے ان کے ساتھ رہنا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کا شرف عطا کیا ہے"۔ حضرت بازار بُصریٰ میں خرید و فروخت کر کے مکہ واپس آئے جب حضرت خدیجہ نے جو عورتوں کے درمیان ایک بالا خانے میں بیٹھی تھی آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو دو فرشتے آپ کے سر مبارک پر دھوپ سے سایہ کیے ہوئے تھے میسرہ نے حضرت خدیجہ سے بیان کیا کہ میں نے تمام سفر میں آپ کا یہی حال دیکھا ہے اور اس راہب کے قول و وصیت کی خبر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس تجارت میں مضاعف نفع دیا۔ حضرت خدیجہ نے جو دیکھا اور سنا اس سے ظاہر ہو گیا کہ

آپ بے شک ساری مخلوق کی طرف اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔

حضرت خدیجہ سے نکاح: اس وقت حضرت خدیجہ بیوہ تھیں۔ان کی دو شادیاں ہو چکی تھیں۔ان کی پاکدامنی کے سبب لوگ جاہلیت میں ان کو طاہرہ کہا کرتے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت ﷺ کے خاندان سے ملتا ہے۔حضرت خدیجہ نے امورِ مذکورہ بالا کو مدنظر رکھ کر واپس آنے کے قریباً تین مہینے بعد یعلے بن منیہ کی بہن نفیسہ کی وساطت سے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔آپ نے اس درخواست کی خبر اپنے چچاؤں کو دی۔انہوں نے قبول کیا۔پس تاریخ معین پر ابو طالب اور امیر حمزہ اور دیگر روسائے خاندان خدیجہ کے مکان پر گئے۔اور ان کے چچا عمرو بن اسد نے اور بقول بعض ان کے بھائی عمرو بن خویلد نے ان کا نکاح کر دیا۔شادی کے وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی۔ابو طالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور پانسو درہم مہر قرار پایا۔یہ آنحضرت ﷺ کی پہلی شادی تھی۔حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد آنحضرت نے چند شادیاں اور کیں۔تمام ازواج مطہرات کا مہر پانسو درہم ہی مقرر ہوا۔آنحضرت کی تمام اولاد حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے ہوئی صرف ایک صاحب زادے جن کا نام ابراہیم تھا حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے جو سنہ آٹھ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ دس ہجری میں انتقال فرما گئے۔

تعمیر کعبہ: جب حضرت کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی تو قریش نے کعبہ کو از سرِ نو بنایا۔علامہ (۱۶) ازرقی (متوفی ۲۲۳ھ) نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پتھروں سے جو تعمیر کی تھی اس کا طول و عرض حسب ذیل تھا:

ارتفاع ———— ۹ گز (۱۷)

طول (سامنے کی طرف) حجر اسود سے رکن شامی تک۔۲۳ گز (۲۳ ہاتھ)

عرض (میزاب شریف کی طرف) رکن شامی سے رکن غربی تک۔۲۲ گز (۲۲ ہاتھ)

طول (پچھواڑے کی طرف) رکن غربی سے رکن یمانی تک۔۳۱ گز (۳۱ ہاتھ)

عرض رکن یمانی سے حجر اسود تک ———— ۲۰ گز (۲۰ ہاتھ)

اس عمارت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کر رہے تھے۔اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے کندھے پر پتھر لاد کر لا رہے تھے۔جب دیواریں اونچی ہو گئیں تو مقام پر کھڑے ہو کر کام کرتے رہے۔جب حجر اسود کی جگہ تک پہنچ گئے تو آپ نے حضرت اسماعیل سے فرمایا کہ ایک پتھر لاؤ۔میں اسے یہاں نصب کر دوں تا کہ لوگ طواف یہاں سے شروع کیا کریں حضرت اسماعیل پتھر کی تلاش میں گئے تو حضرت جبرئیل حجر

اسود لے کر حاضر ہوئے۔ اس بنا میں دروازہ سطح زمین کے برابر تھا۔ مگر چوکھٹ بازو نہ تھے۔ نہ کواڑ تھے نہ چھت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد عمالقہ (۱۸) وجرہم وقصی نے اپنے اپنے وقت میں اس عمارت کی تجدید کی۔ چونکہ عمارت نشیب میں واقع تھی۔ وادی مکہ کی رووں کا پانی حرم میں آجاتا تھا۔ اس پانی کی روک کے لیے بالائی حصہ پر بند بھی بنوادیا گیا تھا۔ مگر وہ ٹوٹ جاتا تھا۔ اس دفعہ ایسے زور کی رو آئی کہ کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں۔ اس لیے قریش نے پرانی عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے مضبوط و مسقف بنانے کا ارادہ کیا۔ حسن اتفاق یہ کہ ایک رومی تاجر باقول کا جہاز ساحل جدہ پر کنارے سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ باقوم مذکور معمار و نجار بھی تھا۔ قریش کو جو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ چند اور قریشیوں کے ساتھ وہاں پہنچا۔ اس نے چھت کے لیے جہاز کے تختے مول لے لیے۔ اور باقوم کو ساتھ لے آیا۔ دیواروں کے لیے قریش کے ہر ایک قبیلہ نے الگ الگ پتھر ڈھونے شروع کیے۔ مرد دو دو مل کر دور سے پتھروں کو کندھوں پر اٹھا کر لاتے تھے۔ چنانچہ اس کام میں حضرت اپنے چچا عباس کے ساتھ شریف تھے۔ اور کوہ صفا کے متصل اجیاد سے پتھر لا رہے تھے۔ جب سامان عمارت جمع ہو گیا تو ابو وہب بن عمرو بن عائذ مخزومی کے مشورے سے قبائل قریش نے تعمیر کے لیے بیت اللہ کی چاروں طرفیں آپس میں تقسیم کر لیں۔ ابو وہب مذکور حضرت کے والد ماجد عبد اللہ کا ماموں تھا۔ اسی نے قریش سے کہا تھا کہ کعبہ کی تعمیر میں کسب حلال کی کمائی کے سوا اور مال صرف نہ کیا جائے۔ جب عمارت حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو قبائل میں سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر ایک قبیلہ چاہتا تھا کہ ہم ہی حجر اسود کو اٹھا کر نصب کریں گے۔ اسی کشمکش میں چار دن گزر گئے اور تلواروں تک نوبت پہنچ گئی۔ بنو عبد الدار اور بنو عدی بن کعب نے تو اس پر جان دینے کی قسم کھائی اور حسب دستور اس حلف کی تاکید کے لیے ایک پیالہ میں خون بھر کر اپنی انگلیاں اس میں ڈبو کر چاٹ لیں۔ پانچویں دن سب مسجد حرام میں جمع ہوئے۔ ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو حضرت ام المومنین ام سلمہ کا والد اور قریش میں سب سے معمر تھا یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص اس مسجد کے باب بنی شیبہ سے حرم میں داخل ہو وہ ثالث قرار دیا جائے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے روز سب سے پہلے داخل ہونے والے ہمارے آقائے نامدار ﷺ تھے۔ دیکھتے ہی سب پکار اٹھے ''یہ امین ہیں ہم ان پر راضی ہیں''۔ جب انہوں نے آپ سے یہ معاملہ ذکر کیا تو آپ نے ایک چادر بچھا کر اس میں حجر اسود کو رکھا۔ پھر فرمایا کہ ہر طرف والے ایک ایک سردار انتخاب کر لیں۔ اور وہ چاروں سردار چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر اٹھائیں۔ اس طرح جب وہ چادر مقام نصب کے برابر پہنچ گئی تو حضرت نے حجر اسود کو اپنے مبارک ہاتھ سے اٹھا کر دیوار میں نصب فرما دیا۔ اور وہ سب خوش ہو گئے۔

قریش نے اس تعمیر میں بہ نسبت سابق کئی تبدیلیاں کر دیں۔ بنائے خلیل میں ارتفاع نو گز تھا۔ اب اٹھارہ گز ارتفاع کر کے عمارت مسقف کر دی گئی۔ مگر سامان تعمیر کے لیے نفقہ حلال کافی نہ ملا۔ اس لیے بنائے خلیل میں سے جانب غرب کا کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا اور اس کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر موقع ملے گا تو کعبہ کے اندر لے لیں گے اس حصہ کو حجر یا حطیم (۱۹) کہتے تھے۔ بنائے خلیل میں کعبہ کا دروازہ سطح زمین کے برابر تھا مگر اب قریش نے زمین سے اونچا کر دیا۔ تا کہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں۔ عہد نبوت میں حضرت کا ارادہ ہوا کہ حجر کی عمارت کعبہ میں ملا لیں دروازہ سطح زمین کے برابر کر دیں۔ مگر بدیں خیال ایسا نہ کیا کہ قریش نئے نئے مسلمان ہیں، کہیں دیوارِ کعبہ کے گرانے سے بدظن ہو کر دین اسلام سے نہ پھر جائیں۔

❀❀❀❀

باب : ۳

حالات بعثت شریف تا ہجرت

اس عنوان پر قلم اٹھانے سے پہلے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عرب اور باقی دنیا کی دینی اور اخلاقی اور روحانی حالت جو تھی اس کا مجمل بیان پیش کیا جائے جس سے حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کی ضرورت واہمیت ثابت ہو جائے۔

دنیا کی حالت: عرب پہلے دین ابراہیم علیہ السلام پر تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کے صاحب زادے حضرت نابت کعبہ کے متولی ہوئے۔ ان کے بعد قبیلہ جرہم متولی ہوا۔ اس قبیلہ کو عمرو بن لحی نے جو قبیلہ خزاعہ کا مورث اعلیٰ تھا۔ بیت اللہ شریف سے نکال دیا اور خود متولی بن گیا۔ اس کا اصل نام عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ازدی تھا عرب میں بت پرستی کا بانی یہی شخص تھا۔ اسی نے سائبہ وصیلہ، بحیرہ، حامیہ کی رسم ایجاد کی تھی۔ ایک دفعہ یہ سخت بیمار ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ بلقاء واقع شام میں ایک گرم پانی کا چشمہ ہے، اگر تم اس میں غسل کرو تو تندرست ہو جاؤ گے۔ اس لیے یہ بلقاء میں پہنچا اور اس چشمہ میں غسل کرنے سے اچھا ہو گیا۔ وہاں اس نے لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا۔ پوچھا کہ یہ کیا ہیں؟ انہوں نے کہا ہم ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے ہیں۔ اور ان ہی کے وسیلہ سے دشمن پر فتح پاتے ہیں۔ یہ سن کر اس نے درخواست کی کہ ان میں سے کچھ مجھے بھی عنایت کیجئے۔ غرض اس نے وہ بت لا کر کعبہ کے گرد نصب کر دیئے اور عرب کو ان کی پوجا کی دعوت دی۔ اس طرح عرب میں بت پرستی شائع ہو گئی۔ جس کا اجمالی (۱) خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

بت کا نام: ود۔

مقامِ بت: دومۃ الجندل جو دمشق و مدینہ کے وسط میں ہے۔

پوجنے والا قبیلہ: کلب۔

کیفیت: یہ بت بشکل انسان بزرگ جثہ تھا۔ جس پر دو حلہ منقوش تھے ایک حلہ بطور ازار دوسرا بطور چادر۔ تلوار آڑے لٹکائے ہوئے اور کمان شانے پر۔ سامنے ایک تھیلے میں نیزہ اور جھنڈا تھا اور ایک ترکش تھی جس میں تیر تھے۔ حارثہ اجداری اپنے بیٹے مالک کو دودھ

دیکر اس بت کے پاس بھیجا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اپنے معبود کو پلا لاؤ۔

بت کا نام: سواع

مقامِ بت: رباط

پوجنے والا قبیلہ: ہذیل

کیفیت: بنولحیان اس بت کے خادم یا پجاری تھے۔

بت کا نام: یغوث

مقامِ بت: مذحج

پوجنے والا قبیلہ: مذحج واہلِ جرش

کیفیت: مذحج یمن مین ایک ٹیلہ کا نام ہے۔

بت کا نام: یعوق

مقامِ بت: خیوان

پوجنے والا قبیلہ: ہمدان اور اس کے نواح کے لوگ یمن میں

کیفیت: خیوان صنعاء یمن سے مکہ کی طرف دو دن کا راستہ ہے۔

بت کا نام: نسر

مقامِ بت: بلخع

پوجنے والا قبیلہ: حمیر

کیفیت: بلخع سرزمین سبا واقع یمن میں ہے۔ حمیر نسر کو پوجتے رہے یہاں تک کہ ذو نواس نے ان کو یہودی بنالیا۔ اس طرح حمیر کے لیے تبدیل مذہب سے پہلے صنعاء یمن میں ایک مندر نام تھا جس پر وہ قربانیاں چڑھاتے تھے۔

بت کا نام: فلس (بشکل انسان)

مقامِ بت: اجا

پوجنے والا قبیلہ: طئی

کیفیت: قبیلہ طئی کے دو پہاڑ اجا و سلمٰی مدینہ منورہ سے جانب شمال تین مرحلہ کے فاصلہ پر ہیں۔ اس بت پر قربانی چڑھاتے تھے۔ اگر کوئی جانور بھاگ کر اس کی پناہ میں آتا تو وہ اسی کو ہو جاتا۔ ایک روز اس کا پجاری صیفی نام ایک عورت کی اونٹنی بھگا لایا اور اس بت کے پاس لاکر باندھ دی۔ عورت نے اپنے ہمسایہ سے شکایت کی۔ وہ اونٹنی کو کھول کر لے

گیا۔ پجاری نے بت سے فریاد کی۔ مگر کچھ نہ بنا۔ عدی بن حاتم نے یہ دیکھ کر بت پرستی چھوڑی اور عیسائی ہو گئے۔ پھر ۹ ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔

بت کا نام: منات

مقامِ بت: قدید کے قریب ساحل بحر پر کوہ مشقل کے نواح میں

پوجنے والا قبیلہ: اوس وخزرج ہذیل وخزاعہ

کیفیت: قریش اور باقی تمام عرب اسکی عبادت کرتے تھے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔ اوس وخزرج جب مدینہ سے حج کرنے آئے تو ارکان حج ادا کر کے اپنے سر اس بت کے پاس منڈواتے تھے اور اسکے بغیر حج کو نا تمام سمجھتے تھے۔

بت کا نام: لات

مقامِ بت: طائف

پوجنے والا قبیلہ: ثقیف

کیفیت: مربع پتھر تھا۔ تمام عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔

بت کا نام: عزیٰ

مقامِ بت: وادی حراض واقع نخلہ شامیہ (مکہ سے جانب شمال دو دن کا راستہ)

پوجنے والا قبیلہ: قریش

کیفیت: یہ ایک شیطانہ تھی۔ جس کا تھان ببول کے تین درختوں میں تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید نے ان درختوں کو کاٹ دیا اور عزیٰ کو قتل کر دیا قریش دیگر اصنام کی نسبت اس کی تعظیم زیادہ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے حرم کعبہ کی طرح وادی حراض میں ایک درہ کو اس کا حرم قرار دیا تھا۔ اس درہ کا نام سقا تھا۔ اور قربانیوں کیلئے ایک مذبح بنایا تھا جسے غبغب کہتے تھے۔ عرب لات ومنات وعزیٰ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ ہماری شفاعت کرینگی۔

بت کا نام: ذوالخلصہ

مقامِ بت: تبالہ

پوجنے والا قبیلہ: خثعم۔ بجیلہ از دسراۃ

کیفیت: تبالہ مکہ ویمن کے درمیان مکہ سے سات یا آٹھ دن کی راہ ہے۔ یہ بت سفید پتھر پر منقوش تھا۔ جس پر تاج کی مثل کوئی شے تھی۔

بت کا نام: سعد

مقامِ بت: ساحل جدہ

پوجنے والا قبیلہ: مالک وملکان پسران کنانہ

کیفیت: طویل پتھر تھا۔ اس پر خون بہایا جاتا تھا۔ مالک وملکان پسران کنانہ ساحل جدہ۔

بت کا نام: ذوالکفلین

مقامِ بت: ارض دوس واقع یمن

پوجنے والا قبیلہ: دوس

کیفیت: فتح مکہ کے بعد حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے اس بت کو بحکم رسول اللہ ﷺ آگ سے جلا دیا تھا۔

بت کا نام: ذوالشریٰ

مقامِ بت: ذوالشریٰ

پوجنے والا قبیلہ: بنو حارث بن یشکر ازدی

کیفیت: ذوالشریٰ مکہ معظمہ کے قریب ایک مقام نام ہے۔

بت کا نام: اقصیر

مقامِ بت: مشارف شام

پوجنے والا قبیلہ: قضاعہ، لخم، جذام، عاملہ، غطفان

کیفیت: اس کا حج کرتے۔ قربانی دیتے اور اس کے پاس اپنا سر منڈایا کرتے سر منڈوانے والا ہر بال پر گیہوں کے آٹے کی ایک مٹھی پھینکا کرتا تھا۔

بت کا نام: نہم

پوجنے والا قبیلہ: مزینہ

کیفیت: اس کا پجاری خزاعی بن عبدنہم مزنی تھا۔ اس نے جب رسول اللہ ﷺ کا حال سنا تو اس بت کو توڑ کر حاضر خدمت ہوا اور ایمان لایا۔

بت کا نام: عائم رضاء یا رضی

پوجنے والا قبیلہ: اذ دسرات۔ بنو ربیعہ بن کعب بن سعد تمیمی

کیفیت: اس بات کا ذکر صنعاء کے پرانے کتبوں میں بھی پایا جاتا ہے اس کو مستوغر یعنی عمرو بن ربیعہ تمیمی نے زمانہ اسلام میں منہدم کر دیا۔

بت کا نام: سعیر
پوجنے والا قبیلہ: عزہ
کیفیت: اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔
بت کا نام: عمیانس
مقامِ بت: موضع خولان واقعہ یمن
پوجنے والا قبیلہ: خولان
کیفیت: مویشیوں اور کھیتوں کو اس بت اور خدا تعالیٰ کے درمیان تقسیم کیا کرتے تھے۔ بقول ہشام کلبی و جعلوا للہ مما ذرا من الحرث والانعام الآیہ خولان ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔
بت کا نام: ہبل
مقامِ بت: مکہ
پوجنے والا قبیلہ: قریش
کیفیت: کعبۃ اللہ جو خانہ خدا تھا بت خانہ بنا ہوا تھا۔ اس میں تین سو ساٹھ بت تھے جن میں ہبل بہت بڑا اور جوف کعبہ میں نصب کیا ہوا تھا۔ یہ بت بشکل انسان عمیق احمر کا بنا ہوا تھا۔ اسکا بایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش کو اسی حالت میں ملا تھا۔ انہوں نے اس کیلئے سونے کا ہاتھ بنا دیا تھا۔ اس کے سامنے سات سیر رکھے ہوئے تھے۔ جن سے پجاری قرعہ اندازی کیا کرتا تھا۔ اساف اور نائلہ دونوں زمزم کی جگہ پر تھے۔ قریش انکے پاس قربانیاں دیا کرتے تھے۔ قریش کا ایک بت مناف تھا۔ علاوہ انکے مکہ کے گھر گھر میں ایک ایک بت تھا۔ جب کوئی سفر کو جاتا تو بطور تبرک اس کو مسح کرتا۔ جب واپس آتا تو گھر میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس کو مسح کرتا۔

مندرجہ بالا بتوں کے علاوہ عرب میں اور بھی بت تھے۔ ستاروں کی بھی پوجا ہوتی تھی چنانچہ قبیلہ حمیر سورج کی پرستش کرتا تھا۔ کنانہ چاند کی۔ بنو تمیم و بران کو۔ قیس شعریٰ کو اسد عطارد کو اور لخم و جذام مشتری کو پوجتے تھے۔ (۲)

عرب میں درخت پرستی بھی پائی جاتی تھی مکہ مشرفہ کے قریب ایک بڑا سرسبز درخت تھا جاہلیت میں لوگ سال مین ایک دفعہ وہاں آتے اور اس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکاتے اور اس کے پاس حیوانات ذبح کرتے۔ کہتے ہیں کہ عرب جب حج کو آتے تو اپنی چادریں اس درخت پر لٹکا دیتے اور حرم میں

بغرض تعظیم بغیر چادروں کے داخل ہوتے۔ اس لیے اس درخت کو انواط کہتے تھے۔(۳) ابن اسحاق نے حدیث وہب بن منبہ میں ذکر کیا ہے کہ جب فیمیون نصرانی اپنی سیاحت میں نجران میں بطور غلام فروخت ہوا تو اس وقت اہل نجران ایک بڑے درخت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اس درخت کے پاس سال میں ایک دفعہ عید ہوا کرتی تھی۔ وہ عید کے موقع پر اپنے اچھے سے اچھے کپڑے اور عورتوں کے زیورات اس درخت پر ڈال دیا کرتے تھے۔ پھر وہ فیمیون کی کرامت دیکھ کر عیسائی ہو گئے۔(۴)

بتوں پر عموماً حیوانات کو خون بہایا جاتا تھا۔ مگر بعض دفعہ انسان کو بھی ذبح کر دیتے تھے چنانچہ نیلوس ایک قسم کی قربانی کا ذکر جو ۴۱۰ء میں دی گئی تھی بدیں الفاظ کرتا ہے:

حجاز کے وحشی عربوں کے ہاں دیوتا کی کوئی صورت نہ تھی۔ صرف ان گھڑ پتھروں کی ایک قربانگاہ ہوا کرتی تھی۔ اس پر وہ ستارۂ صبح (زہرہ) کے لیے کوئی انسان یا سفید اونٹ بڑی جلدی سے ذبح کیا کرتے تھے۔ یہ قربانی طلوع آفتاب سے پہلے بظاہر بدیں وجہ ہوا کرتی تھی کہ وہ ستارہ اس عمل میں پیش نظر رہے۔ وہ مقام متبرک کے گرد بھجن گاتے ہوئے تین بار طواف کرتے۔ تب سردار قوم یا بوڑھا پجاری اس بھینٹ پر پہلا وار کرتا اور اس کا کچھ خون پیتا۔ بعد ازاں حاضرین کو دپڑتے اور اس جانور کو کچا اور صرف نیم پوست کندہ طلوع آفتاب سے پہلے کھا جاتے۔ خود نیلوس کا بیٹا زہرہ کی بھینٹ چڑھنے کو تھا کہ ایک اتفاقی امر سے بچ گیا۔ نیلوس سے پیشتر پورفری بیان کرتا ہے کہ عرب میں دومہ کے باشندے سال میں ایک بار ایک لڑکے کی بھینٹ دیتے۔ اور اسے قربان گاہ کے نیچے دفن کر دیتے۔(۵)

اوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ عرب کے طول و عرض میں بت پرستی کا جال بچھا ہوا تھا اس کے علاوہ یہودیت و نصرانیت و مجوسیت بھی کہیں کہیں رائج تھی۔ چنانچہ(۶) حمیر، کنانہ، بنو حارث بن کعب اور کندہ میں یہودیت تھی۔ مدینہ میں یہودیوں کا زور تھا۔ خیبر میں بھی یہودی بستے تھے۔ ربیعہ، غسان اور بعض قضاعہ میں نصرانیت تھی۔ مجوسیت بہت کم تھی۔ وہ بت پرستی و یہودیت و عیسائیت میں جذب ہوتے ہوتے صرف بنو تمیم میں رہ گئی تھی۔ جن کے منازل نجد سے یمامہ تک پائے جاتے تھے۔ حضرت حاجب بن زرارہ تمیمی اسی قبیلہ سے تھے۔ جنہوں نے کسریٰ کے ہاں اپنی کمان رہن رکھی تھی اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں فک کرا کر بطور ہدیہ خدمت اقدس میں بھیجی تھی۔

عرب میں ازدواج کی کثرت تھی۔ چنانچہ جب حضرت غیلان ثقفی ایمان لائے تو ان کے تحت میں دس عورتیں تھیں۔ جمع بین الاختین جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ ضحاک بن فیروز کا بیان ہے کہ جب میرا باپ اسلام لایا تو اس کے تحت دو سگی بہنیں تھیں۔ جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کا سب سے بڑا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کو میراث میں پاتا۔ چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا۔ ورنہ اپنے کسی اور بھائی یا رشتہ دار کو شادی

کے لیے دے دیتا۔ زنا کاری کا عام رواج تھا۔ اور اسے جائز خیال کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح چار طرح (۷) کا تھا ایک نکاح متعارف جیسا کہ آج کل ہے کہ زوج زوجہ کے ولی مہر معین پر متفق ہو جائیں اور ایجاب وقبول ہو جائے۔ دوسرا نکاح استبضاع بدیں طور پر شوہر اپنی عورت کو حیض سے پاک ہونے کے بعد کہتا کہ تو فلاں سے استبضاع (طلب ولد) کر لے اور خود اس سے مقاربت نہ کرتا۔ یہاں تک کہ اس شخص سے حمل ظاہر ہو جاتا۔ اس وقت چاہتا تو وہ اپنی زوجہ سے مجامعت کرتا یہ استبضاع بغرض نجابت ولد کیا جاتا تھا۔ تیسرا نکاح جمع۔ بدیں طور کہ دس سے کم مرد ایک عورت پر یکے بعد دیگرے داخل ہوتے۔ یہاں تک کہ وہ حاملہ ہو جاتی۔ وضع حمل کے چند روز بعد وہ عورت ان سب کو بلاتی اور ان سے کہتی کہ تم نے جو کیا وہ تمہیں معلوم ہے۔ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے کہتی کہ یہ تیرا بچہ ہے۔ پس وہ اسی کا سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ شخص انکار نہ کر سکتا تھا۔ چوتھا نکاح بغایا۔ بدیں طور کہ بہت سے مرد جمع ہو کر بغایا (زنا کار عورتیں) میں سے کسی پر بے روک ٹوک داخل ہوتے۔ یہ بغایا بطور علامت کے اپنے دروازوں پر جھنڈے نصب کرتی تھیں۔ جو چاہتا ان کے پاس جاتا جب ان میں سے کوئی حاملہ ہو جاتی وضع حمل کے بعد وہ سب مرد اس کے ہاں جمع ہوتے اور قافہ کو بلاتے وہ قافہ اس بچہ کو (اس کے اعضاء دیکھ کر فراست سے) جس سے منسوب کرتا اسی کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ اور اس سے انکار نہ ہو سکتا تھا۔

شراب خوری اور قمار بازی بھی عرب میں کثرت سے رائج تھیں۔ مہمان نوازی کی طرح ان دونوں میں مال و دولت لٹانے پر فخر کیا کرتے تھے۔ ملک عرب میں انگوروں یا کھجوروں وغیرہ سے جو شراب بناتے تھے وہ ان کے لیے کافی نہ تھی۔ اسلیے شراب کا بہت بڑا حصہ دیگر ممالک سے منگایا جاتا تھا۔ وہ بہت تیز ہوتی تھی۔ پانی میں ملا کر استعمال کیا کرتے تھے۔ شراب کی دُکانوں پر جھنڈے لہرایا کرتے تھے۔ جب کسی دُکان میں شراب کا ذخیرہ ختم ہو جاتا تو جھنڈا اتار لیا جاتا تھا۔ اشعار عرب میں جن مقامات کی شراب کا ذکر آیا ہے ان کی تفصیل یوں ہے:

ملک کا نام: سیریا یعنی شام

شراب کیلئے مشہور مقامات: جدر، حمص، بیت راس، خص، اندرین، بصریٰ، صرخد، مآب

کیفیت: بیت راس دو شہروں کا نام ہے۔ ایک بیت المقدس میں دوسرا نواح حلب میں ہے۔ دونوں میں انگور بکثرت اور شراب کیلئے مشہور تھے۔ جدر کی شراب کو جدریہ کہتے تھے۔

ملک کا نام: فلسطین

شراب کیلئے مشہور مقامات: مقدر۔عوز۔بیسان
کیفیت: مقدر کی شراب کو مقدری یا مقدریہ اور بیسان کی شراب کو بیسانیہ بولتے تھے۔

ملک کا نام: الجزیرہ
شراب کیلئے مشہور مقامات: عانہ
کیفیت: عانہ کی شراب کو عانیہ کہتے تھے۔

ملک کا نام: کلدیہ یا بابلونیا
شراب کیلئے مشہور مقامات: بابل، صریفوں، قطربل
کیفیت: صریفون عکبر کے قریب اور قطربل بغداد و عکبرا کے درمیان ہے۔ ان مقامات کی شراب کو بابلیہ وصریفیہ وقطربلیہ کہتے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ دین ابراہیمی جو عرب کا اصلی دین تھا۔ سوائے چند رسموں کے جن سے عقل سلیم کو قطع نظر ارشادِ انبیاء علیہم السلام کے انکار نہیں ہو سکتا عرب میں معدوم ہو گیا تھا۔ بجائے توحید کے عموماً شرک و بت پرستی تھی۔ وہ معبودان باطل کو قادر مطلق کی طرح اپنے حاجت روا جانتے تھے۔ بعض اجرام فلکیہ، آفتاب ماہتاب وستارگان کی پوجا کرتے تھے۔ بعض تشبیہ کے قائل تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی پوجا کرتے اور خدا کے ہاں ان کی شفاعت کے امیدوار تھے۔ شرک و تشبیہ کا کیا ذکر بعض کو خدا کی ہستی ہی سے انکار تھا۔ وہ شب و روز شراب خوری، قمار بازی، زنا کاری اور قتل و غارت گری میں مشغول رہتے تھے۔ قساوت قلب کا یہ حال تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھانے سے دریغ نہ کرتے۔ لڑائیوں میں آدمیوں کو زندہ جلا دینا۔ مستورات کا پیٹ چاک کرنا اور بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز سمجھتے تھے ان کے درمیان جو یہود و نصاریٰ تھے ان کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ ان کی کتابیں محرف ہو چکی تھیں۔ یہود خدا کو مغلولۃ الید اور حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اور نصاریٰ تین خدا مانتے تھے۔ اور مسئلہ کفارہ کی آڑ میں اعمال حسنہ کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے تھے۔

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ بلکہ تمام دنیا میں اسی طرح کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ چنانچہ اہل فارس (۸) آگ کے پوجنے اور ماؤں کے ساتھ وطی کرنے میں مشغول تھے۔ ترک شب و روز بستیوں کے تباہ کرنے اور بندگان خدا کو اذیت دینے میں مصروف تھے۔ ان کا دین بتوں کی پوجا اور ان کی عادت مخلوقات پر ظلم کرنا تھا۔ ہندوستان کے لوگ بتوں کی پوجا اور خود کو آگ میں جلانے

کے سوا کچھ نہ جانتے تھے۔ اور نیوگ کو جائز سمجھتے تھے۔

یہ عالمگیر ظلمت اس امر کی مقتضی تھی کہ حسب عادت الٰہی ملک عرب میں جہاں دنیا بھر کے ادیان باطلہ وعقائد قبیحہ واخلاق ردیہ موجود تھے۔ ایک ہادی تمام دنیا کے لیے مبعوث ہو۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

عرب جیسی قوم میں جس کی حالت اوپر بیان ہوئی سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ کی زندگی بعثت تک ہر پہلو کے لحاظ سے بالکل بےلوث رہی۔ آپ اخلاق حمیدہ سے متصف اور صدق وامانت میں مشہور تھے۔ حتیٰ کہ قوم نے آپ کو امین کا لقب دیا ہوا تھا۔ آپ مجالس لہو ولعب میں کبھی شریک نہ ہوئے۔ وہ افعال جاہلیت جن کی آپ کی شریعت میں ممانعت وارد ہے، آپ کبھی ان کے مرتکب نہ ہوئے جو جانور بتوں پر ذبح کیے جاتے آپ ان کا گوشت نہ کھاتے۔ فسانہ گوئی، شراب خوری، قمار بازی اور بت پرستی جو قوم میں عام شائع تھیں، آپ ان سب سے الگ رہے۔ سال میں ایک بار ماہِ رمضان میں کوہِ حرا میں جو مکہ مشرفہ سے تین میل کے فاسلہ پر منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں طرف کو ہے اعتکاف فرمایا کرتے۔ اور وہاں ذکر وفکر میں مشغول رہتے۔ چند راتوں کا توشہ ساتھ لے جاتے۔ وہ ختم ہو چکتا تو گھر تشریف لاتے اور اسی قدر توشہ لے کر حراء میں جا معتکف ہوتے۔

ابتداءِ وحی: جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا۔ وحی کی ابتداء رویائے صادقہ سے ہوئی۔ کچھ آپ رات کو خواب میں دیکھتے بعینہٖ وہی ظہور میں آتا۔ چھ ماہ اسی حالت میں گزر گئے کہ ایک روز آپ حسب معمول غارِ حراء میں مراقب تھے کہ فرشتہ (جبرئیل) آپ کے پاس آیا۔ اس نے آپ سے کہا: اقراء (پڑھو) آپ نے فرمایا: ما انا بقاری (میں پڑھا ہوا نہیں) آپ کا بیان ہے کہ اس پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر بھینچا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے غایت وسع وطاقت کو پہنچا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اقراء میں نے کہا ما انا بقاری اس نے مجھے پکڑ کر دوسری بار بھینچا یہاں تک کہ وہ مجھ سے غایت وسع وطاقت کو پہنچا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اقرا۔ میں نے کہا: ما انا بقاری پھر اس نے مجھے پکڑ کر تیسری بار بھینچا یہاں تک کہ وہ مجھ سے غایت وسع اور طاقت کو پہنچا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا آدمی کو لہو کی پھٹکی سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے، سکھایا آدمی کو جو کچھ نہ جانتا تھا۔"

یہ سبق پڑھ کر آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے سارا قصہ بیان کیا وہ آپ کو اپنے

چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو عیسائی اور تورات وانجیل کا ماہر تھا۔ اس نے یہ ماجرا سن کر کہا کہ یہ وہی ناموس وفرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ پر اترا تھا(۹)۔ اس کے بعد کچھ مدت تک وحی بند رہی تاکہ آپ کا شوق وانتظار زیادہ ہوجائے۔ پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَٱلرُّجْزَ فَٱهْجُرْ ۝

"اے لحاف میں لپٹے اٹھ کھڑا ہو۔ پس ڈرسنا اور اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔ اور پلیدی کو چھوڑ دے۔"

آغاز دعوت: قم فانذر سے آپ پر انذار اور دعوت الی اللہ فرض ہو چکی تھی۔ مگر اعلان دعوت کا حکم نہ آیا تھا۔ اس لیے آپ نے پہلے خفیہ طور سے ان لوگوں کو دعوت اسلام دی جن پر آپ کو اعتماد تھا اور جو آپ کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ اس دعوت پر کئی مرد وزن ایمان لائے۔ چنانچہ مردوں میں سب سے پہلے جو آپ پر ایمان لائے وہ حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ لڑکوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی المرتضیٰ ہیں۔ اور عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ، آزاد کیے ہوئے غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ۔ اور غلاموں میں حضرت بلال ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایمان لاتے ہی دعوت اسلام شروع کر دی۔ عشرہ مبشرہ میں سے پانچ۔ یعنی حضرت عثمان غنی، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام آپ ہی کی ترغیب سے مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے بعد حضرت سعید بن زید، ابوذر غفاری ارقم بن ابی ارقم، عبداللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون، ابوعبیدہ بن الجراح، عبیدہ بن حارث حصین والد عمران بن حصین، عمار بن یاسر، خباب بن الارت، خالد بن سعید بن العاص اور صہیب رومی وغیرہ ہم سابقین اولین کے زمرہ میں شامل ہوئے۔ رضی اللہ عنہم۔ اور عورتوں میں فاطمہ بنت خطاب ہمشیرہ عمر فاروق، اسماء بنت ابی بکر، اسماء بنت سلامہ، تمیمیہ، اسماء بنت عمیس خثعمیہ، فاطمہ بنت المجلل قرشیہ عامریہ، فکیہہ بنت یسار، رملہ بنت ابی عوف اور امینہ بنت خلف خزاعیہ، سابقات الی الاسلام میں سے ہیں۔ رضی اللہ عنہن۔ لیکن یہ سب کچھ جو ہوا پوشیدہ طور پر ہوا۔ نماز بھی شعاب مکہ میں چھپ کر پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاص اور کچھ اصحاب مکہ کے کسی شعب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین نے دیکھ کر اس فعل کو برا کہا۔ پس باہم لڑائی ہوگئی۔ حضرت سعد نے اونٹ کے تالو کی ہڈی ان نابکاروں میں سے ایک پر ماری اور سر توڑ ڈالا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب دار ارقم میں جو کوہ صفا کے نشیب میں تھا رہتے اور وہیں نماز پڑھتے۔

تبلیغ علی الاعلان: خفیہ دعوت کو جب تین سال ہو چکے تو اعلان کا حکم اس طرح آیا:

فَٱصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْمُشْرِكِينَ ۝ (سورہ حجر)

''پس تو کھول کر بیان کردے جو تجھے حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں سے کنارہ کر۔''

نیز حکم آیا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (شعراء)

''اور ڈرا اپنے نزدیک کے ناطے والوں کو۔''

اس (۱۰) پر آنحضرت ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قبیلہ قریش کے بطون کو یوں پکارا۔ یا بنی فہر یا بنی عدی یہاں تک کہ وہ جمع ہو گئے۔ جو خود نہ آ سکتا تھا۔ وہ اپنی طرف سے کسی اور کو بھیجتا تا کہ دیکھے کہ یہ پکار کیسی ہے۔ پس ابولہب اور قریش آ گئے۔ آپ نے فرمایا: ''بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ وادی مکہ سے ایک سواروں کا لشکر تم پر تاخت و تاراج کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا تمہیں یقین آ جائے گا؟'' وہ بولے: ''ہاں۔ کیوں کہ ہم نے تم کو سچ ہی بولتے دیکھا ہے''۔ آپ نے فرمایا: ''تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا''۔ اس پر ابولہب بولا: ''تجھ پر آئندہ ہمیشہ ہلاک و زیان ہو۔ کیا اس کے لیے تو نے ہم کو جمع کیا ہے؟'' تب یہ آیتیں نازل ہوئیں:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝

''ہلاک ہوں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور ہلاک ہو وہ۔ کام نہ آیا اس کو مال اس کا اور نہ جو کچھ کمایا۔''

جب آنحضرت ﷺ نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی اعلانیہ مذمت شروع کی تو سرداران قریش عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ بن عبد شمس، ابوسفیان، ابوجہل ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل سہمی اور اسود بن مطلب وغیرہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تیرا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتاتا ہے اور ہمیں احمق ٹھہراتا ہے۔ تم اس کو منع کر دو۔ یا بیچ میں سے ہٹ جاؤ۔ ہم اس سے سمجھ لیں گے۔ ابوطالب نے انہیں نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ آپ نے تبلیغ کو جاری رکھا مگر قریش بجائے روبراہ ہونے کے آپ سے عداوت زیادہ کرنے لگے۔ اور ایک دوسرے کو آپ سے لڑنے پر ابھارنے لگے۔ وہ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''ابوطالب! بے شک ہم میں تیری قدر و منزلت ہے ہم نے تم سے کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو منع کر دو۔ مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ خدا کی قسم! ہم اپنے معبودوں اور آباؤ اجداد کی توہین گوارا نہیں کر سکتے۔ تم اس کو روک دو ورنہ وہ اور تم میدان میں آ جاؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے''۔ وہ یہ کہہ کر چلے گئے۔ ابوطالب نے حضور علیہ السلام کو بلا کر کہا: ''اے میرے بھتیجے! تیری قوم نے میرے پاس آ کر ایسا ایسا کہا ہے تو اپنے آپ پر اور مجھ پر رحم کر۔ اور مجھ امر مالا یطاق کی تکلیف نہ دے''۔ یہ سن کر حضور نے بدیں خیال کہ اب میرے چچا نے مجھے چھوڑ

دیا ہے اور میری مدد سے عاجز آ گیا ہے یوں فرمایا ''اے میرے چچا! اللہ کی قسم اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تا کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں۔تب بھی میں اس کو نہ چھوڑوں گا۔یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کردے یا میں خود اس میں ہلاک ہو جاؤں'' (۱۱)

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید ۔۔۔ یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

پھر آپ آبدیدہ ہوئے اور رو پڑے۔آپ واپس ہوئے تو ابو طالب نے کہا: ''اے میرے بھتیجے! جو کچھ آپ چاہیں کہیں میں کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا''۔ جب قریش نے دیکھا کہ ابو طالب اس طرح نہیں مانتا۔تو عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ساتھ لے کر اس کے پاس آئے، کہنے لگے: اے ابو طالب! یہ عمارہ قریش میں نہایت قوی اور خوبصورت نوجوان ہے۔ہم یہ تجھے دیتے ہیں۔تو اس کو اپنا بیٹا بنا لے۔ اور اس کے عوض میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دے۔ابو طالب نے کہا: ''اللہ کی قسم! تم مجھے بڑی تکلیف دیتے ہو۔کیا تم مجھے اپنا بیٹا دیتے ہو کہ میں اسے تمہارے واسطے پالوں اور اپنا بیٹا تمہیں دوں کہ اسے قتل کر ڈالو! اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا''۔یہ سن کر قریش اور بھی برافروختہ ہو گئے وہ ایک روز ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے۔ولید مذکور فصاحت و بلاغت میں ان کا سردار تھا۔ایام حج قریب تھے ولید و قریش میں یوں گفتگو ہوئی:

ولید: اے گروہ قریش! حج کا موسم آ گیا ہے۔عرب کے قبائل تمہارے پاس آئیں گے جنہوں نے تمہارے صاحب کا حال سن لیا ہے۔اس کے بارے میں ایک رائے پر اتفاق کر لو۔ایسا نہ ہو کہ تم ایک دوسرے کی تکذیب کرو۔

قریش: آپ ہی ایک رائے قائم کر دیں۔ہم اسے تسلیم کر لیں گے۔

ولید: نہیں، تم کہو میں سنتا ہوں۔

قریش: ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہے۔

ولید: اللہ کی قسم وہ کاہن نہیں۔ہم نے کاہن دیکھے ہوئے ہیں۔اس کا کلام نہ کاہن کا زمزمہ ہے نہ سجع۔

قریش: ہم کہیں گے کہ وہ دیوانہ ہے۔

ولید: وہ دیوانہ نہیں۔ہم نے دیوانگی دیکھی ہوئی ہے۔وہ دیوانہ کا غیظ و غضب نہیں نہ دیوانہ کا خلجان و وسوسہ ہے۔

قریش: ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔

ولید: وہ شاعر نہیں۔ہمیں تمام اقسام شعر رجز، ہزج، قریض، مقبوض اور مبسوط معلوم ہیں۔اس کا

کلام شعر نہیں۔

قریش: ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔

ولید: وہ جادوگر نہیں۔ ہم نے جادوگر اور ان کے جادو دیکھے ہوئے ہیں۔ یہ جادوگروں کا پھونک مارنا نہیں۔ اور نہ ان کا رسیوں یا بالوں کو گرہ دینا ہے۔

قریش: ابوعبد شمس! پھر تم بتاؤ ہم کیا کہیں؟

ولید: اللہ کی قسم، اس کے کلام میں بڑی حلاوت ہے۔ اس کلام کی اصل مضبوط جڑ والا درخت خرما ہے اور اس کی فرع پھل ہے۔ ان باتوں میں سے جو بات تم کہو گے۔ وہ ضرور پہچان لی جائے گی کہ جھوٹ ہے۔ اس کے بارے میں صحت سے قریب تر یہ قول ہے کہ تم کہو۔ وہ جادوگر ہے۔ اور ایسا کلام لایا ہے جو جادو ہے۔ اس کلام میں وہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، میاں بیوی میں اور خویش واقارب میں جدائی ڈال دیتا ہے۔

ولید کا کلام سن کر وہ مجلس سے چلے گئے۔ جب موسم حج میں لوگ آنے لگے تو وہ ان کے راستوں میں بیٹھتے۔ جو کوئی ان کے پاس سے گزرتا وہ اس کو آنحضرت ﷺ سے ڈرا دیتے اور آپ کا حال بیان کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ولید کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ○ وَّجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ○ وَّبَنِينَ شُهُودًا ○ وَّمَهَّدْتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ○ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ○ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ○

"چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو جو میں نے بنایا اکیلا۔ اور دیا میں نے اس کو مال پھیلا کر اور بیٹے موجود (یعنی زندگی والے) اور تیار کر دی اس کی خوب تیاری۔ اور پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور دوں۔ کوئی نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف۔"

ان کے بعد کی اور کئی آیتیں ولید ہی کے بارے میں ہیں۔

اسی طرح ایک دن جب کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے سردار قوم عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس اور قریش میں یوں (۱۲) گفتگو ہوئی:

عتبہ: اے گروہ قریش! کیا میں محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں تا کہ اس سے کلام کروں اور چند باتیں اس کے آگے پیش کروں۔ شاید وہ ان میں سے ایک بات کو پسند کرے۔ پس ہم وہ کر دیں اور وہ ہم سے باز رہے۔

قریش: ہاں اے ابوالولید۔ آپ جائیے اور اس سے گفتگو کیجئے۔

عتبہ: (حضرت سے مخاطب ہو کر) بھائی کے بیٹے! آپ کو معلوم ہے کہ خویش واقارب میں آپ

بزرگ و برگزیدہ اور نسب میں عالی رتبہ ہیں۔ آپ اپنی قوم میں ایک نیا مذہب لائے ہیں جس سے آپ نے ان کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ آپ نے ان کے داناؤں کو نادان بتایا۔ ان کے معبودوں اور ان کے دین کو برا کہا۔ اور ان کے گزشتہ آباؤ اجداد کو کافر بتایا۔ سنیئے میں چند باتیں پیش کرتا ہوں۔ شاید آپ ان میں سے ایک بات پسند فرمائیں۔

آنحضرت ﷺ: ابوالولید! بیان کر میں سنتا ہوں۔

عتبہ: بھائی کے بیٹے! اس نئے مذہب سے آپ کا مقصود اگر مال ہے تو ہم آپ کے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ ہم سب سے زیادہ مالدار بن جائیں۔ اگر اس سے ہم پر شرف مقصود ہے تو آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ آپ کے بغیر کوئی کام نہ کیا کریں گے۔ اگر آپ کو ملک مطلوب ہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر ہم آپ سے اس جن کو نہ روک سکیں جو آپ کے پاس آتا ہے تو آپ کا علاج کرائیں گے اور علاج میں اپنا خرچ کریں گے۔ یہاں تک کہ وہ جن بھاگ جائے۔

آنحضرت ﷺ: ابوالولید کیا تو کہہ چکا جو کہنا تھا؟

عتبہ: ہاں۔

آنحضرت ﷺ: مجھ سے سن۔

عتبہ: سنائیے۔

(آنحضرت ﷺ نے سورہ حم السجدہ کی آیات تا آیہ سجدہ تلاوت فرما کر سجدہ کیا اور عتبہ کھڑا سنتا رہا)

آنحضرت ﷺ: ابوالولید! تو نے سنا؟

عتبہ: میں نے سن لیا۔ آپ جانیں اور آپ کا کام۔

قریش: (عتبہ کو آتا دیکھ کر ایک دوسرے سے) اللہ کی قسم ابوالولید وہ چہرہ لے کر نہیں آیا جو لے کر گیا تھا۔ (عتبہ کو پاس بیٹھا دیکھ کر) ابوالولید! وہاں کا حال سنائیے۔

عتبہ: اللہ کی قسم میں نے ایسا کلام سنا کہ اس کی مثل کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم وہ شعر نہیں۔ نہ جادو ہے۔ نہ کہانت۔ اے گروہ قریش! میرا کہا مانو۔ اس شخص کو کرنے دو جو کرتا ہے اور اس سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم میں نے جو کلام اس سے سنا ہے اس کی بڑی عظمت و شان ہو گی۔ اگر عرب اس کو مغلوب کر لیں تو تم غیر کے ذریعے اس سے بچ گئے۔ اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کا ملک تمہارا ملک ہے۔ اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے تم اس کے سبب سے خوش نصیب ہو جاؤ گے۔

قریش: ابوالولید! اللہ کی قسم اس نے اپنی زبان سے تجھے بھی جادو کر دیا۔

عتبہ: اس کی نسبت میری یہی رائے ہے۔ تم جو چاہو کرو۔

اب رسول اللہ ﷺ کا ذکر بلاد عرب میں دور دور پہنچ چکا تھا قریش روز بروز تشدد میں زیادتی کرتے جاتے تھے۔ انہوں نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ کمینے لوگوں کو آپ پر برانگیختہ کیا۔ آپ کی تکذیب کی۔ آپ پر استہزاء کیا۔ آپ کو شاعر کہا۔ جادوگر بتایا۔ کاہن کہا۔ سڑی اور پاگل بتایا مگر آپ برابر تبلیغ فرماتے رہے۔

ایک روز آپ خانہ کعبہ کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے۔ حرم شریف میں اس وقت قریش کی ایک جماعت موجود تھی۔ عقبہ بن ابی معیط نے ابوجہل کی ترغیب سے ذبح کیے ہوئے اونٹوں کی اوجھ سجدے کی حالت میں آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی یہ دیکھ کر وہ سب نابکار قہقہہ مار کر ہنسے۔ کسی نے آپ کی صاحب زادی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر کر دی۔ وہ فوراً دوڑی آئیں اور آپ کی پشت مبارک سے وہ پلیدی دور کر دی اور ان کو برا بھلا کہا۔ یہ نابکار حرمات اللہ کی بے حرمتی بھی کیا کرتے تھے۔ اس لیے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو یوں بددعا فرمائی۔ (۱۳) "یا اللہ! تو گروہ قریش کو پکڑ۔ یا اللہ! تو ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف کو پکڑ"۔ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سب کو بدر کے دن مقتول دیکھا اور امیہ کے سوا سب چاہ بدر میں پھینک دیئے گئے۔ امیہ موٹا تھا۔ جب اسے کھینچنے لگے تو چاہ میں ڈالنے سے پہلے ہی اس کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

اسی طرح شیاطین قریش ایک دن خانہ کعبہ میں جمع تھے۔ ابوجہل ایک بھاری پتھر اٹھا کر سجدے کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے سر مبارک کو کچلنے کے لیے آگے بڑھا۔ جب وہ نزدیک پہنچا تو وہ خوف زدہ اور رنگ بدلا ہوا پیچھے بھاگا۔ اور پتھر ہاتھ سے نہ پھینک سکا۔ قریش نے پوچھا: ابوالحکم! تجھے کیا ہوا؟ بولا جب میں نزدیک گیا تو میں نے اس کے پیچھے ایک اونٹ دیکھا۔ اللہ کی قسم میں نے اس کا وہ سر اور گردن اور دانت دیکھے کہ کبھی کسی اونٹ کے دیکھنے میں نہیں آئے۔ وہ اونٹ مجھے کھانے لگا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (۱۴) وہ جبرائیل تھے۔ اگر ابوجہل اور نزدیک آتا تو اسے پکڑ لیتے"۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ نابکار کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن مبارک میں چادر ڈالی۔ پھر اسے کھینچا یہاں تک کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دوڑے آئے اور فرمانے لگے۔ (۱۵) "کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے"۔ یہ

سن کر وہ ہٹ گئے۔

یہ اذیتیں آنحضرت ﷺ تک محدود نہ تھی۔ بلکہ آپ کے اصحاب بھی طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا تھے۔ وہ غریب مسلمان جن کا مکہ میں کوئی قبیلہ اور یار و یاور نہ تھا۔ خصوصیت سے قریش کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ اذیتیں مختلف انواع کی تھیں مثلاً آگ پر لٹا دینا۔ تپتی ریت پر لٹا کر بھاری پتھر سینہ پر رکھ دینا تاکہ کروٹ نہ لے سکے۔ چابک سے اس قدر مارنا کہ ٹوٹ جائے۔ چٹائی میں لپیٹ کرناک میں دھواں دینا۔ جکڑ کر کوٹھڑی میں بند کر دینا۔ پاؤں میں رسی باندھ کر تپتی ریت پر گھسیٹنا۔ گلا اس قدر گھونٹنا کہ دم نکل جانے کا گمان ہو جائے۔ زدوکوب سے بے ہوش و مختل الحواس کر دینا نیزہ مار کر ہلاک کر دینا وغیرہ۔

سنہ ۵ نبوت: جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ مسلمانوں کا مکہ میں رہنا مشکل ہو گیا ہے تو آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ ملک حبشہ کا بادشاہ اپنے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ تم میں سے جو چاہیں وہاں چلے جائیں۔ چنانچہ اس سال ماہ رجب میں اول اول گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ جن میں حضرت عثمان غنی اور ان کی زوجہ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ بھی تھیں۔ حسن اتفاق سے جب یہ بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبشہ کو جا رہے تھے۔ جہاز والوں نے ان کو سستے کرایہ پر بٹھا لیا۔ قریش کو خبر لگی تو انہوں نے بندرگاہ تک تعاقب کیا۔ مگر موقع نکل چکا تھا۔

مہاجرین قریباً تین ماہ حبشہ میں امن و امان سے رہے۔ ماہ شوال میں ان کو یہ غلط خبر پہنچی کہ اہل مکہ ایمان لے آئے ہیں۔ اس لیے ان میں سے اکثر مکہ میں واپس آ گئے۔

سنہ ۶ نبوت: اس سال آنحضرت کے چچا امیر حمزہ ایمان لائے۔ اور ان کے تین دن بعد حضرت عمر فاروق بھی مشرف باسلام ہوئے جو لوگ حبشہ سے واپس آئے تھے قریش نے ان کو اور دوسرے مسلمانوں کو زیادہ ستانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ اس دفعہ ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں حضور علیہ السلام کی اجازت سے ہجرت کر کے حبشہ چلی گئیں۔

جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو مہاجرین حبشہ میں سے کچھ لوگ فوراً واپس آ گئے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب وغیرہ جو وہاں رہ گئے تھے وہ فتح خیبر کے وقت مدینہ میں واپس آئے۔ جب حضرت جعفر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے ان سے معانقہ کیا۔ اور پیشانی کو بوسہ دے کر فرمایا۔ (۱۹) "میں نہیں بتا سکتا کہ فتح خیبر سے مجھے زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آنے سے"۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بارادۂ ہجرت حبشہ کی طرف نکلے تھے برک الغماد تک جو یمن کی طرف پانچ دن کی راہ ہے پہنچے تھے کہ قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغنہ ملا۔ اس نے پو

رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ میری قوم نے مجھے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ سا فیاض و مہمان نواز اپنوں سے نیک سلوک کرنے والا۔ غریب پرور اور حوادث حق میں لوگوں کا مددگار مکہ سے نکل جائے یا نکالا جائے۔ میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اس لیے آپ ابن الدغنہ کے ساتھ مکہ میں واپس آ گئے۔ (۱۷)

جب قریش کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے مشورہ کر کے ایک سفارت بسر کردگی عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ (یا عمارہ بن ولید) نجاشی کی خدمت میں مع تحائف بھیجی۔ سفراء وہاں پہنچ کر پہلے بادشاہ کے بطارقہ سے ملے۔ اور نذریں پیش کر کے کہا کہ ہم میں چند نادان لونڈوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت و بت پرستی دونوں سے جدا ہے۔ وہ بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ ہمیں اشراف قریش نے آپ کے بادشاہ کے پاس بھیجا ہے کہ ان کو واپس کر دے۔ درخواست پیش ہونے پر آپ ہماری تائید کر دیں چنانچہ سفراء نے نجاشی کی خدمت میں حاضر ہو کر تحائف پیش کیے۔ اور سارا قصہ بیان کیا۔ بادشاہ نے مہاجرین کو طلب کیا۔ بطارقہ نے کہا: "حضور! یہ لوگ ان کے حال سے بخوبی واقف ہیں آپ ان کے حوالہ کر دیں"۔ بادشاہ نے کہا "نہیں پہلے ہم ان سے دریافت کر لیں"۔ چنانچہ جب مہاجرین دربار میں حاضر ہوئے تو حضرت جعفر بن ابی طالب نے ان کی طرف سے اس طرح تقریر شروع کی: (۱۸)

شاہا! "ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ اپنوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے۔ قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ ہم اس حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول ہماری طرف بھیجا۔ جس کے نسب اور صدق و امانت اور پرہیزگاری سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہم کو یہ دعوت دی کہ ہم خدا کو ایک جانیں۔ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ بتوں کی پوجا جو ہم اور ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے چھوڑ دیں۔ سچ بولا کریں۔ امانت ادا کریں۔ اپنوں سے محبت و سلوک رکھیں۔ ہمسایوں سے نیک سلوک کریں۔ محارم اور خون ریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ عفیف عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں۔ صدقہ دیں۔ روزے رکھیں پس ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ شرک و بت پرستی چھوڑ دی۔ حرام کو حرام اور حلال کو حلال جاننے لگے۔ اس جرم پر ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی۔ اور اذیت دے کر مجبور کرنے لگی کہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر پھر بتوں کو پوجنے لگ جائیں۔ اور خبائث کو بدستور سابق حلال سمجھیں۔ جب انہوں نے ہم پر قہر ڈھایا اور ہمارے فرائض مذہبی کی بجا آوری میں سدِ راہ ہو گئے۔ تو ہم آپ کے ملک میں آپ کی پناہ

میں آ گئے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا''۔

یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا کہ تمہارے پیغمبر پر جو کلام اترا ہے اس میں سے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کی چند آیتیں پڑھیں۔ نجاشی سن کر اتنا رویا کہ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اور اس کے اساقفہ بھی روئے۔ پھر نجاشی نے کہا: ''یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں''۔ اس کے بعد سفیروں سے کہا کہ تم واپس چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں ان کو تمہارے حوالہ نہ کروں گا۔

دوسرے دن عمرو بن العاص نے حاضر دربار ہو کر عرض کیا: ''حضور! یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی نسبت برا عقیدہ رکھتے ہیں''۔ نجاشی نے مسلمانوں کو طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا کہ ''تم حضرت عیسیٰ کی نسبت کیا عقیدہ رکھتے ہو؟'' حضرت جعفر نے کہا ہم اعتقاد رکھتے ہیں جیسا کہ ہمارے پیغمبر نے فرمایا ہے کہ عیسیٰ خدا کے بندے اور پیغمبر اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا: ''واللہ جو تم نے کہا حضرت عیسیٰ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں''۔ جب نجاشی کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تو بطارقہ حاضرین کے نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی۔ مگر نجاشی نے پروا نہ کی۔ اور سفارت بالکل ناکام واپس آئی۔

مقاطعہ نبوت: قریش نے جب دیکھا کہ باوجود تشدد و مزاحمت کے اسلام قبائل عرب میں پھیل رہا ہے۔ حضرت حمزہ و عمر رضی اللہ عنہما جیسے لوگ ایمان لا چکے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے اور سفارت بھی بے نیلِ مرام واپس آ گئی ہے تو انہوں نے بالاتفاق یہ قرار (۱۹) دیا کہ (حضرت) محمد (ﷺ) کو اعلانیہ قتل کر دیا جائے۔ ابو طالب کو یہ خبر پہنچی تو اس نے بنی ہاشم و بنی مطلب کو جمع کر کے کہا کہ (حضرت) محمد (ﷺ) کو بغرض حفاظت اپنے شعب (درہ) میں لے چلو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب قریش کو معلوم ہوا کہ ہاشم و مطلب کی اولاد نے (سوائے ابولہب کے) بلا امتیاز حضرت کو اس طرح اپنی پناہ میں لے لیا ہے تو انہوں نے مقام محصب میں جو کہ مکہ و منیٰ کے درمیان ہے آپس میں یہ عہد کیا کہ ہاشم و مطلب کی اولاد سے مناکحت اور لین دین سب موقوف کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ تنگ آ کر محمد (ﷺ) کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ کر دیں۔ (۲۰) اور تاکید مزید کے لیے یہ معاہدہ تحریر کر کے کعبۃ اللہ کی چھت میں لٹکا دیا۔ کفار قریش نے نہایت سختی سے اس معاہدہ پر عمل کیا۔ باہر سے جو غلہ مکہ میں آتا وہ خود ہی خرید لیتے اور مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیتے۔ اگر ان میں سے کوئی بطور صلہ رحم اپنے کسی مسلمان رشتہ دار کو اناج بھیجتا تو اس کے بھی سدراہ ہوتے۔ غرض بنو ہاشم شعب ابی طالب میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ ابو طالب کا یہ معمول تھا کہ جب لوگ سو جاتے تو آنحضرت ﷺ کو

بغرض حفاظت آپ کے بستر سے اٹھاتا تاکہ دوسرے بستر پر جا لیٹیں اور آپ کے بستر پر اپنے کسی بیٹے یا بھائی کو لٹاتا۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ابو طالب آپ کی مراعات و مدد کیا کرتا تھا۔ اور آپ کے لیے ناراض ہوا کرتا تھا۔ کیا یہ عمل اس کو فائدہ دے گا؟ آپ نے فرمایا:

نعم وجدته فی غمرات من النّار فاخرجته الیٰ ضحضاح۔

''ہاں میں نے اسے سرتاپا بڑی آگ میں پایا پس اس کو نکال کر تھوڑی آگ میں کر دیا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچی ہے۔''

یہ تو عذاب قبر میں تخفیف ہے قیامت کو بھی اس کی یہی حالت ہوگی۔ چنانچہ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ابو طالب کا ذکر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لعلّه تنفعه شفاعتی یوم القیمة فیجعل فی ضحضاح من النّار یبلغ کعبیه یغلی منه دماغه۔

''مجھے امید ہے قیامت کو میری شفاعت اسے فائدہ دے گی۔ پس اس کو تھوڑی آگ میں کر دیا جائیگا جو اسکے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے اس کا دماغ جوش کھائے گا۔''

بعض علماء نے خلاف احادیث صحاح ابو طالب کا ایمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ واللعلم عنداللہ۔

جب تین سال اسی حالت میں گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو خبر دی کہ اس معاہدے کو دیمک اس طرح چاٹ گئی ہے کہ اللہ کے نام کے سوا اس میں کچھ باقی نہیں رہا۔ آپ نے یہ خبر ابو طالب کو دی۔ اس نے کفار قریش کو جا کر کہا: ''اے گروہ قریش! میرے بھتیجے نے مجھ کو اس طرح خبر دی ہے۔ تم اپنا معاہدہ لاؤ۔ اگر یہ خبر صحیح نکلی تو تم قطع رحم سے باز آؤ۔ اور اگر غلط نکلی تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کر دوں گا''۔ وہ اس پر راضی ہو گئے۔ جب معاہدہ دیکھا گیا تو ویسا ہی پایا گیا جیسا کہ خبر دی گئی تھی۔ اسی وقت پانچ اشخاص (ہشام بن عمر۔ زبیر بن ابی امیہ مخزومی۔ مطعم بن عدی۔ ابو البختری۔ زمعہ بن الاسود) کچھ قیل و قال کے بعد اس معاہدے کو چاک کرنے پر متفق ہو گئے۔ اور آخر کار ابو البختری نے لے کر پھاڑ ڈالا باقی سب بجائے رو براہ ہونے کے مزید ایذاء کے درپے ہو گئے۔

۱۰ نبوت: اس سال ماہ رمضان میں ابو طالب نے وفات پائی۔ اور اس کے تین روز بعد خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی انتقال فرما گئیں۔ اب کفار قریش رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی پر اور

دلیر ہو گئے۔ ایک روز ایک نابکار نے راہ میں آپ کے سر مبارک پر خاک ڈال دی۔ آپ اسی حالت میں گھر تشریف لے گئے۔ آپ کی صاحبزادی نے دیکھا۔ تو پانی لے کر سر مبارک کو دھونے لگیں۔ اور روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ''جان پدر! اللہ تعالیٰ تیرے باپ کو بچالے گا''۔ (۲۱)

آخر آنحضرت ﷺ نے تنگ آ کر اس خیال سے کہ اگر ثقیف ایمان لے آئے تو قریش کے بر خلاف میری مدد کریں گے۔ طائف کا قصد کیا۔ زید بن حارثہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر اشراف ثقیف یعنی عبدیالیل اور اس کے بھائی مسعود حبیب کو دعوت اسلام دی۔ مگر انہوں نے آپ کی دعوت کا بری طرح جواب دیا۔ ایک بولا: ''اگر تجھے خدا نے پیغمبر بنایا ہے تو وہ کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے''۔ دوسرے نے کہا: ''کیا خدا کو پیغمبری کے لیے تیرے سوا کوئی اور نہ ملا؟'' تیسرے نے کہا: ''میں ہرگز تجھ سے کلام نہیں کر سکتا۔ اگر تو پیغمبری کے دعویٰ میں سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ اور اگر جھوٹا ہے تو قابل خطاب نہیں''۔ جب آپ مایوس ہو کر واپس ہوئے تو انہوں نے کمینے لوگوں اور غلام کو آپ پر ابھارا۔ جو آپ کو گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے تھے۔ اتنے میں لوگ جمع ہو گئے۔ وہ آپ کے راستہ میں دو رویہ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب آپ درمیان سے گزرے تو قدم اٹھاتے وقت آپ کے پاؤں پر پتھر برسانے لگے۔ یہاں تک کہ نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ جب آپ کو پتھروں کا صدمہ پہنچتا تو بیٹھ جاتے۔ مگر وہ بازو تھام کر کھڑا کر دیتے۔ جب پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے اور ساتھ ساتھ ہنستے جاتے۔ اس طرح انہوں نے عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ کے باغ تک آپ کا تعاقب کیا۔ آپ نے باغ میں ایک انگور کی شاخ کے سایہ میں پناہ لی۔ عتبہ اور شیبہ اگرچہ آپ کے سخت دشمن تھے۔ مگر آپ کی اس حالت پر ان کو بھی رحم آ گیا۔ انہوں نے اپنے نصرانی غلام عداس سے کہا کہ انگور کا ایک خوشہ تھال میں رکھ کر ان کے پاس لے جا اور کہہ دے کہ کھالیں۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کر کھایا۔ عداس متعجب ہو کر کہنے لگا کہ ان شہروں کے لوگ ایسا نہیں کہتے۔ آپ نے پوچھا: تو کہاں سے ہے؟ اس نے کہا نینویٰ سے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ نیک بندے یونس بن متٰی کا شہر ہے پھر اس نے آپ سے یونس کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بھی میری طرح پیغمبر تھے۔ یہ سن کر وہ آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور اسلام لایا۔

اسی سفر میں مقام نخلہ میں جو مکہ مشرفہ سے ایک رات کا راستہ ہے شہر نصیبین (۲۲) کے جن حاضر ہوئے۔ آپ رات کو نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ وہ سن کر ایمان لائے۔ و اذ صرفنا الیك نفرا من الجن الآیہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ نخلہ میں چند روز قیام رہا۔ وہاں سے آپ حرا میں

تشریف لائے۔ اور مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ کیا تم مجھے اپنی پناہ وامان میں لے سکتے ہو؟ مطعم نے قبول کیا۔ آپ رات کو مطعم کے ہاں رہے۔ جب صبح ہوئی تو مطعم اور اس کے بیٹوں نے ہتھیار لگائے اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ طواف کیجئے۔ اور خود تلواریں لگائے ہوئے مطاف میں موجود رہے جب حضرت طواف سے فارغ ہوئے تو اسی ہیئت میں آپ کے دولت خانہ تک آپ کے ساتھ آئے۔

اس سفر کے مدتوں بعد ایک روز عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن آیا ہے جو احد کے دن سے سخت ہو۔ فرمایا بے شک میں نے تیری قوم سے دیکھا جو دیکھا۔ اور جو میں نے ان سے دیکھا اس میں سب سخت عقبہ کا دن تھا۔ جب کہ میں انے اپنے آپ کو عبد یالیل بن کلال پر پیش کیا۔ اس نے دعوت اسلام کو قبول نہ کیا۔ پس میں غم کی حالت میں گردن جھکائے چلا۔ مجھے ہوش نہ آیا مگر قرن الثعالب میں سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل نے مجھے سایہ کیا ہوا ہے۔ میں نے نظر اٹھائی تو اس بادل میں حضرت جبرائیل دکھائی دیئے۔ حضرت جبرئیل نے مجھے آواز دی اور کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول سن لیا ہے اور انہوں نے جو آپ کو جواب دیا وہ بھی سن لیا ہے۔ آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا گیا ہے۔ تا کہ آپ اسے حکم دیں جو کچھ آپ اپنی قوم میں چاہتے ہیں۔ حضور کا بیان ہے کہ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی اور سلام کے بعد کہا اے محمد! بے شک اللہ نے آپ کی قوم کا قول سن لیا ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ مجھ کو آپ کے رب نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ تا کہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں اخشبین (۲۳) کو ان پر الٹ دوں۔ (تو الٹ دیتا ہوں) آپ نے جواب دیا: ''نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے بندے پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے''۔ (۲۴)

۱۱ تا ۱۳ نبوت: آنحضرت ﷺ کی عادت شریف تھی کہ ہر سال موسم حج میں تمام قبائل عرب کو جو مکہ اور نواح مکہ میں موجود ہوتے دعوت اسلام دیا کرتے تھے۔ اسی غرض سے ان کے میلوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے۔ ان میلوں میں سے عکاظ و مجنہ و ذوالمجاز کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ عکاظ جو ان سب سے بڑا تھا نخلہ و طائف کے درمیان طائف سے دس میل کے فاصلہ پر لگا کرتا تھا۔ یہ عرب کی تجارت کی بڑی منڈی اور شعراء کا دنگل تھا ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے بیس تک رہا کرتا تھا۔ پھر مجنہ جو مرالظہر ان کے متصل مکہ سے چند میل پر تھا۔ اخیر ذیقعدہ تک لگتا۔ اور ذوالمجاز جو عرفہ کے متصل تھا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے آٹھویں تک قائم رہتا۔ بعد ازاں لوگ حج کو نکلتے۔ آنحضرت ﷺ لوگوں کے ڈیروں پر جا کر تبلیغ فرماتے۔ مگر کوئی آپ کی نصرت کا دم نہ بھرتا تھا۔ عرب کے قبائل جن کے پاس حضرت بغرض تبلیغ

تشریف لے گئے یہ ہیں: بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ، ان سب کو آپ نے دعوت اسلام دی۔ مگر کوئی ایمان نہ لایا ابولہب لعین ہر جگہ ساتھ جاتا۔ جب آپ کہیں تقریر فرماتے تو وہ برابر سے کہتا "اس کا کہنا نہ مانیو۔ یہ بڑا دروغ گو دین سے پھرا ہوا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے دین اور اپنے رسول کا اعزاز منظور تھا۔ اس لیے نبوت کے گیارھویں سال ماہ رجب میں جب آپ نے حسب عادت منیٰ میں عقبہ کے نزدیک جہاں اب مسجد عقبہ ہے قبیلہ خزرج کے چھ آدمیوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ ایمان لے آئے۔

واضح رہے کہ مدینہ کا اصلی نام یثرب تھا۔ بہت قدیم زمانہ میں یہاں قوم عمالقہ کے لوگ آباد تھے۔ ان کے بعد شام سے یہود آبسے۔ اور انہوں نے یثرب اور اس کے نواح میں اپنی سکونت کے لیے آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے۔ جب مارب واقع یمن میں سیل عرم آیا تو وہاں کے لوگ یمن سے نکل کر مختلف جگہوں میں چلے گئے۔ چنانچہ قبیلہ ازد بن غوث قحطانی کے دو بھائی اوس و خزرج یثرب میں آبسے۔ تمام انصار ان ہی دو کے خاندان سے ہیں۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ یہود کا چونکہ بڑا اقتدار و زور تھا اس لیے قبیلہ اوس و خزرج آخر کار ان کے حلیف بن گئے۔ یہود اہل کتاب اور صاحب علم تھے۔ اوس و خزرج نے جو بت پرست تھے ان سے سنا ہوا تھا کہ ایک اور پیغمبر عنقریب معبوث ہونے والا ہے۔ اس لیے جب آنحضرت ﷺ نے حسب معمول دعوت اسلام دی تو خزرج کے چھ اشخاص نے آپ کے حالات پر غور کر کے ایک دوسرے سے کہا کہ "واللہ! یہ تو وہی ہیں جن کا ذکر ہم نے یہود مدینہ سے سنا ہوا ہے۔ کہیں یہود ہم سے سبقت نہ لے جائیں" اس لیے وہ سب آپ پر ایمان لائے۔ انہوں نے مدینہ میں پہنچ کر اپنے بھائی بندوں کو اسلام کی دعوت دی۔ آئندہ سال بارہ مرد ایام حج میں مکہ میں آئے۔ اور انہوں نے عقبہ کے متصل آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر عورتوں کی طرح بیعت کی۔ کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ چوری نہ کریں گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے زنا نہ کریں گے بہتان نہ لگائیں گے کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گے۔ چونکہ عورتوں سے ان ہی باتوں پر بیعت (۲۵) ہوئی تھی۔ اس لیے بیعت مذکورہ کو عورتوں کی سی بیعت کہا گیا۔ اس کو بیعت عقبہ اولیٰ یعنی عقبہ میں اول مرتبہ بیعت بولتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ان بارہ کے ساتھ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف کو بدیں غرض بھیجا کہ ان کو تعلیم اسلام دیں۔ حضرت مصعب نے سعد بن زرارہ کے مکان پر قیام کیا۔ پھر ان کو ساتھ لے کر بنی عبد الاشہل اوسی میں آئے۔ اس قبیلہ کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر آپ کے سمجھانے سے ایمان لائے۔ اور ان کے ایمان لانے سے سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

بقول مشہور اسی سال ماہ رجب کی ستائیسویں رات کو آنحضرت ﷺ کو حالت بیداری میں جسد شریف کے ساتھ معراج شریف ہوا اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

نبوت کے تیرھویں سال میں ایام حج میں انصار کے ساتھ ان کی قوم کے بہت سے مشرک بھی بغرض حج مکہ میں آئے۔ جب حج سے فارغ ہوئے تو ان میں سے تہتر مرد اور دو عورتیں اپنی قوم سے چھپ کر ایام تشریق میں رات کے وقت عقبہ منیٰ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت عباس بن عبدالمطلب جواب تک اسلام نہ لائے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے سب سے پہلے وہی بولے "اے گروہ خزرج محمد (ﷺ) اپنی قوم میں معزز ہیں۔ اور اپنے شہر میں مددگاروں کی ایک جماعت ساتھ رکھتے ہیں۔ ہم نے ان کو دشمنوں سے بچایا ہے اگر تم اپنے عہد کو پورا کر سکو اور ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے ان کا ساتھ چھوڑ دو" اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دی اور فرمایا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم مجھ سے وہ چیز باز رکھو گے جو اپنے اہل و عیال سے باز رکھتے ہو۔ یہ سن کر سب سے پہلے براء بن معرور انصاری خزرجی نے آپ کا دست مبارک پکڑ کر کہا "ہمیں منظور ہے یا رسول اللہ ہمیں بیعت کر لیجئے۔ واللہ ہم اہل حرب و اہل سلاح ہیں۔ یہی ہمیں باپ دادا سے ہمیں ورثہ میں ملی ہیں" ابوالہیثم بن تیہان انصاری اوسی نے قطع کلام کر کے عرض کیا یا رسول اللہ! یہود سے ہمارے تعلقات ہیں جو بیعت سے ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اللہ آپ کو غلبہ دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں چلے جائیں۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا: "نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ تمہارا دشمن میرا دشمن اور تمہارا دوست میرا دوست ہے" اس طرح جب وہ بیعت کے لیے آمادہ ہو گئے تو عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری خزرجی نے ان سے کہا "یہ بھی خبر ہے کہ تم محمد (ﷺ) سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ عرب وعجم سے جنگ پر بیعت ہے۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ جب تمہارے مال تاراج ہوں اور تمہارے اشراف قتل ہوں۔ تم ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو ابھی سے چھوڑ دو۔ اور اگر ایسی مصیبت پر بھی ساتھ دو تو بیعت کر لو" سب بولے ہم اسی بات پر بیعت کرتے ہیں مگر یا رسول اللہ اگر ہم اس عہد پر ثابت رہیں ہمیں کیا ملے گا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا بہشت۔ یہ سن کر سب نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اسے عقبہ کی بیعت ثانیہ کہتے ہیں بیعت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں سے بارہ اشخاص نقیب مقرر کیا جن کے نام خود انصار نے پیش کیے اور ان سے یوں خطاب فرمایا "تم اپنی اپنی قوم کے کفیل ہو۔ جیسا کہ حواری حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہا السلام) کے تھے۔ اور میں اپنی قوم کا

کفیل ہوں'' وہ بولے کہ ہاں! منظور ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے اپنے ڈیروں پر چلے گئے۔ صبح کو قریش ان سے کہنے لگے ہم نے سنا ہے کہ تم نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر بیعت کی ہے۔ ان کے مشرک ساتھیوں نے کہا کہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی یہ سن کر قریش واپس چلے گئے۔ مگر تفتیش کے بعد حقیقت حال جو ان کو معلوم ہوئی تو انہوں نے انصار کا تعاقب کیا۔ صرف سعد بن عبادہ ان کے ہاتھ آئے۔ ظالموں نے ان ہی کے اونٹ کے تنگ سے ان کے ہاتھ گردن سے جکڑ لیے۔ اور مارتے پیٹتے اور سر کے بالوں سے گھسیٹتے ہوئے ان کو مکہ میں لے آئے۔ وہاں جبیر بن مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے ان کو چھڑایا۔

❀❀❀❀

باب : ٤

حالات ہجرت تا وفات شریف

قریش کی اذیت رسانی کے سبب سے اب مکہ میں مسلمانوں کا قیام نہایت دشوار ہو گیا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ۔ چنانچہ صحابہ کرام متفرق طور پر رفتہ رفتہ چوری چھپے مدینہ پہنچ گئے اور مکہ میں حضور انور بابی ہو وامی کے علاوہ حضرت ابو بکر و علی اور کچھ بیمار و عاجز رہ گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی اجازت مانگی تو حضور نے فرمایا "امید ہے کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل جائے گی" عرض کیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ یہ امید ہے؟" "فرمایا ہاں" یہ سن کر حضرت صدیق ہمراہی کی امید پر حاضر خدمت رہے۔

خبر دار الندوہ (۱): قریش نے جب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے مددگار مکہ سے باہر مدینہ میں بھی ہو گئے ہیں اور مہاجرین مکہ کو انصار نے اپنی حمایت میں لے لیا ہے تو وہ ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بھی وہاں چلے جائیں۔ اور اپنے مددگاروں کو ساتھ لے کر حملہ آور ہوں۔ اس لیے تمام قبائل قریش کے سردار عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ، ابو سفیان طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، ابو جہل بنیہ و منبہ پسران حجاج اور امیہ بن خلف وغیرہ دار الندوہ میں مشورہ کے لیے جمع ہوئے ابلیس لعین بھی کمبل اوڑھے اور شیخ پارسا کی صورت بنائے دروازہ پر آموجود ہوا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ بولا "میں نجدیوں سے ایک شیخ ہوں۔ میں نے سن لیا ہے جس امر کے لیے تم جمع ہوئے اس لیے میں بھی حاضر ہوا ہوں تاکہ سنوں کہ تم کیا کہتے ہو اور مجھے تم سے اپنی رائے اور نصیحت سے بھی دریغ نہ ہوگا" وہ بولے بہت اچھا آیئے۔ جب آنحضرت ﷺ کا معاملہ پیش ہوا تو ایک بولا اس کے ہاتھ پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال کر ایک کوٹھڑی میں بند کر دو اور کھانے پینے کو کچھ نہ دو خود ہلاک ہو جائے گا۔ شیخ نجدی نے کہا یہ رائے اچھی نہیں۔ اللہ کی قسم! اگر تم اس کو اس طرح کوٹھڑی میں قید بھی کر دو تو اس کی خبر بند دروازے میں سے اس کے اصحاب تک پہنچ جائے گی۔ وہ تم پر حملہ کر کے اس کو چھڑا لیں گے۔ دوسرا بولا کہ اس کو شہر سے نکال دو۔ جہاں چاہے چلا جائے ہمیں اس کا خوف نہ رہے گا۔ شیخ نجدی نے کہا اللہ کی قسم! یہ رائے اچھی نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کا کلام کیسا

شیریں اور دلفریب ہے اگر تم ایسا کرو گے تو ممکن ہے وہ کسی قبیلہ میں چلا جائے اور اپنے کلام سے اسے اپنا تابع بنا لے۔ اور پھر انہیں ساتھ لے کر تم پر حملہ کر دے۔ ابو جہل بولا۔ میرے ذہن میں ایک رائے ہے۔ جواب تک کسی کو نہیں سوجھی۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ ابو جہل نے کہا: ''وہ یہ ہے کہ ہم ہر قبیلہ میں سے ایک ایک عالی قدر دلیر خاندانی جوان لیں۔ اور ہر نوجوان کے ہاتھ میں ایک ایک تیز تلوار دے دیں۔ پھر وہ سب مل کر اس کو قتل کر دیں اور اس طرح جرم خون تمام قبائل پر عائد ہوگا عبد مناف کی اولاد تمام قبائل سے لڑ نہیں سکتی اس لیے وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ اور ہم آسانی سے خون بہا دیں گے'' یہ سن کر شیخ نجدی بولا ''یہی بات درست ہے اس کے سوا کوئی اور رائے نہیں'' سب نے اس رائے پر اتفاق کیا اور مجلس برخاست ہوگئی قرآن مجید کی آیہ ذیل میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے:

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ۝

''اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں اور اپنا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔'' (انفال، ع۴)

قصہ ہجرت: جب قریش قتل پر اتفاق کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو حضرت جبرائیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور قریش کے ارادہ کی آپ کو اطلاع دی اور عرض کیا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ عین (۲) دوپہر کے وقت حضور علیہ السلام حضرت ابو بکر کے گھر تشریف لے گئے۔ دروازے پر دستک دی۔ اجازت کے بعد اندر داخل ہوئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''جو تمہارے پاس ہیں ان کو نکال دو'' حضرت صدیق نے عرض کیا ''یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان، آپ کے اہل کے سوا کوئی اور نہیں'' آپ نے فرمایا کہ ''مجھے ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے'' حضرت صدیق نے عرض کیا ''یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان! میں آپ کی ہمراہی چاہتا ہوں'' رسول اللہ ﷺ نے منظور فرمایا۔ حضرت صدیق نے پھر عرض کیا ''یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان آپ ان دو اونٹنیوں (۳) میں سے ایک پسند فرمالیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں قیمت سے لوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو شادی کے بعد سے اس وقت تک اپنے والد بزرگوار کے گھر میں تھیں بیان فرماتی ہیں کہ ہم نے سفر کی ضروریات کو جلدی تیار کر دیا۔ اور دونوں کے لیے کچھ کھانا توشہ دان میں رکھ دیا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اپنے نطاق (پٹکے) کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے توشہ دان کا منہ اور دوسرے سے مشکیزہ کا منہ باندھا۔ جس کی وجہ سے ان کو

ذات النطاقین کہا جاتا ہے ایک کافر عبداللہ بن اریقط دئلی جو راستہ سے خوب واقف تھا رہنمائی کے لیے اجرت پر نوکر رکھ لیا گیا اور دونوں اونٹنیاں اس کے سپرد کر دی گئیں تاکہ تین راتوں کے بعد غار پر حاضر کر دے۔ اس انتظام کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے دولت خانہ کو تشریف لے گئے۔

ایک تہائی رات گزری تھی کہ قریش نے حسب قرارداد دولت خانہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس انتظار میں رہے کہ آپ سو جائیں تو حملہ آور ہوں۔ اس وقت آپ کے پاس صرف حضرت علی المرتضیٰ تھے۔ قریش کو اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے سخت عداوت تھی۔ مگر آپ کی امانت و دیانت پر انہیں اس قدر اعتماد تھا کہ جس کے پاس کچھ مال و اسباب ایسا ہوتا کہ اسے خود اپنے پاس رکھنے میں جوکھم نظر آتی وہ آپ ہی کے پاس امانت رکھتا۔ چنانچہ اب بھی آپ کے پاس کچھ امانتیں تھیں۔ اس لیے آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور حکم دیا کہ یہ امانتیں واپس کر کے چلے آنا۔ اور خود خاک کی ایک مٹھی لی (۴) اور سورہ یٰسین شریف کے شروع کی آیات فھم لا یبصرون تک پڑھتے ہوئے کفار پر پھینک دی اور اس مجمع میں سے صاف نکل گئے۔ کسی نے آپ کو نہ پہچانا ایک مخبر نے جو اس مجمع میں نہ تھا ان کو خبر دی کہ محمد (ﷺ) تو یہاں سے نکل گئے اور تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے ہیں انہوں نے اپنے سروں پر جو ہاتھ پھیرا تو واقعی میں خاک پائی۔ مگر حضرت علیؓ کو سبز چادر اوڑھے ہوئے سوتے دیکھ کر خیال کیا کہ رسول اللہ سو رہے ہیں جب صبح کو حضرت علی بیدار ہوئے تو وہ کہنے لگے کہ اس مخبر نے سچ کہا تھا۔

آنحضرت ﷺ اپنے دولت خانہ سے نکل کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ راستے میں بازار حزورہ میں جو بعد میں مسجد حرام میں شامل کر لیا گیا ٹھہر کر یوں خطاب (۵) فرمایا "بطحائے مکہ، تو پاکیزہ شہر ہے اور میرے نزدیک کیسا عزیز ہے اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا" اسی رات آپ حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر گھر کے عقب میں ایک دریچہ سے نکلے اور کوہ ثور کے غار پر پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ غار میں داخل ہوں مگر صدیق اکبر نے عرض کیا کہ آپ داخل نہ ہوں۔ جب تک کہ میں پہلے داخل نہ ہو لوں تاکہ اگر اس میں کوئی سانپ بچھو وغیرہ ہو۔ تو وہ مجھ کو کاٹے آپ کو نہ کاٹے۔ اس لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے داخل ہوئے۔ غار میں جھاڑو دی۔ اس کے ایک طرف میں کچھ سوراخ پائے۔ اپنا شلوار پھاڑ کر ان کو بند کیا مگر دو سوراخ باقی رہ گئے، ان میں اپنے دونوں پاؤں ڈال دیے۔ پھر عرض کیا اب تشریف لائیے۔ آپ داخل ہوئے اور سر مبارک حضرت صدیق اکبر کی گود میں رکھ کر سو گئے ایک سوراخ سے کسی چیز نے حضرت صدیق کو کاٹا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے کہ مبادا رسول اللہ ﷺ جاگ اٹھیں۔ حضرت صدیق

کے آنسو جو آپ کے چہرہ مبارک پر گرے تو فرمایا "ابوبکر تجھے کیا ہوا؟ عرض کی "میرے ماں باپ آپ پر فدا مجھے کسی چیز نے کاٹ کھایا" آپ نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ فوراً سب درد جاتا رہا (٦) اس غار میں دونوں تین راتیں رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ جو نوخیز جوان تھے رات کو غار میں ساتھ سوتے صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور قریش جو مشورہ کرتے یا کہتے شام کو غار میں آ کر اس کی اطلاع دیتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فُہیرہ دن کو بکریاں چراتا۔ اور رات کو دو بکریاں غار پر لے جاتا۔ ان کا دودھ حضور اقدس ﷺ اور صدیق اکبر کے کام آتا۔ عامر منہ اندھیرے بکریوں کو عبداللہ کے نقش پا پر ہانک لے جاتا تاکہ نقش مٹ جائے۔

جب آنحضرت ﷺ رات کو اپنے دولت خانہ سے نکل آئے تو صبح کو کفار نے حضرت علی سے پوچھا کہ تیرا یار کہاں گیا؟ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں اس لیے پائے مبارک کے نشان کے ذریعے سے انہوں نے آنحضرت ﷺ کا تعاقب کیا۔ جب وہ کوہ ثور کے پاس پہنچے تو پائے مبارک کا نشان ان پر مشتبہ ہو گیا۔ وہ پہاڑ پر چڑھ گئے اور غار کے دہانہ پر پہنچ گئے۔ مگر غار پر اس وقت خدائی پہرہ لگا ہوا تھا۔ (٧) دہانہ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا۔ اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ اگر (حضرت) محمد (ﷺ) اس میں داخل ہوتے تو مکڑی جالا نہ تنتی اور کبوتری انڈے نہ دیتی۔ اس حال میں آہٹ پا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی کی نظر اپنے قدم پر پڑ جائے تو ہمیں دیکھ لے گا" آپ نے فرمایا "غم نہ کر۔ خدا ہمارے ساتھ ہے"۔

قصہ کوتاہ غار میں تین راتیں گزار کر شب دوشنبہ یکم ربیع الاول کو اونٹنیوں پر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے عامر بن فُہیرہ کو حضرت ابوبکر نے بغرض خدمت اپنے ساتھ سوار کر لیا تھا۔ بدرقہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ راستے میں اگر کوئی حضرت صدیق سے رسول اللہ ﷺ کی نسبت پوچھتا تھا کہ یہ کون ہیں تو جواب دیتے کہ یہ میرے ہادی طریق ہیں۔

حضرت ابوبکر کا بیان ہے کہ (دوشنبہ کی) رات کو روانہ ہو کر ہم برابر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی اور راستہ میں آمد و رفت بند ہو گئی ہمیں ایک بڑا پتھر نظر آیا۔ ہم اس کے نزدیک اتر پڑے، میں نے اس کے سایہ میں اپنے ہاتھوں سے جگہ ہموار کی۔ اس پر پوستین بچھا دی اور عرض کی "یا رسول اللہ! آپ سو جائیں میں آپ کے اردگرد پاسبانی کرتا ہوں" آپ سو گئے میں نکلا کہ دیکھوں اردگرد کوئی دشمن تو نہیں آ رہا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں اسی پتھر کی طرف سایہ میں آرام پانے کے لیے لا رہا ہے۔ میں نے پوچھا: تو کس کا غلام ہے؟ اس نے قریش کے ایک شخص کا نام لیا تو میں نے اسے پہچان لیا، اور پوچھا کہ تیری بکریوں میں دودھ دینے والی ہیں؟ وہ بولا کہ ہاں میں نے کہا کیا تو دوہ

کر دے سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں پس اس نے ایک بکری پکڑ لی میں نے کہا اس کا تھن گرد و غبار سے صاف کر لے پھر کہا کہ تو اپنا ہاتھ بھی صاف کر لے۔ اس نے ایک پیالہ چوبین میں دودھ دوہا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک مطہرہ ساتھ لے گیا تھا جس سے آپ وضو کرتے۔ میں نے ٹھنڈا کرنے کے لیے دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا کر خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آپ نے خوب پیا۔ جس سے میری طبیعت خوش ہوئی پھر فرمایا کیا چلنے کا وقت نہیں آیا؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں دن ڈھل چکا تھا کہ ہم وہاں سے چلے۔(۸)

دوسرے روز یعنی سہ شنبہ کے دن جب قدید کے قریب پہنچے تو سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی تعاقب میں نکلا۔ جس کی کیفیت وہ خود یوں بیان کرتا ہے: ''کفار قریش کے قاصد ہمارے پاس آئے کہنے لگے کہ جو شخص محمد (ﷺ) یا ابوبکر کو قتل کرے گا یا گرفتار کر کے لائے گا اسے ایک خون بہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا میں اپنی قوم بنو مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان میں سے ایک شخص نے آ کر کہا ''سراقہ! میں نے ابھی ساحل پر چند اشخاص دیکھے ہیں میرے خیال میں وہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہیں'' میں سمجھ گیا کہ وہی ہیں مگر میں نے اس سے کہا کہ وہ نہیں ہیں تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے جو ہمارے سامنے سے گئے ہیں پھر تھوڑی دیر کے بعد میں مجلس سے اٹھ کر گھر آیا۔ اور اپنی لونڈی سے کہا کہ میرے گھوڑے کو پشتہ کے پیچھے (بطن وادی میں) لے جا کر ٹھہرا۔ میں نیزہ لے کر اپنے گھر کے عقب سے نکلا۔ اور بُنِ نیزہ سے زمین میں خط کھینچا اور نیزے کے بالائی حصہ کو نیچا کیے ہوئے گھوڑے کے پاس پہنچا۔ میں نے سوار ہو کر گھوڑے کو ذرا دوڑایا یہاں تک کہ میں ان کے قریب جا پہنچا۔ میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ میں گر پڑا۔ اٹھ کر میں نے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں۔ مگر جواب خلاف مراد نکلا۔ میں نے تیر کی بات نہ مانی۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ جب میں نے رسول اللہ کی قرأت کی آواز سنی حالانکہ آپ (میری طرف) نہ دیکھتے (۹) تھے اور ابوبکر اکثر پیچھے دیکھتے تھے تو میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ میں نے اتر کر گھوڑے کو زجر و توبیخ کی۔ اس نے چاہا کہ اٹھے۔ مگر وہ پاؤں زمین سے نہ نکال سکا۔ جب وہ (بمشکل تمام) سیدھا کھڑا ہوا تو ناگاہ اس کے پاؤں کے نشان سے دھوئیں کی مانند غبار آسمان کی طرف اٹھا۔ میں نے پھر تیروں سے فال لی۔ مگر خلاف مراد ہی جواب ملا۔ میں نے پکارا۔ امان! امان! یہ سن کر وہ ٹھہر گئے۔ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ مکرر تجربہ سے میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ رسول اللہ کا بول بالا ہوگا۔ میں نے آپ سے قریش کے ارادے اور انعام کا ذکر کیا۔ اور زاد و متاع پیش کیا۔ مگر انہوں نے کچھ نہ لیا۔ اور

صرف یہی درخواست کی کہ ہمارا حال پوشیدہ رکھنا۔اس کے بعد میں نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے کتاب امن تحریر فرما دیجئے۔آپ کے حکم سے عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا"۔(۱۰) سراقہ نے فرمان امن اپنی ترکش میں رکھ لیا اور واپس ہوا راستے میں جس سے ملتا، یہ کہہ کر واپس کر لیتا کہ میں نے بہت ڈھونڈا۔آنحضرت ﷺ اس طرف نہیں ہیں۔حسن اتفاق سے حضور اقدس ﷺ کو مسلمانوں کا ایک قافلہ ملا جو شام سے مال تجارت لا رہا تھا۔اس قافلہ میں حضرت زبیر بن العوام بھی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر کو سفید کپڑے پہنائے۔

قدید ہی میں سہ شنبہ کو دوپہر کے وقت معبد عاتکہ بنت خالد خزعیہ کے ہاں گزر ہوا۔ام معبد کی قوم قحط زدہ تھی۔وہ اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھا کرتی۔اور آنے جانے والوں کو پانی پلاتی اور کھانا کھلاتی۔آنحضرت ﷺ نے اس سے گوشت اور کھجوریں خریدنے کا قصد کیا مگر اس کے پاس ان میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی۔حضور علیہ السلام نے اس کے خیمہ کی ایک جانب ایک بکری دیکھی۔پوچھا یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ لاغری و کمزوری کے سبب دوسری بکریوں سے پیچھے رہ گئی ہے۔پھر پوچھا۔کیا دودھ دیتی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔آپ نے فرمایا کہ کیا تو مجھے اجازت دیتی ہے کہ اسے دوہ لوں۔اس نے عرض کیا:"میرے ماں باپ آپ پر قربان اگر آپ اس کے نیچے دودھ دیکھتے ہیں تو دوہ لیں"۔آپ نے اس کے تھن پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور بسم اللہ پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔بکری نے آپ کے لیے دونوں ٹانگیں چوڑی کر دیں۔دودھ اتار لیا اور جگالی کی۔آپ نے برتن طلب کیا جو جماعت کو سیراب کر دے۔پس آپ نے اس میں خوب دوہا۔یہاں تک کہ اس پر جھاگ آ گئی۔پھر ام معبد کو پلایا یہاں تک کہ سیر ہو گئی۔اور اپنے ساتھیوں کو پلایا یہاں تک کہ سیر ہو گئے۔سب کے بعد آپ نے پیا۔بعد ازاں دوسری بار دوہا۔یہاں تک کہ برتن بھر دیا۔اور اس کو (بطور نشان) ام معبد کے پاس چھوڑا اور اس کو اسلام میں بیعت کیا۔پھر سب وہاں سے چل دیئے۔(۱۱) تھوڑی دیر کے بعد ام معبد کا خاوند گھر آیا۔اس نے دودھ جو دیکھا تو حیران ہو کر کہنے لگا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ حالانکہ گھر میں تو کوئی ایسی بکری نہیں جو دودھ کا ایک قطرہ بھی دے۔ام معبد نے جواب دیا کہ ایک مبارک شخص آیا تھا کہ جس کا حلیہ شریف ایسا ایسا تھا۔وہ بولا۔وہی تو قریش کے سردار ہیں جن کا چرچا ہو رہا ہے۔میں نے قصد کر لیا ہے کہ ان کی صحبت میں رہوں۔

جب مدینہ کے قریب موضع لُخیم میں پہنچے جو رابغ و جُحفہ کے درمیان ہے تو بریدہ اسلمی قبیلہ بنی سہم کے ستر سوار لے کر حصول انعام کی امید پر آنحضرت ﷺ کو گرفتار کرنے آیا۔رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں بریدہ ہوں۔یہ سن کر آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے بطور تفاول

فرمایا: ابوبکر! ہمارا کام خوش و خنک اور درست ہو گیا۔ پھر آپ نے بریدہ سے پوچھا کہ تو کس قبیلہ سے ہے اس نے کہا کہ بنو اسلم سے۔ آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا ہمارے لیے خیر و سلامتی ہے۔ پھر پوچھا کون سے بنو اسلم سے؟ اس نے کہا کہ بنو سہم سے۔ آپ نے فرمایا، تو نے اپنا حصہ (اسلام سے) پا لیا۔ بعد ازاں بریدہ نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول محمد بن عبداللہ ہوں۔ بریدہ نے نام مبارک سن کر کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ جو سوار بریدہ کے ساتھ تھے وہ بھی مشرف با اسلام ہوئے۔ بریدہ نے عرض کیا: یارسول اللہ مدینہ میں آپ کا داخلہ جھنڈے کے ساتھ ہونا چاہیے پس اپنا عمامہ سر سے اتار کر نیزہ پر باندھ لیا اور حضرت کے آگے آگے روانہ ہوا۔ پھر عرض کیا یارسول اللہ! آپ کس کے ہاں اتریں گے؟ فرمایا، یہ میرا ناقہ مامور ہے جہاں یہ بیٹھ جائے گا وہی میری منزل ہے۔ بریدہ نے کہا: الحمدللہ کہ بنو سہم بطوع و رغبت مسلمان ہو گئے۔ (۱۲)

رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی۔ لوگ ہر روز صبح کو شہر سے نکل کر حرہ میں جمع ہوتے۔ انتظار کرتے جب دوپہر ہو جاتی تو واپس چلے جاتے۔ ایک دن انتظار کر کے گھروں میں واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے ایک قلعہ پر سے کسی مطلب کے لیے نظر دوڑائی۔ اسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ہمراہی سفید لباس پہنے ہوئے نظر پڑے جو سراب کے آگے حائل تھے۔ وہ یہودی نہایت زور سے بے ساختہ پکار اٹھا: ''اے معشر عرب! لو تمہارا مقصد و مقصود جس کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا''۔ یہ سن کر مسلمانوں نے فوراً ہتھیار لگا کر حرہ قباء کے عقب میں رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا۔ اور اظہار مسرت کے لیے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جس کی آواز بنی عمرو بن عوف میں پہنچی۔ یہ قبیلہ موضع قباء میں جو مدینہ سے جنوب کی طرف دو میل کے فاصلہ پر بے آباد تھا۔ اس خاندان کا سردار کلثوم بن ہدم انصاری اوسی تھا۔ اس سے پہلے اکثر اکابر صحابہ اسی کے ہاں اترے تھے۔ حضور علیہ السلام نے بھی اسی کو شرف نزول بخشا۔

ہجرت کا پہلا سال

تعمیر مسجد قباء: قباء میں رسول اللہ ﷺ کا نزول ۱۲ ربیع الاول یوم دوشنبہ کو ہوا۔ یہی تاریخ اسلام کی ابتداء ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ جو آنحضرت ﷺ کی روانگی کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے یہاں آ ملے اور یہیں رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد کی بناء رکھی۔ جس کی شان میں یہ آیت وارد ہے:

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۚ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں وہ مرد ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' (سورۂ توبہ)

کلثوم بن ہدم کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں خشک ہونے کے لیے پھیلا دی جاتی تھیں آنحضرت ﷺ نے اس سے یہ زمین لے کر مسجد مذکور کی بنیاد رکھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں دیگر اصحاب کے ساتھ حضور علیہ السلام بھی خود بغرض تشویق و ترغیب کام کرتے تھے۔ شموس بنت نعمان انصاریہ مدنیہ کا بیان ہے کہ میں دیکھ رہی تھی کہ ''رسول اللہ ﷺ اتنا بھاری پتھر اٹھاتے کہ جسم اطہر خم ہو جاتا اور بطن شریف پر مجھے مٹی کی سفیدی نظر آ جاتی! آپ ﷺ کے اصحاب میں سے اگر کوئی عقیدت مند آ کر عرض کرتا: ''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا! چھوڑ دیجیے، میں اٹھاتا ہوں''۔ تو آپ ﷺ فرماتے ''نہیں، تم ایسا اور پتھر اٹھا لو۔ اور خود اسی کو عمارت میں لگاتے'' اس تعمیر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو سمت قبلہ بتا رہے تھے۔ اسی واسطے کہا جاتا تھا کہ اس مسجد کا قبلہ اعدل و اقوم (۱۳) ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی شاعر بھی تعمیر مسجد میں شامل تھے اور کام کرتے ہوئے یوں کہتے جاتے تھے:

اَفْلَحَ مَنْ یُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَ وَ یَقْرَاءُ الْقُرْاٰنَ قَآئِمًا وَّقَاعِدًا وَلَا یَبِیْتُ اللَّیْلَ عَنْهُ رَاقِدًا۔

''وہ کامیاب ہے جو مسجدیں تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔ اور رات کو جاگتا ہے۔''

آنحضرت ﷺ بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔ (۱۴)

مدینہ میں نزولِ رحمت: قباء میں چار (چودہ یا بیس) روز قیام رہا۔ یہاں سے جمعہ کے دن باطن مدینہ کو روانہ ہوئے مہاجرین و انصار ساتھ تھے۔ انصار کے جس قبیلہ پر سے گزر ہوتا اس کے سربرآوردہ عقیدت مند عرض کرتے: یا رسول اللہ! ہماری نصرت و حمایت میں اتریے۔ آپ اظہارِ مذمت و دعائے خیر کے بعد فرماتے کہ ''میرا ناقہ مامور ہے۔ اس کا راستہ چھوڑ دو''۔ راستے میں بنو سالم خزرجی کے محلّہ میں جمعہ کا وقت آ گیا۔ آپ ﷺ نے وادی ذی صلب کی مسجد میں نماز جمعہ مع خطبہ ادا کی۔ یہ آپ کا پہلا جمعہ اور پہلا خطبہ تھا۔ اس طرح بنی بیاضہ، بنی ساعدہ اور بنی حارث بن خزرج سے گزرتے ہوئے بنی عدی بن نجار میں پہنچے جو آپ کے دادا عبدالمطلب کے ننہال تھے۔ سلیط بن قیس بخاری خزرجی وغیرہ نے ننہالی رشتہ کو یاد دلا کر اقامت کے لیے عرض کیا۔ مگر ان کو بھی وہی جواب

ملا۔ بعد ازاں آپ کا ناقہ محلہ مالک بن نجار میں اس جگہ بیٹھ گیا جہاں اب مسجد نبوی ہے۔ پھر اٹھ کر قدرے آگے بڑھا۔ اور مڑ کر پہلی جگہ بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان شاء اللہ یہی منزل ہے حضرت ابو ایوب انصاری نجاری خزرجی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی اجازت سے آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ اور حضور علیہ السلام یہ فرما کر المرء مع رحلہ وہیں تشریف فرما ہوئے۔ (۱۵)

مبارک منزلے کاں خانہ راما ہے چنیں باشد ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری سے جو خوشی مدینہ میں مسلمانوں کو ہوئی اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ حضور انور کی سواری نزدیک پہنچی تو جوشِ مسرت کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین عورتیں چھتوں پر نکل آئیں اور یوں گانے لگیں: (۱۶)

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوِدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

''ہم پر چاند نکل آیا...... وداع کی گھاٹیوں سے...... ہم پر خدا کا شکر واجب ہے...... جب تک دعا مانگنے والا دعا مانگے۔''

آپ ﷺ کے ناقہ کا بیٹھنا تھا کہ بنو نجار کی لڑکیاں دف بجاتی نکلیں اور یوں گانے لگیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِي النَّجَّارِ يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ

''ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں...... اے نجاریو! محمد ﷺ کیسا اچھا ہمسایہ ہے۔''

آپ ﷺ نے یہ سن کر ان لڑکیوں سے پوچھا: کیا تم مجھ کو دوست رکھتی ہو؟ وہ بولیں: ہاں آپ ﷺ نے فرمایا میں بھی تم کو دوست رکھتا ہوں۔

اسی خوشی میں زن و مرد چھوٹے بڑے گلی کوچوں میں پکار رہے تھے: جاء رسول اللہ جاء نبی اللہ حبشی غلام آپ ﷺ کے قدم و میمنت لزوم کی خوشی میں ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے۔ انسانوں پر کیا موقوف ہے وحوش بھی اپنی حرکات و سکنات سے خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

جب مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے قیام کا انتظام ہو چکا تو آپ نے زید بن حارثہ اور اپنے غلام ابو رافع کو پانسو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ میں بھیجا کہ آپ کے عیال کو مدینہ میں لے آئیں۔ اسی وقت حضرت ابو بکر نے عبداللہ بن اریقط دئلی (جو کہ مکہ کو واپس جا رہا تھا) کے ہاتھ اپنے صاحب زادے عبداللہ کو رقعہ دے دیا کہ میرے عیال کو مدینہ میں لے آؤ۔ آنحضرت ﷺ کی صاحب زادیوں میں سے حضرت زینب کو ان کے خاوند ابو العاص نے آنے نہ دیا حضرت رقیہ حبشہ میں تھیں۔ اس لیے زید و ابو رافع حضور کی صاحب زادیوں حضرت ام کلثوم و فاطمہ اور زوجہ محترمہ حضرت سودہ کو اور ام ایمن زوجہ زید

اور اسامہ بن زید کو لے آئے۔ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن ابی بکر حضرت عائشہ اور ان کی والدہ ام رومان اور حضرت اسماء بنت ابی بکر کو لائے۔ یہ سب حارثہ بن نعمان کے ہاں اترے۔ (۱۷)

حضور اقدس ﷺ کا قیام سات ماہ تک حضرت ابو ایوب کے ہاں ہی رہا۔ جب مسجد نبوی کے ساتھ حجرے تیار ہو گئے تو نقل مکان فرمایا۔ اس عرصہ میں بنو نجار نے مہمانی کا حق کماحقہ، ادا کیا۔ حضرت ابو ایوب اور سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے خصوصیات سے اس میں حصہ لیا۔ جزاھم اللّٰہ تعالٰی خیر الجزا۔

تعمیر مسجد نبوی: آنحضرت ﷺ کا ناقہ جہاں بیٹھا تھا۔ وہ جگہ دو نجاری یتیموں (سہیل و سہل) کی تھی۔ جن کے ولی حضرت اسعد بن زرارہ نجاری خزرجی تھے۔ وہ اس زمین میں کھجوریں خشک کرنے کے لیے پھیلا دیا کرتے تھے۔ اس کے ایک حصہ میں حضرت اسعد نے نماز کے لیے ایک مختصر جگہ بنائی ہوئی تھی۔ جس پر چھت نہ تھی۔ یہاں وہ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ باقی زمین میں کھجور کے درخت اور مشرکوں کی قبریں اور گڑھے تھے۔ حضور علیہ السلام نے یہاں مسجد جامع بنانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے ان یتیم بچوں کو بلا بھیجا اور ان سے قیمت پر زمین طلب کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم بلا قیمت آپ کی نذر کرتے ہیں۔ آپ نے قبول نہ فرمایا اور قیمت دے کر خریدلی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ قبریں اکھڑوا کر ہڈیاں کسی دوسری جگہ دبا دی گئیں۔ درخت کاٹ دیئے گئے۔ اور گڑھے ہموار کر دیئے گئے۔ حضور سرورِ دو عالم ﷺ خود بھی کام کر رہے تھے۔ آپ اپنی چادر میں اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے اور یوں فرما رہے تھے:

هٰذا لحمال و احمال خیبر هٰذا ابرّ ربّنا و اطهر

''اے ہمارے پروردگار! یہ اینٹیں خیبر کے تمر و زبیب سے زیادہ ثواب والی اور پاکیزہ ہیں۔''

اور نیز فرما رہے تھے:

اللّٰهُمَّ ان الاجر اجر الاخرة فارحم الانصار والمهاجرة

''خدایا! بے شک اجر صرف آخرت کا اجر ہے پس تو انصار و مہاجرین پر رحم فرما۔''

یہ مسجد نہایت سادہ تھی۔ بنیادیں تین ہاتھ تک پتھر کی تھیں۔ دیواریں کچی اینٹوں کی۔ چھت برگ خرما کی قد آدم سے کچھ اونچی اور ستون کھجور کے تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ تین دروازے تھے۔ ایک جانب کعبہ اور دو دائیں بائیں۔ جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو جانب کعبہ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور اس کے مقابل شمالی جانب میں نیا دروازہ بنا دیا گیا۔ چونکہ چھت پر مٹی کم تھی اور فرش خام تھا۔ اس لیے بارش میں کیچڑ ہو جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ رات کو بارش بہت ہوئی۔ جو نمازی

آتا کپڑے میں کنکریاں ساتھ لاتا اور اپنی جگہ پر بچھا لیتا۔ جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ''یہ خوب ہے'' اور کنکروں کا فرش بنوا دیا۔

اصحابِ صُفّہ: پایانِ مسجد میں ایک سائبان تھا جو صفہ کہلاتا تھا اور ان فقراء و مساکین صحابہ کے لیے تھا۔ جو مال و منال اور اہل و عیال نہ رکھتے تھے۔ ان ہی کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔

''اور روک رکھ جان اپنی ساتھ ان لوگوں کے کہ پکارتے ہیں پروردگار اپنے کو صبح اور شام کو چاہتے ہیں رضامندی اس کی۔''

ان کی تعداد میں موت یا سفر یا تزوج کے سبب سے کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ بعض وقت ان کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی تھی۔ باہر سے مدینہ میں اگر کوئی آتا اور شہر میں اس کا کوئی شریف جان پہچان نہ ہوتا تو وہ بھی صفہ میں اترا کرتا تھا۔ حافظ ابو نعیم نے حلیتہ الاولیاء میں سو سے کچھ اوپر اہل صفہ کے نام گنائے ہیں۔ جن میں حضرات ابوذر غفاری، عمار بن یاسر، سلمان فارسی، صہیب رومی، بلال حبشی، ابو ہریرہ، خباب بن الارت، حذیفہ بن الیمان، ابو سعید خدری، بشیر بن الخصاصیہ، ابو مویہبہ (مولے رسول اللہ ﷺ) وغیرہ ہم مشاہیر میں سے تھے۔ رضی اللہ عنہم۔ (۱۸)

اہل صفہ پر آنحضرت ﷺ کی بڑی نظر عنایت تھی۔ ایک دفعہ غنیمت میں کنیزیں آئی ہوئی تھیں۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ کی صاحب زادی حضرت بی بی فاطمہ اور حضرت علی المرتضیٰ دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور ایک خادمہ کے لیے درخواست کی۔ آپ نے یوں جواب دیا: ''اللہ کی قسم! یہ نہیں ہوگا کہ تم کو خادمہ دوں اور اہل صفہ بھوکے مریں۔ ان کے خرچ کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔ میں ان اسیرانِ جنگ کو بیچ کر ان کی قیمت اہل صفہ پر خرچ کروں (۱۹) گا۔

ازواجِ مطہرات کے حجروں کی تعمیر: ازواج مطہرات میں سے اس وقت صرف حضرت سودہ وحضرت عائشہ رضی اللہ عنہما حضور اقدس ﷺ کے عقد میں آچکی تھیں ان کے لیے مسجد سے متصل دو مکان بنا دیئے گئے۔ بعد ازاں دیگر ازواج کے آنے پر اور مکانات بنتے گئے۔ ان مکانات میں سے پانچ کھجور کی شاخوں سے بنے تھے جن پر کہگل کی ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ کوئی حجرہ نہ تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا باقی چار مکان کچی اینٹوں کے تھے جن کی چھت پر کھجور (۲۰) کی شاخوں کی کہگل کی ہوئی تھی۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک حجرہ کی شاخوں کا تھا۔ جس کے دروازے پر کمبل کا پردہ تھا۔ بقول داؤد بن قیس (۲۱) حجرہ کے دروازہ سے اندرونی کمرہ کے دروازے تک چھ یا سات ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ اور اندرونی کمرہ دس ہاتھ کا تھا اور ارتفاع (۲۲) ساتھ

آٹھ ہاتھ کے درمیان تھا۔ حضرت امام حسن بصری کا بیان ہے کہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں مراہق تھا ان مکانات کی چھت کو میں ہاتھ سے چھو لیتا تھا۔

یہ مکانات (۲۳) جانب غربی کے سوا مسجد کے اردگرد تھے۔ ان کے دروازے مسجد ہی کی طرف تھے۔ اور مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ حضور اقدس ﷺ حالت اعتکاف میں مسجد سے سر مبارک نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھی آپ کے بال مبارک دھو دیا کرتی تھیں۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا دولت خانہ جانب مشرق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ سے متصل اس جگہ تھا جہاں اب آپ کی قبر شریف کی صورت بنی ہوئی ہے۔ جب آنحضرت ﷺ سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں دوگانہ ادا کرتے۔ بعد ازاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کا حال دریافت فرماتے۔ پھر ازواج مطہرات کے گھروں میں قدم رنجہ فرماتے۔

مہاجرین کے مکانات کی تعمیر: مہاجرین کی سکونت کے لیے مسجد کے قریب مکانات کا انتظام کیا گیا۔ چنانچہ آقائے نامدار ﷺ نے بنوزہرہ کو مسجد کی ایک جانب میں ایک خطہ عنایت فرمایا جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف قرشی زہری کے حصہ میں ایک خرماستان آیا جو ان کے نام سے مشہور و معروف تھا۔ حضرت عبداللہ و عتبہ پسران مسعود ہذلی جو بنوزہرہ کے حلیف تھے۔ ان کے لیے مسجد کے پاس ایک خطہ معین کیا گیا جو ان کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت زبیر بن عوام قرشی اسد کو ایک وسیع قطعہ ملا۔ جس میں مختلف اقسام کے درختوں کی جڑیں تھیں۔ وہ بقیع الزبیر کہلاتا تھا۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ قرشی یلمی کو ان کے گھروں کی جگہ ملی۔ حضرت ابوبکر صدیق کو بھی مسجد کے قریب زمین دی گئی۔ اسی طرح حضرات عثمان بن عفان قرشی اموی، خالد بن ولید قرشی مخذومی، مقداد بن اسود کندی اور طفیل بن حارث قرشی مطلبی وغیرہ ہم کو زمینیں دی گئیں۔

ان قطعات میں سے جو زمینیں بے آباد غیر مملوکہ تھیں وہ رسول اللہ ﷺ نے بطور خود تقسیم فرما دیں۔ اور جن قطعات میں انصار کے منازل و مکانات تھے۔ وہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دیئے۔ اور حضور انور ﷺ نے مہاجرین کو عطا فرما دیئے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرات حارثہ بن نعمان نے اپنے مکانات بطور ہدیہ پیش (۲۴) کیے۔ بقول واقدی منازل حارثہ کی جگہ ہی حضرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے حجرے بنے۔

مسجد نبوی میں چراغ کی ابتداء: مسجد نبوی اور حجرات میں راتوں کو چراغ نہیں (۲۵) جلتے تھے۔ حضرت تمیم داری کے غلام سراج کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے روشنی کی جاتی تھی۔ ہم قنادیل و روغن زیتوں اور رسیاں لائے۔

اور میں نے (قندیلوں کو ستونوں پر لٹکا کر) مسجد میں روشنی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر پوچھا: کہ ہماری مسجد کو کس نے روشن کیا ہے؟ تمیم نے کہا: میرے اس غلام نے۔ آپ نے پوچھا۔ اس کا کیا نام ہے؟ تمیم نے کہا: فتح۔ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا۔ بلکہ اس کا نام سراج ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے میرا نام (۲۶) سراج رکھا۔

مواخات: مہاجرین اپنے وطن سے اہل و عیال اور بھائی بندوں کو چھوڑ کر بے سروسامان چھپ کر نکلے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسجد جامع کی تعمیر کے بعد مہاجرین و انصار میں رشتۂ اخوت قائم کیا۔ تاکہ مہاجرین غربت کی وحشت اور اہل و عیال کی مفارقت محسوس نہ کریں اور ایک کو دوسرے سے مدد ملے۔ مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی آپ ہر دو فریق میں سے دو دو کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ درحقیقت بھائی بن گئے۔ چنانچہ جب حضور انور بابی ہو و امی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف قرشی زہری اور حضرت سعد بن ربیع انصاری خزرجی میں رشتہ برادری قائم کر دیا تو حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمٰن سے کہا کہ انصار میں میرے پاس سب سے زیادہ مال ہے۔ میں اپنا مال آپ کو بانٹ دیتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک کو جو آپ پسند کریں میں طلاق دے دیتا ہوں۔ عدت گزرنے پر آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا کہ آپ کے اہل اور آپ کا مال آپ کو مبارک ہو۔ کیا یہاں کوئی بازارِ تجارت ہے؟ انہوں نے بنو قینقاع کے بازار کا راستہ بتا دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن شام کو نفع کا پنیر اور مکھن ساتھ لائے۔ اسی طرح ہر روز بازار میں چلے جایا کرتے۔ تھوڑے عرصہ میں وہ مالدار ہو گئے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان کے بدن پر خوشبو کا نشان تھا۔ حضور انور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کی کہ میں نے انصار کی ایک عورت سے شادی کی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے پوچھا کہ مہر کتنا دیا؟ عرض کی کہ پانچ درہم بھر سونا۔ فرمایا کہ ولیمہ دو خواہ ایک بکری (۲۷) ہو"۔ حضرت عبدالرحمٰن کی طرح کئی اور مہاجرین نے بھی تجارت کا کام شروع کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عقد برادری کے بعد انصار نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے نخلستان ہمارے بھائیوں اور ہم میں تقسیم فرما دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ سن کر انصار نے مہاجرین سے کہا کہ کام (درختوں کو پانی دینا وغیرہ) تم کیا کرو۔ ہم تمہیں پھل میں شریک کر لیں گے۔ اس پر سب نے کہا (۲۸) بسر و چشم یہ مساقات کی صورت تھی۔ مگر بعض نخلستان محض منیحہ کے طور پر بھی دیئے ہوئے تھے جن میں کام بھی خود انصار کرتے تھے۔ اور مہاجرین کو پیداوار کا نصف دیتے تھے۔

یہ عقد برادری نصرت و مواسات و توارث پر تھا۔ اس لیے جب کوئی انصاری وفات پا تا تھا تو اس کی جائداد و مال مہاجر کو ملتا تھا۔ اور قریبی رشتہ دار محروم رہتے تھے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ

''اور (فی ہے واسطے) ان لوگوں کے جنہوں نے مہاجرین سے پہلے دار السلام (مدینہ) اور ایمان میں جگہ پکڑی وہ دوست رکھتے ہیں ان کو جو وطن چھوڑ کر ان کے پاس آتے ہیں۔ اور اپنے دلوں میں کوئی دغدغہ نہیں پاتے اس چیز سے جو مہاجرین کو دی گئی۔ اور ان کو اپنی جانوں سے اول رکھتے ہیں اگرچہ خود ان کو تنگی ہو۔ اور جو کوئی اپنے نفس کے حرص سے بچایا جائے۔ وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔'' (حشر: آیت ۹)

صحیح (۲۹) بخاری میں یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک بھوکا سائل جب پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے گھر میں دریافت کیا کہ کچھ کھانے کو ہے۔ جواب آیا کہ صرف پانی۔ آپ نے فرمایا کہ کون ہے جو اس کو اپنا مہمان بنائے؟ ایک انصاری نے کہا میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ اسے اپنے گھر لے گیا۔ اور بیوی سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان کو کھانا کھلاؤ۔ وہ بولی کہ صرف بچوں کی خوراک موجود ہے۔ کہا کہ تو وہ کھانا تیار کر اور چراغ روشن کر کے کھانے کے وقت بچوں کو سلا دینا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا جب میاں بیوی اور مہمان کھانے پر بیٹھے تو بیوی نے بتی اکسانے کے بہانہ سے اٹھ کر چراغ گل کر دیا۔ میاں بیوی بھوکے رہے۔ اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں۔ صبح کو وہ انصاری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ رات اللہ تعالیٰ تمہارے نیک کام سے راضی ہوا۔ اور یؤثرون علیٰ انفسھم الایۃ نازل فرمائی۔

جب ۴ھ میں بنو نضیر جلاوطن ہوئے اور ان کے اموال (اراضی و نخلستان) رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں آئے تو آپ نے تمام انصار کو بلا کر فرمایا (۳۰) اگر تم چاہتے ہو تو میں بنو نضیر کے اموال تم میں اور مہاجرین میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ اور مہاجرین تمہارے گھروں اور اموال میں بدستور رہیں گے۔ اور اگر تم چاہتے ہو تو یہ اموال مہاجرین کو بانٹ دیتا ہوں اور وہ تمہارے گھروں اور اموال سے بے دخل ہو جائیں گے۔ حضرات سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ان اموال کو آپ مہاجرین میں تقسیم کر دیجئے۔ وہ ہمارے گھروں اور اموال میں بدستور رہیں گے۔ یہ سن کر انصار بولے یا رسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خدایا تو انصار اور ابنائے انصار پر رحم

فرما''۔ اس طرح حضور علیہ السلام نے اموال بنی نضیر صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیے۔

۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علاء بن الحضرمی کو بغرض تبلیغ ولایت بحرین میں بھیجا۔ منذر بن ساوی حاکم بحرین اور وہاں کے تمام عرب ایمان لائے باقی اہل بحرین (مجوس و یہود و نصاریٰ) نے جزیہ پر صلح کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار کو بلایا تاکہ بحرین کا جزیہ و خراج انصار کے لیے لکھ دیں۔ مگر انصار نے عرض کیا: ''نہیں (۳۱) اللہ کی قسم ایسا نہ کیجئے۔ یہاں تک کہ حضور ہمارے قریشی بھائیوں کے لیے اتنا ہی مال لکھ دیں''۔

جب ۷ھ میں خیبر فتح ہوا تو مہاجرین کے حصہ میں اس قدر مال آیا کہ ان کو انصار کے نخلستان کی حاجت نہ رہی۔ اس لیے انہوں نے وہ نخلستان جو بطور اباحت ان کے پاس تھے انصار کو واپس کر دیے (۳۲)۔

اذان کی ابتداء: جب مدینہ منورہ میں مسجد تیار ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال آیا کہ مسلمانوں کو نماز کے لیے کس طرح جمع کیا جائے۔ آپ نے اپنے اصحاب کرام سے مشورہ کیا ظاہر ہے کہ ایک وقت اور ایک مکان میں اجتماع بغیر اعلام و آگاہی کے نہیں ہو سکتا اس لیے صحابہ کرام نے اعلام کے لیے کئی طریقے پیش کیے بعض نے کہا کہ آگ روشن کر کے اونچی کر دی جائے۔ مسلمان اسے دیکھ کر جمع ہو جایا کریں گے۔ حضور علیہ السلام نے بوجہ مشابہت مجوس اس طریقہ کو پسند نہ فرمایا۔ بعض نے ناقوس تجویز کیا۔ مگر بوجہ مشابہت نصاریٰ یہ تجویز رد کر دی گئی۔ اس طرح بوق کو بوجہ مشابہت یہود پسند نہ کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ ایک شخص کو نماز کے وقت بغرض اعلام بھیج دیا جائے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ اٹھ کر نماز کے لیے ندا کر دے۔ چنانچہ حضرت بلال یوں ندا کر دیا کرتے الصلوٰۃ جامعہ اسی اثنا میں حضرت عبداللہ بن زید انصاری کو خواب میں ان سب سے بہتر طریق بتلا دیا گیا۔ اور وہ مروجہ اذان شرعی ہے۔ حضرت عبداللہ نے اپنا خواب بارگاہِ رسالت میں عرض کیا حضور انور ربانی ہو وامی پر اس سے پہلے اس بارے میں وحی آ چکی تھی اس لیے آپ نے سن کر فرمایا کہ بے شک یہ رویا حق ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ حضرت بلال کو کلمات اذان کی تلقین کر دو۔ وہ اذان دیں گے۔ کیوں کہ ان کی آواز تم سے بلند اور نرم و شیریں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

یہود سے معاہدہ: اسی سال رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں اور یہود مدینہ کے درمیان ایک معاہدہ تحریر فرمایا جس کی شرائط کی پوری تفصیل سیرت ابن ہشام میں ہے۔ ان شرائط کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا طریقہ۔ سابقہ قائم رہے گا۔

۲۔ ہر دو فریق کو مذہبی آزادی ہوگی۔ ایک دوسرے کے دین سے تعرض نہ کریں گے۔

۳۔ ہر دو فریق ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں گے۔

۴۔ اگر ایک فریق کو کسی سے لڑائی پیش آئے تو دوسرا اس کی مدد کرے گا۔

۵۔ اگر فریقین میں ایسا اختلاف پیدا ہو جائے کہ جس سے فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور رسول پر چھوڑ دیا جائے گا۔

۶۔ کوئی فریق قریش اور ان کے معاونین کو امان نہ دے گا۔

۷۔ اگر کوئی دشمن یثرب پر حملہ آور ہو۔ تو ہر فریق مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

۸۔ اگر ایک فریق کسی سے صلح کرے گا۔ تو اس مصالحت میں دوسرا فریق بھی شامل ہوگا مگر مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

ہجرت کا دوسرا سال

تحویل قبلہ: نماز اسلام کا ایک رکن ہے۔ اور نماز کی روح خشوع ہے۔ خشوع کے لیے باطنی یکجہتی کے ساتھ ظاہری یکجہتی بھی درکار ہے۔ کیوں کہ ظاہر کا اثر باطن پر ضرور پڑتا ہے اور مقصود اصلی کو تقویت پہنچتی ہے۔ نماز جماعت و جمعہ میں اتحاد جہت کا اثر جو دوسرے نمازیوں پر پڑتا ہے محتاج بیان نہیں۔ اس لیے نماز میں ایک جہت کا تعین ضروری ہے۔ مگر اس تعین میں انسانی عقل کو دخل نہیں۔ بلکہ جو ذات پاک سزاوار عبادت ہے یہ تعین اسی کا حق ہے۔

رسول اللہ ﷺ پہلے مکہ میں کعبہ کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے ہجرت کے بعد بحکم الٰہی بنا بر حکمت و مصلحت وقت بیت المقدس آپ کا قبلہ مقرر ہوا۔ چنانچہ آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی۔ یہود آپ پر طعن کیا کرتے تھے۔ کہ محمد ﷺ ہماری مخالفت کرتے ہیں مگر قبلہ میں ہمارے تابع ہیں۔ اس لیے آپ کی یہ آرزو رہی کہ ملت ابراہیمی کی طرح میرا قبلہ بھی ابراہیمی ہو۔ مدت مذکورہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ آرزو پوری کر دی۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ

''بیشک ہم دیکھتے ہیں تیرے منہ کا پھرنا آسمان کی طرف پس ضرور ہم پھیریں گے تجھ کو اس قبلہ کی طرف کہ تو اسے پسند کرتا ہے۔ پس پھیر منہ اپنا مسجد حرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا

کرو پس پھیرو منہ اپنے اس کی طرف۔" (البقرہ: آیت ۱۴۴)

اس تحویل کی کیفیت یہ ہے کہ نصف رجب یوم دوشنبہ یا نصف شعبان یوم سہ شنبہ کو حضور انور ﷺ مسجد بنی سلمہ میں نماز ظہر پڑھا رہے تھے۔ تیسری رکعت کے رکوع میں تھے کہ وحی الٰہی سے آپ نے نماز ہی میں کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔ اور مقتدیوں نے بھی آپ کا اتباع کیا۔ اس مسجد کو قبلتین کہتے ہیں۔ ایک نمازی جو شامل جماعت تھا عصر کے وقت مسجد بنی حارثہ میں گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں انصار نماز عصر بیت المقدس کی طرف پڑھ رہے ہیں۔ اس نے تحویل قبلہ کی خبر دی۔ وہ لوگ نماز ہی میں کعبہ رخ ہو گئے۔ دوسرے روز قباء میں عین اس وقت خبر پہنچی جب کہ لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے بھی اسی حال میں اپنا رخ بدل کر کعبہ کی طرف کر لیا۔

تحویل قبلہ یہودیوں پر سخت ناگوار گزرا۔ وہ اس پر اعتراض کرنے لگے۔ ان کا اعتراض اور اس کا جواب قرآن کریم میں یوں مذکور ہے:

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝

"اب کہیں گے لوگوں میں سے بیوقوف کس چیز نے پھیرا ان کو ان کے قبلے سے جس پر وہ تھے۔ کہہ دے اللہ کی ہے مشرق اور مغرب چلاتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔"

(البقرہ: آیت ۱۴۲)

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ

"اور نہیں مقرر کیا ہم نے قبلہ اس کو جس پر تو پہلے تھا (یعنی کعبہ) مگر اسی واسطہ کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا۔ الٹے پاؤں۔ اور البتہ یہ قبلہ ہے شاق و دشوار مگر ان لوگوں پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے (حکمت احکام کی)۔" (البقرہ: ع ۱۷)

پہلی آیت میں ان کا اعتراض نقل کر کے یوں جواب دیا گیا کہ شرق و غرب بلکہ جہات ستہ سب خدا کی ہیں اس کو کسی خاص جہت سے خصوصیت نہیں۔ کیوں کہ وہ مکان و جہت سے پاک ہے۔ وہ جس جہت کو چاہے قبلہ مقرر کر دے۔ ہمارا کام اطاعت ہے۔ دوسری آیت میں مذکور ہے کہ تحویل قبلہ اس واسطے ہوا کہ ثابت و متزلزل میں تمیز ہو جائے۔

غزوات وسرایا کا آغاز

اسی سال سلسلہ غزوات و سرایا شروع ہوتا ہے۔ محدثین و اہل سیر کی اصطلاح میں غزوہ وہ لشکر ہے

جس میں رسول اللہ ﷺ بذات اقدس شامل ہوں۔ اور اگر حضور علیہ السلام بذات شریف شامل نہ ہوں۔ بلکہ اپنے اصحاب میں سے کسی کو دشمن کے مقابلہ میں بھیج دیں تو وہ لشکر سریہ کہلاتا ہے۔ غزوات تعداد میں ستائیس ہیں۔ جن میں سے نو میں قتال وقوع میں آیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں: بدر، احد، مریسیع، خندق، قریظہ، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف۔ سرایا کی تعداد سینتالیس ہے۔ نظر بر اختصار ہم سرایا کو پس انداز کر کے غزوات و بعض دیگر وقائع کا حال سنہ وار پیش کرتے ہیں۔

ہجرت کے بعد بھی کفار قریش مسلمانوں کے مذہبی فرائض کی بجا آوری میں مزاحم ہوتے تھے اور اسلام کے مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔ بلکہ دیگر قبائل کو بھی مسلمانوں کی مخالفت پر برانگیختہ کرتے تھے۔ اسلیے حضور اقدس ﷺ نے مختلف اغراض کیلیے اپنے اصحاب کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں (سرایا) اطراف مدینہ میں بھیجنی شروع کیں بلکہ بعض دفعہ خود بھی شرکت فرمائی۔ کہیں دشمن کی نقل و حرکت کی خبر لانے کیلیے۔ کہیں بعض قبیلوں سے معاہدہ قائم کرنے کیلیے اور کہیں محض مدافعت کیلیے ایسا کیا گیا وہاں ایک غرض یہ بھی تھی کہ قریش کی شامی تجارت کا راستہ بند کر دیا جائے۔ اور یہ وہی بات ہے جس کی دھمکی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے بعد ابو جہل کو خاص خانہ کعبہ میں یوں دی تھی۔ کہ اگر تم (۳۳) نے ہم کو طواف کعبہ سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ بند کر دینگے۔ چونکہ قریش بالعموم مسلمانوں کو حج و عمرہ سے روکتے تھے۔ اسلیے مجبوراً مسلمانوں کو انکے تجارتی قافلوں سے تعرض کرنا پڑا۔ تاکہ مذہبی مداخلت سے باز آجائیں۔

غزوہ (۳۴) ابواء اسی سال کے ماہ صفر میں۔ غزوہ بواط (۳۵) وغیرہ بدر اولیٰ ماہ ربیع الاول میں اور غزوہ ذوالعشیرہ (۳۶) ماہ جمادی الاخریٰ میں ہوا۔ بدر (۳۷) اولیٰ کرز بن جابر فہری کی گوشمالی کے لیے تھا جو مدینہ منورہ کے اونٹ ہانک لے گیا تھا۔ باقی تینوں، قافلہ قریش سے تعرض کے لیے تھے مگر ان میں سے کسی میں بھی مقابلہ نہیں ہوا۔

غزوہ ذوالعشیرہ کے بعد ماہ رجب میں آنحضرت ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو آٹھ یا بقول بعض بارہ مہاجرین کی جمعیت کے ساتھ نخلہ (۳۸) کی طرف روانہ کیا۔ وہ نخلہ میں پہنچ کر قافلہ قریش کے منتظر رہے۔ ناگاہ قریش کے اونٹوں کا قافلہ جن پر وہ شراب منقیٰ اور چمڑا وغیرہ مال تجارت طائف سے لا رہے تھے ان کے قریب اترا۔ اس قافلے میں عمرو (۳۹) بن حضرمی، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ اور ابو جہل کے باپ ہشام بن مغیرہ کا آزاد کردہ غلام حکم بن کیسان تھے فریقین میں مقابلہ ہوا۔ اس میں حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی نے ایک تیر سے عمرو بن حضرمی کا کام تمام کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ

گئے۔حضرت عبداللہ بن جحش دونوں اسیروں اور مالِ غنیمت کو لے کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضور نے غنیمت تقسیم فرمادی۔حضرت حکم بن کیسان اسلام لائے عثمان بن عبداللہ کو چھوڑ دیا گیا۔وہ مکہ میں چلا گیا،اور کفر پر مرا۔

اسی سال کے ماہ شعبان میں ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے اور ماہ رمضان میں غزوہ بدر ثانیہ وقوع میں آیا۔

غزوۂ بدر کبریٰ: غزوۂ بدر سب سے بڑا غزوہ ہے۔اِس کا سبب عمرو بن حضرمی کا قتل اور قافلہ قریش کا شام کی طرف سے آنا تھا۔یہ وہی قافلہ تھا جس کے قصد سے حضور اقدس ﷺ ذوالعشیرہ تک تشریف لے گئے تھے۔امیر قافلہ ابوسفیان تھا۔اس قافلے میں قریش کا بہت سامال تھا۔ جب یہ قافلہ بدر کے قریب پہنچا۔تو حضور اقدس ﷺ کو خبر لگی۔آپ نے فوراً مسلمانوں کو نکلنے کی دعوت دی۔اِس لیے جلدی سے تیاری کر کے آپ بتاریخ ۱۲ ماہ رمضان بروز ہفتہ مدینہ سے نکلے۔اور مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر بِرِابی عتبہ پر لشکر گاہ مقرر ہوا۔یہاں لشکر کا جائزہ لینے کے بعد آپ نے صغیر السن صحابہ (مثلاً ابن عمر، براء بن عازب، انس بن مالک، جابر، زید بن ثابت اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم) کو واپس کر دیا۔اور باقی کو لے کر روانہ ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی عمیر (۴۰) جن کی عمر سولہ سال کی تھی حضور اقدس ﷺ سے آنکھ بچا رہے تھے۔کیوں کہ اِن کو شہادت کا شوق تھا۔مگر ڈرتے تھے کہ کہیں چھوٹی عمر کے سبب واپس نہ کر دیئے جائیں۔چنانچہ جب پیش ہوئے تو واپسی کا حکم ملا۔اس پر آپ رونے لگے۔لہٰذا اس رحمۃ اللعالمین نے شمولیت کی اجازت دے دی۔بلکہ ان پر خود اپنی تلوار کا پرتلہ لگا دیا۔

واضح رہے کہ مسلمان محض قافلہ قریش سے تعرض (۴۱) کے لیے نکلے تھے۔ان کو علم نہ تھا کہ فوج قریش سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔اس لیے فوری ناتمام تیاری کی گئی۔حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ”جس کا سواری کا اونٹ موجود ہو وہ سوار ہو کر ہمارے ساتھ چلے۔انصار آپ سے ان اونٹوں کے لانے کے لیے جو مدینہ کے حصہ بالائی میں تھے۔اجازت مانگنے لگے۔آپ نے فرمایا”نہیں صرف وہی ساتھ چلے جس کا سواری کا اونٹ حاضر (۴۲) ہے۔

آپ کے ساتھ صرف ستر اونٹ دو گھوڑے اور تین سو آٹھ مجاہدین تھے۔جن میں سے مہاجرین کچھ ساٹھ سے اوپر تھے اور باقی سب انصار تھے۔آٹھ صحابہ اور تھے۔جو بوجہ عذر شامل نہ ہو سکے۔حضور اقدس ﷺ نے ان کو بھی غنیمت میں سے پورا حصہ دیا۔لہٰذا یہ بھی اصحاب بدر میں شمار ہوتے ہیں۔ان آٹھ میں سے تین تو مہاجرین تھے۔یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جو اپنی اہلیہ حضرت رقیہ بنت رسول

اللہ ﷺ کی تیمارداری کیلئے حضور ہی کے ارشاد سے مدینہ منورہ میں رہ گئے تھے۔اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید (ہر دو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) جن کو حضور نے روانگی سے دس روز پیشتر قافلہ قریش کی خبر لانے کیلئے بھیج دیا تھا۔اور وہ آپ کی روانگی کے بعد مدینہ میں واپس آئے تھے۔اور پانچ انصار تھے۔ یعنی ابولبابہ بن عبد المنذر جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی غیبت میں مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔عاصم بن عدی العجلانی جو روحا (۴۳) سے ضرب شدید کے سبب واپس کر دیئے گئے۔اور مدینہ منورہ کی بلائی آبادی (عالیہ) کے حاکم بنائے گئے۔حارث بن حاطب العمری جن کو حضور اقدس ﷺ نے روحا سے کسی خاص کام کے لیے بنو عمرو بن عوف کے پاس بھیج دیا حارث بن الصمہ جو روحاء میں ٹانگ پر ضرب شدید آنے کے سبب واپس کر دیئے گئے اور خوات بن جبیر جو اثنائے راہ میں ساق پر پتھر لگنے کے سبب مقام (۴۴) صفرا سے واپس کر دیئے گئے۔

سواری کے لیے تین تین مجاہدین کو ایک ایک اونٹ ملا ہوا تھا۔چنانچہ حضور اقدس ﷺ اور حضرت علی اور حضرت مرثد غنوی (۴۵) ایک اونٹ پر اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عبد الرحمٰن بن عوف دوسرے پر باری باری سوار ہوتے تھے۔جب آنحضرت ﷺ روحاء سے چل کر صفراء کے قریب پہنچے تو آپ نے حضرت بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء کو قافلہ قریش کی خبر لانے کے لیے بھیجا وہ بدر میں پہنچے اور وہاں سے یہ خبر سن کر آئے کہ قافلہ کل یا پرسوں (۴۶) بدر میں پہنچے گا۔ابوسفیان کو شام میں خبر لگی تھی کہ حضرت قافلہ کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔اس لیے اس نے حجاز کے قریب پہنچ کر ضمضم بن عمرو کو بیس مثقال سونے کی اجرت پر مکہ میں قریش کے پاس بھیجا۔تا کہ ان کو قافلہ کے بچانے کی ترغیب دے۔چنانچہ ضمضم اونٹ پر سوار ہو کر فوراً روانہ ہو گیا۔

مکہ پہنچ کر ضمضم نے اپنے اونٹ کے ناک کان کاٹ دیئے تھے۔کجاوہ الٹ دیا تھا اور اپنی قمیص پھاڑ دی تھی۔اس ہیئت کذائی میں وہ اپنے اونٹ پر سوار، یوں پکار پکار کر کہہ رہا تھا: ''اے گروہ قریش (۴۷)! قافلہ تجارت! قافلہ تجارت! تمہارا مال ابوسفیان کے ساتھ ہے۔محمد اور اس کے اصحاب اس کے سد راہ ہو گئے ہیں۔میں خیال نہیں کرتا کہ تم اسے بچالو گے۔فریاد! فریاد!'' یہ سن کر قریش کہنے لگے۔کیا محمد اور اس کے اصحاب گمان کرتے ہیں کہ یہ قافلہ بھی عمرو بن حضرمی کی مانند ہو گا؟ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ایسا نہیں۔غرض قریش جلدی نکلے۔اور ان کے اشراف میں سے سوائے ابولہب کے کوئی پیچھے نہ رہا۔اور اس نے بھی اپنے عوض ابو جہل کے بھائی عاص بن ہشام کو بھیجا اور چار ہزار درہم جو بطور سود اس سے لینے تھے۔اس صلے میں اس کو معاف کر دیئے۔امیہ بن خلف نے بھی پیچھے رہ جانے کا ارادہ کیا تھا۔کیوں کہ اس نے حضرت سعد بن معاذ سے ہجرت کے بعد مکہ مشرفہ

میں سنا تھا کہ وہ حضور اقدس ﷺ اور آپ کے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ مگر ابو جہل نے کہا: تو اس وادی مکہ کا سردار ہے اگر تو پیچھے رہ گیا تو دوسرے بھی دیکھا دیکھی تیرے ساتھ رہ جائیں گے غرض پس و پیش کے بعد ابو جہل کے اصرار پر وہ بھی ساتھ ہولیا۔ (۴۸)

قریش جب بڑے ساز و سامان سے اس طرح چلنے کو تیار ہوگئے۔ تو انہیں بنو کنانہ کی طرف سے اندیشہ پیدا ہوا کیوں کہ بدر سے پہلے قریش و کنانہ میں لڑائی جاری تھی۔ اس لیے قریش خائف تھے۔ کہ مبادا کینہ سابق کے سبب ہمارے پیچھے ہم کو کوئی ضرر پہنچائیں۔ اس وقت ابلیس (۴۹) بصورت سراقہ بن مالک ظاہر ہوا۔ جو کنانہ کا سردار تھا۔ اور کہنے لگا میں ضامن ہوں تمہارے پیچھے بنو کنانہ سے تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ میں تمہارے ساتھ (۵۰) ہوں۔ اس طرح ابلیس لعین بصورت سراقہ لشکر قریش کے ساتھ تھا۔ علاوہ ازیں اہل مکہ کے ساتھ گانے والی عورتیں اور آلات ملاہی بھی تھے۔ رسد کا انتظام یہ تھا کہ امرائے قریش عباس، عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن حارث، ابو جہل امیہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔

جب ابو سفیان مدینہ کے نواح میں پہنچا۔ اور قریش کی کمک اس کی مدد کو نہ پہنچی تو وہ نہایت خوفزدہ ہوا۔ کہ کہیں مسلمان کمین گاہ میں نہ ہوں۔ اسی حال میں وہ بدر میں جا پہنچا وہاں اس نے مجدی بن عمرو سے پوچھا: کیا تو نے محمد کے جاسوسوں میں سے کسی کو دیکھا ہے؟ مجدی بولا: ''اللہ کی قسم! میں نے کسی اجنبی شخص کو نہیں دیکھا۔ ہاں اس مقام پر دو سوار آئے تھے۔ یہ کہہ کر عدی و بسبس کے مناخ (۵۱) کی طرف اشارہ کیا۔ ابو سفیان نے ان کے اونٹوں کی مینگنیوں کو لے کر توڑا تو کیا دیکھتا ہے کہ ان میں کھجور کی گٹھلیاں ہیں۔ کہنے لگا۔ ان اونٹوں (۵۲) نے یثرب کی کھجوریں کھائی ہیں۔ وہ تو محمد کے جاسوس تھے۔ لہٰذا اس نے اپنے قافلے کے اونٹوں کے منہ پھیر دیے۔ اور بدر کو بائیں ہاتھ چھوڑ کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مکہ کو روانہ ہوا۔ جب وہ قافلے کو محل خطر سے بچا لے گیا تو اس نے قیس بن امرئ القیس کے ہاتھ قریش کو کہلا بھیجا۔ کہ میں نے قافلے کو بچا لیا ہے۔ لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔ یہ قاصد (۵۳) جحفہ میں قریش سے ملا۔ اور انہیں ابو سفیان کا پیغام پہنچایا۔ قریش نے واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ مگر ابو جہل بولا کہ ہم (۵۴) بدر سے ہرگز واپس نہ ہوں گے۔ وہاں تین دن ٹھہریں گے اونٹ ذبح کریں گے۔ اور کھائیں کھلائیں گے۔ شراب پئیں گے اور راگ سنیں گے۔ اس طرح قبائل عرب کے اطراف میں ہماری عظمت و شوکت کا آوازہ پھیل (۵۵) جائے گا۔ اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ پس ابو جہل کی رائے پر عمل کیا گیا۔ جحفہ ہی میں اخنس (۵۶) بن شریق الثقفی نے اپنے حلیف بنو زہرہ کو جو ایک سو

اور بقول بعض تین سو مرد تھے۔ مشورہ دیا کہ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے اس طرح بنو عدی بن کعب جو قریش کے ساتھ آئے تھے۔ ثنیہ لفت سے واپس چلے گئے اور واپسی میں ابوسفیان ان سے ملا اور کہنے لگا۔ اے بنو عدی تم کیوں کر لوٹ آئے۔ لا (۵۷) فی العیر ولا فی النفیر۔ (نہ قافلے میں اور نہ قریش میں) وہ بولے کہ تو نے ہی تو قریش کو لوٹ جانے کا پیغام بھیجا تھا۔ غرض بنو زہرہ اور بنو عدی کے سوا تمام قریش کے قبائل لڑائی میں شامل تھے۔

مقام صفراء کے نزدیک وادی ذفران میں حضور اقدس کی خدمت میں حضرت جبرائیل دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ لائے۔ پس آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ اور پوچھا کہ تم چاہتے ہو عیر (قافلہ) یا نفیر (گروہ قریش) مسلمان چونکہ محض قافلہ کے قصد سے نکلے تھے۔ تعداد بھی کم تھی۔ اور سامان جنگ بھی کافی نہ تھا۔ اس لئے ایک فریق اس حالت میں لڑائی سے ہچکچاتا (۵۸) تھا۔ وہ بولے: عیر۔ یہ سن کر حضور اقدس ﷺ ناخوش ہوئے لہٰذا ابوبکر صدیق نے کھڑے ہو کر تقریر کی۔ اور خوب (۵۹) کہا۔ پھر حضرت عمر نے تقریر کی اور اچھی کی۔ پھر حضرت مقدادؓ بن عمرو کھڑے ہوئے اور بولے کہ "یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو بتایا ہے وہ کیجئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم نہیں (۶۰) کہتے جیسا کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے کہا تھا۔ فاذھب (۶۱) انت و ربك فقاتلا بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے لڑیں گے"۔ یہ سن کر حضور اقدس ﷺ خوش ہوئے اور حضرت مقداد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر آپ نے انصار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: کہ مجھے مشورہ دو انصار کی طرف اشارہ کی وجہ یہ تھی۔ کہ انہوں نے بیعت عقبہ کے وقت کہا (۶۲) تھا: "یا رسول اللہ! ہم آپ کے ذمام یعنی عہد سے بری ہیں۔ یہاں تک کہ آپ ہمارے دیار میں پہنچ جائیں جب آپ ہمارے دیار میں پہنچیں گے تو ہمارے امان و عہد میں ہوں گے۔ اور ہم آپ کی حمایت کریں گے۔ ہر ایسے امر سے کہ اس سے ہم اپنی اولاد اور عورتوں کی حمایت کرتے ہیں"۔ چونکہ اس عبارت سے ایک طرح کا وہم ہوتا تھا۔ کہ انصار پر صرف مدینے میں ہی حضور کی حمایت واجب تھی۔ لہٰذا آپ نے اس مقام پر محض ان کے حال سے استکشاف و استمزاج کے لیے ایسا کیا۔ انصار نے جب حضور کا ارشاد سنا تو حضرت سعد بن معاذ نے جو اکابر انصار میں سے تھے: یوں جواب (۶۳) دیا: "ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ اور شاہد ہیں اس امر پر کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہی حق ہے اور اس تصدیق پر ہم نے آپ کو اپنی اطاعت کے عہد و مواثیق دیئے ہوئے ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ جہاں چاہیں چلیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ اس سمندر کو عبور کرنا چاہیں اور اس میں کود پڑیں تو بے شک ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں کود پڑیں گے۔ اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے

گا۔ ہمیں یہ ناگوار نہیں کہ کل آپ کو ہمیں ساتھ لے کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ ہم لڑائی میں صابر اور دشمن کے مقابلے کے وقت صادق ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ مقابلے میں ہمارے ہاتھ سے آپ کو وہ دکھائے کہ جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ لہٰذا آپ ہم کو اللہ کی برکت سے لے چلیں''۔ حضور ﷺ حضرت سعد کے اس قول سے خوش ہوئے اور فرمایا: کہ ''اللہ کی برکت سے چلو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو باتوں (قافلہ اور فوج قریش) میں سے ایک (۶۴) کا وعدہ کیا ہوا ہے اللہ کی قسم! گویا میں قریش کی موت کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں''۔ یہاں حضور ﷺ نے جھنڈے تیار کیے۔ سب سے بڑا جھنڈا مہاجرین کا تھا۔ جو حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن المنذر کے پاس تھا۔ اور قبیلہ اوس کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ نے اٹھایا ہوا تھا مشرکین کے ساتھ بھی تین جھنڈے تھے۔ ایک ابوعزیز بن عمیر، دوسرا نضر بن حارث اور تیسرا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضور اقدس ﷺ بتاریخ ۱۷ ماہ رمضان جمعہ کی رات کو بدر میں قریب کے میدان میں اترے اور قریش دوسری طرف اترے (۶۵)۔ حضور انور ﷺ نے حضرات علی و زبیر و سعد بن ابی وقاص کو مشرکین کا حال دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ قریش کے دو غلام پکڑ لائے۔ اس وقت حضور اقدس ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ کرام نے ان (۶۶) غلاموں سے پوچھا: کیا تم ابوسفیان کے ساتھی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: کہ ہم تو قریش کے سقے ہیں۔ قریش نے ہمیں پانی پلانے کے لیے بھیجا ہے۔ اس پر صحابہ کرام نے انہیں مارا۔ جب وہ درد سے بے چین ہو گئے تو کہنے لگے کہ ہم ابوسفیان کے ساتھی ہیں۔ اتنے میں حضرت نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''جب یہ تم سے سچ بولے تم نے ان کو مارا۔ اور جب تم سے جھوٹ بولے۔ تو ان کو چھوڑ دیا۔ اللہ کی قسم! انہوں نے سچ کہا۔ وہ قریش کے ساتھ ہیں''۔ پھر حضور اقدس ﷺ نے ان غلاموں سے قریش کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم! یہ تو وہ ریگ جو نظر آ رہا ہے۔ اس کے پیچھے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ قریش تعداد میں کتنے ہیں وہ بولے کہ ہمیں معلوم نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ وہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن دس اور ایک دن نو۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں (واقع میں وہ ساڑھے نو سو تھے۔ اور ان کے پاس سو گھوڑے تھے) پھر آپ نے پوچھا: سرداران قریش میں سے کون کون آئے ہیں؟ وہ بولے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر بن نوفل، طعیمہ بن عدی ابن نوفل، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، امیہ بن خلف، بنیہ و منبہ پسران حجاج، سہل بن عمرو، عمرو بن عبدود۔ یہ سن کر حضور نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''لو! مکہ نے اپنے جگر پارے تمہاری طرف بھیج دیے ہیں''۔ پس حضور اقدس ﷺ جلدی

کوچ کر کے کنوؤں کی طرف آئے۔ اور جو کنواں بدر کے سب سے قریب تھا اس پر اترے۔ حضرت حباب بن منذر نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! جہاں آپ ہیں وہ اچھی جگہ نہیں۔ آپ ہمیں اس کنوؤں پر لے چلیں جو قریش کے سب سے نزدیک ہو میں بدر سے اور اس کے کنوؤں سے واقف ہوں۔ وہاں ایک میٹھے پانی کا کنواں ہے جس کا پانی ختم نہیں ہوتا۔ ہم اس پر ایک حوض بنالیں گے۔ اس میں سے پئیں گے۔ اور جنگ کریں گے۔ اور باقی کنوؤں کو بند کر دیں گے۔ تاکہ کفار کو پانی نہ ملے''۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حباب کی رائے درست ہے۔ علاوہ ازیں جہاں مسلمان اترے ہوئے تھے وہ نرم ریتلی زمین تھی جس میں آدمیوں کے پاؤں اور چوپایوں کے کھر اور سم دھنستے تھے۔ اور جہاں کفار ٹھہرے ہوئے تھے انہوں نے وہاں کوئیں کھود لیے تھے اور پانی جمع کر لیا تھا۔ مسلمانوں میں سے بعض کو غسل جنابت اور بعض کو وضو کی حاجت تھی۔ اور پیاسے تھے۔ پانی نہ ملتا تھا۔ پس شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارا گمان ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ پیغمبر ہمارے درمیان ہیں اور ہم اللہ کے پیارے ہیں۔ حالانکہ مشرکین پانی پر قابض ہیں۔ اور تم جنب اور محدث ہونے کی حالت میں نمازیں پڑھتے ہو۔ پھر تمہیں کس طرح امید ہوسکتی ہے۔ کہ تم ان پر غالب آجاؤں گے۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند (۶۷) طاری کردی۔ جس سے ان کا رنج و تعب دور ہوگیا۔ اور مینہ برسادیا۔ جس سے انہوں نے پیا، غسل کیا، اپنے چوپایوں کو پلایا۔ اور مشکیں بھر لیں۔ اور ریت سخت ہوگئی جس پر چلنا آسان ہوگیا۔ اور کفار کی زمین کیچڑ ہوگئی جس پر چلنا دشوار ہوگیا۔ اس طرح وسوسہ شیطانی جاتا رہا اور اطمینان حاصل ہوگیا۔

غرض حضور اقدس ﷺ اور آپ کے اصحاب وہاں سے چل کر کفار سے پہلے آب بدر پر پہنچ گئے۔ اور قریش کے سب سے قریب کنویں پر اترے۔ اور اس پر حوض بنا کر پانی سے بھر لیا۔ اور دوسرے کنوؤں کو بند کر دیا۔ پھر حضور اقدس کے لیے اونچی جگہ پر ایک عریش (کھجور کی شاخوں کا سائبان) بنایا گیا۔ اور حضرت بذات خود معرکہ کی جگہ تشریف لے گئے۔ اور دست مبارک کے اشارے سے فرماتے تھے کہ یہ فلاں کافر کے مارے جانے کی جگہ ہے۔ اور یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا۔ لڑائی میں ویسا ہی وقوع میں آیا۔ ان میں سے کسی نے بھی اشارے کی جگہ سے سرمو تجاوز نہ کیا۔ یہ سب کچھ جمعہ کی رات بتاریخ ۱۷ ماہ رمضان المبارک میں واقع ہوا۔ کفار کیچڑ کے سبب سے اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حضرت مع صدیق اکبر عریش میں داخل ہوئے۔ یار غار یہاں بھی عریش کے اندر اپنے آقائے نامدار کی حفاظت کے لیے شمشیر برہنہ (۶۸) علم کیے ہوئے تھا۔ اور دروازے پر حضرت سعد بن معاذ تلوار آڑے لٹکائے پہرہ دے رہے تھے۔

حضور اقدس ﷺ تمام رات بیدار اور مصروف دعا رہے۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لیے آواز دی۔ اور نماز سے فارغ ہو کر جہاد پر وعظ (۶۹) فرمایا۔ پھر آپ صف آرائی میں مشغول ہوئے۔ آپ کے دست مبارک میں ایک تیر کی لکڑی تھی جس سے کسی کو آپ اشارہ فرماتے کہ آگے ہو جاؤ اور کسی سے ارشاد فرماتے کہ پیچھے ہو جاؤ۔ چنانچہ حضرت سواد بن (۷۰) غزیہ انصاریؓ جو صف سے آگے نکلے ہوئے تھے حضور اقدس نے اس لکڑی سے ان کے پیٹ کو ٹھوکا دیا اور فرمایا استویا سواد (اے سواد برابر ہو جاؤ) حضرت سواد نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ نے مجھے ضرب شدید لگائی ہے۔ حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حق و انصاف کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ مجھے قصاص دیں۔ یہ سن کر حضور نے اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا۔ اور فرمایا: اپنا قصاص لے لو۔ اس پر حضرت سواد حضور اقدس ﷺ کے گلے لپٹ گئے۔ اور آپ کے شکم مبارک کو بوسہ دیا حضور نے پوچھا: اے سواد! تو نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت سواد نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! موت حاضر ہے۔ میں نے چاہا کہ آخر میں میرا بدن آپ کے بدن اطہر سے مس کر جائے یہ سن کر آپ نے اس کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اس نے معاف کر دیا۔ اسی اثناء میں مشرکین بھی نمودار ہوئے۔ حضور اقدس نے ان کی تعداد کثیر دیکھ کر یوں دعا فرمائی: ''یا اللہ! یہ قریش فخر و تکبر کرتے آپہنچے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ تیرے ساتھ جنگ کریں اور تیرے رسول کو جھٹلائیں۔ اے خدا! میں اس نصرت کا منتظر ہوں۔ جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے''۔

جب ہر دو فریق صف آرائی کر چکے تو قریش نے عمیر بن وہب جمحی کو لشکر اسلام کی تعداد معلوم کرنے بھیجا۔ وہ لشکر اسلام میں آیا اور دیکھ بھال کے بعد واپس جا کر کہنے لگا: ''مسلمان (۷۱) کم و بیش تین سو ہیں۔ اور ان کے ساتھ ستر اونٹ اور دو گھوڑے ہیں۔ اے گروہ قریش میں نے دیکھا کہ ان کے اونٹوں کے پالان موتوں کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ یثرب کے آب کش اونٹ زہر قاتل سے لدے ہوئے ہیں۔ ان کو اپنی تلواروں کے سوا اور کوئی پناہ نہیں وہ گونگے ہیں۔ کلام نہیں کر سکتے اور سانپوں کی طرح زبانیں منہ سے نکالتے ہیں۔ اللہ کی قسم۔ میری رائے میں ان میں سے ایک شخص بھی قتل نہیں ہو سکتا۔ تاوقتیکہ تم میں سے ایک کو قتل نہ کر لے۔ پس جب وہ تم میں سے اپنی تعداد کے برابر قتل کر دیں گے تو اس کے بعد تمہارا جینا کیسا ہوگا۔ اس لیے تم آپس میں مشورہ کر لو''۔ جب حکیم بن حزام نے یہ سنا تو عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا۔ اور اس سے کہا: اے ابوالولید! تو قریش کا سردار ہے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ آخر زمانے تک دنیا میں تیرا ذکر خیر رہے؟ وہ بولا۔ پھر میں کیا کروں؟ حکیم نے کہا لوگوں کو واپس لے جا اور اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کا خون بہا ادا کر دے عتبہ نے کہا: بے شک وہ میرا حلیف تھا۔ اس کا خون بہا اور اس کا نقصان مال جو ہوا، وہ سب میرے ذمہ ہے۔ تو ابن الحنظلیہ (ابوجہل) کے پاس جا۔ کیوں کہ وہی ہے جس

کی طرف سے مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں میں لڑائی کرا دے۔ پھر عتبہ نے کھڑے ہو کر یوں تقریر کی: ''اے گروہ قریش! محمد اور اس کے اصحاب کے ساتھ لڑنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کی قسم اگر تم محمد کو قتل کرو گے تو تم میں سے ہر ایک کو ان میں اپنے چچیرے بھائی کے قاتل یا ماموں زاد بھائی کے قاتل یا اپنے خاندان کے کسی شخص کے قاتل کا منہ ہر وقت دیکھنا پڑے گا اس لیے لوٹ چلو۔ اور محمد اور باقی عرب کو خود آپس میں سمجھ لینے دو''۔ حکیم مذکور کا بیان ہے کہ میں ابو جہل کے پاس گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ابو جہل نے زرہ دان میں سے اپنی زرہ نکالی ہوئی ہے۔ اسے زیتون کے تیل کی چینک مل رہا ہے۔ میں نے کہا اے ابوالحکم! عتبہ نے مجھے ایسا ایسا کہہ کر تیرے پاس بھیجا ہے۔ ابو جہل نے کہا: ''خدا کی قسم (۷۲)! محمد اور اس کے اصحاب کو دیکھ کر اس کا سینہ پھول گیا ہے۔ (یعنی بزدل ہو گیا ہے) خدا کی قسم ہم ہرگز واپس نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور محمد کے درمیان فیصلہ کر دے۔ عتبہ بزدل تو نہیں ہے مگر اس نے دیکھا کہ محمد اور اس کے اصحاب چند اونٹوں کا گوشت کھانے والے ہیں۔ اور ان میں ان کا بیٹا ابو خذیفہ ہے۔ اس کے بارے میں وہ تم سے ڈر گیا ہے''۔ پھر ابو جہل نے عامر بن حضرمی کو کہلا بھیجا کہ تیرا حلیف عتبہ چاہتا ہے کہ لوگوں کو ہٹا لے جائے۔ اور تو قصاص چاہتا ہے۔ اس لیے اٹھ اور اپنے بھائی کا قصاص اور عہد و پیمان یاد دلا۔ اس پر عامر مذکور اٹھا اور اپنے چوتڑ ننگے کر کے چلایا واعمراہ واعمراہ یہ دیکھ کر لوگوں کی رائے بدل گئی۔ جب عتبہ کو معلوم ہوا کہ ابو جہل نے اس کی نسبت یہ الفاظ (اللہ کی قسم اس کا سینہ پھول گیا ہے) کہے ہیں۔ تو بولا ''وہ خلقہ دبر (۷۳) زرد کیے ہوئے جلدی جان لے گا کہ کس کا سینہ پھول گیا ہے۔ میرا یا اس کا''۔ یہ کہہ کر عتبہ نے اپنے سر کے لیے خود طلب کی۔ مگر اس کی کھوپڑی اتنی بڑی تھی کہ تمام لشکر میں ایسی خود نہ ملی جو اس کے سر پر ٹھیک آ جائے۔ اس لیے اس نے چادر سے اپنا سر ڈھانپ لیا۔ اس طرح قریش آمادہ جنگ ہو گئے۔ عتبہ نے عمیر بن وہب سے کہا کہ جنگ کرو اس لیے وہ سو سوار لے کر حملہ آور ہوا۔ مسلمان اپنی صف پر قائم رہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میری اجازت کے بغیر لڑائی نہ کرنا۔ اس وقت حضور اقدس ﷺ پر نیند (۷۴) طاری ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قریش ہم پر آ پڑے ہیں۔ حضور بیدار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خواب میں قریش تھوڑے دکھائے (۷۵)۔ اگر بہت دکھاتا تو مسلمان تعداد کثیر کا نام سن کر ڈر جاتے۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو دیکھیے کہ میدان جنگ میں التحام حرب سے پہلے مسلمانوں کو کفار تھوڑے (۷۶) دکھائے تاکہ وہ جنگ پر اقدام کریں۔ اور کفار کو مسلمان تھوڑے دکھائے جس سے انہوں نے لڑنے میں بہت کوشش نہ کی۔

مسلمانوں میں سے جو سب سے پہلے لڑائی کے لیے نکلا۔ وہ حضرت عمر فاروق کا آزاد کردہ غلام مہجع نام تھا۔ جسے عامر بن حضرمی نے تیر سے شہید کیا۔ وہ مسلمانوں میں پہلا قتیل تھا پھر انصار میں سے

حضرت حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے۔ بعد ازاں آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو ترغیب دی اور فرمایا (۷۷): بہشت کی طرف اٹھو۔ جس کا عرض آسمان وزمین کے برابر ہے یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام انصاری بولے: ''یارسول اللہ! بہشت جس کا عرض آسمان وزمین ہے؟'' آپ نے فرمایا ''ہاں''۔ تب حضرت عمیر نے کہا واہ وا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تو نے واہ وا کیوں کہا؟ حضرت عمیر نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! فقط اس توقع پر کہ میں اہل بہشت سے ہو جاؤں''۔ آپ نے فرمایا: ''تب تو بے شک اہل بہشت میں سے ہے''۔ اس پر حضرت عمیر نے اپنی ترکش سے چھوارے نکال کر کھانے شروع کیے۔ پھر کہنے لگے: ''اگر میں زندہ رہوں یہاں تک کہ یہ چھوہارے کھالوں۔ تو البتہ یہ لمبی زندگی ہے''۔ یہ کہہ کر حضرت عمیر نے چھوارے جو پاس تھے پھینک دیئے پھر جہاد کیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ دوسری جانب صف اعداء میں سے اسود بن عبدالاسد مخزومی جو بدخلق تھا۔ آگے بڑھا اور کہنے لگا: ''میں اللہ سے عہد کرتا ہوں۔ کہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پیوں گا۔ یا اسے ویران کر دوں گا یا اس سے ورے مر جاؤں گا''۔ ادھر سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نکلے۔ اسود حوض تک پہنچنے نہ پایا کہ حضرت حمزہ نے اس کا پاؤں نصف ساق تک کاٹ دیا۔ اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا اور پھر وہ حوض کے قریب پہنچا۔ یہاں تک کہ اس میں گر پڑا تا کہ اس کی قسم پوری ہو جائے۔ حضرت حمزہ نے اس کا تعاقب کیا۔ اور حوض ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔ بعد ازاں شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن ربیعہ نکلے۔ مشرکین نے چلا کر کہا: ''اے محمد! ہماری طرف اپنی قوم میں سے ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجئے''۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا: ''اے بنی ہاشم! اٹھو۔ اور اس حق کی حمایت میں لڑو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا ہے۔ کیوں کہ وہ باطل لائے ہیں تا کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں''۔ پس حضرت حمزہ (جس کے سینہ مبارک پر بطور نشان شتر مرغ کا پر تھا) اور علی ابن ابی طالب اور عبیدہ بن مطلب بن عبد مناف دشمن کی طرف بڑھے۔ اور ان کے سروں پر خود تھے۔ عتبہ نے کہا: ''تم بولو تا کہ ہم پہچان لیں۔ حضرت حمزہؓ نے کہا: میں حمزہ بن عبدالمطلب شیر خدا اور شیر رسول ﷺ ہوں''۔ عتبہ بولا: ''یہ اچھا جوڑ ہے۔ میں حلیفوں کا شیر ہوں''۔ پھر اس نے اپنے بیٹے سے کہا: ولید اٹھ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ ولید (۷۸) کی طرف بڑھے۔ اور ایک نے دوسرے پر وار کیا۔ مگر حضرت علی نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر عتبہ اٹھا۔ حضرت حمزہ اس کی طرف بڑھے اور اسے قتل کر دیا پھر شیبہ اٹھا حضرت عبیدہ جو اصحاب میں سے عمر میں سب سے بڑے تھے۔ اس کی طرف بڑھے۔ شیبہ نے تلوار کی دھار حضرت عبیدہ کے پاؤں پر ماری۔ جو پنڈلی کے گوشت پر لگی اور اسے کاٹ دیا۔ پھر حضرت حمزہ اور حضرت علی شیبہ پر حملہ آور ہوئے اور اسے قتل کر دیا۔ اور حضرت عبیدہ کو اٹھا کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہ نے کہا: اگر ابو طالب اس حالت (۷۹)

میں مجھے دیکھتا۔تو مان جاتا کہ میں اس کی نسبت اس کے شعر ذیل کا زیادہ مستحق ہوں۔(۸۰)

وَنُسَلِمُهٗ حَتّٰى نصرع حوله و نذهل عن ابنائنا و الحلائل

''ہم محمد کو حوالہ نہ کریں گے یہاں تک کہ ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں۔''

یہ سب کچھ ہر دو فوج کے اجتماعی حملہ سے پہلے وقوع میں آیا۔پھر دونوں فوجیں مقابلہ کے لیے نزدیک ہوئی۔آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ میرے حکم کے بغیر حملہ نہ کرو۔اگر تمہیں دشمن آگھیرے تو نیزوں سے اسے دور رکھو۔اہل اسلام نے جب جنگ سے چارہ نہ دیکھا تو اپنی تعداد کی کمی اور دشمن کی کثرت دیکھ کر خدا سے دعا کرنے لگے۔حضرت بھی صفیں درست کرنے کے بعد عریش میں تشریف لے آئے۔عریش میں بجز یار غار آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا۔اس وقت حضور انور قبلہ رو ہو کر یوں دست بدعا ہوئے:''یا اللہ (۸۱) تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر۔یا اللہ! تو نے جو کچھ مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ عطا کر۔یا اللہ اگر تو مسلمانوں کا یہ گروہ ہلاک کر دے گا۔تو روئے زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی''۔حضور نے دعا میں اتنا الحاح کیا کہ چادر شانہ مبارک سے گر پڑی۔حضرت صدیق اکبر نے چادر اٹھا کر شانہ مبارک پر ڈال دی۔پھر آپ کا دست مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا''۔یا نبی اللہ آپ کو اپنے پروردگار سے اتنی ہی درخواست کافی ہے۔(۸۲) جو اس نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ جلدی پورا کر دے گا''۔عریش ہی میں آنحضرت ﷺ پر غنودگی طاری ہوئی۔جب بیدار ہوئے تو فرمایا: ''ابوبکر! بشارت ہو۔اللہ کی نصرت آپہنچی۔حضرت جبرائیل گھوڑے پر سوار باگ پکڑے آرہے ہیں۔اور ان کے دندان پیشین پر غبار ہے''۔اس انعام کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۝ (انفال:ع۱)

''جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو پہنچا تمہاری پکار کو کہ میں تمہاری مدد بھیجوں گا ہزار فرشتے لگا تار آنے والے۔''

پہلے ہزار فرشتے آئے۔پھر تین (۸۳) ہزار ہو گئے۔بعد ازاں بصورت صبر و تقویٰ پانچ ہزار ہو گئے۔شیطان نے جو بصورت سراقہ کفار کے ساتھ تھا۔جب یہ آسمانی مدد دیکھی تو اپنی جان کے ڈر سے بھاگ گیا۔(۸۴) حضور اقدس ﷺ نے کنکریوں (۸۵) کی مٹھی لے کر کفار کی طرف پھینک دی۔(۸۶) کوئی مشرک ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں کنکریاں نہ ہوں اب حضور نے حملہ اجتماعی کا حکم دیا۔گھمسان کے معرکے کے وقت اللہ تعالیٰ نے کفار کو مسلمان اپنے سے دو چند دکھائے۔جس سے ان پر رعب طاری ہو گیا۔قتل کا بازار گرم ہوا۔فرشتے نظر نہ آتے تھے۔مگر ان کے افعال نمایاں تھے۔کہیں کسی

مشرک کے منہ اور ناک پر کوڑے کی ضرب کا نشان پایا جاتا ہے۔ کہیں بے تلوار سر کٹتا نظر آتا کہیں آواز آتی (۸۷) اقدم حیزوم۔ آخر کار کفار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے۔ خود حضور اقدس ﷺ عریش سے ننگی تلوار علم کیے یہ پکارتے ہوئے نکلے (۸۸) سیھزم الجمع و یولون الدبر۔ (قمر۔ ع ۳)

حضور اقدس ﷺ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ارشاد فرمایا (۸۹) تھا۔ کہ ''مجھے معلوم ہے۔ کہ بنو ہاشم وغیرہ میں سے چند لوگ بہ جبر و اکراہ کفار کے ساتھ شامل ہو کر آئے ہیں۔ جو ہم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ اگر ان میں سے کوئی تمہارے مقابل آ جائے تو تم اسے قتل نہ کرو''۔ حضور انور ﷺ نے ان لوگوں کے نام بھی بتا دیے تھے۔ ازاں جملہ ابوالبختری عاص بن ہشام تھا۔ جو مکہ میں حضور اقدس ﷺ کو کسی قسم کی اذیت نہ دیا کرتا تھا۔ ابوالبختری کے ساتھ جنادہ بن ملیحہ بھی اس کا ردیف تھا مجذر بن زیاد کی نظر جو ابوالبختری پر پڑی۔ تو کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تیرے قتل سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے تجھے چھوڑتا ہوں''۔ ابوالبختری نے کہا: میرے رفیق کو بھی۔ مجذر نے کہا: ''اللہ کی قسم! ہم تیرے رفیق کو نہیں چھوڑیں گے ہمیں رسول اللہ نے فقط تیرے چھوڑنے کا حکم دیا ہے''۔ ابوالبختری نے کہا: ''تب اللہ کی قسم میں اور وہ دونوں جان دیں گے۔ میں مکہ کی عورتوں کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا۔ کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا''۔ جب مجذر نے حملہ کیا۔ تو ابوالبختری بھی یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا اور مارا گیا: (۹۰)

لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ حتی یموت او یری سبیلہ۔

''شریف زادہ اپنے رفیق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ جب تک مر نہ جائے، یا اپنے رفیق کے بچاؤ کی راہ نہ دیکھ لے۔''

آنحضرت ﷺ کا بڑا دشمن امیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں شریک تھا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلے اس امیہ کے غلام تھے۔ امیہ ان کو اذیت دیا کرتا تھا۔ تا کہ اسلام چھوڑ دیں۔ مکہ کی گرم ریت پر پیٹھ کے بل لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیا کرتا تھا۔ پھر کہا کرتا تھا تمہیں یہ حالت پسند ہے یا ترک اسلام؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی احد احد پکارا کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کسی زمانہ میں مکہ میں امیہ سے معاہدہ کیا تھا۔ کہ وہ مدینہ میں آئے گا تو یہ اس کی جان کے ضامن ہوں گے۔ عہد کی پابندی کو ملحوظ رکھ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے چاہا کہ وہ میدان جنگ سے بچ کر نکل جائے۔ اس لیے اس کو اور اس کے بیٹے کو لے کر ایک پہاڑ پر چڑھے۔ اتفاق یہ کہ حضرت بلال نے دیکھ لیا۔ اور انصار کو خبر کر دی۔ لوگ دفعتہً ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا۔ لوگوں نے سے قتل کر دیا۔ لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی۔ اور

امیہ کی طرف بڑھے۔ امیہ چونکہ جسیم وثقیل تھا۔ اس لیے حضرت عبدالرحمٰن نے کہا تم زمین پر لیٹ جاؤ۔ وہ لیٹ گیا تو آپ اس پر چھا گئے۔ تاکہ لوگ اس کو مارنے نہ پائیں۔ مگر لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰن کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتوں باقی رہا۔(۹۱)

جب میدان کارزار سرد ہو گیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ایسا کون ہے؟ جو ابو جہل کی خبر لائے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود گئے۔ اور اسے اس حال میں پایا کہ عفراء کے بیٹوں معاذ اور معوذ نے اسے ضرب شمشیر سے گرایا ہوا تھا اور اس میں ابھی رمق حیات باقی تھا۔ حضرت ابن مسعود اس لعین کے سینے پر بیٹھ گئے۔ اور اس کی ناپاک ڈاڑھی کو پکڑ کر کہا: کیا تو ابو جہل ہے؟ بتا آج تجھے اللہ نے رسوا کیا؟ اس لعین نے جواب دیا: ''رسوا کیا کیا؟ تمہارا مجھے قتل کرنا اس سے زیادہ (۹۲) نہیں کہ ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر ڈالا۔ کاش مجھے کسان کے سوا کوئی اور قتل کرتا''۔ اس جواب میں اس لعین کا تکبر اور انصار کی تحقیر پائی جاتی ہے۔ کیوں کہ معاذ اور معوذ انصار میں تھے۔ اور انصار کھیتی باڑی کا کام کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت ابن مسعود نے اس لعین کا کام تمام کر دیا۔ اور یہ خبر حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے۔ حضور نے یہ سن کر تین بار الله الذی لآ اله الا هو پڑھا۔ چوتھی بار یوں فرمایا: الله اکبر۔ الحمد لله الذی صدق وعده و نصر الاحزاب وحده۔ پھر آپ حضرت ابن مسعود کو ساتھ لے کر اس لعین کی لاش کے پاس تشریف لے گئے اور دیکھ کر فرمایا: ''یہ اس امت کا فرعون ہے''۔

آنحضرت ﷺ نے جنگ سے فارغ ہو کر حضرت زید بن حارثہ کو اس فتح کی خوشخبری دینے کے لیے مدینہ میں بھیجا۔ اور اسی غرض کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اہل عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) کی طرف بھیجا۔ جب حضرت زید مدینہ میں پہنچے۔ تو بقیع میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کو دفن کر رہے تھے۔

اس جنگ میں مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے جن کے اسمائے مبارک یہ ہیں:
حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف، حضرت عمیر بن ابی وقاص، حضرت ذوالشمالین عمیر بن عبد عمرو بن نضلہ، حضرت عاقل بن ابی بکیر، حضرت مہجع مولیٰ عمر بن الخطاب، حضرت صفوان بن بیضاء (یہ چھ مہاجرین میں سے ہیں) حضرت سعد بن خثیمہ، حضرت مبشر بن عبد المنذر، حضرت حارثہ بن سراقہ، حضرت عوف ومعوذ پسران عفراء، حضرت عمیر بن حمام حضرت رافع بن معلّٰی، حضرت یزید بن حارث ابن فسحم (یہ آٹھ انصار میں سے ہیں) رضی اللہ عنہم۔ مشرکین میں سے ستر مقتول اور ستر گرفتار ہوئے۔ من جملہ مقتولین یہ ہیں: شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، عاص بن سعید بن عاص، ابو جہل بن

ہشام، ابوالبختری، حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب، حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف، طعیمہ بن عدی، زمعہ بن اسود بن مطلب، نوفل بن خویلد، عاص بن ہشام بن مغیرہ جو حضرت عمر فاروق اعظم کا ماموں تھا۔ امیہ بن خلف، علی بن امیہ بن خلف، منبہ بن حجاج، معید بن وہب اور من جملہ اسیران یہ ہیں: نوفل بن حارث بن عبدالمطلب، عباس بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب، ابوالعاص بن ربیع، عدی بن خیار، ابوعزیر بن عمیر، ولید بن ولید بن مغیرہ، عبداللہ بن ابی بن خلف، ابوعزہ عمرو بن عبداللہ جمحی شاعر، وہب بن عمیر بن وہب جمحی، ابووداعہ بن ضبیرہ سہمی، سہیل بن عمرو عامری۔

آنحضرت ﷺ کے حکم سے مشرکین مقتولین سے چوبیس روساء کی لاشیں ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں۔ جس میں مردار پھینکا کرتے تھے۔ امیہ بن خلف جو زرہ میں پھول گیا تھا اس پر جہاں وہ پڑا تھا وہیں مٹی ڈال دی گئی۔ اور باقی لاشوں کو اور جگہ پھینک دیا گیا۔

حضور اقدس ﷺ کی عادت شریف تھی کہ جب دشمن پر فتح پاتے تو تین دن میدان جنگ میں قیام فرماتے۔ چنانچہ بدر میں بھی تیسرے روز سوار ہو کر مقتولین کے گڑھے پر تشریف لے گئے اور ان سے یوں خطاب (۹۳) فرمایا: "اے بیٹے فلاں کے۔ اے فلاں بیٹے فلاں کے، کیا اب تمہیں تمنا ہے۔ کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے۔ جو کچھ ہمارے پروردگار نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ ہم نے اسے سچ پایا۔ کیا تم نے بھی اسے جو تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ سچ پایا"۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر فاروق نے عرض کیا "یارسول اللہ! آپ ان بے روح جسموں سے کیا خطاب فرما رہے ہیں؟" اس پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے خدا کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے (۹۴)"۔ پھر جناب رسالت مآب علیہ الوف التحیہ والصلوٰۃ مظفر و منصور اسیران جنگ اور غنائم کے ساتھ مدینہ کو واپس ہوئے۔

جب آنحضرت ﷺ مقام صفراء میں پہنچے جو بدر سے ایک منزل ہے تو آپ نے غنیمت مجاہدین میں (۹۵) برابر برابر تقسیم فرمادی۔ اسی مقام پر حضرت عبیدہ بن حارث نے جن کا پائے مبارک کٹ گیا تھا۔ وفات (۹۶) پائی۔ صفراء ہی میں نضر بن حارث کو قتل کر دیا گیا یہاں سے روانہ ہو کر جب عراق الظبیہ میں پہنچے تو آنحضرت ﷺ کے حکم سے عقبہ بن معیط قتل کر دیا گیا۔ مدینہ میں اس فتح کی اتنی خوشی تھی۔ کہ لوگوں نے مبارک باد کہنے کے لیے حضور اقدس کا مقام روحاء میں استقبال کیا۔ اسیرانِ جنگ جناب سرور عالم ﷺ کے ایک دن بعد مدینہ میں پہنچے۔ آپ نے ان کو صحابہ میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور تاکید فرمادی تھی۔ کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ چنانچہ ابوعزیر بن عمیر کا بیان ہے۔ کہ جب مجھے بدر سے لائے تو میں انصار کی ایک جماعت میں تھا۔ وہ صبح یا شام کا کھانا لاتے۔ تو روٹی مجھے دیتے اور خود

کھجوریں کھاتے۔ ان میں سے جس کے ہاتھ روٹی کا ٹکڑا آتا۔ وہ میرے آگے رکھ دیتا مجھے شرم آتی۔ میں اسے واپس کرتا۔ مگر وہ مجھ ہی کو واپس دیتا اور ہاتھ نہ لگاتا۔ (۹۷)

جن قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے ان کو کپڑے دلوائے گئے۔ حضرت عباس چونکہ دراز قد تھے۔ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہ اترتا تھا۔ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے جو حضرت عباس کا ہم قد تھا۔ اپنا کرتہ منگوا کر دیا۔ صحیح بخاری (۹۸) میں سفیان بن عُیَیْنَہ کا یہ قول منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ مذکور کو قبر سے نکلوا کر جو اپنا کرتہ پہنایا تھا۔ وہ اکثر کے نزدیک اسی احسان کا معاضہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا(۹۹) یارسول اللہ! یہ آپ کی قوم اور آپ کا قبیلہ ہیں۔ انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ ان سے فدیہ لیا جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی توفیق دے"۔ حضرت فاروق اعظم نے عرض کیا: "یارسول اللہ! میری تو وہ رائے نہیں جو ابوبکر کی ہے بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں۔ تاکہ ہم ان کو قتل کر ڈالیں۔ مثلاً عقیل کو حضرت علی کے حوالہ کر دیں۔ اور میرے فلاں رشتہ دار کو میرے سپرد کر دیں"۔

حضور انور بابی ہو وامی نے حضرت صدیق اکبر کی رائے پر عمل (۱۰۰) فرمایا۔

قیدیوں میں سے ہر ایک کا فدیہ حسب استطاعت ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک تھا جن کے پاس مال نہ تھا۔ اور وہ لکھنا جانتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا فدیہ یہ تھا کہ۔ انصار کے دس (۱۰۱) لڑکوں کو لکھنا سکھا دے۔ چنانچہ زید بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ بعضوں مثلاً ابوعزہ جمحی شاعر کو حضور اقدس ﷺ نے یونہی چھوڑ دیا۔ ان قیدیوں میں سے ایک شخص سہیل بن عمرو تھا۔ جو عام مجمعوں میں آنحضرت ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمر ابن الخطاب نے عرض کیا: "یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں سہیل کے دندان پیشین اکھاڑ دوں اور اس کی زبان نکال دوں پھر وہ کسی جگہ آپ کے خلاف تقریر نہ کر سکے گا"۔ حضور نے فرمایا "میں اس کا عضو نہیں بگاڑتا۔ ورنہ خدا اس کی جزا میں میرے اعضا بگاڑ دے گا۔ گو میں نبی ہوں"۔

حضرت عباس ان دس روسائے قریش میں تھے جنہوں نے لشکر قریش کی رسد کا سامان اپنے ذمہ لیا تھا۔ اس غرض کے لیے حضرت عباس کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔ چونکہ ان کی نوبت کھانا کھلانے کی نہ آئی۔ اس لیے وہ سونا انہیں کے پاس رہا۔ اور غنیمت میں شامل کر لیا گیا۔ حضرت عباس نے عرض کیا: "یارسول اللہ! میں مسلمان ہوں" حضور نے فرمایا اللہ کو تیرے اسلام کا خوب علم ہے۔ اگر تو سچا ہے۔ تو اللہ تجھے جزا دے گا۔ تو اپنے فدیہ کے ساتھ عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور

اپنے حلیف عمرو بن حجدم کا فدیہ بھی ادا کر"۔ حضرت عباس نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی مال نہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ مال کہاں ہے جو تو نے اپنی بیوی ام الفضل کے پاس رکھا تھا اور اسے کہا تھا کہ اگر میں لڑائی میں مارا جاؤں۔ تو اتنا فضل کو اتنا عبد اللہ کو اتنا عبید اللہ کو ملے۔ یہ سن کر حضرت عباس (۱۰۲) نے کہا: "قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اس مال کا علم سوائے میرے اور ام الفضل کے کسی کو نہ تھا اور میں خوب جانتا ہوں۔ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ پس حضرت عباس نے اپنا اور اپنے بھائیوں کے بیٹوں اور اپنے حلیف کا فدیہ (۱۰۳) ادا کر دیا۔

شکست قریش کی خبر مکہ میں سب سے پہلے حیسمان بن ایاس خزاعی لایا۔ قریش اپنے مقتولین پر نوحہ کرنے لگے۔ پھر بدیں خیال کہ مسلمان ہم پر ہنسیں گے۔ نوحہ بند کر دیا۔ شکست کی خبر پہنچنے کے نو روز بعد ابولہب مر گیا۔ اسود بن عبد یغوث کے دو بیٹے زمعہ اور عقیل اور ایک پوتا حارث بن زمعہ میدان بدر میں کام آئے۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ ان پر روئے۔ مگر ممانعت کے سبب خاموش تھا۔ ایک رات اس نے کسی عورت کے رونے کی آواز سنی چونکہ اس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ اس لیے اس نے اپنے غلام سے کہا: کہ جاؤ دریافت کرو کیا اب رونے کی اجازت ہو گئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں بھی زمعہ پر نوحہ کروں۔ کیوں کہ میرا جگر جل گیا ہے۔ غلام نے آ کر کہا: ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ اس کے لیے رو رہی ہے۔ یہ سن کر اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر (۱۰۴) نکلے

اتبکی ان یضل لها بعیر	و یمنعها من النوم السهود
فلا تبکی علی بکر ولکن	علی بدر تقاصرت الجدود
و بکی ان بکیت علی عقیل	و بکی حارثا اسد الاسود
و بکیهم ولا سمّی جمیعا	و ما لِاَبِیْ حکیمة من ندید

"کیا وہ اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے اور بے خوابی اسے نیند نہیں آنے دیتی سو وہ جوان اونٹ پر نہ روئے بلکہ بدر پر جہاں قسمتوں نے کوتاہی کی اگر تجھ کو رونا ہے تو عقیل پر رو اور شیروں کے شیر حارث پر رو اور ان سب پر رو اور نام نہ لے اور ابوحکیمہ (زمعہ) کا کوئی ہمسر نہیں۔"

یوم بدر واقع میں یوم فرقان تھا۔ کہ کفر و اسلام میں فرق ظاہر ہو گیا۔ اور اللہ عز و جل نے ضعف کے بعد مسلمانوں کو تقویت دی۔ چنانچہ اس نعمت کو یوں یاد دلایا ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔ (آل عمران: ع ۳)

"اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم بے مقدور تھے۔"

اس دن سے اسلام کا سکہ کفار کے دل پر جم گیا۔ اور اہل مدینہ میں بہت سے لوگ ایمان لائے۔
اہل بدر کے فضائل میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔ کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا (۱۰۵) ہے: ''بے شک اللہ اہل بدر سے واقف ہے۔ کیوں کہ اس نے فرما دیا۔ تم عمل کرو جو چاہو البتہ تمہارے واسطے جنت ثابت ہو چکی یا تحقیق میں نے تمہیں بخش دیا''۔ آخرت میں مغفور ہونے کے علاوہ دنیا میں بھی بدری ہونا خاص امتیاز کا سبب شمار کیا جاتا تھا۔ بلکہ وہ ہتھیار بھی جن سے بدر میں کام لیا گیا۔ تبرک خیال کیے جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جو برچھی عبیدہ بن سعید بن عاص کی آنکھ میں ماری (۱۰۶) تھی۔ وہ یادگار رہی۔ بدیں طور کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت زبیر سے مستعار لی۔ پھر آپ کے چاروں خلیفوں کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس رہی۔ یہاں تک کہ ۷۳ھ میں حجاج نے ان کو شہید کر دیا۔ اہل بدر کے توسل سے جو دعا مانگی جائے وہ بفضل الٰہی مستجاب ہوتی ہے جیسا کہ مشائخ کا تجربہ ہے۔

اندلس کے مشہور سیاح محمد بن جبیر (متوفی ۲۷ شعبان ۶۱۴ھ) نے بدر کے حال میں یوں لکھا ہے (۱۰۷) ''اس موضع میں خرما کے بہت باغ ہیں۔ اور آب رواں کا ایک چشمہ ہے۔ موضع کا قلعہ بلند ٹیلے پر ہے۔ اور قلعہ کا راستہ پہاڑوں کے بیچ میں ہے، وہ قطعہ زمین نشیب میں ہے۔ جہاں اسلامی لڑائی ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور اہل شرک کو ذلت دی۔ آج کل اس زمین میں خرما کا باغ ہے اور اس کے بیچ میں گنج شہیداں ہے۔ اس آبادی میں داخل ہوتے وقت بائیں طرف جبل الرحمتہ ہے۔ لڑائی کے دن اس پہاڑ پر فرشتے اترتے تھے۔ اس پہاڑ کے ساتھ جبل الطبول ہے۔ اس کی قطع ریت کے ٹیلے کی سی ہے۔ کہتے ہیں ہر شب جمعہ کو اس پہاڑ سے نقارے کی صدا آتی ہے۔ اس لیے اس کا نام جبل الطبول رکھا ہے ہنوز نصرت نبوی ﷺ کی یہ بھی ایک کرامت باقی ہے۔ اس بستی کے ایک عرب باشندے نے بیان کیا کہ میں نے اپنے کانوں سے نقاروں کی آواز سنی ہے۔ یہ آواز ہر جمعرات اور دو شنبہ کو آیا کرتی ہے۔ اس پہاڑ کی سطح کے قریب آنحضرت ﷺ کے تشریف رکھنے کی جگہ ہے۔ اور اس کے سامنے میدان جنگ ہے''۔

اَللّٰھم انی اسئلك بحبیبك سیّدنا ومولٰنا محمّد المصطفٰی صلّی اللّٰه علیه وسلّم وباھل بدر رضی اللّٰه تعالٰی عنھم ان تبلغنی فی الدّارین اقصی مرامی وتغفرلی ولوالدی ولمشائخی ولا احبائی و لسائر المؤمنین والمؤمنات وان تؤید الاسلام والمسلمین۔

اسی سال یوم فطر سے دو دن پہلے یا شروع شوال میں صدقہ فطر واجب ہوا۔ عید کے دن نماز عید

الفطر عید گاہ میں جماعت سے پڑھی گئی۔ اسی وقت زکوٰۃ مال فرض ہوئی۔

غزوہ بنی قینقاع: نصف ماہ شوال میں غزوہ بنی قینقاع پیش آیا۔ یہود سے پہلے معاہدہ ہو چکا تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔ مدینہ کے گرد یہود کے تین قبیلے تھے: بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ۔ ان تینوں نے یکے بعد دیگرے نقض عہد کیا۔ ان میں سب سے پہلے بنو قینقاع نے جو چھ سو مرد کارزار اور یہود میں سب سے بہادر تھے۔ عہد کو توڑا اور باغی ہو کر قلعہ بند ہو گئے مگر پندرہ روز کے محاصرہ کے بعد مغلوب ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو جلا وطن کر دیا۔ اور وہ اذرعات ملک شام میں پہنچا دیئے گئے۔ جہاں وہ جلدی ہلاک وتباہ ہو گئے۔

غزوہ سویق: ماہ ذی قعدہ میں غزوہ سویق وقوع میں آیا۔ سویق عرب میں ستو کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس غزوہ میں کفار کی غذا ستو تھی۔ اس لیے اس نام سے موسوم ہوا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ غزوہ بدر کے بعد ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں محمد (ﷺ) سے لڑائی نہ کرلوں جنابت سے سر نہ دھوؤں گا۔ اس لیے قسم کے پورا کرنے کے لیے وہ دو سو سوار لے کر نکلا۔ مقام عریض میں اس نے ایک نخلستان کو جلا دیا۔ اور ایک انصاری کو قتل کر ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ نے تعاقب فرمایا۔ ابوسفیان اور اس کے ہمراہی بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ستو کے بورے پھینک کر بھاگ گئے جنہیں مسلمانوں نے اٹھا لیا۔ اور واپس چلے آئے۔

ہجرت کا تیسرا سال

نصف محرم کو غزوہ قرقرۃ الکدر اور ربیع الاول میں غزوہ انمار یا غطفان اور جمادی الاولیٰ میں غزوہ بنی سلیم وقوع میں آیا۔ ان میں سے کسی میں مقابلہ نہیں ہوا۔ غزوہ انمار میں وعثور غطفانی اسلام لایا۔ ماہ ربیع الاول میں کعب بن اشرف یہودی شاعر جو اسلام کی ہجو کیا کرتا تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ماہ جمادی الاخریٰ میں ابورافع اسلام بن ابی الحقیق یہودی جو رسول اللہ ﷺ کو اذیت دیا کرتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری خزرجی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (۱۰۸)

غزوہ احد: ماہ شوال میں غزوہ (۱۰۹) احد وقوع میں آیا۔ جب قریش بدر میں شکست فاش کھا کر مکہ میں آئے تو ابوسفیان کے قافلے کا تمام مال دار الندوہ میں رکھا ہوا پایا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ وغیرہ رؤسائے قریش جن کے باپ بھائی اور بیٹے جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ ابوسفیان اور دیگر شرکاء کے پاس آکر کہنے لگے۔ کہ اپنے مال کے نفع سے مدد کرو۔ تا کہ ہم ایک لشکر تیار کریں اور (حضرت) محمد (ﷺ) سے بدلہ لیں۔ سب نے بخوشی منظور کیا چنانچہ تمام

مال فروخت کر دیا گیا۔ اور حسب قرارداد راس المال مالکوں کو دیا گیا۔ اور نفع تجہیز لشکر میں کام آیا۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۝

''جو لوگ کافر ہیں خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں اللہ کی راہ سے سو ابھی اور خرچ کریں گے پھر آخر ہوگا ان پر پچھتاوا پھر آخر مغلوب ہوں گے۔ اور جو کافر ہیں دوزخ کو ہانکے جائیں گے۔'' (انفال: ع ۴)

قریش نے بڑی سرگرمی سے تیاری کی۔ اور قبائل عرب کو بھی دعوت جنگ دی۔ مردوں کے ساتھ عورتوں کی ایک جماعت بھی شامل ہوئی۔ تاکہ ان کو مقتولین بدر کی یاد دلا کر لڑائی پر ابھارتی رہیں۔ چنانچہ ابوسفیان کی زوجہ ہندہ بنت عتبہ عکرمہ بن ابوجہل کی زوجہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام۔ حارث بن ہشام بن مغیرہ کی زوجہ فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ۔ صفوان بن امیہ کی زوجہ برزہ بنت مسعود ثقفیہ عمرو بن عاص کی زوجہ ربط بنت شیبہ سہمیہ۔ طلحہ حجبی کی زوجہ سلافہ بنت سعد۔ اپنے اپنے شوہروں سمیت نکلیں۔ اسی طرح خناس بنت مالک اپنے بیٹے ابوعزیز بن عمیر کے ساتھ نکلی۔ کل جمعیت تین ہزار تھی جن میں سات سو زرہ پوش تھے۔ ان کے ساتھ دو سو گھوڑے تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔ جبیر بن مطعم نے اپنے حبشی غلام وحشی نام کو بھی یہ کہہ کر بھیج دیا کہ اگر تم محمد (ﷺ) کے چچا حمزہ کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے قتل کرو تو میں تم کو آزاد کر دوں گا۔

یہ لشکر قریش بسر کردگی ابوسفیان مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور مدینہ کے مقابل احد کی طرف بطن وادی میں اترا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جو اب تک مکہ میں تھے بذریعہ خط آنحضرت ﷺ کو قریش کی تیاری کی خبر دی حضور نے حضرت انس و مونس پسران فضالہ بن عدی انصاری کو بطور جاسوس بھیجا۔ وہ خبر لائے اور کہنے لگے کہ مشرکین نے اپنے اونٹ اور گھوڑے عریض میں چھوڑ دیے ہیں جنہوں نے چراگاہ میں سبزہ کا نام و نشان نہیں چھوڑا۔ پھر حضور علیہ السلام نے حضرت حباب بن منذر کو بھی بغرض تجسس بھیجا۔ وہ لشکر کی تعداد وغیرہ کی خبر لائے۔ جمعہ کی رات (۱۴ شوال) کو حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ ایک جماعت کے ساتھ مسلح ہو کر حضور اقدس ﷺ کے دولت خانے پر پہرہ دیتے رہے۔ اور شہر پر بھی پہرہ لگا رہا۔ اسی رات حضور نے خواب میں دیکھا کہ گویا آپ مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہیں۔ آپ کی تلوار ذوالفقار ایک طرف سے ٹوٹ گئی ہے ایک گائے پر نظر پڑی جو ذبح کی جا رہی ہے۔ اور آپ کے پیچھے ایک مینڈھا سوار ہے۔ صبح کو آپ نے تعبیر بیان فرمائی کہ مضبوط زرہ مدینہ

ہے۔تلوار(۱۱۰) کی شکستگی ذات شریف پر مصیبت ہے۔گائے آپ کے وہ اصحاب ہیں جو شہید ہوں گے۔اور مینڈھا کبش (۱۱۱) الکتیبہ ہے جسے اللہ تعالیٰ قتل کرے گا۔اس خواب کے سبب سے حضور انور کی رائے تھی۔کہ لڑائی کے لیے مدینہ سے باہر نہ نکلیں۔عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھے حضور نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو اکابر مہاجرین وانصار بھی آپ سے متفق ہو گئے۔مگر وہ نوجوان جو جنگ بدر میں شامل نہ تھے آپ سے درخواست کرنے لگے۔کہ مدینہ سے نکل کر لڑنا چاہیے ان کے اصرار پر آپ نکلنے کی طرف مائل ہوئے۔نماز جمعہ کے بعد آپ نے وعظ فرمایا۔اہل مدینہ و اہل عوالی جمع ہو گئے۔آپ دولت خانہ میں تشریف لے گئے اور دوہری زرہ پہن کر نکلے۔یہ دیکھ کر وہ نوجوان کہنے لگے کہ ہمیں زیبا نہیں کہ آپ کی رائے کے خلاف کریں۔اس پر آپ نے فرمایا کہ پیغمبر خدا کو شایاں نہیں۔ کہ جب وہ زرہ پہن لے تو اسے اتار دے۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے۔اب جو میں حکم دوں وہی کرو۔اور خدا کا نام لے کر چلو۔اگر تم صبر کرو گے تو فتح تمہاری ہو گی''۔پھر آپ نے تین جھنڈے تیار کیے۔اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر کو اور خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن منذر کو اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی ابن ابی طالب کو عطا فرمایا اس طرح آپ ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔جن میں سے ایک سو نے دوہری زرہ پہنی ہوئی تھی۔حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ زرہ پہنے ہوئے آپ کے آگے چل رہے تھے۔جب آپ ثنیۃ الوداع کے قریب پہنچے تو ایک فوج نظر آئی آپ کے دریافت فرمانے پر صحابہ کرام نے عرض کیا۔کہ یہ یہود میں سے ابن ابی کے حلیف ہیں جو آپ کی مدد کو آئے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ لوٹ جائیں۔ کیوں کہ ہم مشرکین کے خلاف مشرکین سے مدد نہیں لیتے۔جب آپ موضع شیخان میں اترے تو عرض لشکر کے بعد آپ نے بعض صحابہ کرام کو بوجہ صغر سنی واپس کر دیا۔چنانچہ اسامہ بن زید، ابن عمر، زید بن ثابت، براابن عازب، عمرو بن حزم، اسید بن ظہیر انصاری، ابو سعید خدری، عرابہ بن اوس، زید بن ارقم، سعد بن عقیب، سعد بن حبۃ، زید بن جاریہ انصاری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم واپس ہوئے۔حضرت سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج جو پندرہ پندرہ سال کے تھے پہلے روک دیئے گئے۔پھر عرض کیا گیا۔کہ یا رسول اللہ! رافع اچھا تیر انداز ہے۔اس لیئے وہ بھی رکھ لیے گئے۔پھر سمرہ کی نسبت کہا گیا۔کہ وہ کشتی میں رافع کو پچھاڑ دیتے ہیں۔حضور نے فرمایا: کہ دونوں کشتی لڑیں۔چنانچہ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ اس طرح حضرت سمرہ بھی رکھ لیے گئے۔رات یہیں بسر ہوئی دوسرے روز باغ شوط میں جو مدینہ اور احد کے درمیان ہے۔فجر کے وقت پہنچے اور نماز با جماعت ادا کی گئی۔اس جگہ ابن ابی اپنے تین سو آدمی لے کر لشکر اسلام سے علیحدہ ہو گیا۔اور یہ کہہ کر مدینہ کو چلا آیا کہ ''حضرت نے ان کا کہا مانا میرا کہا نہ مانا۔

پھر ہم کس لیے یہاں جان دیں"۔ جب یہ منافقین واپس ہوئے۔ تو صحابہ کرام کے ایک گروہ نے کہا۔ کہ ہم ان سے قتال کرتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم قتال نہیں کرتے۔ کیوں کہ یہ مسلمان ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝

"پس کیا ہے واسطے تمہارے بیچ منافقوں کے دو فرقے ہو رہے ہو۔ اور اللہ نے الٹا کیا ان کو بسبب اس چیز کے کہ کمایا انہوں نے۔ کیا ارادہ کرتے ہو تم یہ کہ راہ پر لاؤ جس کو گمراہ کیا اللہ نے؟ اور جس کو گمراہ کرے اللہ پس ہرگز نہ پائے گا تو واسطے اس کے راہ۔" (نساء: ع ۱۲)

ابن ابی کا قول سن کر خزرج میں سے بنو سلمہ اور اوس میں سے بنو حارثہ نے دل میں لوٹنے کی ٹھہرائی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

"جب قصد کیا دو فریقوں نے تم میں سے یہ کہ نامردی کریں اور دوستدار تھا ان کا اللہ اور اوپر اللہ کے پس چاہیے کہ توکل کریں ایمان والے۔" (آل عمران: ع ۱۳)

اب حضور کے ساتھ سات سو آدمی اور دو گھوڑے رہ گئے تھے۔ آپ نے ابوخیثمہ انصاری کو بطور بدرقہ ساتھ لیا۔ تا کہ نزدیک کے راستے سے لے چلے۔ اس طرح حضور حرہ بنی حارثہ اور ان کے اموال کے پاس سے گزرتے ہوئے مربع بن قیظی منافق کے باغ کے پاس پہنچے وہ نابینا تھا۔ اس نے جب لشکر اسلام کی آہٹ سنی تو ان پر خاک پھینکنے لگا۔ اور حضور سے کہنے لگا۔ کہ اگر تو اللہ کا رسول ہے تو میں تجھے اپنے باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ سن کر صحابہ کرام اسے قتل کرنے دوڑے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اسے قتل نہ کرو۔ یہ آنکھ کا اندھا دل کا بھی اندھا ہے۔ مگر حضور کے منع کرنے سے پہلے ہی سعد بن زید اشہلی نے اس پر کمان ماری اور سر توڑ دیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر لشکر اسلام نصف شوال یوم شنبہ کو کوہ احد کی شعب (درہ) میں کرانہ وادی میں پہاڑ کی طرف اترا۔ حضور نے صف آرائی کے لیے پہاڑ کو پس پشت اور کوہ عینین کو جو وادی قنات میں ہے اپنی بائیں طرف رکھا۔ کوہ عینین میں ایک شگاف یا درہ تھا۔ جس میں سے دشمن عقب سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اس لیے آپ نے اس درہ پر اپنے پچاس پیدل تیر انداز مقرر کیے۔ اور حضرت عبداللہ بن جبیر کو ان کا سردار بنایا۔ اور یوں ہدایت کی: "اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اچک لے گئے ہیں۔ تو اپنی جگہ کو نہ چھوڑو یہاں تک کہ میں تمہارے پاس کسی کو

بھیجوں۔ اور اگر تم دیکھو۔ کہ ہم نے دشمن کو شکست دی ہے اور مار کر پامال کر دیا ہے۔ تو بھی ایسا ہی کرنا''۔ (۱۱۲)

مشرکین نے بھی جو عینین میں وادی قنات کے مدینہ کی طرف کے کنارے پر شورستان میں اترے ہوئے تھے۔ صفیں آراستہ کیں۔ چنانچہ انہوں نے سواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید کو۔ میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کر۔ پیدلوں پر صفوان بن امیہ کو۔ اور تیر اندازوں پر جو تعداد میں ایک سو تھے۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا۔ اور جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا۔ کہ مشرکین کا جھنڈا بنو عبدالدار کے پاس ہے۔ تو آپ نے لشکر اسلام کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار کو دیا۔ اور میمنہ پر حضرت زبیر بن عوام اور میسرہ پر حضرت منذر بن عامر کو مقرر فرمایا۔

مشرکین میں سب سے پہلے جو لڑائی کے لیے نکلا۔ وہ ابو عامر انصاری اوسی تھا۔ اس کو راہب کہا کرتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام فاسق رکھا۔ زمانہ جاہلیت میں وہ قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لے گئے۔ تو وہ آپ کی مخالفت کرنے لگا۔ اور مدینہ سے نکل کر مکہ میں چلا آیا۔ اس نے قریش کو آپ سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ اور کہا: کہ میری قوم جب مجھے دیکھے گی تو میرے ساتھ ہو جائے گی۔ اس لیے اس نے پکار کر کہا: ''اے گروہ اوس! میں ابو عامر ہوں''۔ اوس نے جواب دیا: ''اے فاسق! تیری مراد پوری نہ ہو''۔ فاسق کا نام سن کر کہنے لگا: کہ میری قوم میرے بعد بگڑ گئی ہے۔ اس کے ساتھ غلامانِ قریش کی ایک جماعت تھی۔ وہ مسلمانوں پر تیر پھینکنے لگے۔ مسلمان بھی ان پر سنگ باری کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ابو عامر اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔

مشرکین کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا: ''مسلمانو! تم سمجھتے ہو کہ ہم میں سے جو تمہارے ہاتھوں مر جاتا ہے۔ وہ جلد دوزخ میں پہنچ جاتا ہے۔ اور تم میں جو ہمارے ہاتھوں مر جاتا ہے۔ وہ جلد بہشت میں پہنچ جاتا ہے۔ کیا تم میں کوئی ہے جس کو میں جلد بہشت میں پہنچا دوں؟ یا وہ مجھے جلد دوزخ میں پہنچا دے''۔ حضرت علی ابن ابی طالب نکلے اور طلحہ کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ کھوپری پھاڑ دی اور وہ گر پڑا۔ حضور اقدس ﷺ کبش الکتیبہ کے مارے جانے پر خوش ہوئے آپ نے تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی آپ کی اقتداء کی۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ اس کے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں۔ اور ان کے آگے یہ رجز پڑھتا تھا:

اِنَّ عَلٰی اَھْلِ اللِّوَآءِ حَقًّا اَنْ تُخْضَبَ الصَّعْدَۃُ اَوْ تَنْدَقَّا۔

''بیشک علم برداروں پر واجب ہے کہ نیزہ خون سے سرخ ہو جائے یا ٹوٹ جائے۔''

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب مقابلے کے لیے نکلے۔ اور عثمان کے دوشانوں کے درمیان اس زور

سے تلوار ماری کہ ایک بازو اور شانے کو کاٹ کر سرین تک جا پہنچی۔ حضرت حمزہ واپس آئے اور زبان پر یہ الفاظ تھے:

انا ابن ساقی الحجیج۔

''میں ساقی حجاج (عبدالمطلب) کا بیٹا ہوں۔''

اب میدان کارزار گرم ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں ایک تلوار تھی۔ آپ نے فرمایا: کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟ یہ سن کر کئی شخص آپ کی طرف بڑھے مگر آپ نے وہ تلوار کسی کو نہ دی۔ ابو دجانہ (سماک بن خرشہ انصاری) نے اٹھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ اس کا حق یہ ہے کہ تو اس کو دشمن پر مارے، یہاں تک کہ ٹیڑھی ہو جائے۔ ابو دجانہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ حضور نے ابو دجانہ کو عنایت فرمائی۔ ابو دجانہ مشہور پہلوان تھے۔ اور لڑائی میں اکڑ کر چلا کرتے تھے۔ جب سرخ رومال سر پر باندھ لیتے تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ لڑیں گے۔ انہوں نے تلوار لے کر حسب عادت سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے تنتے نکلے۔ یہ دیکھ کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ چال خدا کو ناپسند ہے''۔ حضرت ابو دجانہ صفوں کو چیرتے اور لاشوں پر لاشے گراتے دامن کوہ میں مشرکین کی عورتوں تک جا پہنچے۔ جو بغرض ترغیب دف پر اشعار ذیل گا رہی تھیں:

نحن بنات الطارق نمشی علی النمارق

ان تقبلوا تعانق او تدبروا نفارق

''ہم (علو و شرف میں) پروین ستارے ہیں ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی پیچھے ہٹو گے تم ہم تم سے جدا ہو جائیں گی۔''

حضرت ابو دجانہ نے تلوار اٹھائی کہ ہند بنت عتبہ کے سر پر ماریں۔ پھر بدیں خیال رک گئے۔ کہ یہ سزاوار نہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار ایک عورت پر ماری جائے۔

حضرت ابو دجانہ کی طرح حضرت حمزہ و حضرت علی وغیرہ بھی دشمنوں میں جا گھسے اور صفوں کی صفیں صاف کر دیں۔ حضرت امیر حمزہ کو آخر کار وحشی نے جو بعد میں ایمان لائے۔ شہید کر دیا۔ وحشی اپنا قصہ یوں بیان کرتے ہیں: ''حمزہ نے طعیمہ بن عدی بن الخیار کو بدر میں قتل کر دیا تھا۔ اس لیے میرے آقا جبیر بن مطعم نے کہا: اگر تو حمزہ کو میرے چچا کے بدلے قتل کر دے تو آزاد ہو جائے گا۔ جب سال عینین میں (عینین احد کے مقابلے ایک پہاڑ ہے۔ اور دونوں کے درمیان ایک وادی ہے) لوگ نکلے۔ تو میں لوگوں کے ساتھ لڑائی کے لیے نکلا۔ جب لڑائی کے لیے صف بستہ ہوئے۔ تو سباع (بن عبدالعزی) نکلا

اور کہا: کیا کوئی مبارز ہے؟ یہ سن کر حمزہ بن عبدالمطلب اس کی طرف نکلے اور یوں خطاب کیا: اے سباع! اے عورتوں کے ختنہ کرنے والی ام نمار کے بیٹے! کیا تو خدا اور رسول کے ساتھ جنگ کرتا ہے؟ یہ کہہ کر حمزہ نے اس پر حملہ کیا۔ پس وہ گل گزشتہ کی طرح ہو گیا۔ میں ایک پتھر کے نیچے حمزہ کی تاک میں تھا۔ جب حمزہ مجھ سے نزدیک ہوا۔ میں انے اپنا حربہ اس پر مارا اور اس کی ناف و عانہ کے درمیان لگا۔ یہاں تک کہ اس کی دورانوں میں میں سے نکل گیا۔ اور ایہ اس کا آخر امر تھا۔ جب لوگ واپس آئے میں ان کے ساتھ واپس آیا۔ اور مکہ میں ٹھہرا یہاں تک کہ اس میں اسلام پھیل گیا۔ پھر (فتح کے بعد) طائف کی طرف بھاگ گیا۔ جب اہل طائف نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنے قاصد بھیجے تو مجھ سے کہا گیا۔ کہ حضرت قاصدوں کو تکلیف نہیں دیتے۔ اس لیے میں قاصدوں کے ساتھ نکلا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو پوچھا۔ کیا تو وحشی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا تو نے حمزہ کو قتل کیا؟ میں نے کہا: ایسا ہی وقوع میں آیا ہے جیسا کہ آپ کو خبر پہنچی ہے۔ آپ نے فرمایا تو میرے سامنے نہ آیا کر۔ پس میں چلا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو مسیلمہ کذاب ظاہر ہوا۔ میں نے کہا: کہ میں مسیلمہ کی طرف ضرور نکلوں گا۔ شاید میں اسے مار ڈالوں۔ اور اس طرح سے قتل حمزہ کی مکافات کر دوں۔ اس لیے میں لوگوں کے ساتھ نکلا۔ مسیلمہ کا حال ہوا جو ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک شخص ہے دیوار کے درمیان کھڑا ہوا۔ گویا کہ وہ ایک ژولیدہ مو خاکستری اونٹ ہے۔ میں نے اس پر اپنا حربہ (۱۱۳) مارا جو اس کے دو پستان کے درمیان لگا۔ یہاں تک کہ اس کے دونوں شانوں کے درمیان سے پار ہو گیا انصار میں سے ایک شخص اس کی طرف کودا اور اس کے سر پر تلوار ماری۔ پس ایک لونڈی نے گھر کی چھت پر (نوحہ کرتے ہوئے) کہا۔ وائے امیر المومنین (۱۱۴)! اسے ایک حبشی غلام وحشی نے قتل کر دیا (۱۱۵)"۔

حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری اوسی نے مشرکین کے سپہ سالار ابوسفیان پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ابوسفیان کو قتل کر دیتے۔ مگر شداد بن الاسود نے ان کے وار کو روک لیا۔ اور اپنی تلوار سے حضرت حنظلہ کو شہید کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کرو۔ بیوی نے کہا: کہ شب احد کو ان کی شادی ہوئی تھی۔ صبح کو اٹھے تو غسل کی حاجت تھی۔ غسل کے لیے آدھا سر دھویا تھا۔ کہ دعوت جنگ کی آواز کان میں پڑی۔ فوراً اسی حالت میں وہ شریک جنگ ہو گئے۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا کہ اسی سبب سے اسے فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت حنظلہ کو غسیل الملائکہ کہتے ہیں۔ (۱۱۶)

بہادرانِ اسلام نے خوب داد شجاعت دی۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عثمان ابی طلحہ کے بعد

ان کے علمبردار ابوسعید بن ابی طلحہ، مسافع بن طلحہ، حارث بن طلحہ، کلاب بن طلحہ، جلاس بن طلحہ، ارطات بن شراحیل، شریح بن قارظ اور ابوزید بن عمرو بن عبد مناف یکے بعد دیگرے قتل ہو گئے۔ ان کا جھنڈا زمین پر پڑا رہ گیا۔ کوئی اس کے نزدیک نہ آتا تھا۔ عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے اٹھالیا۔ جس سے ایک حبشی غلام صواب نے نامی لے لیا۔ قریش اس کے گرد جمع ہو گئے۔ لڑتے لڑتے صواب کے دونوں بازو کٹ گئے۔ وہ سینے کے بل زمین پر گر پڑا۔ اور جھنڈے کو سینے اور گردن کے درمیان دبالیا۔ اس حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا۔ کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ (۱۱۷)

صواب کے بعد کسی کو جھنڈا اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ مشرکین کو شکست ہوئی۔ وہ عورتیں جو دف بجاتی تھیں۔ اب کپڑے چڑھائے برہنہ ساق پہاڑ پر بھاگی جا رہی تھیں۔ مسلمان قتل و غارت میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر عینین پر تیراندازوں نے آپس میں کہا: ''غنیمت! غنیمت! تمہارے اصحاب غالب آگئے ہیں۔ اب تم کیا دیکھتے ہو؟'' حضرت عبداللہ بن جبیر نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یاد دلایا۔ مگر وہ بدیں خیال کہ مشرکین اب واپس نہیں آسکتے۔ اپنی جگہ چھوڑ کر لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ اور صرف چند آدمی حضرت عبداللہ کے ساتھ رہ گئے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کیا اور سب کو شہید کر دیا۔ پھر درۂ کوہ میں سے آکر عقب سے لشکر اسلام پر ٹوٹ پڑے۔ اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ ابلیس لعین نے پکار کر کہا ''ان محمد اقد قتل'' معاذ اللہ (محمد قتل ہو چکے) مسلمان سراسیمہ بھاگنے لگے۔ اور ان کے تین فرقے ہو گئے۔ فرقہ قلیل بھاگ کر مدینے کے قریب پہنچ گئے۔ اور اختتام جنگ تک واپس نہیں آئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡكُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا ۚ
وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۵۵﴾

''تحقیق جو لوگ کہ پیٹھ موڑ گئے تم میں سے اس دن کہ ملیں دو جماعتیں۔ سوائے اس کے نہیں کہ دھوکا دیا ان کو شیطان نے کچھ ان کے گناہوں کی شامت ہے۔ تحقیق معاف کیا اللہ نے ان سے بے شک اللہ بخشنے والا بردبار۔'' (آل عمران: ۱۵۵)

دوسرا فرقہ یعنی اکثر صحابہ کرام یہ سن کر کہ رسول اللہ ﷺ قتل ہو گئے۔ حیران ہو گئے ان میں سے جہاں کوئی تھا وہیں رہ گیا۔ اور اپنی جان بچاتا رہا۔ یا جنگ کرتا رہا۔ تیسرا فرقہ جو بارہ یا کچھ اوپر صحابہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت رہا۔

• فتح کے بعد مسلمانوں کو جو شکست ہوئی۔ اس کی وجہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی خلاف ورزی

تھی۔ جیسا کہ آیات ذیل سے ثابت ہے:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (آل عمران: ع ۱۶)

"اور البتہ تحقیق سچا کیا ہے تم سے اللہ نے وعدہ اپنا جس وقت کاٹتے تھے تم ان کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب نامردی کی تم نے اور جھگڑا کیا تم نے اپنے کام میں اور نافرمانی کی تم نے بعد اس کے کہ دکھلایا تم کو جو چاہتے تھے تم۔ بعض تم میں سے وہ تھا کہ ارادہ کرتا تھا دنیا کا اور بعض تم میں سے وہ تھا کہ ارادہ کرتا تھا آخرت کا۔ پھر پھیر دیا تم کو ان سے تاکہ آزمادے تم کو اور البتہ تحقیق معاف کیا تم سے اور اللہ صاحب فضل کا ہے ایمان والوں پر جس وقت چڑھے جاتے تھے تم شہر کو اور پیچھے نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو پچھاڑی میں پس دوبارہ دیا تم کو غم ساتھ غم کے تاکہ تم غم نہ کھاؤ اس چیز کا جو چوک گئی تم سے اور جو نہ پہنچی تم کو اور اللہ کو خبر ہے اس چیز کی کہ کرتے ہو تم۔"

خالد بن ولید کے حملے پر مسلمانوں میں جو لوٹنے میں مشغول تھے۔ ایسی ابتری و سراسیمگی پھیلی۔ کہ اپنے بیگانے میں تمیز نہ رہی۔ چنانچہ حضرت حذیفہ کے والد حضرت یمان کو مسلمانوں ہی نے شہید کر دیا۔ (۱۱۸)

آنحضرت ﷺ کی شہادت کی آواز نے بڑے بڑے بہادروں کو بدحواس کر رکھا تھا۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے۔ کہ میرے چچا حضرت انس ابن نضر جنگ بدر میں حاضر نہ تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ میں پہلے قتال میں کہ آپ نے بذات شریف مشرکین سے کیا ہے۔ حاضر نہ تھا۔ اگر خدا مجھے مشرکین کے قتال میں حاضر کرے۔ تو دیکھیے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ جب احد کا دن آیا اور مسلمانوں نے شکست کھائی تو کہا: یا اللہ میں عذر چاہتا ہوں تیرے آگے اس سے جو ان لوگوں نے کیا: یعنی اصحاب کرام نے۔ اور بیزار ہوں تیرے آگے اس سے جو ان لوگوں نے کیا: یعنی مشرکوں نے۔ پھر لڑائی کے لیے آئے۔ حضرت سعد بن معاذ ان کو ملے۔ ابن نضر نے کہا۔ سعد! میں بہشت چاہتا ہوں اور نضر کے رب کی قسم۔ کہ میں احد کی طرف سے اس کی

خوشبو پاتا ہوں۔ سعد نے کہا: یارسول اللہ میں نہ کر سکا جو ابن نضر نے کیا۔ انس بن مالک کا قول ہے۔ کہ ہم نے ابن نضر پر اسی سے کچھ اوپر تلوار و نیزہ و تیر کے زخم پائے۔ اور وہ شہید تھے۔ مشرکین نے ان کو مثلہ کر دیا تھا۔ ان کو فقط ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ ہم گمان کرتے تھے کہ آیت ذیل ابن نضر اور اس کی مثل دوسروں کے حق میں نازل ہوئی (۱۱۹) ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝

''مسلمانوں میں سے وہ مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا انہوں نے اس چیز کو کہ عہد باندھا تھا اللہ سے اس پر۔ پس بعض ان میں سے وہ ہے کہ پورا کر چکا کام اپنا اور بعض ان میں سے وہ ہے کہ انتظار کرتا ہے۔ اور نہیں بدل ڈالا انہوں نے کچھ بدل ڈالنا۔'' (احزاب: رکوع ۳)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن نضر نے راستے میں مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو دیکھا۔ جس میں حضرت عمر فاروق و طلحہ بن عبید اللہ بھی تھے۔ وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ ابن نضر نے ان سے پوچھا: کہ کیوں بیٹھ رہے ہو! انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ شہادت پا چکے ہیں۔ ابن نضر نے کہا: کہ حضور کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تم بھی اسی طرح دین پر شہید ہو جاؤ۔ پھر ابن نضر نے جنگ کی اور شہید (۱۲۰) ہو گئے۔

حضرت ابن نضر کی طرح ثابت بن وحداح آئے اور انصار سے یوں خطاب کیا: ''اے گروہ انصار! اگر حضرت محمد ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔ تو اللہ تو زندہ ہے مرتا نہیں۔ تم اپنے دین کے لیے لڑو''۔ یہ کہہ کر انہوں نے چند انصار کے ساتھ خالد بن ولید کی فوج پر حملہ کیا۔ مگر خالد بن ولید نے ان کو شہید (۱۲۱) کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی افواہ اور مسلمانوں کی نظروں سے غائب ہونے کے بعد سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک انصاری نے حضور کو پہچانا سر مبارک پر مغفر تھا جس کے نیچے سے آپ کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ حضرت کعب نے زور سے پکار کر کہا: ''مسلمانو! تم کو بشارت ہو۔ رسول اللہ ﷺ یہ ہیں''۔ یہ سن کر ایک جماعت حاضر خدمت ہوئی۔ اور آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق، علی المرتضیٰ، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام اور حارث بن صمہ وغیرہ کے ساتھ شعب کی طرف متوجہ ہوئے۔ تاکہ اپنے باقی اصحاب کا حال دیکھیں۔ اب کفار نے بھی سب طرف سے ہٹ کر اس رخ پر زور دیا۔ وہ بار بار ہجوم کر کے حملہ آور ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا۔ تو حضور نے فرمایا: ''کون مجھ پر جان دیتا ہے؟'' حضرت زیاد بن سکن پانچ یا ست انصاری ساتھ لے کر حاضر ہوئے جنہوں نے یکے

بعد دیگرے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے پتھر مار کر حضور علیہ السلام کا دانت مبارک (رباعیہ یمنیٰ سفلیٰ) شہید کر دیا (۱۲۲)۔ اور نیچے کا ہونٹ زخمی کر دیا۔ ابن قمہ لعین نے چہرہ مبارک ایسا زخمی کیا کہ خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے۔ اور آپ ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے۔ جو ابو عامر فاسق نے بدیں غرض کھودے تھے۔ کہ مسلمان بے علمی میں ان میں گر پڑیں۔ اس حالت میں حضور فرما رہے تھے۔ کیف یفلح قوم شجوا نبیھم (وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو زخمی کر دیا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝

''تیرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دے یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں۔'' (آل عمران: ع ۱۳)

حضرت علی مرتضیٰ نے حضور کا ہاتھ مبارک پکڑا۔ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے آپ کو اٹھایا۔ یہاں تک کہ آپ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے اپنے دانتوں سے خود کا ایک حلقہ نکالا۔ تو ان کا ایک سامنے کا دانت گر پڑا۔ دوسرا حلقہ نکالا۔ تو دوسرا نکل گیا۔ حضرت ابو سعید خدری کے والد مالک بن سنان نے حضور کا خون چوس کر پی لیا۔ حضور خود بھی کپڑے سے اپنے چہرے کا خون پونچھ رہے تھے۔ کہ مبادا زمین پر گر پڑے تو عذاب نازل ہو۔ اور یوں فرما رہے تھے:

اللھم اغفرلی لقومی فانھم لا یعلمون۔

''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے۔ کیوں کہ وہ نہیں جانتے۔''

اس موقع پر بعض اصحاب نے جانبازی کی خوب داد دی۔ چنانچہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اس کثرت سے رسول اللہ ﷺ پر سے تیر روکے کہ ہاتھ بیکار ہو گیا۔ حضرت ابو دجانہ حضور کے آگے ڈھال بنے کھڑے تھے۔ ان کی پشت پر تیر لگ رہے تھے۔ مگر اپنے آقا رسول اللہ ﷺ پر جھکے ہوئے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص بھی حضور انور کی مدافعت میں تیر چلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ حضور خود ان کو اپنے ترکش میں سے تیر دیتے تھے اور فرماتے تھے ''پھینکتے جاؤ''۔ حضرت ابو طلحہ انصاری بڑے تیر انداز تھے۔ انہوں نے اس قدر تیر برسائے۔ کہ دو تین کمانیں ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے ہاتھ میں رہ گئیں۔ وہ حضور انور پر چمڑے کی ڈھال کی اوٹ بنائے کھڑے تھے۔ حضور کبھی گردن اٹھا کر دشمنوں کی طرف دیکھتے۔ تو ابو طلحہ عرض کرتے: ''آپ پر میرے ماں باپ قربان! گردن اٹھا کر نہ دیکھیے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سینہ آپ کے سینے کے لیے ڈھال ہے''۔ حضرت شماس بن عثمان قرشی مخزومی تلوار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے مدافعت کر رہے تھے۔ دائیں بائیں جس طرف سے وار ہوتا تھا۔ وہ ڈھال کی طرح آپ کو بچا رہے

تھے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ابھی رمق حیات باقی تھا کہ ان کو اٹھا کر مدینہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے گئے۔ وہاں ایک دن رات زندہ رہ کر وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اس دن ڈھال کے سوا مجھے کوئی ایسی چیز نہ سوجھی کہ جس سے شماس کو تشبیہ دوں۔ اسی طرح سہل بن حنیف انصاری اوسی تیروں کے ساتھ مدافعت کر رہے تھے۔ اور حضور علیہ السلام فرما رہے تھے: ''سہل کو تیر دو''۔ حضرت قتادہ بن نعمان انصاری حضور اقدس ﷺ کے چہرے مبارک کو بچانے کے لیے اپنا چہرہ سامنے کیے ہوئے تھے۔ آخر کار ایک تیر ان کی آنکھ میں ایسا لگا کہ ڈھیلا رخسار پر آ گرا۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ پر رکھ دیا اور یوں دعا فرمائیں: ''خدایا! تو قتادہ کو بچا۔ جیسا کہ اس نے تیرے نبی کے چہرے کو بچایا ہے''۔ پس وہ آنکھ دوسری آنکھ سے بھی تیز اور خوبصورت ہو گئی۔

اثنائے جنگ میں مشرکین کی عورتیں شہدائے عظام کو مثلہ کرنے میں مشغول تھیں۔ عتبہ کی بیٹی ہند نے اپنے پاؤں کے کڑے، بالیاں اور ہار حضرت امیر حمزہ کے قاتل وحشی کو دے دیے۔ اور خود شہداء کے کانوں اور ناکوں سے اپنے واسطے کڑے بالیاں اور ہار بنائے اور حضرت حمزہ کے جگر کو پھاڑ کر چبایا۔ نگل نہ سکی۔ تو پھینک دیا۔ (۱۴۳)

حضرت مصعب بن عمیر علمبردار لشکر اسلام نے بھی آقائے نامدار ﷺ پر جان فدا کر دی۔ جب ابن قمیہ لعین حضور کے قتل کے ارادے سے حملہ آور ہوا۔ تو حضرت مصعب نے مدافعت کی۔ مگر شہید ہو گئے۔ حضرت محمد بن شرجیل عبدری روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت مصعب کا داہنا ہاتھ کٹ گیا۔ تو انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اور وہ کہہ رہے تھے: وما محمد الا رسول (الایہ) پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ تو جھک کر جھنڈے کو دونوں بازوؤں کے ساتھ سینہ سے لگا لیا۔ اور آیت مذکورہ زبان پر تھی۔ راوی کا قول ہے۔ کہ یہ آیت بعد میں نازل ہوئی۔ مگر اس دن اللہ تعالیٰ نے بجواب قول قائل قد قتل محمد ﷺ ان کی زبان پر جاری کر دی (۱۴۴) تھی۔ حضرت مصعب کے بعد اسلامی جھنڈا حضرت علی مرتضیٰ کو دیا گیا۔

جب رسول اللہ ﷺ شعب پر چڑھے۔ تو ابی بن خلف سامنے آ کر کہنے لگا: ''اے محمد! اگر تم بچ گئے۔ تو میں نہ بچوں گا''۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ اگر اجازت ہو تو ہم میں سے ایک اس کا فیصلہ کر دے۔ حضور نے اجازت نہ دی۔ اور بذات شریف حضرت حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر مارا۔ جس سے فقط خراش آئی۔ اور لہو نہ نکلا۔ ابی مذکور مکہ میں حضور سے کہا کرتا تھا۔ کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے۔ جسے میں ہر روز آٹھ یا دس سیر پختہ ذرہ (جوار) کھلاتا ہوں۔ اس پر سوار ہو کر آپ کو قتل کروں گا۔ آپ فرماتے: بلکہ میں ان شاء اللہ تم کو قتل کروں گا۔ جب وہ قریش میں واپس گیا تو کہنے

لگا۔ اللہ کی قسم مجھے محمد نے قتل کر دیا۔ وہ کہنے لگے۔ تو بے دل ہو گیا ہے۔ اس خراش کا کچھ ڈر نہیں۔ اس نے کہا کہ مکہ میں مجھ سے محمد نے کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ سو اللہ کی قسم اگر وہ مجھ پر صرف تھوک دے تو میں مر جاؤں گا۔ چنانچہ قریش اس دشمن خدا کو مکہ کی طرف لے جا رہے تھے کہ راستے میں مقام سراف میں مر گیا (۱۲۵)۔

جب رسول اللہ ﷺ شعب کے دہانے پر پہنچے۔ تو حضرت علی مرتضیٰ مہراس (گنڈ) سے اپنی ڈھال پانی سے بھر لائے۔ تاکہ حضور پئیں۔ مگر آپ نے اس میں بو پائی اور نہ پیا۔ حضرت علی نے اس سے حضور کے چہرے سے خون دھویا۔ اور سر مبارک پر گرایا۔ اس وقت حضور نے فرمایا: اشتد غضب اللّٰہ علیٰ من دَمّٰی وجہ نبیہ۔

مشرکین اب تک تعاقب میں تھے۔ چنانچہ جب آپ اصحاب مذکورہ بالا کے ساتھ شعب میں تھے تو ان کے سواروں کا ایک دستہ بسر کردگی خالد بن ولید پہاڑ پر چڑھا۔ آپ نے دعا فرمائی۔ کہ خدایا! یہ ہم پر غالب نہ آئیں۔ پس حضرت عمر فاروق اور مہاجرین کی ایک جماعت نے قتال کیا۔ یہاں تک کہ ان کو پہاڑ سے اتار دیا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ ایک چٹان پر چڑھنے لگے۔ تو ناتوانی اور دوہری زرہ کے سبب سے نہ چڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ نے وہ کام کیا کہ جس سے وہ بہشت کے مستحق ہو گئے) اس روز زخموں کی وجہ سے حضور نے نماز ظہر بیٹھ کر ادا کی اور مقتدیوں نے بھی بیٹھ کر پڑھی۔

جب ابو سفیان نے میدان سے واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ تو سامنے کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر پکارا۔ کیا تم میں محمد ﷺ ہیں؟ حضور نے فرمایا: کہ اس کا جواب نہ دو۔ وہ پھر پکارا کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا جواب نہ دو۔ اس نے پھر پکار کر کہا۔ کیا تم میں ابن خطاب ہے؟ جب جواب نہ ملا تو کہنے لگا: کہ یہ سب مارے گئے ہیں۔ کیوں کہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ حضرت عمر سے رہا نہ گیا۔ بول اٹھے: ''او دشمن خدا! تو نے جھوٹ کہا۔ وہ سب زندہ ہیں۔ اللہ نے تیرے واسطے وہ باقی رکھا ہے جو تجھے غمگین کرے گا۔ (فتح کے دن) ابو سفیان بولا:

اُعْلُ ھُبَل۔ ''اے ہبل تو اونچا رہ۔''

صحابہ کرام نے حسب ارشاد حضور جواب دیا:

اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ۔ ''اللہ اونچا اور بڑا ہے۔''

ابو سفیان نے کہا:

لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ''ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمہارے پاس عزیٰ نہیں۔''

صحابہ کرام نے حسب ارشاد نبوی جواب دیا:

اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ۔ اللہ ہمارا ناصر و مددگار ہے اور تمہارا کوئی ناصر نہیں۔
ابو سفیان نے کہا۔ آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ لڑائی میں کبھی جیت کبھی ہار ہوتی ہے۔ تم اپنی قوم میں ناک کان کٹے پاؤ گے۔ میں نے اپنی فوج کو یہ حکم نہیں دیا۔ مگر اس پر کچھ رنج بھی نہیں ہوا (۱۲۶)۔ اس کے بعد ابو سفیان یہ کہہ کر واپس ہوا: کہ ہمارا اور تمہارا مقابلہ آئندہ سال مقام بدر میں ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر سے فرمادیا: کہ کہہ دیجئے ہاں بدر ہمارا اور تمہارا موعد ہے۔ اس طرح جب مشرکین مکہ کو لوٹے۔ تو صحابہ کرام کو خدشہ ہوا کہ مبادا وہ مدینہ کا قصد کریں۔ اس لیے حضور انور نے علی مرتضٰی کو دریافت حال کے لیے بھیجا۔ اور فرمادیا: کہ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوں۔ اور گھوڑوں کو پہلو میں خالی لیے جا رہے ہوں۔ تو سمجھنا کہ وہ مکہ کو جاتے ہیں۔ اگر اس کا عکس کریں تو مدینہ کا قصد رکھتے ہیں۔ حضرت مرتضٰی خبر لائے۔ کہ وہ اونٹوں پر سوار گھوڑوں کو خالی لے جا رہے ہیں۔ اور مکہ کی طرف متوجہ ہیں۔

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ۔ (آل عمران۔ ع ۱۶)
"مشرکین کے اسی فرار کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔"

خواتین اسلام نے بھی اس غزوہ میں حصہ لیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ اور ام سلیم (والدہ انس) پائینچے چڑھائے ہوئے کہ جس سے ان کے پاؤں کی جھانجھریں نظر آتی تھیں۔ مشکیں بھر بھر کر لاتی تھیں اور مسلمانوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جب مشکیں خالی ہو جاتیں تو پھر بھر لاتیں اور پلاتیں۔ حضرت ام سلیط (والدہ حضرت ابو سعید خدری) بھی یہی خدمت بجا لا رہی تھیں۔ حضرت ام ایمن (رسول اللہ ﷺ کی دایہ) اور حمنہ بنت جحش (ام المومنین زینب کی بہن) پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ حضرت ام عمارہ، نسیبہ بنت کعب انصار (زوجہ زید بن عاصم انصاری مازنی) اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کے ساتھ مشک لے کر نکلیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چند جانباز رہ گئے۔ تو یہ حضور کے پاس پہنچیں۔ اور تیر اور تلوار سے کافروں کو روکتی رہیں۔ جب ابن قمیہ لعین حضور کی طرف بڑھا۔ تو حضرت مصعب بن عمیر اور چند مسلمان مقابل ہوئے ان میں ام عمارہ بھی تھیں۔ ابن قمیہ نے ان کے کندھے پر ایسی ضرب لگائی کہ غار پڑ گیا۔ ام عمارہ نے بھی کئی وار کیے مگر وہ دشمن خدا دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لیے کارگر نہ ہوئے۔ حضرت صفیہ (حضرت امیر حمزہ کی بہن) مسلمانوں کی شکست پر احد میں نیزہ ہاتھ میں لیے آئیں۔ اور بھاگنے والوں کے منہ پر مار کر کہتی تھیں۔ کہ تم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگتے ہو پھر بھائی کی لاش دیکھ کر بڑے استقلال سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور دعائے مغفرت کی۔

جب مشرکین میدان کارزار سے چلے گئے۔ تو مدینہ کی عورتیں صحابہ کی مدد کو نکلیں۔ ان میں حضرت فاطمۃ الزہرا بھی تھیں۔ جب حضرت فاطمہ نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا تو خوشی کے مارے حضور کے گلے لپٹ گئیں۔ اور آپ کے زخموں کو دھونے لگیں۔ حضرت علی المرتضیٰ ڈھال سے پانی گرا رہے تھے۔ جب فاطمہ نے دیکھا کہ پانی سے خون زیادہ نکل رہا ہے۔ تو چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر لگا دیا۔ جس سے خون (۱۲۷) بند ہو گیا۔ پھر حضور نے فرمایا: اشتد غضب الله علی قوم دموا وجه رسوله پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو حضرت سعد بن ربیع کا حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت سعد کو مقتولین میں زخمی پایا۔ (ان پر تیر، تلوار اور نیزے کے ستر زخم تھے) ان میں فقط رمق حیات باقی تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا: کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ میں دیکھوں کہ تم زندوں میں ہو یا مردوں میں۔ حضرت سعد نے دھیمی آواز سے جواب دیا: "میں مردوں میں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا اسلام پہنچانا۔ اور عرض کرنا۔ کہ سعد بن ربیع آپ سے گزارش کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اچھی سے اچھی جزادے جو اس نے کسی نبی کو ان کی امت کی طرف سے دی ہے اور اپنی قوم کو میرا اسلام پہنچانا۔ اور ان سے کہنا کہ اگر کوئی (دشمن) تمہارے پیغمبر تک (بارادۂ قتل) پہنچ جائے۔ اور تم میں سے ایک بھی زندہ ہو تو خدا کی بارگاہ میں تمہارا کوئی عذر نہ ہوگا"۔ حضرت سعد یہ کہہ کر واصل بحق ہو گئے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضور کی خدمت میں صورت حال عرض کر دی۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا:

"اللہ اس پر رحم کرے اس نے حیات وموت میں خدا اور رسول کی خیر خواہی کی (۱۲۸)"۔

اس غزوہ میں مسلمانوں میں سے ستر یا کچھ کم وبیش شہید ہوئے۔ ابن نجار نے ان سب کے نام دیئے ہیں۔ جن میں چار مہاجرین میں سے اور باقی چھیاسٹھ انصار میں سے ہیں (۱۲۹)۔ اختتام جنگ پر آنحضرت ﷺ شہدائے کرام کی لاشوں پر تشریف لے گئے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک دیکھ کر فرمایا کہ "ایسا دردناک منظر میری نظر سے کبھی نہیں گزرا۔ حضرت حمزہ ساتوں آسمانوں میں شیر خدا اور شیر رسول لکھے گئے"۔ پھر تمام لاشوں پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا: (۱۳۰)

اَنَا شَهِيْدٌ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ "میں قیامت کے دن ان کا شفیع ہوں"۔

بعد ازاں حکم دیا کہ ان کو دفن کر دیا جائے۔ کپڑے کی قلت کا یہ عالم تھا۔ کہ عموماً دو دو تین تین ملا کر ایک ہی کپڑے میں ایک ہی قبر میں دفن کر دیئے گئے۔ جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو مقدم کیا جاتا۔ اور ان شہداء پر اس وقت نماز جنازہ نہ پڑھی گئی۔ بلکہ بے غسل اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دفن کر دیئے گئے۔ رضی اللہ عنہم۔

سید الشہداء امیر حمزہؓ کو ایک چادر میں دفن کیا گیا۔ مگر چادر کوتاہ تھی۔ اگر منہ ڈھانپتے تو قدم ننگے رہتے۔ قدموں کو چھپاتے تو منہ ننگا رہتا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ منہ کو ڈھانپ دو اور قدموں پر حرمل ڈال دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (۱۳۱)۔

حضرت مصعب بن عمیر جب شہید ہوئے تو ان کے پاس صرف ایک کملی تھی۔ اس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے رہتے اور پاؤں چھپاتے تو سر ننگا رہتا۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے سر کملی سے ڈھانپ دیا گیا اور پاؤں اذخر (۱۳۲) گھاس سے چھپا دیئے گئے۔

حضرت وہب بن قابوس مزنی اور ان کا بھتیجا حارث بن عتبہ بن قابوس بکریاں چراتے مدینہ میں آئے۔ جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ احد پر تشریف لے گئے ہیں تو اسلام لاکر حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ خالد و عکرمہ کے حملہ کے وقت حضرت وہب بڑی بہادری سے لڑے۔ مشرکین کا ایک دستہ آگے بڑھا۔ تو آپ نے تیروں سے ہٹا دیا دوسرا آیا تو اسے تلوار سے بھگا دیا۔ تیسرا آیا تو تلوار سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کا بھتیجا بھی اسی طرح لڑ کر شہید ہوا۔ مشرکین نے حضرت وہب کو بری طرح سے مثلہ کر دیا تھا رسول اللہ ﷺ اگرچہ زخموں سے نڈھال تھے مگر دونوں لاشوں پر کھڑے رہے اور حضرت وہب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْکَ فَاِنِّیْ عَنْکَ رَاضٍ۔ ''اللہ تجھ سے راضی ہو۔ میں تو تجھ سے راضی ہوں۔''

حضرت وہب کو لحد میں رکھا گیا۔ تو حضور اقدس ﷺ نے ان کا سر ان ہی کی چادر سے چھپا دیا۔ مگر وہ چادر ان کی نصف ساق تک پہنچی۔ اس لیے حضور کے ارشاد سے پاؤں پر حرمل ڈال دی گئی۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت سعد بن ابی وقاص تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہم خدا تعالیٰ سے مزنی کے حال میں ملیں۔ (۱۳۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام کا جنازہ اٹھایا گیا تو آنحضرت ﷺ نے ایک رونے والی عورت کی آواز سنی اور دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ مقتولین کی بہن یا پھوپھی ہے۔ فرمایا کہ یہ کیوں روتی ہے؟ یا فرمایا کہ نہ روئے۔ کیوں کہ جنازہ اٹھنے تک فرشتے اسے اپنے بازوؤں سے سایہ کرتے رہتے ہیں (۱۳۴)۔ ترمذی (ابواب تفسیر القرآن) میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مجھ سے ملے۔ فرمایا کہ تو غمگین کیوں ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا باپ احد کے دن شہید ہو گیا اور قرض و عیال چھوڑ گیا۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تجھے بشارت نہ دوں کہ خدا تیرے باپ سے کس طرح ملا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کبھی شہدائے احد میں سے کسی سے بے پردہ کلام نہیں کیا۔ مگر تیرے باپ سے روبرو کلام کیا۔ اور کہا مجھ سے مانگ کہ تجھے عطا کروں۔ تیرے باپ نے کہا:

اے پروردگار۔ تو مجھے حیات دنیوی عطا کرتا کہ میں دوبارہ تیری راہ میں شہید ہو جاؤں۔ رب عزوجل نے کہا کہ میری طرف سے وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ (مرکر) دنیا کی طرف نہ لوٹیں گے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً (۱۳۵) (الایہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام بھی ایک کملی میں دفن ہوئے تھے پاؤں حرمل سے چھپا دیئے گئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن جبیر تیر اندازوں کے امیر تھے۔ جب ان کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے تو مشرکین نے ان پر حملہ کیا۔ وہ سب شہید ہو گئے۔ مگر اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ حضرت عبداللہ پہلے دشمنوں پر تیر پھینکتے رہے۔ جب تیر ختم ہو گئے۔ تو نیزہ سے کام لینے لگے۔ جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا۔ تو تلوار سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ کفار نے آپ کو بری طرح سے مثلہ کر دیا تھا۔ آپ کے بھائی حضرت خوات بن جبیر نے کمانوں سے گڑھا کھود کر آپ کو دفن کر دیا (۱۳۶)۔

حضرت عمرو بن جموح لنگڑے تھے۔ ان سے کہا گیا۔ کہ آپ معذور ہیں۔ آپ پر جہاد فرض نہیں۔ مگر وہ مسلح ہو کر نکلے۔ اور کہنے لگے کہ مجھے امید ہے کہ میں اسی طرح بہشت میں ٹہلا کروں گا۔ پھر قبلہ رو ہو کر یوں دعا کی: ''خدایا مجھے شہادت نصیب کر اور اپنے اہل کی طرف محروم واپس نہ لا''۔ چنانچہ احد میں شہید ہو گئے (۱۳۷)۔

اثنائے جنگ میں ایک مسلمان کھڑا ہوا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اگر میں مارا گیا۔ تو کہاں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: ''بہشت میں'' یہ سن کر اس نے کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور لڑتا ہوا شہید ہو گیا (۱۳۸)۔

شہدائے کرام کی تدفین کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ کو واپس آئے۔ راستے میں جو عورتیں اپنے اہل و اقارب کا حال دریافت کرتی تھیں۔ حضور بتاتے جاتے تھے۔ آپ بنو دینار کی ایک عورت کے برابر سے گزرے۔ جس کا شوہر اور بھائی اور باپ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ لوگوں نے اسے تینوں کی شہادت کی خبر دی۔ تو اس نے کچھ پروا نہ کی اور پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بخیر ہیں۔ کہنے لگی کہ مجھے دکھا دو تا کہ میں آنکھوں سے دیکھ لوں۔ چنانچہ اس وقت حضور علیہ السلام کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اس نے جب حضور انور زبانی ہو وامی کو دیکھا تو پکار اٹھی (۱۳۹):

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ۔ ''آپ کے ہوتے ہوئے ہر ایک مصیبت ہیچ ہے۔''

جب آنحضرت ﷺ انصار کے محلہ بنی عبدالاشہل میں پہنچے۔ تو ان کی عورتوں کو دیکھا۔ کہ اپنے مقتولین پر رو رہی ہیں۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور زبان مبارک سے نکلا:

حمزۃ فلا بواکی لہ۔ ''لیکن حمزہ کیلئے کوئی رونے والیاں نہیں۔''

یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ ان عورتوں کے پاس گئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے در دولت پر جا کر ماتم کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ہم بھی شامل گریہ ہو گئیں۔ حضور علیہ السلام سو گئے اور ہم رو رہی تھی آپ نے جاگ کر نماز عشا پڑھی اور سو گئے۔ پھر جو آنکھ کھلی اور رونے کی آواز سنی تو فرمایا کہ تم اب تک رو رہی ہو۔ یہ فرما کر آپ نے رونے والیوں کو رخصت کیا۔ اور ان کے لیے اور ان کے ازواج و اولاد کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے نوحہ سے منع فرما دیا (۱۴۰)۔

اس واقعہ سے آٹھ برس کے بعد ایک روز آنحضرت ﷺ اس طرف کو نکلے اور شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے منبر پر رونق افروز ہو کر یہ خطبہ دیا (۱۴۱)۔

اِنِّیْ فَرَطٌ لَّکُمْ وَ اِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِی الْاٰنَ وَ اِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِحَ الْاَرْضِ وَ اِنِّیْ وَاللّٰہِ مَآ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَ لٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا۔

"بیشک میں تمہارے واسطے فرط (۱۴۲) (پیش رو) ہوں اللہ کی قسم میں اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں یا زمین کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں خدا کی قسم مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک بن جاؤ گے لیکن یہ ڈر ہے کہ تم دنیا میں پھنس جاؤ۔"

ہجرت کا چوتھا سال

غزوہ بنی نضیر: یہ غزوہ ماہ ربیع الاول میں ہوا۔ جس کی وجہ نقض عہد سابق تھی۔ بنو عامر کے دو شخص جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا عہد تھا۔ مدینہ منورہ سے اپنے اہل کی طرف نکلے۔ راستے میں عمرو بن امیہ ضمری ان سے ملا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ رسول اللہ کے جوار میں ہیں۔ اس نے دونوں کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مطالبہ دیت کے لیے بنو نضیر سے مدد مانگی۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ تشریف رکھیے۔ ہم باہم مشورہ کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ حضرات ابوبکر و عمر و علی وغیرہم کے ساتھ ان کی ایک دیوار تلے بیٹھ گئے۔ یہود نے بجائے مدد دینے کے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ بے خبری میں دیوار پر سے آپ پر چکی کا پاٹ پھینک دیں۔ حضرت جبرائیل نے آپ کو اطلاع کر دی۔ آپ فوراً وہاں سے مدینہ منور تشریف لائے اور جنگ کے لیے تیار ہو کر ان پر حملہ آور ہوئے بنو قریظہ بھی برسرِ پیکار تھے۔ آخر کار آپ نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا۔ بدیں شرط کہ ان کو اجازت دی کہ جو مال وہ اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے اموال لے کر خیبر میں اور بعض اذرعات واقع شام میں چلے

گئے۔ مگر بنو قریظہ پر آپ نے احسان کیا کہ ان کو امن دے دیا (۱۴۳)۔ جمادی الاولیٰ میں غزوہ ذات الرقاع ہوا۔ رسول اللہ ﷺ بنو محارب اور بنو ثعلبہ کے قصد سے نجد کی طرف نکلے۔ مگر قتال وقوع میں نہ آیا۔ امام بخاری نے اس غزوہ کو غزوہ خیبر کے بعد بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ غزوہ دو دفعہ ہوا ہو۔ صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ میں پڑھی گئی۔ اس میں غورث بن حارث کا قصہ پیش آیا۔

ہجرت کا پانچواں سال

غزوہ دومتہ الجندل: ماہ ربیع الاول میں غزوہ دومتہ الجندل میں پیش آیا۔ مگر قتال وقوع (۱۴۴) میں نہ آیا۔ شعبان میں غزوہ مریسیع یا غزوہ بنی المصطلق ہوا۔ جس میں بنو المصطلق مغلوب ہوئے قصہ افک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے جو تہمت لگائی تھی وہ اسی غزوہ سے واپسی پر پیش آیا۔

غزوۂ احزاب: ماہ ذی قعدہ میں غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق واقع ہوا۔ بنو نضیر جلاوطن ہو کر خیبر میں آ رہے تھے۔ انہوں نے مکہ میں جا کر قریش کو مسلمانوں سے لڑنے پر ابھارا۔ اور دیگر قبائل عرب (غطفان، بنو سلیم، بنو مرہ، اشجع، بنو اسد وغیرہ) کو بھی اپنے ساتھ متفق کر لیا۔ بنو قریظہ پہلے شامل نہ تھے۔ مگر حیی بن اخطب نے آخر کار ان کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ غرض قریش و یہود و قبائل عرب بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ چونکہ اس غزوہ میں تمام قبائل عرب و یہود شامل تھے۔ اس واسطے اس غزوہ کو غزوہ احزاب (حزب بمعنی طائفہ) کہتے ہیں۔ کفار کی تیاری کی خبر سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا۔ کہ کھلے میدان میں لڑنا مصلحت نہیں۔ مدینہ اور دشمن کے درمیان ایک خندق کھود کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مستورات اور بچوں کو شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دیا۔ اور بذات شریف تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ شہر سے نکلے۔ اور سامی طرف میں سلع کی پہاڑی کو پس پشت رکھ کر خندق کھودی۔ اس واسطے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔ خندق کھودنے میں حضور علیہ السلام بھی بغرض ترغیب شامل تھے۔ کفار نے ایک ماہ محاصرہ قائم رکھا۔ وہ خندق کو عبور نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔ ایک روز قریش کے کچھ سوار عمرو بن عبد وغیرہ ایک جگہ سے جہاں سے اتفاقاً عرض کم رہ گیا تھا۔ خندق کو عبور کر گئے۔ عمرو مذکور نے مبارز طلب کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور تلوار سے اس کا فیصلہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر باقی ہمراہی بھاگ گئے۔ آخر کار قریظہ و قریش میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور (۱۴۵) باوجود سردی کے موسم کے ایک رات باد صرصر کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔

اور گھوڑے چھوٹ گئے۔ کھانے کے دیگچے چولھوں پر الٹ الٹ جاتے تھے۔ امتداد محاصرہ کے سبب سے سامان رسد بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس لیے قریش و دیگر قبائل محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ اور بنو قریظہ اپنے قلعوں میں چلے آئے۔ اس غزوہ میں شدت قتال کے وقت عصر و مغرب اور بقول بعض ظہر بھی قضا ہو گئی تھی۔ شہداء کی تعداد چھ تھی۔ جن میں اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ بھی تھے۔ ان کی رگ اکحل تیر لگنے سے کٹ گئی۔ مسجد میں رفیدہ انصاریہ کا خیمہ تھا جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت سعد کو علاج کے لیے اسی خیمہ میں بھیج دیا۔ مگر وہ اس زخم سے جانبر نہ ہوئے۔ اور ایک ماہ کے بعد انتقال فرما گئے۔ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ سے متعدد معجزے ظہور میں آئے۔

غزوۂ بنی قریظہ: جب آنحضرت ﷺ غزوۂ خندق سے واپس تشریف لائے تو نماز ظہر کے بعد بنو قریظہ سے جنگ کا حکم آیا۔ بنو قریظہ نقض عہد کر کے احزاب کے ساتھ مل گئے تھے۔ اس لیے حضور انور تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور پچیس دن ان کو محاصرہ میں رکھا۔ آخر کار انہوں نے حضرت سعد بن معاذ کو حکم منظور کر لیا۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کیے جائیں۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے جائیں اور ان کا مال و اسباب غنیمت سمجھا جائے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

قَضَیْتَ بِحُکْمِ اللّٰہِ۔ ''تو نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔'' (استثناء۔ باب ۲۰ آیت ۱۰)

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مردوں کی تعداد چھ یا سات سو تھی۔ اسی سال رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ جن کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

ہجرت کا چھٹا سال

بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ: ماہ جمادی الاولیٰ میں غزوہ بنی لحیان پیش آیا۔ مگر مقابلہ نہ ہوا۔ ماہ ذیقعدہ میں رسول اللہ ﷺ ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کے ارادہ سے نکلے حضرت ام سلمہ ساتھ تھیں۔ جب آپ ذوالحلیفہ میں پہنچے جو اہل مدینہ کا میقات ہے۔ آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور قربانیوں کو تقلید و اشعار کیا۔ یہاں سے آپ نے حضرت بسر بن سفیان کو قریش کی طرف بطور جاسوس بھیجا۔ جب آپ عسفان کے قریب غدیر اشطاط میں پہنچے۔ تو آپ کا جاسوس خبر لایا کہ قریش خلفاء سمیت مکہ سے باہر مقام بلدح میں جمع ہیں۔ اور آمادہ ہیں کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ کہ خلفاء کے اہل و عیال کو گرفتار کیا جائے تا کہ اگر وہ ان کی مدد کو آئیں تو ہمیں تنہا قریش سے مقابلہ کرنا

پڑے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: "یارسول اللہ! آپ بیت اللہ کے قصد سے نکلے ہیں۔ آپ کا ارادہ کسی سے لڑائی کا نہیں آپ بیت اللہ کا رخ کریں۔ جو ہمیں اس سے روکے گا ہم اس سے لڑیں گے"۔ آپ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب آپ حدیبیہ کے قریب ثنیۃ المرہ میں پہنچے جہاں سے اتر کر قریش کے پاس پہنچ جاتے۔ تو آپ ناقہ قصواء بیٹھ گئی۔ ہر چند اٹھانے کی کوشش کی گئی مگر نہ اٹھی۔ آپ نے فرمایا: "قصواء نہیں رکی اور نہ رکنا اس کی عادت ہے"۔

بلکہ خدائے حابس (۱۴۶) الفیل نے اسے روک لیا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قریش مجھ سے کسی ایسی حاجت کا سوال نہ کریں گے جس سے وہ حرمات اللہ کی تعظیم کریں۔ مگر میں وہ نہیں عطا کروں گا"۔ اس کے بعد آپ نے قصواء کو جھڑک دیا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور آپ مڑ کر حدیبیہ (۱۴۷) کی پرلی طرف ایک کنویں پر اترے جس میں پانی کم تھا۔ موسم گرما تھا۔ پانی جلدی ختم ہو گیا۔ اور آپ کی خدمت اقدس میں پیاس کی شکایت آئی۔ آپ نے پانی کی ایک کلی کنویں میں ڈال دی جس سے پانی بکثرت ہو گیا۔ اور چھاگل میں اپنا دست مبارک رکھ دیا۔ تو آپ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی نکلنے لگا۔ ان دونوں معجزوں کا ذکر اس کتاب میں آگے آئے گا۔

اسی اثناء میں بدیل (۱۴۸) بن ورقاء خزاعی اپنی قوم کے چند اشخاص کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا: کہ قبائل کعب بن لوی اور عامر بن لوی حدیبیہ کے آب کثیر پر اترے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ دودھیل اونٹنیاں اور عورتیں بچوں سمیت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا"۔ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے بلکہ صرف عمرہ کے ارادہ سے آئے ہیں۔ لڑائی نے قریش کو کمزور کر دیا ہے۔ اور نقصان پہنچایا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو ہم ایک مدت کے لیے ان سے جنگ کا التواء کر دیتے ہیں۔ باقی لوگوں سے ہم خود سمجھ لیں گے۔ اگر میں غالب آجاؤں اور بصورت غلبہ وہ میری اطاعت میں آنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا۔ تو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ان سے ضرور لڑتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میں اکیلا رہ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ضرور مدد کرے گا"۔ بدیل نے عرض کیا کہ میں آپ کا یہ ارشاد ان تک پہنچا دوں گا۔ چنانچہ وہ قریش میں آکر کہنے لگا۔ کہ میں اس مرد (رسول اللہ) کا قول سن کر آیا ہوں اگر چاہو تو گزارش کر دوں۔ ان میں سے ایک نادان بولا کہ ہم اس کی کسی بات کے سننے کے لیے تیار نہیں۔ ایک صائب الرائے نے کہا کہ بیان کیجئے۔ جو اس سے سن آئے ہو۔ اس پر بدیل نے بیان کر دیا۔ عروہ بن مسعود نے اٹھ کر کہا کہ اس نے ایک نیک امر پیش کیا ہے۔ وہ قبول کر لو اور مجھے اس کے پاس جانے دو۔ چنانچہ عروہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور بدیل کی طرح کلام کیا۔ اور وہی جواب پایا۔ عروہ نے یہ الفاظ (میں ان سے ضرور لڑتا رہوں گا) سن کر

عرض کیا: ''اے محمد ﷺ! بتایئے اگر آپ نے اپنی قوم کو بالکل ہلاک کر دیا۔ کیا آپ نے عرب میں کسی کی بابت سنا ہے کہ اس نے آپ سے پہلے اپنے اہل کو ہلاک کر دیا ہو۔ اور اگر قریش غالب آ گئے۔ تو آپ ان سے امن میں نہ رہیں گے۔ کیوں کہ اللہ کی قسم میں سردار (مکہ) ہوں۔ اور اخلاط کو دیکھتا ہوں۔ جو اس لائق ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں''۔ حضرت ابو بکر صدیق نے یہ سن کر کہا: ''امصص بظر اللات۔ (۱۴۹) کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے''۔ اس پر عروہ بولا۔ کہ یہ کون ہے؟ جواب ملا ابو بکر۔ پس وہ حضرت ابو بکر سے یوں مخاطب ہوا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر مجھ پر تیرا احسان (۱۵۰) نہ ہوتا جس کا بدلہ میں نے نہیں دیا۔ تو میں تجھے جواب دیتا''۔ پھر عروہ آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہوا۔ جب وہ آپ سے کلام کرتا۔ تو (حسب عادت عرب) آپ کی ریش مبارک کو چھوتا۔ اس وقت مغیرہ بن شعبہ خود سر پر، تلوار ہاتھ میں لیے آپ کے سر مبارک پر کھڑے تھے۔ جب عروہ اپنے ہاتھ ریش مبارک کی طرف بڑھاتا۔ تو مغیرہ بغرض تعظیم نیام شمشیر اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ ریش مبارک سے ہاتھ ہٹاؤ۔ عروہ نے آنکھ اٹھا کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ (تیرا بھتیجا) مغیرہ بن شعبہ۔ عروہ نے یہ سن کر کہا: او بے وفا! کیا میں تیری دیت (۱۵۱) میں کوشش نہ کرتا تھا؟ پھر عروہ اصحاب نبی ﷺ کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے واپس جا کر اپنی قوم سے صحابہ کرام کے اوصاف بیان کیے اور کہا کہ ایک نیک امر جو پیش کیا جا رہا ہے اسے قبول کر لو۔ پھر حلیس بن علقمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس نے بھی واپس جا کر کہا کہ میری رائے ہے کہ مسلمانوں کو بیت اللہ سے نہ روکا جائے۔ حلیس کے بعد مکرز آیا۔ وہ حضور اقدس ﷺ سے کلام کر ہی رہا تھا کہ خطیب قریش سہیل بن عمرو قریشی عامری حاضر ہوا۔ آپ نے بطریق تفاؤل فرمایا کہ اب تمہارا کام کچھ سہل ہو گیا۔ گفتگوئے صلح کے بعد قرار پایا کہ دس سال تک لڑائی بند رہے۔ سہیل نے عرض کیا کہ معاہدہ تحریر میں آ جائے۔ پس نبی ﷺ نے کاتب یعنی حضرت علی کو طلب فرمایا۔

رسول اللہ (ﷺ): (علی سے) لکھ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''۔

سہیل: ''الرحمٰن'' میں نہیں جانتا کیا ہے۔ بلکہ لکھ باسمک اللھم جیسا کہ تو پہلے لکھا کرتا تھا۔

صحابہ حاضرین: اللہ کی قسم! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سوا اور نہ لکھ۔

رسول اللہ (ﷺ): لکھ (۱۵۲) باسمك اللھم (بعد تعمیل) لکھ ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ۔

سہیل: (بعد کتابت) اللہ کی قسم! اگر ہم جانتے کہ تو اللہ کا رسول ہے۔ تو تجھے بیت اللہ سے منع نہ کرتے اور نہ تجھ سے لڑائی کرتے (علی سے) بلکہ لکھ محمد بن عبد اللہ۔ اور لفظ رسول اللہ کو مٹا دے۔

رسول اللہ (ﷺ): (سہیل سے) اللہ کی قسم! میں بے شک اللہ کا رسول ہوں۔ اگر تم میری تکذیب کر رہے ہو (تو اس سے میری رسالت میں فرق نہیں آتا (علی سے) اسے مٹا دو۔

حضرت علی: میں اسے نہیں مٹاؤں گا۔

رسول اللہ (ﷺ): مجھے اس لفظ کی جگہ بتاؤ۔

(حضرت علی بتا دیتے ہیں اور حضور رسول اللہ کو مٹا کر علی سے اس کی جگہ محمد ﷺ بن عبداللہ لکھواتے ہیں) آگے لکھ۔ شرط یہ ہے کہ قریش ہمارے واسطے بیت اللہ کا راستہ چھوڑ دیں گے اور ہم اس کا طواف کریں گے۔

سہیل: اللہ کی قسم! ہم نہ چھوڑیں گے۔ عرب یہ کہیں گے کہ دباؤ ڈال کر ہمیں اس پر راضی کیا گیا ہے۔ ہاں آئندہ سال ایسا ہو جائے گا (چنانچہ ایسا ہی لکھا گیا) دیگر شرائط (۱۵۳) یہ ہیں کہ ہم میں سے جو کوئی آپ کے پاس آئے خواہ وہ آپ کے دین پر ہو آپ اسے ہماری طرف واپس کر دیں گے۔

صحابہ و حاضرین: (متعجب ہو کر) سبحان اللہ! جو مسلمان ہو کر آئے۔ وہ مشرکین کی طرف کس طرح واپس کیا جائے گا؟

اسی اثنا میں سہیل کا بیٹا ابو جندل پابزنجیر اہل مکہ سے (قید خانہ میں سے نکل کر یہاں آجاتا ہے اور اپنے تئیں مسلمانوں کے حوالہ کرتا ہے)۔

سہیل: یا محمد! پہلے میں اسی پر آپ سے محاکمہ کرتا ہوں کہ آپ اسے میرے حوالہ کر دیں۔

رسول اللہ (ﷺ): ہم ابھی صلح نامہ کی کتابت سے فارغ نہیں ہوئے۔

سہیل: اللہ کی قسم! تب میں بھی آپ سے کبھی کسی بات پر مصالحت نہ کروں گا۔

رسول اللہ (ﷺ): اسے میرے پاس رہنے دو۔

سہیل: میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دیتا۔

رسول اللہ (ﷺ): ہاں اجازت دے دو۔

سہیل: میں ایسا نہیں کرنے کا۔

مکرز: (سہیل سے) ہم نے تیرے واسطے اجازت دے دی۔

ابو جندل: اے معشر مسلمین! میں مسلمان ہو کر مشرکین کے حوالہ کیا جا رہا ہوں۔ کیا تم میری تکلیف نہیں دیکھتے ہو؟

رسول اللہ (ﷺ): ابو جندل! صبر کر اور ثواب کی امید رکھ۔ ہم عہد نہیں توڑتے اللہ تیرے واسطے خلاصی

کی کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔

(یہ سن کر حضرت عمر فاروق اٹھ کر ابو جندل کے ساتھ ہو لیے اور کہہ رہے تھے وہ تو مشرکین ہیں۔ کسی مشرک کو قتل کرنا ایسا ہے جیسا کسی کتے کو قتل کر ڈالا)۔

ابن سعد اور بیہقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ میں پہنچے۔ تو آپ نے قریش کو اپنے ارادے سے مطلع کرنے کے لیے حضرت فراش بن امیہ خزاعی کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے ان کی طرف بھیجا۔ عکرمہ بن ابو جہل نے اس اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ اور فراش کو قتل کرنے لگے۔ مگر احابیش اور احلاف نے روک دیا۔ فراش نے خدمت اقدس میں واپس آکر یہ ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک خط دے کر اشراف قریش کی طرف بھیجا۔ اور فرمایا کہ مکہ میں کمزور مسلمانوں کو عنقریب فتح کی بشارت دے دینا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کو مقام بلدح میں دیکھا کہ مسلمانوں کو مکہ سے روکنے پر متفق ہیں۔ ابان میں سعید اموی نے جواب تک ایمان نہ لائے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دی اور اپنے ساتھ گھوڑے پر سوار کر کے مکہ میں لے آئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اشراف قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ اور نام مبارک پڑھ کر ایک ایک کو سنایا۔ مگر وہ ردبرو نہ ہوئے۔ جب صلح نامہ مکمل ہو گیا۔ اور وہ اس کے نفاذ کے منتظر تھے۔ تو فریقین کے ایک شخص نے دوسرے فریق کے ایک شخص پر پتھر یا تیر مارا۔ اس سے لڑائی چھڑ گئی۔ اس لیے فریقین نے فریق مخالف کے آدمیوں کو بطور یرغمال اپنے پاس روک لیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو اور مشرکین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو (مع دس اور کے) زیر حراست رکھا۔ اسی اثناء میں یہ غلط خبر اڑی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں قتل کر دیے گئے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ببول کے درخت کے نیچے مسلمانوں سے موت پر بیعت لی جس کا ذکر کتاب اللہ میں ہے۔ اس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ حضرت عثمان چونکہ مکہ میں تھے۔ اس لیے حضور انور ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر ان کو بیعت کے شرف میں شامل کیا۔ جیسا کہ اس کتاب میں دوسری جگہ بالتفصیل مذکور ہے۔ جب قریش کو اس بیعت کی خبر پہنچی۔ تو ڈر گئے اور معذرت کر کے صلح کر لی۔ اور طرفین کے اصحاب چھوڑ دیے گئے۔

جب صلح سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اٹھو قربانیاں دو۔ اور سر منڈواؤ آپ نے تین بار ایسا فرمایا مگر کوئی نہ اٹھا۔ آپ نے حضرت ام سلمہ سے یہ تذکرہ کیا۔ تو ان کی تدبیر سے یہ مشکل حال ہو گئی۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے مدینہ میں واپس تشریف لائے تو ابو جندل کی طرح ابو بصیر ثقفی خلیف بنی زہرہ مکہ سے بھاگ کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ قریش نے دو شخص اس کے

تعاقب میں بھیجے۔ حضور علیہ السلام نے حسب معاہدہ ابوبصیر کو ان دونوں کے حوالہ کر دیا۔ جب وہ ذوالحلیفہ میں پہنچے تو ابوبصیر نے ان میں سے ایک سے دیکھنے کے بہانہ سے تلوار لی۔ اور اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا بھاگ کر خدمت اقدس میں آیا۔ ابوبصیر بھی اس کے پیچھے آ پہنچا اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کا وعدہ پورا ہو چکا۔ آپ نے فرمایا: پورا نہیں ہوا۔ تو جہاں چاہتا ہے چلا جا۔ اس لیے ابوبصیر ساحل بحر پر چلا گیا۔ ابوجندل بھی بھاگ کر ذومرہ کے قریب ابوبصیر سے آملا۔ اور رفتہ رفتہ ایک جماعت ان کے ساتھ ہوگئی۔ ابوجندل نے قریش کا شامی راستہ روک لیا۔ قریش تنگ آ کر حضور رحمت دو عالم ﷺ سے طالب رحم ہوئے اور واپسی کی شرط بھی اڑا دی۔ پس حضور انور نے ابوبصیر و ابوجندل کے نام ایک نامہ بھیجا۔ ابوبصیر اس وقت قریب الموت تھا۔ وہ نامہ مبارک اس کے ہاتھ میں تھا کہ انتقال کر گیا۔ اور ابوجندل ساتھیوں سمیت مدینہ میں حاضر خدمت اقدس ہو گیا۔ اور مدینہ ہی میں رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق کے عہد میں ملک شام میں شہید ہو گیا۔ رضی اللہ عنہم۔

ہجرت کا ساتواں سال

والیانِ ملک کو دعوتِ اسلام: جب رسول اللہ ﷺ (ذی الحجہ ۶ھ) میں حدیبیہ سے واپس تشریف لائے۔ تو آپ نے شروع ۷ھ میں والیان ملک کو دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے جن کا ذکر کسی قدر تفصیل سے یہاں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ جو نامہ مبارک قیصر روم کے نام لکھا گیا اس کے الفاظ یہ تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o من محمد عبدالله و رسوله الٰی هرقل عظيم الروم سلام علی من اتبع الهدٰی امّا بعد فانی ادعوك بدعايته الاسلام اسلم تسلم يؤتك الله اجرك مرّتين فان تولّيت فان عليك اثم الاريسين و يٰاهل الكتب تعالوا الی كلمة سواء بيننا و بينكم الّا نعبد الّا الله ولا نشرك به شيئًا ولا يتخذ بعضنا بعضًا اربابا من دون الله فان تولّوا فقولوا اشهدوا بانّا مسلمون o

"شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد کی طرف سے ہرقل امیر روم کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد میں تجھ کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ تو اسلام لا۔ سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دوہرا

ثواب دے گا اگر تو نے روگردانی کی تو تیری رعایا کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اور اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو خدا نہ بنائے۔ اگر وہ نہیں مانتے تو کہہ دو۔ تم گواہ رہو کہ ہم ماننے والے ہیں۔'' (محمد رسول اللہ)

رومیوں اور ایرانیوں میں دیر سے لڑائی چلی آتی تھی۔ ایرانیوں نے ملک شام فتح کر لیا تھا۔ ہرقل کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ اسے اپنے پایہ تخت قسطنطنیہ پر ایرانی حملہ کا اندیشہ ہوگیا تھا۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خبر دی کہ رومی جو شام میں مغلوب ہوگئے ہیں چند سال میں وہ ایرانیوں پر غالب آئیں گے۔ یہ پیشین گوئی صلح حدیبیہ سے نو سال پیشتر ہوئی تھی اور حرف بحرف پوری ہوئی۔ چنانچہ حدیبیہ کے دن مسلمانوں کو رومیوں کی فتح کی خبر پہنچی۔ ہرقل اس فتح کے شکرانہ کے لیے حمص سے بیت المقدس میں پیادہ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا نامہ مبارک حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ حضرت وحیہ نے وہ خط ہرقل کے گورنر شام حارث غسانی کو بصرے میں دے دیا۔ اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس میں بھیج دیا۔ قیصر نے حکم دیا کہ اس مدعی نبوت کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ملے۔ تو لاؤ اتفاق یہ کہ ابوسفیان جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے تاجران قریش کے ساتھ غزہ (۱۵۴) میں آئے ہوئے تھے قیصر کا قاصد ان سب کو بیت المقدس میں لے گیا۔ ابوسفیان (۱۵۵) کا بیان ہے کہ جب ہم کو قیصر کے پاس لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تاج پہنے ہوئے دربار میں تخت پر بیٹھا ہے۔ اور اس کے گرداگرد امرائے روم ہیں۔ اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان (قریشیوں) سے پوچھو۔ کہ تم میں بلحاظ نسب اس مدعی نبوت سے کون اقرب ہے؟ (قول ابوسفیان) میں نے کہا کہ میں اقرب ہوں۔ قیصر نے رشتہ دریافت کیا۔ میں نے کہا۔ وہ میرا چچیرا بھائی ہے۔ قافلہ میں اس وقت عبد مناف کی اولاد میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ قیصر کے حکم سے مجھے نزدیک بلایا گیا اور میرے ساتھیوں کو میری پیٹھ پیچھے بٹھایا گیا۔ پھر قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اس کے ساتھیوں سے کہہ دو کہ میں اس (ابوسفیان) سے اس مدعی نبوت کا حال دریافت کرتا :وں اگر یہ جھوٹ بولے۔ تو کہہ دینا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھی میرا جھوٹ اوروں سے نقل کیا کریں گے تو میں اس کا حال بیان کرنے میں جھوٹ بولتا۔ مگر اس ڈر سے میں سچ ہی بولا۔ اس کے بعد قیصر وابو سفیان میں بذریعہ ترجمان یہ گفتگو ہوئی:

قیصر: اس مدعی نبوت کا نسب تم میں کیسا ہے؟

ابوسفیان: وہ شریف النسب ہے۔

قیصر: کیا اس سے پہلے تم میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟
ابوسفیان: نہیں۔
قیصر: کیا اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟
ابوسفیان: نہیں۔
قیصر: اس کے پیرو اکابر ہیں یا کمزور لوگ۔
ابوسفیان: کمزور لوگ ہیں۔
قیصر: اس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں یا کم ہوتے جا رہے ہیں؟
ابوسفیان: زیادہ ہو رہے ہیں۔
قیصر: کیا اس کے پیروؤں میں سے کوئی اس کے دین سے ناخوش ہو کر اس دین سے پھر بھی جاتا ہے؟
ابوسفیان: نہیں۔
قیصر: کیا دعوائے نبوت سے پہلے تمہیں اس پر جھوٹ بولنے کا گمان ہوا ہے؟
ابوسفیان: نہیں۔
قیصر: کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟
ابوسفیان: نہیں لیکن اب جو ہمارا اس کے ساتھ معاہدہ صلح ہے۔ دیکھیے اس میں کیا کرتا ہے۔
قیصر: کیا تم نے کبھی اس سے جنگ بھی کی؟
ابوسفیان: ہاں۔
قیصر: جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟
ابوسفیان: کبھی ہم غالب رہے اور کبھی وہ۔
قیصر: وہ تمہیں کیا تعلیم دیتا ہے؟
ابوسفیان: کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ تمہارے آباؤ اجداد جو کچھ کہتے ہیں وہ چھوڑ دو۔ نماز پڑھو، سچ بولو، پاک دامن رہو، صلہ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے ترجمان کی وساطت سے ابوسفیان سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا پیغمبر اپنی قوم کے اشراف میں سے مبعوث ہوا کرتے ہیں تم نے کہا کہ ہم میں سے کسی نے اس سے پہلے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ اس نے پہلے قول کا اقتداء کیا ہے۔ تم نے کہا۔ کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں خیال کرتا کہ وہ اپنے آبائی ملک

کا طالب ہے۔ تم نے کہا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے وہ کبھی متہم بالکذب نہیں ہوا۔ اس سے میں نے پہچان لیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ باندھے۔ اور خدا پر جھوٹ باندھے۔ تم نے بتایا کہ کمزور لوگ اس کے پیرو ہیں پیغمبروں کے پیرو (غالباً) کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں تم نے ذکر کیا کہ اس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں۔ دین و ایمان کا یہی حال ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمام و کامل ہو جاتا ہے۔ تم نے بتایا کہ اس کے پیروؤں میں سے کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ ایمان کا یہی حال ہے کہ جب اس کی بشاشت و لذت دل میں سرایت کر جاتی ہے تو وہ دل سے نہیں نکلتا۔ تم نے کہا کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتا پیغمبر عہد نہیں توڑا کرتے تم نے بیان کیا جنگ میں کبھی ہم غالب رہتے ہیں۔ اور کبھی وہ۔ پیغمبروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ اعدائے دین کے سبب ان کو ابتلاء ہوا کرتا ہے مگر آخر کار فتح پیغمبروں ہی کو ہوتی ہے۔ تم نے اس کی تعلیمات بیان کیں۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو میرے قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا میں جانتا تھا کہ وہ آنے والا ہے مگر مجھے یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ اس تک پہنچ جاؤں گا تو میں اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی تکلیف گوارا کرتا۔ اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پڑھا گیا۔ اسے سن کر امرائے روم نے بڑا شور و شغب برپا کیا۔ ابوسفیان اور اس کے ہمراہی رخصت کر دیئے گئے۔

قیصر حمص (۱۵۶) میں چلا آیا۔ اور امرائے روم کو قصر شاہی میں جمع کر کے حکم دیا کہ دروازے بند کر دیئے جائیں۔ پھر یوں خطاب کیا: "اے گروہ روم! اگر تم فلاح و رشد کے طالب ہو۔ اور چاہتے ہو۔ کہ تمہارا ملک برقرار رہے تو اس نبی پر ایمان لاؤ۔ یہ سن کر وہ خران وحشی کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے۔ مگر ان کو بند پایا۔ جب ہرقل نے ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا۔ تو کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ۔ اور ان سے یوں خطاب کیا کہ میں تمہیں آزماتا تھا۔ کہ تم اپنے دین میں کیسے مستحکم ہو۔ سو میں نے تم کو مستحکم پایا۔ یہ سن کر انہوں نے قیصر کو سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے۔

۲۔ خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں ایران کو یوں (۱۵۷) لکھا گیا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ من محمّد رسول اللّٰہ الی کسرٰی عظیم فارس سلام علٰی من اتبع الھدٰی و امن باللّٰہ ورسولہ واشھدان لا الٰہ الّا اللّٰہ وحدہٗ لا شریك لہٗ وانّ محمّدًا عبدہ ورسولہ ادعوك بدعایۃ اللّٰہ عزّوجلّ فانّی رسول اللّٰہ الی النّاس کلّھم لینذرمن کان حیًّا ویحقّ القول علی الکٰفرین اسلم تسلم فان تولّیت فعلیك اثم المجوس۔

"شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ رسول محمد کی طرف سے کسریٰ امیر فارس کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ کوئی معبود بحق نہیں۔ مگر خدا ایک جس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تجھے دعوت خدائے عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ کیوں کہ میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا رسول ہوں تا کہ ڈراؤں اس کو جو زندہ ہو اور ثابت ہو جائے کلمہ عذاب کافروں پر تو اسلام لا سلامت رہے گا۔ پس اگر تو نے نہ مانا تو مجوسیوں کا گناہ تجھ پر ہے۔" (محمد رسول اللہ)

علاقہ بحرین کسریٰ کے زیر فرمان تھا۔ وہاں اس کی طرف سے منذر بن ساوی عبدی تمیمی نائب السلطنت تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا نامہ مبارک حضرت عبداللہ بن حذافہ قرشی سہمی کو دے کر حکم دیا (۱۵۸) کہ اسے حاکم بحرین کے پاس لے جاؤ۔ حاکم موصوف نے وہ نامہ خسرو پرویز کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ پڑھا گیا۔ تو پرویز نے اسے پھاڑ ڈالا۔ جب آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی۔ تو آپ نے پرویز اور اس کے معاونین پر بددعا فرمائی۔ کہ "وہ ہر طرح پارہ پارہ کیے جائیں" چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ ان کی سلطنت جاتی رہی۔ دولت و اقبال نے منہ پھیر لیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اس بربادی کی کیفیت یوں ہے۔ (۱۵۹) کہ پرویز نے نامہ مبارک کو چاک کرنے کے بعد اپنے گورنر یمن باذان کو لکھا ہے کہ اپنے دو دلیر آدمیوں کو حجاز میں بھیجو تا کہ اس مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے پاس لائیں۔ باذان نے اپنے قہرمان بابویہ اور ایک شخص خرخسرہ نام کو اس غرض کے لیے مدینہ میں بھیجا۔ اور بابو سے یہ کہہ دیا کہ اس مدعی نبوت سے کلام کرنا اور اس کے حال سے اطلاع دینا۔ یہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ بابویہ نے حقیقت حال عرض کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل میرے پاس آؤ۔ جب وہ دوسرے دن حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ کہ فلاں مہینے کی فلاں رات کو خدا نے کسریٰ کو قتل کر دیا اور اس کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا۔ وہ بولے۔ آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ کیا ہم اپنے بادشاہ (باذان) کو یہ اطلاع کر دیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ہاں میری طرف سے اسے یہ خبر دے دو اور کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت کسریٰ کے ملک کی انتہا تک پہنچ جائے گی۔ اور (باذان سے) یہ بھی کہہ دو کہ اگر تم اسلام لاؤ تو تمہارا ملک تم ہی کو دیا جائے گا۔ دونوں نے واپس آ کر باذان سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس پر کچھ عرصہ نہ گزرا تھا۔ کہ شیرویہ کا خط باذان کے نام آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ میں نے اپنے باپ پرویز کو قتل کر ڈالا۔ کیوں کہ وہ اشراف فارس کا قتل جائز سمجھتا تھا۔ اس لیے تم لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لو۔ اور اس

مدعی نبوت کو جس کے بارے میں کسریٰ نے تم کو کچھ لکھا تھا برا بھلا مت کہو۔ یہ دیکھ کر باذان مسلمان ہو گیا۔ وہ ایرانی جو یمن میں تھے سب ایمان لے آئے۔ اس کے چھ ماہ بعد شیرویہ بھی مر گیا۔ فارس کا آخری بادشاہ یزدجرد بن شہریار بن شیرویہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قتل ہوا۔

۳۔ اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ کو جو نامہ مبارک لکھا گیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِO من محمّد رسول اللّٰه الى النّجاشى ملك الحبشة سلام انت فانّى احمد اليك اللّٰه الّذى لَا اله الّا هو الملك القدوس السّلام المؤمن المهيمن و اشهد انّ عيسٰى ابن مريم روح اللّٰه و كلمة، القٰها الٰى مريم البتول والطّيّبة الحصينة حملت بعيسٰى فخلقه من روحه و نفخه كما نفخ ادم بيده و انّى ادعوك الى اللّٰه وحده لا شريك له و الٰى موالات علٰى طاعته و ان تتبعنى و تؤمن بالّذى جاء نى فانّى رسول اللّٰه اليك و انّى ادعوك و جنودك الى اللّٰه عزّوجلّ و قد بلغت و نصحت فاقبلوا نصيحتى۔ والسّلام علٰى من اتّبع الهدٰى۔

اللہ رسول محمد

''شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے نجاشی شاہ حبشہ کے نام۔ تو سلامتی والا ہے۔ میں تیرے پاس خدا کا شکر کرتا ہوں۔ جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں وہ بادشاہ ہے۔ پاک ذات سلامت سب عیب سے۔ امان دینے والا نگہبان اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسٰی ابن مریم روح اللہ ہیں اور اللہ کا کلمہ جسے اس نے القاء کیا مریم بتول طیبہ عفیفہ کی طرف۔ وہ بارور ہوئی عیسٰی کے ساتھ پس خدا نے اسے پیدا کیا اپنی روح سے اور اس کے پھونکنے سے جیسا کہ پیدا کیا آدم کو اپنے ہاتھ سے۔ اور میں تجھے بلاتا ہوں اللہ کی طرف جو وحدہ لا شریک ہے اور اس کی اطاعت پر موالات کی طرف اور یہ کہ تو میری پیروی کرے اور ایمان لائے اس چیز پر جو مجھے ملی۔ کیوں کہ میں تیری طرف اللہ کا رسول ہوں اور میں تجھ کو اور تیرے لشکروں کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے پہنچا دیا اور نصیحت کر دی۔ تم میری نصیحت کو قبول کرو۔''

جب یہ نامہ مبارک حضرت عمرو بن ضمری کے ہاتھ اصحمہ نجاشی کا ملا۔ تو اس نے اسے اپنی آنکھوں پر رکھا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اور نامہ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھ لیا۔ اور یہ جواب لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِO الیٰ محمّد رسول اللّٰهِ من النجاشی اصحمة سلام علیك یا رسول اللّٰه و رحمته اللّٰه و برکاتِ اللّٰه الّذی لآ الٰهَ الّا هوالّذی هدانی لِلاسلام اما بعد فقد بلغنی کتابك یا رسول اللّٰه کما ذکرت من امز عیسٰی فو ربّ السّمآء والارض ان عیسٰی علیه الصّلوة والسّلام لا یزید علٰی ما ذکرتَ تفروقاً انه کما ذکرت و قد عرفنا ما بعثت به علینا فاشهد انّك رسول اللّٰه صادقاً مصدقا و قد بایعتك و بایعت ابن عمّك و اسلمت علٰی یدیه اللّٰه ربّ العالمین و قد بعثت الیك بابنی و ان شئت اٰتیتك بنفسی فعلت فانّی اشهد ان ما تقوله حق والسّلام علیك و رحمة اللّٰه و برکاتهٗ۔

”شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کے نام نجاشی اصحمہ کی طرف سے یا رسول اللہ آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اللہ کی برکتیں جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ اس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت کی۔ اما بعد یا رسول اللہ مجھے آپ کا نامہ ملا۔ آپ نے جو حضرات عیسیٰ کا حال بیان کیا ہے۔ سو آسمان و زمین کے رب کی قسم کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے ذرہ بھی زیادہ نہیں ہیں۔ وہ بے شک ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے۔ اور ہم نے پہچان لیا جو کچھ آپ نے ہماری طرف لکھ کر بھیجا ہے۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول صادق مصدق ہیں۔ اور میں نے آپ کی بیعت کی۔ اور آپ کے چچیرے بھائی کی بیعت کی۔ اور اس کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے اسلام لایا۔ اور میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں خود حاضر ہو جاؤں تو تیار ہوں۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔“ (محمد رسول اللہ)

اصحمہ کو رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ ایک اور نامہ بھیجا تھا۔ کہ ام حبیبہ (امیر معاویہ کی بہن) کو نکاح کا پیغام دو۔ اور مہاجرین میں سے جو اب تک حبشہ میں ہیں ان کو یہاں پہنچا دو۔ ارشاد مبارک کی تعمیل کی گئی۔ حضرت ام حبیبہ نے حضرت خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ اور نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا۔ اور مہر جو چار سو دینار تھا وہ بھی خود ہی ادا کر دیا ام حبیبہ کا پہلا خاوند عبید اللہ بن جحش اسدی تھا۔ دونوں ہجرت کر کے حبشہ میں چلے آئے تھے مگر عبید اللہ

نصرانی ہو کر مر گیا تھا۔ اس طرح ام حبیبہ بیوہ رہ گئی تھیں۔

نجاشی نے حضرت جعفرؓ (۱۶۰) طیار اور حضرت ام حبیبہ اور دیگر مہاجرین حبشہ کو ایک جہاز میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا۔ اس کے بعد دوسرے جہاز میں اپنے بیٹے کو مصاحبوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خط دے کر بھیجا۔ جس میں اپنے ایمان لانے کا حال لکھا تھا۔ پہلا جہاز صحیح و سالم منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ خیبر میں تشریف رکھتے تھے مگر دوسرا جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور سوار سب ہلاک ہو گئے۔

اصحمہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز غائبانہ پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے نجاشی کو بھی جو اصحمہ کے بعد بادشاہ ہوا دعوت اسلام کا خط لکھا تھا۔ اس دوسرے نجاشی کے ایمان کا حال معلوم نہیں۔

۴۔ مقوقس والی مصر ہرقل قیصر روم کا باج گذار تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ اس کو یہ نامہ مبارک بھیجا گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo من محمّد عبداللّٰه ورسوله الٰى المقوقس عظيم القبط سلام علٰى من اتّبع الهدٰى امّا بعد فانّى ادعوك بدية الاسلام اسلم تسلم يؤتك اللّٰه اجرك مرّتين فان تولّيت فعليك اثم القبط يٰاهل الكتٰب تعالوا الٰى كلمة سواء بيننا و بينكم ان لّا نعبد الّا اللّٰه ولا نشرك به شيئًا ولا يتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللّٰه فن تولّوا فقولوا اشهدوا بانّا مسلمونo

”شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے مقوقس امیر قبط کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد میں بلاتا ہوں تجھ کو دعوت اسلام کی طرف تو اسلام لا سلامت رہے گا۔ دے گا تجھ کو اللہ ثواب دوہرا۔ اگر تو نے نہ مانا تو تجھ پر ہوگا گناہ قبطیوں کا۔ اے اہل کتاب! تم آؤ طرف ایسی بات کی جو یکساں ہے ہم میں اور تم میں کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کے ساتھ کسی کو اور نہ بنائے ہم سے کوئی دوسرے کو رب سوائے اللہ کے سو اگر وہ نہ مانیں تو کہو تم گواہ ہو کر ہم ہیں ماننے والے۔“ (محمد رسول اللہ)

حسن اتفاق سے اصل نامہ مبارک ایک فرانسیسی سیاح کو اخمیم کے گرجا میں ایک راہب سے ملا۔

اس نے خرید کر سلطان عبدالمجید خاں مرحوم والی سلطنت عثمانیہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ اور اب قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ اس کے دو فوٹو اس وقت ہمارے زیر نظر ہیں ہم نے اسے تبرکاً مطابق اصل لفظ تلفظ سطر وار نقل کیا ہے اس کے اخیر میں رسول اللہ ﷺ کی مہر ثبت ہے۔ جس کی اوپر کی سطر میں اللہ دوسری میں رسول اور تیسری میں محمد ہے۔ دیگر خطوط کے آخر میں بھی یہی مہر مبارک ثبت تھی۔ یہ نامہ مبارک مقوقس کو سکندریہ میں ملا۔ اس نے ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھ لیا اور اس پر اپنی مہر لگا دی۔ اور جواب میں عربی زبان میں یوں لکھوایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ لمحمّد ابن عبداللّٰه عن المقوقس عظيم القبط سلام عليك اما بعد فقد قرات كتابك فهمت ما ذكرت فيه وما تدعوا اليه وقد علمت ان نبيًا بقى و كنت اظنّ انّهٗ يخرج بالشام و قد اكرمت رسولك و بعثت اليك بجاريتين لهما مكان فى القبط عظيم و بكسوة واهديت اليك بغلةً لتركبها والسّلام عليك۔

"شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس امیر قبط کی طرف سے سلام آپ پر۔ اما بعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور سمجھ گیا جو کچھ آپ نے اس میں ذکر کیا ہے۔ اور جس کی طرف آپ بلاتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے۔ میرا گمان تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہو گا میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور آپ کی طرف دو کنیزیں جن کی قبطیوں میں بڑی عزت ہے اور کپڑے بھیجتا ہوں۔ اور آپ کی سواری کے لیے ایک خچر ہدیہ بھیجتا ہوں۔ والسلام علیک۔"

یہ دو کنیزیں ماریہ اور سیرین نامی سگی بہنیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دی۔ تو ماریہ نے فوراً اور سیرین نے کچھ توقف کے بعد کلمہ شہادت پڑھا اس واسطے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں داخل کر لی گئیں۔ اور سیرین حضرت حسان بن ثابت شاعر کو عنایت ہوئی۔ خچر کا نام دلدل تھا۔ حضرت حاطب نے مقوقس کا حال جو ذکر کیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس خبیث کو ملک کی طمع نے اسلام سے محروم رکھا۔ حالانکہ اس کا ملک باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۵۔ ہوذہ بن علی الحنفی صاحب یمامہ کی طرف یوں لکھا گیا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ من محمّد رسول اللّٰه الى هوذة بن على سلام

علٰی من اتّبع الھُدٰی و اعلم ان دینی سیظھر الی منتھی الخف والحافر فاسلم تسلم اجعل لك ما تحت یدیك۔

''شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی تجھے معلوم رہے کہ میرا دین عنقریب اس حد تک پہنچے گا جہاں تک کہ اونٹ اور خچر جاتے ہیں تو اسلام لا سلامت رہے گا۔ میں تیرا ملک تجھ کو دے دوں گا۔'' (محمد رسول اللہ)

جب حضرت سلیط بن عمرو عامری یہ نامہ مبارک ہوذہ کے پاس لے گئے تو ارکون دمشق جو امرائے نصاریٰ میں سے تھا اس وقت حاضر تھا۔ ہوذہ نے مضمون نامہ بیان کر کے اس سے آنحضرت ﷺ کی نسبت دریافت کیا۔ ارکون نے کہا: تم اس کی دعوت قبول کیوں نہیں کرتے۔ ہوذہ نے کہا: میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں۔ اگر میں اس کا پیرو بن گیا۔ تو ملک جاتا رہے گا۔ ارکون نے کہا: خدا کی قسم! اگر تو اس کا پیرو بن جائے۔ تو وہ ضرور تیرا ملک تجھ کو دے دے گا۔ تیری بہبودی اس کے اتباع میں ہے۔ وہ بے شک نبی عربی ہے جس کی بشارت حضرت عیسیٰ ابن مریم نے دی ہے۔ اور یہ بشارت ہمارے پاس انجیل میں موجود ہے۔ بایں ہمہ ہوذہ ایمان نہ لایا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہوذہ ہلاک ہو گیا اور اس کا ملک جاتا رہا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس تشریف لائے۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حاضر خدمت ہو کر خبر دی کہ ہوذہ مر گیا۔

۶۔ قیصر روم کی طرف حارث بن ابی شمر غسانی حدود شام کا گورنر تھا غوطہ دمشق اس کا پایہ تخت تھا اس کو یہ نامہ مبارک بھیجا گیا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo من محمّد رسول اللّٰہ الی الحارث بن ابی شمر۔ سلام علٰی من اتبع الھدٰی و اٰمن بہٖ فانّی ادعوك الٰی ان تؤمن باللّٰہ وحدہ لا شریك لہٗ یبقی ملك۔

''شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اور اس پر ایمان لایا اور تصدیق کی۔ میں تجھے اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تو اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان

لائے۔ تیری حکومت قائم رہے گی۔" (محمد رسول اللہ)

حضرت شجاع بن وہب یہ نامہ مبارک لے کر روانہ ہوئے۔ جب یہ دمشق پہنچے تو دیکھا۔ کہ قیصر روم جو حمص سے بیت المقدس کو ایرانیوں پر فتح کے شکرانہ کے لیے آرہا تھا اس کے استقبال کے لیے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ان کا بیان (۱۶۱) ہے۔ کہ میں نے حارث کے دروازے پر دو تین دن قیام کیا میں نے اس کے رومی دربان سے کہا کہ میں حارث کی طرف رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ اس نے کہا کہ فلاں روز باریابی ہوگی۔ وہ دربان جس کا نام مری تھا مجھ سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت کا حال پوچھتا رہتا تھا۔ میں بیان کرتا تو اس پر رقت طاری ہو جاتی یہاں تک کہ رو پڑتا اور کہتا کہ میں نے انجیل میں پڑھا ہے بعینہ اسی نبی کی صفت اس میں مذکور ہے میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ زمین عرب میں ظاہر ہوا ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ حارث مجھے قتل کر دے گا۔ آخر کار حارث ایک روز دربار میں تاج پہن کر تخت پر بیٹھا میں باریاب ہوا۔ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پیش کیا۔ اس نے پڑھ کر پھینک دیا اور کہنے لگا۔ مجھ سے میرا ملک کون چھین سکتا ہے؟ وہ خواہ یمن میں ہو میں اس کے پاس جاتا ہوں۔ اور حکم دیا کہ فوج تیار ہو جائے اور گھوڑوں کی نعل بندی کی جائے۔ پھر مجھ سے کہا تم جو کچھ دیکھ رہے ہو اس کو بتا دینا۔ حارث نے میری آمد کا حال قیصر کو لکھا۔ وہ عرضداشت قیصر کو بیت المقدس میں ملی۔ دحیہ کلبی ابھی وہاں تھے جب قیصر نے حارث کا خط پڑھا تو اسے لکھا کہ اس مدعی نبوت کے پاس مت جاؤ۔ اس سے دور رہو۔ اور مجھ سے بیت المقدس میں ملو یہ جواب میرے ایام قیام میں آگیا۔ حارث نے مجھے بلا کر دریافت کیا کہ کب جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ کل یہ سن کر اس نے حکم دیا کہ مجھے سو مثقال سونا دے دیا جائے۔ حضرت مری نے نفقہ و لباس سے میری مدد کی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے بعد سلام عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کا پیرو ہوں میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حارث کا حال عرض کیا تو فرمایا کہ اس کا ملک جاتا رہا۔ اور حضرت مری کا حال عرض کیا تو فرمایا کہ وہ سچا ہے۔

۷۔ ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علا بن الحضرمی کے ہاتھ منذر بن ساوی حاکم بحرین کے نام ایک تبلیغی خط بھیجا۔ جس کے مطالعہ سے منذر کے ساتھ وہاں کے تمام عرب اور بعض عجم ایمان لائے۔ مگر یہود و مجوس ایمان نہ لائے۔ حضرت منذر نے بذریعہ عرضداشت آنحضرت ﷺ کو ان حالات کی اطلاع دی اور دریافت کیا کہ کیا کیا جائے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے منذر کو یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِO من محمّد رسول اللّٰه الى المنذر بن ساوى سلام عليك فانّى احمد اللّٰه اليك الّذى لا اله الّا هو و اشهد ان لا اله الّا و

انّ محمّدًا عبده و رسولهٗ اما بعد فانّی اذکر اللّٰه عزّوجل فانّهٗ من ینصح فانّما ینصح لنفسہٖ ا انهٗ من یطع رسلی و یتبع امرھم فقد اطاعنی و من نصح لھم فقد نصح لی و انّ رسلی قد اثنوا علیك خیرًا و انّی قد شفعتك فی قومك فاترك للمسلمین ما اسلموا علیه و عفوت من اھل الذّنوب فاقبل منھم و انّك مھما تصلح فلن نعزلك عن عملك و من اقام علی یھودیة او مجوسیة فعلیه الجزیة۔

"شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام سلام تجھ پر۔ میں تیرے پاس خدا کا شکر کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کا بندہ اور رسول ہے۔ اما بعد میں تجھے یاد دلاتا ہوں اللہ عزوجل (کے احکام) بے شک جو خیر خواہی کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے۔ اور جو میرے قاصدوں کی اطاعت کرے اور ان کا حکم مانے۔ اس نے بے شبہ میری اطاعت کی اور جو ان کی خیر خواہی کرے اس نے بے شک میری خیر خواہی کی میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے میں نے تمہاری سفارش تمہاری قوم کے بارے میں قبول کی پس مسلمانوں کے لیے چھوڑ دو وہ (مال وغیرہ) جس پر وہ مسلمان ہوئے میں نے گنہ گاروں کو (پہلے گناہ) معاف کر دیئے تم ان سے (اسلام) قبول کرو جب تک تم کام اچھا کرتے رہو گے ہم تم کو تمہارے۔ عہدے سے معزول نہ کریں گے۔ اور جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے۔"

(محمد رسول اللہ)

یہ اصل نامہ مبارک بھی ایک فرانسیسی سیاح نے اطراف بلادِ مصر سے ایک قبطی راہب سے خرد کر سلطان عبدالمجید خان مرحوم کی خدمت میں بطور ہدیہ (یہ خط ٹیونس میں دستیاب ہو گیا ہے اور ایک یمانی کے قبضہ میں ہے جسے نادر روزکار اور دستاویزات جمع کرنے کا شوق ہے (روزنامہ نوائے وقت ۱۱ جولائی ۱۹۷۷ء) میں مذکورہ گرامی نامہ کا عکس شائع ہوا ہے) پیش کیا تھا۔ اب وہ خزانہ شاہی میں محفوظ ہے۔ اس کے اخیر میں یہ مہر ہے: محمد رسول اللہ۔

۸۔ ذیقعدہ ۷ھ میں والیان عمان کے نام یہ نامہ مبارک لکھا گیا۔ (بڑی قیمت دے کر خریدا گیا تھا (مکتوباتِ نبوی۔ از سید محبوب رضوی)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ من محمّد بن عبدالله الٰی جیفر و عبد ابن الجلندی سلام علٰی من اتّبع الهدٰی اما بعد فانّی ادعو کما بدعایة الاسلام اسلما تسلما فانّی رسول اللّٰه الی الناس کافة لانذر من کان حیّاً و یحقّ القول علی الکفرین و انکما ان اقررتما بالاسلام ولیتکما مکانکما و ان ابیتما ان تقرّا بالاسلام فان ملکما زائل عنکما وخیلی تحلّ بساحتکما و تظهر نبوّتی ملککما۔

''شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ محمد بن عبداللہ کی طرف سے جیفر و عبد پسران جلندی کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد میں تم دونوں کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ تم اسلام لاؤ سلامت رہو گے کیوں کہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تا کہ ڈراؤں اس کو جو زندہ ہو اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے اگر تم اسلام کا اقرار کر لو تو میں تم کو تمہارا ملک دے دوں گا۔ اگر تم اقرار اسلام سے انکار کر دو۔ تو تمہارا ملک تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اور میرے سوار تمہارے مکانات کی فضا میں اتریں گے اور میری نبوت تمہارے ملک پر غالب آئے گی۔'' (محمد رسول اللہ)

یہ نامہ مبارک حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھ ارسال کیا گیا۔ جیفر و عبد دونوں ایمان لائے۔

غزوہ ذی قرد: ماہ محرم میں غزوہ غابہ یا غزوہ ذی قرد پیش آیا۔ موضع غابہ میں جو مدینہ سے چار میل ملک شام کی طرف واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں۔ حضرت ابوذر غفاری کا لڑکا چرایا کرتا اور شام کو ان کا دودھ دوہ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا کرتا تھا ایک رات قبیلہ غطفان کے چالیس سواروں نے بسر کردگی شبینہ بن حصن فزاری کے چھاپا مارا۔ وہ حضرت ابوذر کے صاحب زادے کو قتل کر کے بیس اونٹنیاں لے گئے۔ اور حضرت ابوذر کی بیوی کو بھی گرفتار کر کے ساتھ لے گئے۔ دوسرے روز فجر کی اذان سے پہلے حضرت سلمہ بن اکوع جو مشہور تیر انداز اور تیز رفتار صحابی تھے کمان حمائل کیے مدینہ سے غابہ کی طرف جو نکلے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے غلام نے ان کو اس ماجرا کی خبر دی۔ انہوں نے کوہ سلع یا ثنیۃ الوداع پر کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف منہ کر کے تین بار زور سے یا صباحاہ پکارا یہاں تک کہ وہ آواز رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئی پھر وہ پیادہ دشمن کی طرف دوڑے اور ان کو جا لیا۔ اور تیر اندازی سے وہ اونٹنیاں یکے بعد دیگرے چھڑا لیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ بھی پانچ سو کی جمعیت کے ساتھ تعاقب میں نکلے۔ غطفان (۱۶۲) ذو قرد کے قریب ایک تنگ درہ میں

پہنچے جہاں عینیہ ان کی مدد کو آیا۔ یہاں مقابلہ ہوا۔ غطفان بھاگ گئے۔ آفتاب غروب نہ ہوا تھا کہ وہ ذوقرد میں پانی پینے لگے حضرت سلمہ نے دوڑ کر ان پر تیر برسانے شروع کیے۔ اور ان کو پانی نہ پینے دیا۔ وہ بھاگ کر اپنے علاقہ میں جو ذوقرد سے ملحق تھا چلے گئے رسول اللہ ﷺ شام کو ذوقرد میں پہنچے۔ سوار و پیادہ سب آپ سے آملے۔ حضرت سلمہ نے عرض کیا میں نے ان کو پانی پینے نہ دیا۔ اگر مجھے سو سوار مل جائیں تو میں ان کو ایک ایک گرفتار کر لاتا ہوں۔ مگر حضور رحمتہ اللعالمین نے جواب دیا۔

اذا ملکت فاسجح۔ ''جب تو قابو پا جائے تو نرمی سے کام لے۔''

ذوقرد میں ایک دن رات قیام کر کے واپس ہوئے۔ حضرت ابوذر کی بیوی اس کے بعد ناقہ پر آ پہنچی۔

غزوۂ خیبر (۱۶۳): غزوۂ غابہ کے تین دن بعد جنگ خیبر پیش آئی۔ خیبر کے یہود اسلام کے سخت دشمن تھے۔ غزوۂ احزاب میں اگرچہ ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ مگر وہ اسلام کو مٹانے کے لیے برابر سازش کر رہے تھے۔ غطفان ان کو مدد دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ ایک ہزار چھ سو کی جمعیت کے ساتھ نکلے جن میں سے دو سو سوار اور باقی سب پیادہ تھے۔ راس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کو کہلا بھیجا کہ محمد (ﷺ) تم سے لڑنے آ رہے ہیں مگر تم ان سے نہ ڈرنا تمہاری تعداد بہت ہے۔ یہ تو مٹھی بھر آدمی ہیں جن کے پاس ہتھیار تک نہیں۔ اس سفر میں جب لشکر اسلام صہباء میں پہنچا جو خیبر سے بارہ میل پر ہے تو رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھ کر کھانا طالب فرمایا۔ صرف ستو پیش کیے گئے جو حسب الارشاد پانی میں گھول دیئے گئے۔ آپ اور صحابہ کرام نے وہی کھائے۔ صہباء سے روانہ ہو کر خیبر کے قریب غطفان و یہود کے درمیان وادی رجیع میں اترے تا کہ غطفان یہود کی مدد کو نہ جا سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ یہ مقام اسلامی کیمپ یا لشکر گاہ مقرر رہا۔ یہاں سے لڑائی کے لیے تیار ہو کر جایا کرتے اور زخمیوں کو علاج کے لیے یہاں لایا جاتا غرض اسباب بار برداری اور مستورات کو یہاں چھوڑ دیا گیا اور رات یہیں گزاری۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت (۱۶۴) مبارک تھی کہ کسی قوم پر رات کو حملہ نہ کیا کرتے تھے صبح کو نماز فجر اول وقت پڑھ کر آگے بڑھے۔ جب بستی نظر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے تین بار یوں پکارا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ اِنَّا اِذَا اَنْزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ۔

''اللہ اکبر! خیبر ویران ہو گیا۔ ہم جب کسی قوم کی انگنائی میں اترتے ہیں۔ تو ڈرائے گیوں کی صبح بری ہوتی ہے۔''

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ مَآ اَظْلَلْنَ وَ رَبَّ الْاَرْضِیْنَ السَّبْعِ وَمَآ اَقْلَلْنَ

وَ رَبَّ الشَّیٰطِیْنَ وَمَآ اَضْلَلْنَ وَ رَبَّ الرِّیَاحِ وَمَآ اَذْرَیْنَ فَاِنَّا نَسْئَلُكَ خَیْرَ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ وَ خَیْرَ اَهْلِهَا وَ خَیْرَ مَا فِیْهَا وَ نَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ وَ شَرِّ اَهْلِهَا وَ شَرِّ مَا فِیْهَا۔

''اے پروردگار سات آسمانوں کے اور ان چیزوں کے جن پر آسمانوں نے سایہ ڈالا ہے اور پروردگار سات زمینوں کے اور ان چیزوں کے جن کو زمینوں نے اٹھایا ہوا ہے۔ اور پروردگار ہواؤں کے اور ان چیزوں کے جن کو ہوائیں اڑا لے جاتی ہیں ہم تجھ سے اس بستی اور بستی والوں اور بستی کی چیزوں کی خیر مانگتے ہیں۔ اور اس بستی اور بستی والوں پر اور بستی کی چیزوں کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔''

آپ کا معمول تھا کہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے۔ تو یہی دعا مانگتے۔ اس کے بعد شہر میں داخلہ ہوا اور تمام قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے۔

سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح ہوا۔ حضرت محمود بن مسلمہ انصاری اوسی اسی قلعہ کی دیوار تلے شہید ہوئے۔ گرمی کی شدت تھی۔ وہ لڑتے لڑتے تھک کر دیوار کے سایہ میں آ بیٹھے۔ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق نے اکیلے یا بشراکت مرحب فصیل پر سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرا دیا جس کے صدمہ سے انہوں نے شہادت پائی۔

ناعم کے بعد قموص فتح ہوا۔ یہ بڑا مضبوط قلعہ تھا جو اسی نام کی پہاڑی پر واقع تھا ابن ابی الحقیق یہودی کا خاندان اسی قلعہ میں رہتا تھا۔ عرب کا مشہور پہلوان مرحب اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے حضرت ابو بکرؓ پھر حضرت عمر کو فوج دے کر بھیجا مگر یہ قلعہ فتح نہ ہوا۔ جب محاصرے نے طول کھینچا۔ تو ایک روز آپ نے فرمایا کہ میں کل علم اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام نے یہ رات انتظار و بے قراری میں گزاری کہ دیکھیے علم کسے عنایت ہوتا ہے۔ صبح کو ارشاد ہوا کہ علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ فرمایا: ان کو بلاؤ۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا اور دعا کی۔ فوراً آرام ہو گیا۔ اور علم ان کو عنایت ہوا دشمن کی طرف سے پہلے مرحب کا بھائی حارث نکلا۔ جو شجاعت میں معروف تھا۔ وہ حضرت علی مرتضیٰ کے ہاتھ سے قتل ہوا تو خود مرحب بڑے طمطراق سے نکلا۔ اس کو بھی بناء براصح الروایات حضرت علی مرتضیٰ نے قتل کیا مرحب کے بعد یاسر نکلا۔ اسے حضرت زبیر نے قتل کیا۔ اس طرح یہ محکم قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ جو سبایا ہاتھ آئیں وہ صحابہ کرام میں تقسیم کر دی گئیں اور صفیہ بنت حی بن اخطب جو

کنانہ بن ربیع کے تحت میں تھی اس کو آزاد کر کے رسول اللہ ﷺ اپنے نکاح میں لائے حضرت صفیہ کا باپ رئیس خیبر تھا۔ ان کا شوہر قبیلہ نضیر کا رئیس تھا۔ باپ اور شوہر دونوں قتل کیے جا چکے تھے، وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھیں۔ مگر حضور رحمتہ اللعالمین نے حفظ مراتب اور رفع غم کے لیے ان کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا اور وہ امہات المومنین میں شامل ہوئیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا حسن سلوک ہو سکتا تھا۔

قموص کے بعد باقی قلعے جلدی فتح ہو گئے ان معرکوں میں ۹۳ یہود مارے گئے اور صحابہ کرام میں سے پندرہ نے شہادت پائی فتح کے بعد زمین خیبر پر قبضہ کر لیا گیا۔ مگر یہود نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے ہم پیداوار کا نصف آپ کو دے دیا کریں گے۔ آپ نے یہ درخواست منظور کی اور فرمایا ہم تمہیں برقرار رکھیں گے جب تک ہم چاہیں۔ جب غلہ کا وقت آیا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو وہاں بھیجا دیا۔ انہوں نے غلہ کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہا کہ جو حصہ چاہو لے لو۔ اس پر وہ حیران ہو کر کہنے لگے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔ (۱۶۵)۔

غزوہ وادی القریٰ: جنگ خیبر سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ وادی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وادی خیبر اور تیماء کے درمیان واقع ہے۔ اس میں دیہات کا لگا تار سلسلہ چلا گیا ہے۔ اس لیے اسے وادی القریٰ کہتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر یہود کو دعوت اسلام دی گئی۔ انہوں نے قبول نہ کی۔ بلکہ برسر پیکار ہوئے۔ مگر جلدی مغلوب ہو گئے خیبر کی طرح غنائم تقسیم کر دی گئیں۔ اور زمین و باغات نصف پیداوار پر ان کے قبضہ میں چھوڑ دیئے گئے تیماء کے یہود نے جب وادی القریٰ کا حال سنا تو قاصد بھیج کر رسول اللہ ﷺ سے جزیہ پر صلح کر لی۔ اور زمین ان ہی کے قبضہ میں رہی۔

جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے واپس تشریف لائے تو آپ نے حضرت محیصہ بن مسعود کو اہل فدک کے پاس بھیجا۔ وہاں کا رئیس یوشع بن نون یہودی تھا۔ دعوت اسلام دی گئی۔ وہ خیبر کا حال سن کر پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے نصف زمین پر (۱۶۶) صلح کر لی۔

یہود خیبر کو اگرچہ امان دیا گیا تھا مگر وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے چنانچہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی زوجہ اور مرحب کی بھاوج تھی ایک بکری کا گوشت بھون کر اس میں زہر ملا دی اور بطور ہدیہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس میں سے ایک بوٹی اٹھا لیا اور کھانے لگے۔ باقی چند صحابہ حاضرین نے تناول کیا۔ آپ نے کھاتے ہوئے فرمایا کہ یہ گوشت نہ کھاؤ۔ اور اس یہودیہ کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر خدمت ہوئی تو فرمایا تم نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے۔ وہ بولی آپ کو کس نے خبر دی؟

آپ نے بازو کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: کہ اس بازو نے جو میرے ہاتھ میں ہے۔اس نے کہا ہاں میں نے اس میں زہر ملا دی ہے بدیں خیال کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو زہر اثر نہ کرے گی۔اور اگر آپ پیغمبر نہیں ہیں تو ہم آپ سے آرام پائیں گے۔آنحضرت ﷺ اپنی ذات شریف کے لیے کسی سے انتقام نہ لیتے تھے۔اس لیے معاف (١٦٧) فرمادیا۔وہ صحابہ کرام جنہوں نے کھایا تھا۔انتقال فرما گئے ان میں سے سب سے پہلے حضرت بشیر بن براء نے انتقال فرمایا تو ان کے قصاص میں اس یہودیہ کو قتل کر دیا گیا۔

اسی سال حضرت خالد بن ولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) ایمان لائے۔

ہجرت کا آٹھواں سال

غزوہ موتہ: جمادی الاولیٰ میں غزوہ موتہ وقوع میں آیا۔حقیقت میں یہ سریہ تھا۔مگر لشکر کی کثرت کے سبب سے اسے غزوہ سے تعبیر کیا گیا۔آنحضرت ﷺ نے حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ امیر بصریٰ یا قیصر روم کے نام اپنا نامہ مبارک بھیجا۔جب قاصد موتہ میں پہنچا تو شرجیل بن عمرو غسانی نے جو قیصر روم کی طرف سے شام میں ایک گورنر تھا۔اس کو شہید کر دیا۔جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی۔تو آپ نہایت غمگین ہوئے اور تین ہزار فوج بسر کردگی زید بن حارث (جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے) بھیجی۔اور حکم دیا کہ اگر زید شہید ہو جائیں۔تو جعفر بن ابی طالب اور وہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں۔اور ارشاد ہوا کہ اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر شہید ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی ہدایت کر دی گئی کہ پہلے ان کو دعوت اسلام دینا۔اگر وہ قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ خود جناب رسالت مآب ﷺ نے ثنیۃ الوداع تک فوج کی مشایعت فرمائی۔شرجیل کو خبر پہنچی تو اس نے ایک لاکھ فوج تیار کی۔ادھر قیصر روم عرب کی ایک لاکھ فوج لے کر زمین (١٦٨) بلقاء میں خیمہ زن ہوا۔ جب لشکر اسلام شہر معان میں پہنچا۔تو ان کو دشمن کی تعداد کثیر کی اطلاع ملی۔انہوں نے چاہا کہ دربار رسالت کو حالات کی اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے۔مگر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا کہ فتح و شہادت میں سے ایک ہمیں ضرور حاصل ہو جائے گی اس لیے آگے بڑھے۔جب بلقاء کی حد پہ پہنچے۔تو مشارف میں قیصر کا لشکر نظر آیا۔مسلمان بچ کر موتہ کی طرف چلے گئے۔اور یہاں جنگ ہوئی حضرات زید و جعفر و عبداللہ بن رواحہ یکے بعد دیگرے بڑی بہادری سے پیدل ہو کر لڑے اور شہید ہوئے آنحضرت ﷺ مدینہ میں ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بیان فرما رہے تھے حضرت جعفر نے پہلے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔پھر حملہ کیا۔ان کا دایاں بازو کٹ گیا۔تو علم

بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ بایاں بھی کٹ گیا تو بغل میں لے لیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تو اس پر نوے سے کچھ اوپر زخم تلواروں اور برچھیوں کے تھے۔ اور سب کے سب سامنے کی طرف تھے۔ پشت پر ایک بھی نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت جعفر کو شہادت کے بعد بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ بشکل فرشتہ دو خون آلود بازوؤں کے ساتھ دیکھا۔ اسی واسطے ان کو جعفر طیار یا جعفر ذوالجناحین کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد بالاتفاق حضرت خالد بن ولید امیر لشکر ہوئے۔ وہ بھی نہایت شجاعت سے لڑے۔ خود ان کا بیان ہے کہ اس دن نو تلواریں میرے ہاتھ سے ٹوٹ کر گر پڑیں لشکر کفار میں تزلزل پڑ گیا۔ آخر کار لشکر کفار پسپا ہو گیا۔ اسے مسلمانوں کی فتح کہنا چاہیے۔ کہ دو لاکھ کے مقابلہ میں صرف بارہ شہید ہوئے۔ باقی سب صحیح و سالم مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

غزوۂ فتح مکہ: ماہ رمضان میں غزوۂ فتح مکہ وقوع میں آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قریش نے معاہدہ حدیبیہ توڑ دیا۔ بغرض توضیح ہم یہاں کسی قدر تفصیل سے کام لیتے ہیں۔ عبدالمطلب بن ہاشم کو ان کے چچا مطلب سات یا آٹھ سال کی عمر میں مدینہ سے مکہ میں لائے تھے جیسا کہ اس کتاب میں پہلے مذکور ہوا۔ اور ہاشم کے مکانات پر ان کو قابض کر دیا تھا جب مطلب نے وفات پائی تو عبدالمطلب کے چچا نوفل نے وہ مکانات چھین لیے عبدالمطلب نے قریش سے مدد مانگی۔ قریش نے کہا کہ ہم تو تم دونوں میں دخل نہیں دیتے۔ عبدالمطلب نے اپنے ننہال یعنی بنو نجار کو مدینہ میں لکھا۔ اس لیے ابوسعید بن عدس نجاری اسی سوار لے کر مدد کو آیا۔ جب وہ مکہ میں پہنچا تو نوفل حطیم میں قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابوسعید نے وہاں پہنچ کر نوفل کے سر پر تلوار کھینچ لی اور کہنے لگا کہ ہمارے بھانجے کے مکانات واپس کر دو ورنہ اس تلوار سے فیصلہ کر دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر نوفل نے قریش کے سامنے مکانات تو واپس کر دیئے۔ مگر اپنی کمزوری کو محسوس کر کے آیندہ کے لیے عبدشمس کے بیٹوں کو بنو ہاشم کے خلاف اپنا حلیف بنا لیا۔ اس پر عبدالمطلب نے خزاعہ سے کہا کہ تم بنو نوفل اور بنو عبدشمس کے خلاف میرے حلیف بن جاؤ۔ عبد مناف کی ماں خزاعہ کے سردار حلیل کی بیٹی تھی۔ اس لیے وہ کہنے لگے کہ تمہاری مدد کرنا ہم پر واجب ہے۔ چنانچہ دارالندوہ میں یہ معاہدہ لکھا گیا۔

حدیبیہ کے دن از روئے معاہدہ ہر ایک قبیلہ فریقین میں سے جس کا چاہا حلیف بن گیا۔ چنانچہ خزاعہ اپنا پرانا معاہدہ دکھا کر رسول اللہ ﷺ کے حلیف بن گئے۔ اور بنو بکر قریش کے معاہدے میں شامل ہوئے۔ یہ دونوں قبیلے (خزاعہ و بنو بکر) ایک دوسرے کے حریف تھے۔ اور ان میں مدت سے لڑائی چلی آتی تھی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں بنو الحضرمی میں سے ایک شخص جو اسود بن رزن دئلی

بکری کا حلیف تھا۔ بغرض تجارت گھر سے نکلا۔ جب وہ خزاعہ کے علاقہ میں پہنچا تو انہوں نے اسے قتل کرڈالا اور مال لے لیا۔ اس پر بنو بکر نے خزاعہ کا ایک آدمی قتل کرڈالا۔ پھر خزاعہ نے بنوالاسود یعنی سلمیٰ و کلثوم وذویب کو عرفات میں قتل کرڈالا۔ اسی حالت میں اسلام کے ظہور نے عرب کو اپنی طرف متوجہ کرلیا اور وہ لڑائیاں رک گئیں۔ جب صلح حدیبیہ کے سبب سے اسلام وکفر میں لڑائی کا سلسلہ بند ہوگیا۔ تو بنو بکر (کی ایک شاخ بنو نفاثہ) سمجھے کہ اب انتقام کا وقت ہے اس لیے نوفل بن معاویہ دئلی بکری بنو نفاثہ کو ساتھ لے کر آب وتیر میں جو اسفل مکہ میں خزاعہ کے علاقہ میں ہے رات کو حملہ آور ہوا۔ قریش نے حسب معاہدہ بنو بکر کی مدد کی۔ چنانچہ صفوان بن امیہ۔ حویطب بن عبدالعزی۔ عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ صورتیں بدل بدل کر خزاعہ سے لڑے۔ یہاں تک کہ خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم مکہ میں پناہ لی۔ بنو بکر حرم کا احترام ملحوظ رکھ کر رک گئے۔ مگر نوفل نے کہا: کہ یہ موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ چنانچہ حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔

جب بنو بکر وقریش نے وہ عہد توڑ دیا۔ جو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تھا۔ تو عمرو بن سالم خزاعی چالیس سوار لے کر مدینہ پہنچا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد میں اپنے اصحاب میں تشریف رکھتے تھے۔ عمرو مذکور حاضر خدمت ہو کر یوں گویا ہوا:

يَا رَبِّ اِنِّىْ نَاشِدٌ مُحَمَّدَا حِلْفَ اَبِيْنَا وَ اَبِيْهِ الْاَتْلَدَا

فَانْصُرْ رَسُوْلَ اللّٰهِ نَصْرًا عَتِدَا وَادْعُ عِبَادَ اللّٰهِ يَاْتُوْا مَدَدَا

اِنَّ قُرَيْشًا اَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا وَ نَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا

هُمْ بَيَّتُوْنَا بِالْوَتِيْرِ هُجَّدَا وَ قَتَلُوْنَا رُكَّعًا وَّ سُجَّدَا

''اے خدا میں محمد کو یاد دلاتا ہوں۔ وہ پرانا معاہدہ جو ہمارے باپ اور اس کے باپ (عبدالمطلب) کے درمیان ہوا تھا۔ یا رسول اللہ! ہماری پوری مدد کیجئے اور خدا کے بندوں کو بلائیے جو ہماری مدد کو آئیں۔ قریش نے آپ سے وعدہ کے خلاف کیا۔ اور آپ کا محکم معاہدہ توڑ ڈالا۔ انہوں نے وتیر میں ہم پر بحالت خواب حملہ کیا۔ اور ہمیں رکوع وسجدے کی حالت میں قتل کرڈالا۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمرو! تجھے مدد مل جائے گی۔ ایک روایت (۱۶۹) میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ میں قریش سے دریافت کرتا ہوں۔ پس آپ نے حضرت ضمرہ کو بھیجا۔ اور یہ تین شرطیں پیش کیں کہ قریش ان میں سے ایک اختیار کرلیں:

۱۔ خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا دیں۔

۲۔ بنونفاثہ کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرطہ بن عمرو نے کہا کہ ہمیں صرف تیسری شرط منظور ہے۔

آنحضرت ﷺ نے مکہ پر حملہ کی پوشیدہ تیاری شروع کر دی۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی نے جو بنو اسد بن عبدالعزیٰ کے حلیف تھے بنو ہاشم کی کنیز سارہ کے ہاتھ قریش کو ایک خط لکھ بھیجا۔ جس میں اس جنگی تیاریوں کا حال درج تھا۔ سارہ نے وہ خط اپنے سر کے بالوں میں چھپالیا۔ اور روانہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس معاملہ کی خبر دے دی۔ آپ نے علی و زبیر و مقداد رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور ان سے فرمایا کہ روضہ خاخ میں تم کو ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی۔ اس کے پاس قریش مکہ کے نام ایک خط ہے۔ وہ لے آؤ۔ وہ سوار ہو کر چل پڑے اور سارہ سے روضہ خاخ میں جا ملے۔ اس کو نیچے اتار لیا۔ اور کہا کہ تیرے پاس ایک خط ہے اس نے انکار کیا۔ اس کے کجاوے کی تلاشی لی گئی مگر کچھ برآمد نہ ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے اس سے کہا: میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ نہیں فرمایا۔ تو خط نکال۔ ورنہ ہم تیرے کپڑوں کی تلاشی لیں گے۔ یہ سن کر اس نے اپنے سر کے بالوں سے وہ خط نکال کر حوالہ کیا۔ جب یہ خط آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو آپ نے حضرت حاطب کو طلب فرمایا اور پوچھا: ''حاطب! تو نے یہ کیا حرکت کی؟'' حاطب نے یوں عرض کیا: ''یارسول اللہ! میرے بارے میں جلدی نہ کیجئے۔ میں دین سے نہیں پھرا۔ میرے بال بچے مکہ میں قریش کے درمیان ہیں۔ آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں قریش میں ان کے رشتے ہیں۔ جن کے سبب سے وہ ان کے بال بچوں کی حفاظت کریں گے۔ مگر میرا قریش میں کوئی رشتہ نہیں۔ اپنے اہل و عیال کے بچاؤ کے لیے میں نے یہ حیلہ کیا کہ قریش پر یہ احسان کروں۔ تاکہ اس کے صلہ میں وہ میرے بال بچوں کی حفاظت کر دیں''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر فاروق نے بے تاب ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کا سر اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا کہ حاطب اصحاب بدر میں سے ہے۔ عمر! تجھے کیا معلوم ہے بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر پر مطلع ہے۔ کہ فرمادیا اعملوا (۱۷۰) ما شئتم فقد غفرت لکم۔ غرض باوجود ایسے سنگین جرم کے آپ نے حضرت حاطب کو معاف فرمادیا۔

قصہ کوتاہ آنحضرت ﷺ بتاریخ ۱۰ ماہ رمضان ۸ھ دس ہزار آراستہ فوج لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عباس جو اب تک مکہ میں مقیم تھے اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ کو آ رہے تھے۔ وہ مقام جحفہ (۱۷۱) میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حسب ارشادِ نبوی انہوں نے اہل و عیال کو تو مدینہ بھیج دیا اور خود لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ قدید میں قبائل کو جھنڈے دیے

گئے۔ اخیر پڑاؤ مرالظہران تھا۔ جہاں سے مکہ ایک منزل یا اس سے بھی کم تھا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی۔ قریش کو لشکر اسلام کی روانگی کی افواہ پہنچ چکی تھی۔ مزید تحقیق کے لیے انہوں نے ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔ اس تجسس میں ان کا گزر مرالظہران پر ہوا۔ ابوسفیان بولا یہ اس قدر جابجا آگ کیسی ہے؟ یہ تو شب عرفہ کی آگ کی مانند ہے۔ بدیل خزاعی نے کہا: یہ خزاعہ کی آگ ہے۔ ابوسفیان نے کہا: خزاعہ گنتی میں اتنے نہیں کہ ان کی اس قدر آگ ہو۔ خیمہ نبوی کی حفاظت پر جو دستہ متعین تھا انہوں نے ابوسفیان وغیرہ کو دیکھ لیا۔ اور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ ابوسفیان ایمان لائے جب رسول اللہ ﷺ یہاں سے مکہ کی طرف روانہ ہونے لگے۔ تو حضرت عباس نے فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو۔ تاکہ افواجِ الٰہی کا نظارہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ قبائل عرب کی فوجیں ابوسفیان کے سامنے سے ہو کر گزرنے لگیں۔ پہلے غفار پھر جہینہ۔ سعد بن ہذیل۔ سلیم۔ نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے گزرے ان کے بعد ایک فوج آئی جس کی مثل دیکھنے میں نہیں آئی۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت عباس نے جواب دیا کہ یہ انصار ہیں۔ سردار انصار حضرت سعد بن عبادہ علم ہاتھ میں لیے ہوئے برابر سے گزرے تو ابوسفیان سے کہا:

الیوم یوم الملحمة الیوم تستحل الکعبة۔

”آج گھمسان کے معرکہ کا دن ہے۔ آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔“

بعد ازاں وہ مبارک دستہ آیا جس میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب (مہاجرین) تھے۔ حضرت زبیر بن العوام علمبردار تھے۔ حضور علیہ السلام برابر سے گزرے تو ابوسفیان نے کہا: ”حضور نے سنا سعد بن عبادہ کیا کہتے گزرے ہیں؟“ آپ نے فرمایا سعد نے غلط کہا۔ آج کعبہ کی عزت کی جائے گی۔ اور غلاف چڑھایا جائے گا۔ پھر حکم دیا کہ علم سعد سے لے کر ان کے صاحب زادے قیس کو دے دیا جائے۔

آنحضرت ﷺ مکہ میں حصہ بالائی کی طرف سے داخل ہوئے۔ اعلان کر دیا گیا۔ کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا۔ یا مسجد میں داخل ہو گا۔ یا دروازے بند کر لے گا۔ اس کو امن دیا جائے گا۔ حصہ بالائی میں (خیف بنی کنانہ یعنی محصب میں) رسول اللہ ﷺ کے لیے خیمہ نصب کیا گیا۔ اور حضرت زبیر نے حسب الارشاد محصب کی حد یعنی حجون کی پہاڑی پر علم کھڑا کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا کہ قبائل عرب کے ساتھ بائیں شہر کی طرف سے داخل ہوں اور صفا میں ہم سے آملیں۔ اور کسی سے جنگ نہ کریں۔ مگر صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو قریش کی ایک جماعت ساتھ لے کر خندمہ میں سد راہ ہوئے۔ اور حضرت خالد کی فوج پر

تیر برسانے لگے۔ چنانچہ حضرت حبیش بن اشعر اور کرز بن جابر فہری نے شہادت پائی۔ حضرت خالد نے مجبور ہر کران پر حملہ کیا۔ وہ تیرہ یا زیادہ لاشیں چھوڑ کر گھروں کو بھاگ گئے اور بعض پہاڑی پر چڑھ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے جو تلواروں کی چمک دیکھی۔ تو پوچھا کہ یہ جنگ کیسی ہے؟ عرض کیا گیا کہ شاید مشرکین نے پیش دستی کی ہے۔ جس کی وجہ سے خالد کو لڑنا پڑا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے خالد سے باز پرس کی۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ ابتداء مشرکین کی طرف سے تھی۔ فرمایا: ''قضائے الٰہی بہتر ہے''۔

آنحضرت ﷺ نے خیمہ میں ذرا آرام فرمایا۔ پھر غسل کیا اور ہتھیاروں سے سج کر ناقہ قصواء پر سوار ہوئے اور اپنے غلام کے لڑکے اسامہ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا کو کبہ نبوی بڑی شان و شوکت سے کعبہ کی طرف روانہ ہوا۔ آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے مہاجرین وانصار تھے جو اس طرح سراپا آہن پوش تھے کہ بجز سیاہہ چشم ان کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا۔ بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر آنحضرت ﷺ نے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر اپنی ناقہ پر طواف کیا۔ بیت اللہ کے گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بت تھے۔ جن کے سبب سے وہ خانہ خدا بت خانہ بنا ہوا تھا۔ آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی۔ اس سے آپ ایک ایک بت کو ٹھوکر دیتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝

''سچ آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل مٹنے والا ہے۔''

جَآءَ الْحَقُّ وَ مَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَ مَا يُعِيْدُ ۝

''سچ آ گیا اور باطل نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور نہ دوبارہ کرتا ہے۔''

اور وہ منہ کے بل گرتے جاتے تھے۔ جب اس طرح بیت اللہ شریف بتوں سے پاک ہو گیا۔ تو آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ سے کنجی لے کر دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے نظر پڑے۔ جن کے ہاتھوں میں جواء کھیلنے کے تیر دیے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا ''خدا ان کو غارت کرے۔ اللہ کی قسم ان دونوں نے کبھی تیروں سے جواء نہیں کھیلا''۔ کعبہ کے اندر ہی لکڑیوں کی ایک کبوتری بنی ہوئی تھی جسے آپ نے اپنے دست مبارک سے توڑ ڈالا۔ اور تصویریں جو تھیں وہ مٹا دی گئیں۔ پھر دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور حضرت اسامہ و بلال و عثمان بن طلحہ آپ کے ساتھ اندر رہے آپ نے نماز پڑھی اور ہر طرف تکبیر کہی پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ مسجد حرام قریش کی صفوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے دروازے کے بازوؤں کو پکڑ کر یہ خطبہ پڑھا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اَلَا كُلُّ مَاثُرَةٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ يُدْعٰى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ

اِلَّا سِدَانَةَ الْبَيْتِ وَ سِقَايَةَ الْحَآجِّ اَلَا وَقَتْلُ الْخَطَاشِبْهُ الْعَمَدِ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَافِيْهِ الدِّيَةُ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهَا اَوْلَادُهَا يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰه قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نِخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ تَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ النَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔

''ایک خدا کے سوا اور کوئی معبود بحق نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی۔ اور کافروں کے گروہوں کو تنہا شکست دی۔ آگاہ ہو کہ تمام مفاخر یا خون یا مال ہر قسم کا سوائے کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کی سقایت کے میرے ان دو قدموں کے نیچے ہیں۔ آگاہ ہو کہ قتل خطا جو عمد کے مشابہ ہو تازیانہ سے ہو یا عصا سے اس کا خون بہا ایک سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس کے پیٹوں میں بچے ہوں۔ اے گروہ قریش! خدا نے تم سے جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار دور کر دیا۔ تمام لوگ آدم کی اولاد سے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔''

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۝

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت (آدم و حوا) سے پیدا کیا اور تم کو کنبے اور قبیلے بنایا تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے تحقیق اللہ جاننے والا خبردار ہے۔'' (حجرات:۱۳)

خطبہ کے بعد آپ قریش کی طرف متوجہ ہوئے جن سے مسجد بھری ہوئی تھی۔ اعلان دعوت سے اب تک ساڑھے سترہ سال میں قریش نے آپ سے اور آپ کے اصحاب سے جو جو سلوک کیے تھے وہ سب ان کے پیش نظر تھے۔ اور خوف زدہ اس انتظار میں تھے کہ دیکھیے کیا سلوک کیا جاتا ہے؟ آنحضرت ﷺ اب اس شہر میں ہیں جہاں سے نکلے تھے تو اندھیری رات اور فقط صدیق اکبر ساتھ تھے۔ آج آپ داخل ہوتے ہیں تو دس ہزار جاں نثار ساتھ ہیں اور بدلہ لینے پر پوری قدرت حاصل ہے۔ بایں ہمہ آپ نے یوں خطاب فرمایا: ''اے گروہ قریش! تم اپنے گمان میں مجھ سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟''

وہ بولے:

خَيْرًا اَخٌ كَرِيْمٌ وَّابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ۔

''نیکی کی توقع رکھتے ہیں۔ آپ شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہیں۔''

یہ سن کر حضور رحمتہ اللعالمین نے فرمایا:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔

''آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ تم آزاد ہو۔''

اعلان عفو کے بعد آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں بیٹھ گئے بیت اللہ شریف کی کنجی آپ کے دست مبارک میں تھی۔ حضرت علی اور حضرت عباس میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ کنجی ہمیں عنایت ہو۔ مگر آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کو عطا فرمائی۔

حضرت عثمان بن طلحہ کا بیان ہے۔ کہ ''ہجرت سے پہلے مجھے رسول اللہ ﷺ مکہ میں ملے۔ آپ نے مجھے دعوت اسلام دی۔ میں نے کہا: اے محمد! تجھ سے تعجب ہے کہ تو چاہتا ہے کہ میں تیری پیروی کروں۔ حالانکہ تو نے اپنی قوم کے دین کی مخالفت کی ہے اور ایک نیا دین لایا ہے۔ ہم جاہلیت میں کعبہ کو دوشنبہ اور پنج شنبہ کے دن کھولا کرتے تھے ایک دن رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ کعبہ میں داخل ہونے کے ارادے سے آئے میں نے آپ سے درشت کلامی کی اور آپ کو برا بھلا کہا۔ مگر آپ نے درگزر کیا اور فرمایا: ''عثمان تو یقیناً عنقریب ایک دن اس کنجی کو میرے ہاتھ میں دیکھے گا کہ جہاں چاہوں رکھ دوں۔ میں نے کہا اس دن بے شک قریش ہلاک ہو جائیں گے اور ذلیل ہو جائیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ بلکہ زندہ رہیں گے اور عزت پائیں گے۔ اور آپ کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ کے اس ارشاد نے مجھ پر اثر کیا میں نے گمان کیا کہ جیسا آپ نے مجھ سے فرمایا عنقریب ویسا ہی ہو جائے گا۔ اور ارادہ کیا کہ مسلمان ہو جاؤں۔ مگر میری قوم مجھ سے نہایت درشت کلامی کرنے لگی جب فتح مکہ کا دن آیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: عثمان! کنجی لا۔ آپ نے کنجی مجھ سے لے لی پھر وہی کنجی مجھے دے دی اور فرمایا: لو یہ پہلے سے تمہاری ہے اور تمہارے ہی پاس ہمیشہ رہے گی۔ ظالم کے سوا اسے کوئی تم سے نہ چھینے گا۔ عثمان! اللہ نے تم کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے۔ پس اس گھر کی خدمت کے سبب سے جو کچھ تمہیں ملے۔ اس دستور عرفی کے موافق کھاؤ۔ جب میں نے پیٹھ پھیری۔ آپ نے مجھے پکارا میں پھر حاضر ہوا۔ فرمایا: کیا وہ بات نہ ہوئی جو میں نے تجھ سے کہی تھی۔ اس پر مجھے ہجرت سے پہلے مکہ میں آپ کا وہ قول یاد آ گیا۔ میں نے عرض کیا: ہاں (وہ بات ہو گئی) میں (۱۷۲) گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں''۔ (۱۷۳) اس حدیث میں تین پیش گوئیاں ہیں وہ تینوں پوری ہو گئیں۔

اس روز آنحضرت ﷺ دیر تک مسجد میں رونق افروز رہے نماز کا وقت آیا۔ تو آپ کے حکم سے حضرت بلال نے کعبہ کی چھت پر اذان کہی۔ ابوسفیان بن حرب اور عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اذان کی آواز سن کر عتاب بولا کہ خدا نے اسید کو یہ عزت بخشی کہ اس

نے یہ آواز نہ سنی ورنہ اسے رنج پہنچتا۔ حارث بولا۔ خدا کی قسم اگر یہ حق ہوتا تو میں اس کی پیروی کرتا۔ حضرت ابوسفیان نے کہا میں تو کچھ نہیں کہتا۔ اگر کہوں تو یہ کنکریاں ان کو میرے قول کی خبر دیں گی۔ جب آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے پاس ہو کر نکلے۔ تو فرمایا۔ کہ تمہاری باتیں مجھے معلوم ہو گئیں تم نے ایسا ایسا کہا ہے۔ حارث و عتاب یہ سنتے ہی کہنے لگے: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ ان باتوں کی اطلاع کسی اور کو نہ تھی۔ ورنہ ہم کہہ دیتے کہ اس نے آپ کو بتا دیں۔ (۱۷۴)

مسجد سے آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ وہاں مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کر کے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی مردوں میں حضرت معاویہ اور مستورات میں ان کی والدہ ہند بھی تھی جو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبا گئی تھی۔

عفو عام سے نو یا دس اشخاص مستثنیٰ تھے۔ جن کی نسبت حکم دیا گیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیے جائیں اس حکم کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی انتقام نہ تھا۔ بلکہ اور مختلف جرم تھے۔ ان میں سے صرف تین یعنی ابن خطل مقیس بن ضبابہ اور ابن خطل کی کنیز قریبہ قتل ہوئے۔ ابن خطل اور مقیس قصاص میں قتل کیے گئے۔ قریبہ اسلام کی ہجو گایا کرتی تھی۔ باقی سب کو امن دیا گیا۔ اور ایمان لائے۔

ایک دشمن اسلام عیسائی مصنف ان دس اشخاص کی تفصیل دے کر یوں لکھتا ہے (۱۷۵):

> ''اس طرح عفو کے مقابلہ میں حکم قتل کی صورتیں کالعدم تھیں اور سزائے موت جہاں فی الواقع عمل میں آئی (شاید باستثنائے مغنیہ) محض پولیٹیکل مخالفت کے سوا اور جرموں کی وجہ سے غالباً روا تھی جس عالی حوصلگی سے (حضرت) محمد نے اس قوم سے سلوک کیا جس نے اتنی دیر آپ سے دشمنی رکھی اور آپ کا انکار کیا۔ وہ ہر طرح کی تحسین و آفرین کے قابل ہے حقیقت میں گذشتہ کی معافی اور اس کی گستاخیوں اور اذیتوں کی فراموشی آپ ہی کے فائدے کے لیے تھی۔ مگر تاہم اس کے لیے ایک فراخ و فیاض دل کی کچھ کم ضرورت نہ تھی''۔

فتح مکہ کے دوسرے روز خزاعہ نے ہذیل کے ایک شخص کو جو مشرک تھا قتل کر ڈالا اس پر آنحضرت ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد یوں خطاب (۱۷۶) فرمایا:

> اِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ لَايَحِلُّ لِاَمْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَّلَا يَعْضِدُبِهَا شَجَرًا فَاِنْ تَرَخَّصَ اَحَدٌ لِّقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا فَقُوْلُوْا لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ وَلَمْ يَاْذَنْ لَكُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ فِيْهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَّقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔

"تحقیق مکہ کو اللہ نے حرام کر دیا اور لوگوں نے حرام نہیں کیا۔ جو شخص خدا اور روزِ آخرت پر
ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے اور نہ اس کا درخت کاٹے
اگر کوئی اس میں رسول اللہ ﷺ کے جنگ کے سبب سے قتال کو رخصت کہے تو اس سے
کہہ دو کہ خدا نے اپنے رسول کو اجازت دی تم کو اجازت نہیں دی مجھے بھی دن کی ایک
ساعت اجازت دی گئی۔ اور آج پھر اس کی حرمت ایسی ہو گئی جیسا کہ کل (فتح سے پہلے)
تھی چاہیے کہ جو یہاں حاضر ہے وہ غائب کو یہ پیغام پہنچا دے۔"

جب مکہ بتوں سے پاک ہو چکا تو مکہ کے گرد جو بت (منات، لات عزیٰ سواع) تھے وہ سرایا کہ
ذریعہ سے منہدم کر دیئے گئے۔

غزوۂ حنین: فتح مکہ کا اثر قبائل عرب پر نہایت اچھا پڑا۔ وہ اب تک منتظر تھے اور کہا کرتے تھے کہ (حضرت) محمد (ﷺ) اور ان کی قوم کو آپس میں نپٹ لینے دو۔ اگر وہ قریش پر غالب
آ گئے تو سچے پیغمبر ہیں۔ اس لیے جب مکہ فتح ہوا تو ہر ایک قوم نے اسلام قبول کرنے میں پیش دستی کی مگر
ہوازن کا زبردست قبیلہ جو مکہ و طائف کے درمیان سکونت پذیر تھا اس فتح پر بہت برافروختہ ہوا۔ وہ اس
سے پہلے ہی جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس لیے فتح کی خبر سنتے ہی حملہ کے لیے تیار ہو گئے۔ ہوازن
(باستثنائے کعب و کلاب) کے ساتھ ثقیف تمام اور نصر و جشم تمام اور سعد بن ابی بکر اور کچھ بنو ہلال کے
شامل ہوئے۔ جشم کا رئیس درید بن صمہ تھا جس کی عمر سو سال سے متجاوز تھی۔ اسے محض مشورے کے لیے
ہودج میں بٹھا کر ساتھ لے گئے۔ تمام فوج کا سپہ سالار اعظم مالک بن عوف نصری تھا جس کے حکم سے
بچے اور عورتیں اور اموال بھی ساتھ تھے تا کہ لڑائی میں پیچھے نہ ہٹیں۔ درید نے اس حکم کو پسند نہ کیا۔ مگر
اس کی کچھ پیش نہ گئی۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو بطور جاسوس دریافت
حال کے لیے بھیجا۔ وہ دشمن کے لشکر میں آئے اور انہوں نے وہاں کے تمام حالات دربارِ رسالت میں
عرض کیے۔ آنحضرت ﷺ نے تیاری شروع کر دی۔ دس ہزار درہم سے زائد عبداللہ بن ابی ربیعہ سے
جو ابوجہل کے بھائی تھے قرض لیے گئے۔ اور صفوان بن امیہ سے جو اب تک ایمان نہ لائے تھے سو
زرہیں مع لوازم مستعار لی گئیں۔ غرض شوال ۸ ھ میں آنحضرت ﷺ بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ
ہوئے جن میں سے دو ہزار طلقاء (اہل مکہ) تھے۔ لشکر کی کثرت کو دیکھ کر بعض کی زبان سے بے اختیار
نکلا: "آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے؟" جب حنین (۱۷۷) میں پہنچے تو صبح کے وقت کہ ابھی اجالا بھی
اچھی طرح نہ ہوا تھا حملہ کے لیے آگے بڑھے۔ دشمن نے ان کے پہنچنے سے پہلے ہی اس طرح صف

آرائی کر رکھی تھی کہ سب سے آگے سوار، سواروں کے پیچھے پیادہ۔ پیادوں کے پیچھے عورتیں اور عورتوں کے پیچھے بکریاں اور اونٹ تھے۔ اور کچھ فوج پہاڑ کی گھاٹیوں اور دروں کی کمین گاہوں میں مقرر کر دی تھی اسلامی فوج نے پہلے ایسی شجاعت سے دھاوا کیا کہ کفار (۱۷۸) بھاگ نکلے مسلمان غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے کفار نے ایک دوسرے کو پکارا کہ یہ کیا ذلت وفضیحت ہے اور مڑ کر حملہ کیا۔ اب کثرت پر نازش اپنا رنگ لائی۔ لشکر اسلام کے مقدمہ میں بہت سے ایسے نوجوان تھے جو سلاح و زرہ سے خالی تھے۔ ہوازن و بنونصر کی جماعت نے جو تیراندازی میں مشہور تھے تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ ذرا سی دیر میں مقدمتہ الجیش کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس طرح باقی فوج بھی بھاگ نکلی۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چند اصحاب ثابت قدم رہے۔ مگر اکیلے آپ تھے کہ اس حالت میں بھی دشمن کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ اور وہ اصحابہ بمقتضائے شفقت آپ کو روک رہے تھے۔ چنانچہ حضرت عباس آپ کے خچر کی لگام اور حضرت ابوسفیان رکاب تھامے ہوئے تھے کہ آگے نہ بڑھ جائیں۔ اور آپ فرمار ہے تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

''میں پیغمبر ہوں۔ اس میں جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دو چنانچہ وہ یوں پکارنے لگے:

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ یَا اَصْحَابَ السَّمُرَةِ یَا اَصْحَابَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ۔

''او گروہ انصار! او بیعت رضوان والو! اے سورہ بقرہ والو!''

اس آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ لبیک لبیک کہتے ہوئے سب جمع ہو گئے۔ آپ نے صف آرائی کے بعد حملہ کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ نہایت بہادری سے لڑنے لگے شدت جنگ کو دیکھ کر آپ نے فرمایا الان حمی الوطیس (اب تنور خوب گرم ہو گیا) لڑائی کا نقشہ بدل چکا تھا مسلمانوں پر طمانیت کا نزول ہوا۔ کفار کو ملاء اعلیٰ کا لشکر بچکلیان گھوڑوں پر سواروں کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے خچر سے اتر کر ایک مشت خاک لی۔ اور شاھت الوجوہ پڑھتے ہوئے کفار کی طرف پھینک دی۔ دشمن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں وہ خاک نہ پڑی ہو۔ لشکر کفار کو شکست ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں جنگ حنین کا ذکر اس طرح کیا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۚ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ

جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝

''البتہ تحقیق اللہ نے تم کو مدد دی بہت میدانوں میں اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترائے۔ پس وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر ہٹے پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔ اور وہ فوجیں اتار دیں جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کو عذاب کیا۔ اور یہی سزا ہے کافروں کی۔ پھر خدا اس کے بعد توبہ قبول کرے گا جس کی چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (سورۂ توبہ: ع ۴)

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر کچھ تو اوطاس میں اور کچھ طائف میں جمع ہوئی

جنگِ اوطاس: آنحضرت ﷺ نے کچھ فوج بسر کردگی حضرت ابو عامر اشعری اوطاس بھیجی جو دیار ہوازن میں ایک وادی کا نام ہے۔ درید بن صمہ یہاں مارا گیا۔ قبیلہ جشم کے ایک شخص نے حضرت ابو عامر کی ران میں تیرا مارا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اس جشمی کو قتل کر ڈالا اور حضرت ابو عامر کو اطلاع دی۔ حضرت ابو عامر کچھ دیر کے بعد واصل بحق ہوئے۔ مگر شہادت سے پہلے انہوں نے حضرت ابو موسیٰ سے کہا کہ سلام کے بعد میرا یہ پیغام رسُول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دینا کہ آپ میرے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔

حضرت ابو عامر کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری نے علم ہاتھ میں لے لیا۔ اور خوب جنگ کی دشمن کو شکست ہوئی۔ اسیرانِ جنگ میں آنحضرت کی رضاعی بہن شیماء سعدیہ بھی تھیں۔ جب گرفتار ہو کر آئیں، تو آنحضرت ﷺ سے کہنے لگیں۔ کہ میں آپ کی بہن ہوں آپ نے فرمایا کہ اس کی علامت کیا ہے۔ اس پر انہوں نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی۔ کہ ایک دفعہ بچپن میں آپ کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔ آپ نے دانت سے کاٹا تھا یہ اس کا نشان ہے۔ آپ نے وہ نشان پہچان لیا۔ اور اپنی چادر مبارک بچھا کر ان کو اس پر بٹھایا اور مرحبا کہا۔ پھر فرمایا۔ جی چاہے تو میرے ہاں عزت سے رہو اور اپنی قوم میں جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ انہوں نے اپنی قوم میں رہنا پسند کیا۔ اور ایمان لائیں آپ نے ان کو غلام و کنیز اور ایک اونٹ دے کر بڑے احترام سے ان کی قوم میں پہنچا دیا۔

جب حضرت ابو موسیٰ اشعری اوطاس سے واپس آئے۔ تو آنحضرت ﷺ کو حضرت ابو عامر کا پیغام پہنچا دیا۔ آپ نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ اَبِیْ عَامِرٍ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَوْقَ كَثِيْرٍ مِّنْ خَلْقِكَ وَمِنَ النَّاسِ۔

''اے خدا! ابو عامر کو بخش دے اے خدا اسے قیامت کے دن اپنی مخلوق اور اپنے لوگوں میں سے بہتوں کے اوپر رکھنا''

یہ دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنے واسطے دعا کی التجاء کی۔ آپ نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِاللّٰهِ ابْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهٗ وَاَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُدْخَلًا كَرِيْمًا ○

''اے خدا! عبداللہ بن قیس کا گناہ بخش دے اور اسے قیامت کے دن عزت کے مقام میں داخل کر''

محاصرۂ طائف: آنحضرت ﷺ نے غنائم و اسیران جنگ کی نسبت حکم دیا کہ سب کو جمع کر کے (۱۷۹) جعرانہ میں بھیج دیا جائے، بذات اقدس طائف (۱۸۰) کی طرف روانہ ہوئے روانگی روانگی کے وقت طفیل بن عمرو دوسی کو بت ذوالکفین کے منہدم کرنے کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ اپنی قوم سے مدد لے کر ہم سے طائف میں آملو حضرت طفیل اپنی قوم کے رئیس تھے۔ انہوں نے بت کو جلا دیا۔ اور قبیلہ دوس کے چار سو آدمی اور دبابہ و منجنیق لے کر طائف میں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔

ثقیف اوطاس سے بھاگ کر طائف میں چلے آئے تھے۔ یہاں ایک قلعہ تھا۔ اس کی مرمت کر کے ایک سال کا سامان رسد لے کر اس میں پناہ گزین تھے۔ لشکر اسلام اس قلعہ کے قریب اترا۔ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات استعمال میں لائے گئے مسلمانوں نے منجنیق (۱۸۱) نصب کیا تو اہل قلعہ نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا بارہ غازی شہید ہو گئے۔ دبابہ (۱۸۲) استعمال کیا گیا تو ثقیف نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں جن سے دبابہ جل گیا اور نقصانِ جان بھی ہوا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منادی کر دی گئی کہ کفار کا جو غلام قلعہ سے ہمارے پاس آئے گا۔ وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیئس غلام قلعہ سے اتر کر حاضر خدمت ہوئے۔ وہ سب آزاد کر دیئے گئے اور ایک ایک کر کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیئے گئے کہ ان کی ضروریات کے متکفل ہوں اور ان کو تعلیم اسلام دیں۔ ان غلاموں میں حضرت نفیع بن حارث تھے جو چرخ چاہ پر لٹک کر قلعہ کی دیوار سے اترے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی کنیت ابو بکرہ رکھ دی۔

دو ہفتہ بلکہ اس سے زیادہ محاصرہ قائم رہا۔ مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت نوفل بن معاویہ دیلی سے مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ''لومڑی بھٹ میں ہے۔ اگر آپ کوشش جاری رکھیں گے۔ تو اسے پکڑ لیں گے اور اگر اسے چھوڑ جائیں تو آپ کو مضر نہیں۔ غرض محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ جب واپس آنے لگے۔ تو صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ثقیف کے تیروں نے ہم کو جلا دیا۔ آپ ان پر بددعا فرمائیں'' اس پر آپ نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَّ ائْتِ بِهِمْ۔
''اے خدا تو ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو (مسلمان بنا کر) لا۔''
اس دعائے رحمتہ اللعالمین کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۹ھ میں ثقیف کے وفد نے حاضر خدمت اقدس ہو کر اظہارِ اسلام کیا۔
آنحضرت ﷺ طائف سے جعرانہ میں تشریف لائے۔ یہاں غنائم حنین واوطاس جمع تھیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

اسیرانِ جنگ (زنان واطفال)	۶۰۰
اونٹ	۲۴۰۰۰
بکریاں	۴۰۰۰۰ سے زائد
چاندی	۴۰۰۰ اوقیہ

آپ نے دس دن سے کچھ زیادہ ہوازن کا انتظار کیا۔ وہ نہ آئے تو آپ نے مالِ غنیمت میں سے طلقاء و مہاجرین کو دیا اور انصار کو کچھ نہ دیا۔ اس پر انصار کو رنج ہوا ان میں سے بعض کہنے لگے ''خدا رسول اللہ کو معاف کردے۔ وہ قریش کو عطا فرماتے ہیں اور ہم کو محروم رکھتے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں''۔ اور بعض بولے ''جب مشکل پیش آتی ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور غنیمت اوروں کو دی جاتی ہے''۔
آنحضرت ﷺ نے یہ چرچا سنا۔ تو انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں آپ نے انصار کے سوا کسی اور کو نہ رہنے دیا۔ جب انصار جمع ہو گئے تو آپ نے پوچھا کہ: ''وہ کیا بات ہے جو تمہاری نسبت میرے کان میں پہنچی ہے'' انصار جھوٹ نہ بولا کرتے تھے۔ کہنے لگے کہ سچ ہے جو آپ نے سنا۔ مگر ہم میں سے کسی دانا نے ایسا نہیں کہا۔ نوخیز جوانوں نے ایسا کہا تھا۔ یہ سن کر آپ نے حمد و ثنا کے بعد یوں خطاب فرمایا:

يَا مَعْشَرَا الْاَنْصَارِ اَلَمْ اَجِدْ كُمْ ضَالًّا فَهَدَا كُمُ اللّٰهُ بِيْ وَ كُنْتُمْ مُتَفَرِّقِيْنَ فَاَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِيْ وَ كُنْتُمْ عَالَةً فَاَغْنَا كُمُ اللّٰهُ بِيْ۔

''اے گروہِ انصار کیا یہ سچ نہیں کہ تم گمراہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت دی۔ اور تم پراگندہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو جمع کر دیا۔ اور تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند کر دیا۔''

آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور انصار ہر فقرے پر کہتے جاتے تھے کہ ''خدا اور رسول کا احسان اس

سے بڑھ کر ہے''۔

آپ نے فرمایا: کہ تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے۔ انصار نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم کیا جواب دیں۔ خدا اور رسول کا احسان اور فضل ہے۔ آپ نے فرمایا: بخدا اگر تم چاہو تو یہ جواب دو میں ساتھ ساتھ تمہاری تصدیق کرتا جاؤں گا۔

اَتَیْتَنَا مُکَذَّبًا فَصَدَّقْنَاکَ وَمَخْذُوْلًا فَنَصَرْنَاکَ وَطَرِیْدًا فَاٰوَیْنَاکَ وَعَآئِلًا فَوَا سَیْنَاکَ۔

''تو ہمارے پاس اس حال میں آیا کہ لوگوں نے تیری تکذیب کی تھی ہم نے تیری تصدیق کی لوگوں نے تیرا ساتھ چھوڑ دیا تھا ہم نے تیری مدد کی لوگوں نے تجھ کو نکال دیا تھا ہم نے تجھے پناہ دی تو مفلس تھا ہم نے جان و مال سے تیری ہمدردی کی۔''

پھر فرمایا کہ میں نے تالیف قلوب کیلئے اہل مکہ کیساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ ''اے انصار! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لیکر جائیں اور تم رسول اللہ کو لیکر گھر جاؤ۔ اللہ کی قسم تم جو کچھ لیجا رہے ہو وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لیجا رہے ہیں۔ اگر لوگ کسی وادی یا درہ میں چلیں تو میں انصار کی وادی یا درہ چلوں (۱۸۳) گا''۔ یہ سن کر انصار پکار اٹھے ''یارسول اللہ رضینا'' (یارسول اللہ ہم راضی ہیں) اور ان پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں۔

جب جعرانہ میں اسیرانِ جنگ کی تقسیم بھی ہو چکی تو ہوازن کی سفارت (وفد) حاضر خدمت اقدس ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی رضاعی ماں حلیمہ قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن سے تھیں۔ اس سفارت میں آپ کا رضاعی چچا ابوثروان (یا ابوبرقان) بن عبدالعزیٰ سعد بھی تھا۔ سفارت کا رئیس زہیر بن صرد سعدی جشمی تھا۔ وفد نے پہلے اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے اظہار اسلام کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی پھر حضرت زہیر بن صرد نے یوں تقریر کی (۱۸۴):

''یارسول اللہ! اسیرانِ جنگ میں سے جو عورتیں چھپروں میں ہیں وہ آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں اور دایہ ہیں۔ جو آپ کی پرورش کی کفیل تھیں۔ اگر ہم نے حارث ابن ابی شمر (امیر شام) یا نعمان بن منذر (شاہ عراق) کو دودھ پلایا ہوتا۔ پھر اس طرح کی مصیبت ہم پر آ پڑتی تو ہمیں اس سے مہربانی و فائدہ کی توقع ہوتی۔ مگر آپ سے تو زیادہ توقع ہے۔ کیوں کہ آپ فضل و شرف میں ہر مکفول سے بڑھ کر ہیں''۔

اس کے بعد حضرت ابوثروان نے یوں عرض کیا (۱۸۵):

''یارسول اللہ! ان چھپروں میں آپ کی پھوپھیاں خالائیں اور بہنیں ہیں۔ جو آپ کی پرورش کی کفیل تھیں۔ انہوں نے آپ کو اپنی گودوں میں پالا۔ اور اپنے پستان سے دودھ

پلایا۔ میں نے آپ کو دودھ پیتے دیکھا۔ کوئی دودھ پیتا بچہ آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ میں نے آپ کو دودھ چھڑایا ہوا دیکھا کوئی دودھ چھڑایا بچہ میں نے آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ پھر میں نے آپ کو نوجوان دیکھا۔ کوئی نوجوان آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ آپ میں خصال خیر کامل طور پر موجود ہیں۔ اور باوجود اس کے ہم آپ کے اہل و کنبہ ہیں آپ ہم پر احسان کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا''۔

یہ تقریر سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ میں نے انتظار کے بعد تقسیم کی ہے۔ اب تم اسیرانِ جنگ و غنائم میں ایک اختیار کر لو۔ انہوں نے کہا ہم اسیرانِ جنگ کی رہائی چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کہ مجھے اپنے خاندان کے حصہ کا اختیار ہے۔ باقی کے لیے اوروں کی اجازت درکار ہے۔ تم نماز ظہر کے بعد اپنی درخواست پیش کرنا۔ چنانچہ نماز ظہر کے بعد انہوں نے اظہار مطلب کیا۔ پھر آپ نے حمد و ثناء کے بعد یوں خطاب (۱۸۶) فرمایا:

''تمہارے بھائی مسلمان ہو کر آئے ہیں میری رائے ہے کہ اسیران جنگ ان کو واپس کر دوں تم میں سے جو بغیر عوض واپس کرنا چاہتے ہیں کر دیں اور جو عوض لینا چاہتے ہیں ہم پہلی غنیمت میں سے جو ہاتھ آئے گی ادا کر دیں گے''۔

قصہ کوتاہ تمام مہاجرین و انصار نے بغیر عوض واپس کر دینا منظور کر لیا۔ اس طرح چھ ہزار رہا کر دیئے گئے۔

ہجرت کا نواں سال

اس سال کے اوائل میں واقعہ ایلاء پیش آیا۔ ازواج مطہرات نے آنحضرت ﷺ سے مقدور سے زیادہ نفقہ و کسوت طلب کیا۔ اس پر آپ نے ایلاء کیا۔ یعنی سوگند کھائی کہ ایک ماہ تک ان کے ساتھ مخالطت نہ کروں گا۔ جب ۲۹ دن گزرنے پر مہینہ پورا ہوا۔ تو آیہ تخییر (سورۂ احزاب) نازل ہوئی۔ مگر سب نے زینت دنیا پر اللہ اور رسول کو اختیار کیا۔

غزوہ طائف اور غزوہ تبوک (۱۸۷) کے درمیانی زمانہ میں حضرت کعب بن زہیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور انہوں نے اپنا مشہور قصیدہ پڑھا۔

غزوۂ تبوک: یہ غزوہ ماہ رجب میں پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ رومیوں اور عیسائی عربوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے بڑی فوج تیار کر لی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے اہل مکہ اور قبائل عرب سے جانی و مالی امداد طلب کی۔ اس وقت سخت قحط اور شدت

کی گرمی تھی۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۃ العسرۃ بھی کہتے ہیں۔ سورہ توبہ میں ہے: الذین اتبعوہ فی سَاعَةِ الْعُسْرَةِ جو لشکر اس غزوہ کے لیے تیار کیا گیا اسے جیش العسرۃ کہتے ہیں۔ اس جیش کی تیاری میں حضرت عثمان غنی نے خصوصیت سے حصہ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی بڑے ایثار کا ثبوت دیا۔ غرض رسول اللہ ﷺ تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں جب سر زمین ثمود میں اترے۔ تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا (۱۸۸): کہ یہاں کے کنوؤں کا پانی نہ لینا اور نہ وہ پانی پینا انہوں نے عرض کیا۔ کہ ہم نے پانی لیا ہے اور اس سے آٹا گوندھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پانی گرا دو اور آٹا اونٹوں کو کھلا دو جب آپ حجر یعنی ثمود کے مکانات میں سے گزرے جو پہاڑوں کو تراش کر بنائے ہوئے تھے تو فرمایا (۱۸۹) کہ ان معذبین کے مکانات سے روتے ہوئے گزرنا چاہیے۔ کہ مبادا ہم پر بھی وہی عذاب آئے۔ پھر آپ نے اپنی چادر سے منہ چھپا لیا اور اس وادی سے جلدی گزر گئے۔

جب آنحضرت ﷺ حجر سے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ آپ کا ناقہ گم ہو گیا۔ زید بن بصیت قینقاعی منافق کہنے لگا: ''محمد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور تم کو آسمان کی خبر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اتنا بھی نہیں جانتا۔ کہ اس کا ناقہ کہاں ہے؟'' رسول اللہ ﷺ کا باطلاع الٰہی یہ معلوم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ''ایک منافق ایسا ایسا کہتا ہے۔ خدا کی قسم! میں وہی جانتا ہوں جو اللہ نے مجھے بتا دیا۔ چنانچہ خدا نے مجھے ناقہ کا حال بتا دیا ہے۔ وہ فلاں درہ میں ہے۔ اس کی نکیل ایک درخت میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس سبب سے وہ رکا ہوا ہے۔ تم جا کر لے آؤ''۔ بتعمیل ارشاد مبارک ناقہ اس درہ میں سے لایا گیا۔ حضور کے ارشاد مبارک کے وقت حضرت عمارہ موجود تھے۔ منافق مذکور حضرت عمارہ ہی کے ڈیرے میں تھا۔ حضرت عمارہ اپنے ڈیرے میں واپس آ کر کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابھی ہم سے باطلاع الٰہی عجیب ماجرا بیان فرمایا: کہ ایک شخص ایسا ایسا کہتا ہے۔ عمارہ کے بھائی عمرو بن حزم نے کہا کہ تمہارے آنے سے پہلے زید بن بصیت نے ایسا ہی کہا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمار نے زید کی گردن لکڑی سے ٹھکا دی اور کہا: ''او دشمن خدا! میرے ڈیرے سے نکل جا۔ میرے ساتھ نہ رہ''۔ کہا گیا ہے کہ زید مذکور بعد میں تائب ہو گیا (۱۹۰) تھا۔

حجر سے تبوک چار منزل ہے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ تبوک میں بیس روز آنحضرت ﷺ کا قیام رہا۔ اہل تبوک نے جزیہ پر آپ سے صلح کر لی۔ (۱۹۱) ایلہ کا نصرانی سردار یوحنہ بن روبہ حاضر خدمت اقدس ہوا۔ اس نے تین سو دینار سالانہ جزیہ پر آپ سے صلح کر لی۔ اور ایک سفید خچر پیش کیا۔ آپ نے ایک چادر اسے عنایت فرمائی۔ جرباء اذروح کے یہودیوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔

تبوک ہی سے آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو چار سو سواروں کا دستہ دے کر اکیدر بن عبدالملک کندی نصرانی سردار دومۃ الجندل کے زیر کرنے کے لیے بھیجا۔ اور فرمایا کہ تم اکیدر کو نیل گائے

کا شکار کرتے پاؤ گے۔ اکیدر دومتہ الجندل کے قلعہ میں رہا کرتا تھا۔ جب حضرت خالد قلعہ کے پاس پہنچے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ چاندنی رات تھی کہ ایک نیل گائے جنگل سے آ کر قلعہ کے دروازے پر سینگ مارنے لگی۔ اکیدر اس کے شکار کے لیے قلعہ سے اتر آیا۔ اثنائے شکار میں حضرت خالد کے دستہ نے اس پر حملہ کیا اور گرفتار کر کے مدینہ میں لے آئے۔ اس نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔

مسجد ضرار: منافق ہمیشہ اس امر کے درپے تھے۔ کہ کسی طرح مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں۔ اس غرض سے انہوں نے اپنی علیحدہ مسجد بنانے کا ارادہ کیا۔ ابو عامر فاسق جو انصار میں سے تھا عیسائی ہو گیا تھا۔ وہ غزوہ خندق تک آنحضرت ﷺ سے لڑتا رہا۔ جب ہوازن بھاگ گئے تو وہ شام میں چلا گیا تھا۔ اس نے وہاں سے ان منافقین کو کہلا بھیجا کہ تم مسجد قباء کے متصل اپنی مسجد بنا لو۔ اور سامان حرب تیار کر لو۔ میں قیصر روم کے پاس جاتا ہوں اور رومیوں کی فوجیں لاتا ہوں تاکہ محمد اور اس کے اصحاب کو ملک سے نکال دیں چنانچہ منافقوں نے مسجد قباء کے پاس ایک مسجد بنائی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لیے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ قدم رنجہ فرما کر اس میں نماز پڑھائیں اور دعائے برکت فرمائیں آپ نے فرمایا کہ میں اب غزوہ تبوک پر جا رہا ہوں۔ واپس آ کر ان شآء اللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا۔ چنانچہ جب آپ مہم تبوک سے واپس ہو کر موضع ذوادان میں پہنچے جو مدینہ طیبہ سے ایک گھنٹہ کی راہ ہے۔ تو یہ آیتیں نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۝

"اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد بنائی ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کیلئے اور کمین گاہ بنانے کیلئے اس شخص کے واسطے جو پہلے سے خدا اور رسول سے لڑ رہا ہے۔ اور البتہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی۔ اللہ گواہ ہے کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں۔ تو اس مسجد میں ہرگز کھڑا نہ ہونا البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں ایسے مرد ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" (توبہ: رکوع ۱۳)

پس آنحضرت ﷺ نے حضرت مالک بن وخشم اور معن بن عدی عجلانی کو حکم دیا: کہ جا کر اس مسجد ضرار کو گرادو اور جلادو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اس سال مختلف قبائل کے وفود اس کثرت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے کہ اسے سال وفود کہا جاتا ہے۔ یہ وفود بالعموم نعمت ایمان سے مالا مال ہو کر واپس گئے۔ اس مختصر میں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔

ہجرت کا دسواں سال

اس سال بھی وفود عرب پے در پے حاضر خدمت اقدس ہوتے رہے اہل یمن و ملوک حمیر ایمان لائے۔ اسی سال رسول اللہ ﷺ نے آخری حج کیا۔ جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ **الیوم اکملت لکم دینکم** الایہ عرفہ میں نازل ہوئی۔

ہجرت کا گیارہوں سال

اس سال کے ماہ ربیع الاول میں آنحضرت ﷺ کا وصال شریف ہو گیا جس کا ذکر آئندہ باب میں آتا ہے۔

❀❀❀❀

باب : ۵

وفات شریف وحلیہ مبارک کا بیان

ماہ صفر ۱۱ھ کے اخیر عشرہ میں آنحضرت ﷺ بیمار ہو گئے۔ اور ماہ ربیع الاول میں وصال فرما گئے۔ وصال شریف کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وفات شریف ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن ہوئی۔ جمہور کے نزدیک ربیع الاول کی بارھویں تاریخ تھی۔ ماہ صفر کی ایک یا دو راتیں باقی تھیں کہ مرض کا آغاز ہوا بعض تاریخ وصال یکم ربیع الاول بتاتے ہیں۔ بنا بر قول حضرت سلیمان تیمی ابتدائے مرض یوم شنبہ ۲۲ ماہ صفر کو ہوئی۔ اور وفات شریف یوم دوشنبہ ۲ ربیع الاول کو ہوئی حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کہ ابو مخنف کا قول ہی معتمد ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کر لیا گیا۔ پھر اسی وہم میں بعض نے بعض کی پیروی کی۔ (۱)

حضرت زید بن حارثہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے انتقام کے لیے آنحضرت ﷺ نے ایام مرض ہی میں فوج تیار کی اور اپنے دست مبارک سے جھنڈا تیار کیا۔ اور حضرت زید کے صاحب زادے حضرت اسامہ کو اس فوج کا سردار مقرر کر کے حکم دیا کہ مقام ابنیٰ میں پہنچ کر رومیوں سے جہاد کرو۔ حضور علیہ السلام کے ایام مرض ہی میں حضرت فیروز دیلمی نے اسود عنسی مدعی نبوت کو قتل کر ڈالا۔ حضور نے مدینہ میں اس حال کی خبر دی اور فرمایا فاز فیروز۔ (فیروز کامیاب ہو گیا) وفات شریف سے پہلے جو پنج شنبہ تھا اس میں قصہ قرطاس وقوع میں آیا جس کو فقیر نے ''تحفہ شیعہ'' میں بالتفصیل لکھا ہے۔ اسی روز حضور نے اپنے اصحاب کرام کو تین چیزوں کی وصیت فرمائی۔

۱- مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔

۲- ملوک و امرا کے ایلچی جو تمہارے پاس آیا کریں۔ ان کو جائزہ و انعام دیا کرنا جیسا کہ میں دیا کرتا تھا۔

تیسری چیز کا ذکر حضور نے نہ فرمایا۔ یا راوی (سلیمان احول) بھول گیا (۲) اسی روز حضور نے حضرت صدیق اکبر کو اپنا خلیفہ نماز مقرر فرمایا۔ اور وہ وفات شریف تک نماز پڑھاتے رہے۔ چھ یا سات دینار جو حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تھے۔ وہ بھی حضور نے ایام مرض میں تقسیم فرما

دیئے اور کچھ باقی نہ چھوڑا (۳)۔ وفات شریف کا وقت عین قریب آ پہنچا تو آپ اکثر یوں وصیت فرماتے تھے:

اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ''نماز اور غلام''

جب روح پاک نے جسم اطہر سے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کی تو الفاظ اللھم فی الرفیق الا علیٰ زبان مبارک پر تھے۔

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کا وصال شریف دوشنبہ کے دن دوپہر ڈھلے ہوا۔ وصال شریف کے بعد زمین تاریک ہوگئی۔ اس صدمہ سے صحابہ کرام کا جو حال ہوا وہ بیان نہیں ہوسکتا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت عباسؓ و فضل بن عباس حضور کے پہلو بدلنے میں حضرت علی المرتضیٰ کی مدد کررہے تھے۔ اور قثم بن عباس اور اسامہ اور حضور کا غلام شقران پانی ڈال رہے تھے۔ سوائے حضرت علی کے باقی سب آنکھوں پر رومال باندھے ہوئے تھے۔ تاکہ جسد شریف پر نظر نہ پڑے۔ حضور کے کفن میں تین سوتی کپڑے سحول کے بنے ہوئے تھے۔ جن میں قمیص و عمامہ نہ تھا۔

شب چہارشنبہ میں حضور کو دفن کیا گیا۔ تاخیر کی وجہ کئی امور تھے۔ چنانچہ مہاجرین و انصار میں بیعت کے بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اس اختلاف کا فیصلہ ہوتے ہی اس امر میں اختلاف آراء ہوا کہ حضور کو کہاں دفن کیا جائے؟ قبر شریف میں لحد چاہیے یا شق۔ آخر کار حضرت ابوطلحہ انصاری نے لحد کھودی۔ نماز جنازہ حجرہ شریف کے اندر ہی بغیر امامت الگ الگ پڑھی گئی۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے، پھر غلاموں نے نماز پڑھی۔ بعد ازاں حضور کو بالاتفاق حجرہ شریف ہی میں جہاں وصال شریف ہوا تھا دفن کردیا گیا۔ بنا بر قول اصح حضرت عباس و علی و قثم و فضل قبر شریف میں اترے۔ لحد کی اینٹیں کچی تھیں ہی حضرت قثم سب سے اخیر میں قبر مبارک سے نکلے۔

حضور نے بطور میراث کچھ نہیں چھوڑا جو کچھ آپ نے چھوڑا وہ صدقہ وقف تھا۔ اور اس کا مصرف وہی تھا۔ جو آپ کی حیات شریف میں تھا۔ چنانچہ آپ کا ارشاد مبارک ہے:

لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ

''ہم (انبیاء) کسی کو وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ و وقف ہے۔''

(بخاری شریف کتاب الجہاد)

حضرت عمرو بن حارث سے جو ام المومنین جویریہ کے بھائی تھے یوں روایت ہے:

مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَّلَا عَبْدًا وَّلَا اَمَةً وَّلَا شَیْئًا اِلَّا بَغْلَةَ الْبَیْضَآءَ وَ سِلَاحَه وَاَرْضًا جَعَلَھَا صَدَقَةً۔ (بخاری: کتاب الوصایا)

"رسول اللہ ﷺ نے اپنی موت کے وقت نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم، نہ غلام، نہ لونڈی نہ کچھ اور مگر اپنا سفید خچر اور اپنا ہتھیار اور کچھ زمین جسے آپ نے صدقہ و وقف بنا دیا۔"

ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس طرح ہے:

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلَا بَعِيْرًا وَّلَا شَاةً۔

"رسول اللہ ﷺ نے کوئی دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری۔"

روایات مذکورہ بالا سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متروکات میں ایک سفید خچر (دلدل) کچھ ہتھیار اور زمین (اموال بنونضیر و خیبر و فدک) تھی حضور کے ارشاد مبارک کے مطابق ان میں سے کسی میں قاعدۂ ارث جاری نہیں ہوا۔ اسی واسطے دلدل اور ذوالفقار دونوں حضرت علی مرتضٰی کے پاس تھے۔ ورنہ بجائے علی کے حضرت عباس و فاطمہ زہرا اور ازواج مطہرات حقدار تھیں۔ اموال بنونضیر وغیرہ پر رسول اللہ ﷺ کا قبضہ مالکانہ نہ تھا بلکہ متولیانہ تھا ابوداؤد میں مالک بن اوس کی روایت میں حضرت عمر بن خطاب کا قول ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں تین صفایا تھیں ایک اموال بنونضیر۔ دوسرے خیبر۔ تیسرے فدک۔ اموال بنونضیر آپ کے حوادث و حوائج کے لیے محبوس و موقوف تھے۔ فدک مسافروں کے لیے مخصوص تھا۔ خیبر کی آمدنی کے آپ نے تین حصے کیے تھے۔ دو حصے مسلمانوں کے لیے اور ایک حصہ اپنی ازواج مطہرات کے لیے مقرر کر دیا تھا۔ اپنے اہل کے نفقہ میں سے جو کچھ بچ رہتا۔ وہ آپ فقراء و مہاجرین میں تقسیم فرما دیتے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد یہ جائدادیں بحیثیت وقف حضرت صدیق اکبر کے زیر اہتمام رہیں۔ انہوں نے ان میں رسول اللہ ﷺ کی طرح تصرف کیا۔ حضرت صدیق اکبر کے بعد حضرت عمر فاروق ان پر اسی حیثیت سے دو سال قابض رہے پھر حضرت عباس و علی کے اصرار پر مال بنونضیر ان دونوں کی تولیت میں کر دیا۔ اور خیبر و فدک کو اپنی تحویل میں رکھا کچھ دنوں کے بعد تولیت و تصرف میں شرکت حضرت عباس پر ناگوار گذری۔ وہ چاہنے لگے کہ تولیت میں تقسیم ہو جائے۔ تاکہ ہر ایک اپنے حصہ کے تصرف میں مستقل بن جائے۔ حضرت علی مرتضٰی مانع ہوئے۔ اس لیے فیصلہ کے لیے دونوں دربارِ فاروقی میں حاضر ہوئے۔ مگر حضرت فاروق نے تقسیم تولیت سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں حضرت علی نے حضرت عباس پر غلبہ پا کر مال بنونضیر کو اپنے تصرف میں کر لیا۔ حضرت علی کے بعد حسن بن علی اور پھر حسین بن علی کے ہاتھ میں رہا۔ امام حسین کے بعد علی بن حسین اور حسن بن حسن دونوں کے ہاتھ میں رہا۔ دونوں نوبت بہ نوبت اس میں تصرف کرتے تھے۔ پھر زید بن حسن کے ہاتھ میں آیا۔ (صحیح بخاری)

حضرت عمر فاروق کے بعد خیبر و فدک بحیثیت وقف عام حضرت عثمان غنی و علی المرتضٰی کے تصرف

میں رہے۔ جب ۴۰ھ میں حضرت معاویہ کی امارت پر اجماع ہوگیا تو آپ نے فدک مروان حاکم مدینہ کو دے دیا۔ شاید بدیں تاویل کے جوامر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہو وہی آپ کے خلیفہ کے لیے ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت معاویہ کو خود تو ضرورت نہ تھی۔ لہٰذا اپنے بعض اقرباء کے ساتھ سلوک کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ آخرالامر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنی خلافت میں فدک کو اسی حالت پر بحال کر دیا۔ جس پر وہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد میں تھا۔ (طبقات ابن سعد) مزید تفصیل کے لیے تحفہ شیعہ مؤلفہ خاکسار دیکھو۔

متروکات مذکورہ بالا کے سوا اور اشیاء بھی تھیں۔ جو بطور تبرک مختلف اشخاص کے پاس تھیں۔ ان کا ذکر آثار شریفہ میں آئے گا۔ ان شآء اللہ تعالیٰ۔

ارباب سیر نے آنحضرت ﷺ کے گھوڑوں اور خچروں، دراز گوشوں، اونٹوں اور بکریوں کی جو لمبی فہرست دی ہے۔ وہ آپ کے ہاں مختلف اوقات میں موجود تھے۔ مگر وفات شریف سے پہلے ہی آپ نے ان کو حسب عادت شریف ہبہ یا خیرات کر دیا تھا۔ وفات شریف کے وقت صرف ایک سفید خچر یعنی دلدل باقی تھا جیسا کہ روایات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔

حلیہ شریف: آنحضرت ﷺ کے حلیہ شریف کے بیان میں عرض مدعا سے پیشتر قارئین کرام کی آگاہی کے لیے امور ذیل کا بتا دینا ضروری ہے۔

۱۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ کمال خلق کی طرح کمال خلقت میں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو حضور کا مثل پیدا نہیں کیا اور نہ کرے گا۔

لَمْ يَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ ۔ اَبَدًا وَّ عِلْمِيْ اَنَّهٗ لَا يَخْلُقُ

"نہیں پیدا کیا اللہ نے مثل محمد کا کبھی اور مجھے یقین ہے کہ وہ نہ پیدا کرے گا۔"

۲۔ جن بزرگوں نے حضور ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کیا ہے۔ انہوں نے اگرچہ حضور کے اوصاف کے بیان میں حسب طاقت بشری ابلغ انواع و اکمل قوانین فصاحت سے کام لیا ہے۔ مگر غایت جسے وہ پہنچے ہیں یہی ہے کہ انہوں نے حضور کی صفات کی ایک جھلک کا ادراک کیا ہے۔ اور حقیقت وصف کے ادراک سے عاجز رہ گئے خلاصہ یہ ہے کہ وہ صورت وصف کو پیش کر سکتے ہیں نہ حقیقت وصف کو۔

کیوں کہ حقیقت وصف حضور کو خالق بے چوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ امام بوصیری قصیدہ ہمزیہ میں فرماتے ہیں۔ (۴)

اِنَّمَا مَثَّلُوْا صِفَاتَكَ لِلنَّاسِ ۔ كَمَا مَثَّلَ النُّجُوْمَ الْمَآءُ

''انہوں نے صرف صورت دکھائی ہے تیری صفات کی لوگوں کو جیسا پانی صورت دکھا دیتا ہے ستاروں کی۔''

امام قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) نے کتاب الصلوٰۃ میں کسی عارف کا کیا اچھا قول (۵) نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کامل حسن ہمارے لیے ظاہر نہیں ہوا۔ کیوں کہ اگر ظاہر ہو جاتا تو ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی تاب نہ لا سکتیں۔

۳۔ حضور کے اوصاف کے بیان میں جو تشبیہات وارد ہوئی ہیں۔ وہ صرف لوگوں کے سمجھانے کے لیے حسب عرف و عادات شعراء استعمال ہوئی ہیں۔ کیوں کہ حقیقت میں مخلوقات میں سے کوئی شے آپ کی صفات خَلقیہ و خُلقیہ کے مماثل و معادل نہیں۔

۴۔ اعضائے شریف میں توسط و اعتدال جو حسن و جمال کا مدار اور فضل و کمال کا منبیٰ ہے۔ بطور کلیہ ہر جگہ ملحوظ ہے۔ **اللھم صل وسلم و بارك علیٰ سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و اصحب سیدنا محمد بقدر حسنه و جماله و کماله کلما ذکرك و ذکره الذاکرون و غفل عن ذکرك و ذکره الغافلون۔**

حضور اقدس ﷺ کا روئے مبارک جو جمال الٰہی کا آئینہ اور انوار تجلی کا مظہر تھا۔ پُر روئے مبارک۔ گوشت اور کسی قدر گول تھا۔ اسی روئے مبارک کو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ دیکھتے ہی پکار اٹھے تھے۔

وَجْهُهُ لَيْسَ بِوَجْهِ الْكَذَّابِ۔ ''ان کا چہرہ دروغ گو کا چہرہ نہیں۔''

اور ایمان لائے تھے۔(۶)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بڑھ کر خوبرو اور خوش خو تھے (۷) حضرت ہند (۸) بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ آپ کا چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا تھا۔ (۹) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا۔ آپ سرخ دھاری دار (۱۰) حلہ پہنے ہوئے تھے میں کبھی چاند کی طرف دیکھتا اور کبھی آپ کی طرف بے شک میرے نزدیک آپ چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔ (۱۱)

ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے کہ میں سحر کے وقت سی رہی تھی۔ مجھ سے سوئی گر پڑی میں نے ہر چند تلاش کی۔ مگر نہ ملی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ کے روئے مبارک کے نور کی شعاع میں وہ سوئی نظر آئی۔ میں نے یہ ماجراء آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: ''اے حمیرا (۱۲) سختی و عذاب ہے (تین دفعہ فرمایا) اس شخص کے لیے جو

میرے چہرے کی طرف دیکھنے سے محروم کیا گیا''۔

حافظ ابونعیم (متوفی ۴۳۰ھ) نے بروایت عبادہ بن عبدالصمد نقل کیا ہے کہ اس نے کہا۔ کہ ہم حضرت انس بن مالک کے ہاں آئے۔ آپ نے کنیز سے کہا۔ کہ دستر خوان لا۔ تاکہ ہم چاشت کا کھانا کھائیں۔ وہ لے آئی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ رومال لا۔ وہ ایک میلا رومال لائی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تنور گرم کر۔ اس نے تنور گرم کیا۔ پھر آپ کے حکم سے رومال اس میں ڈال دیا گیا۔ وہ ایسا سفید نکلا گویا کہ دودھ ہے۔ ہم نے حضرت انس سے پوچھا۔ کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: کہ یہ وہ رومال ہے جس سے رسول اللہ ﷺ اپنے روئے مبارک کو مسح فرمایا کرتے تھے جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو اسے ہم یوں صاف کر لیتے ہیں۔ کیوں کہ آگ اس شے پر اثر نہیں کرتی جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے روئے مبارک پر سے گزری (۱۳) ہو کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

ہر چہ اسباب جمال است رخِ خوب ترا ہمہ بر وجہ کمال است کمالا تیغے

چشم مبارک: آپ کی مبارک آنکھیں (۱۴) بڑی اور قدرت الٰہی سے سرگیں اور پلکیں دراز تھیں۔ آنکھوں کی سفیدی میں باریک سرخ ڈورے تھے۔ کتب سابقہ میں یہ بھی آپ کی علامت نبوت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ نے ۲۵ سال کی عمر شریف میں خدیجۃ الکبریٰ کی طرف سے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے لیے ملک شام کا سفر کیا۔ اور بصریٰ میں نسطور راہب کے عبادت خانہ کے قریب ایک درخت کے نیچے اترے تو راہب مذکور نے میسرہ سے حضور کی نسبت یہ سوال کیا: ''کیا (۱۵) ان کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے؟'' میسرہ نے جواب دیا۔ ہاں اور وہ سرخی آپ سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے بصر شریف کا وصف قرآن مجید میں یوں مذکور فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی (۱۶)۔ (سورہ نجم) یعنی شب معراج میں آپ کی آنکھ مبارک نے ان آیات کو دیکھنے سے عدول و تجاوز نہ کیا۔ کہ جن کے دیکھنے کے لیے آپ مامور تھے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ آپ کو ایسی غایت درجہ کی قوت بصارت عطا ہوئی تھی۔ کہ آپ جس شے کو دیکھتے خواہ وہ غایت درجہ خفا میں ہوا سے یوں ادراک فرماتے تھے کہ جس طرح وہ واقع اور نفس الامر میں ہوا کرتی (۱۷)۔

امام بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) نے بروایت (۱۸) ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اندھیری رات میں روشن دن کی طرح دیکھتے تھے۔ حدیث صحیح (۱۹) میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ مجھ سے تمہارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں۔ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے دیکھتا ہوں۔ امام مجاہد (متوفی ۱۰۴ھ) نے الذی (۲۰) یراك حین تقوم و تقلبك فی السّٰجدین (شعراء ع ۱۱) کی تفسیر

میں فرمایا ہے کہ(۲۱) رسول اللہ ﷺ نماز میں پچھلی صفوں کو یوں دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے سامنے والوں کو۔احادیث مبارک بالا میں رویت سے مراد رویت عینی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو بطور خرق عادت عطا فرمائی تھی۔ جس طرح باری تعالیٰ نے آپ کے قلب شریف کو معقولات کے ادراک میں احاطہ اور وسعت بخشی تھی۔ اسی طرح آپ کے حواس لطیف کو محسوسات کے احساس میں توسیع عنایت فرمائی تھی۔ آپ کا فرشتوں اور شیاطین کو دیکھنا اور شب معراج کی صبح کو مکہ مشرفہ میں قریش کے آگے بیت المقدس کو دیکھ کر اس کا حال بیان فرمانا اور مسجد نبوی کے بننے کے وقت آپ کا مدینہ منورہ سے کعبہ مشرفہ کو دیکھنا زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھ لینا اور حضرت جعفر طیار کو شہادت کے بعد بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھنا۔ یہ تمام امور آپ کی قوت بینائی پر دلالت کرتے ہیں۔

غزوہ احزاب میں خندق کھودتے وقت ایک سخت پتھر حائل ہو گیا تھا جسے حضور نے کدال کی تین ضربوں سے اڑا دیا۔ پہلی ضرب پر فرمایا۔ کہ میں یہاں سے شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔ دوسری ضرب پر فرمایا کہ میں یہاں سے کسریٰ کا سفید محل دیکھ رہا ہوں تیسری ضرب پر فرمایا کہ اس وقت میں یہاں سے ابواب صنعاء کو دیکھ رہا ہوں (۲۲) اسی طرح جب غزوہ موتہ میں حضرات زید بن حارث و جعفر بن ابی طالب و عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ میں ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بیان فرما رہے تھے۔

ابروئے مبارک: آپ کی بھویں دراز و باریک تھیں۔ اور درمیان میں دونوں اس قدر متصل تھیں۔ کہ دور سے ملی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت حرکت میں آجاتی اور خون سے بھر جاتی۔

بینی مبارک: آپ کی ناک مبارک خوبصورت اور دراز تھی اور درمیان میں ابھراؤ اور بن بینی (۲۳) (عرنین) پر ایک نور درخشاں تھا جو شخص بغور تامل نہ کرتا اسے معلوم ہوتا کہ بلند ہے۔ حالانکہ بلند نہ تھی۔ بلند تو وہ نور تھا جو اسے گھیرے ہوئے تھا۔

پیشانی مبارک: آپ کی پیشانی مبارک کشادہ تھی۔ اور چراغ کی مانند چمکتی تھی۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَتٰی یَبْدُ فِی اللَّیْلِ الْبَهِیْمِ جَبِیْنُهٗ بَلَجَ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَی الْمُتَوَقِّدِ

"جب اندھیری رات میں آپ کی پیشانی ظاہر ہوتی تو تاریکی کے روشن چراغ کی مانند چمکتی"۔

گوش مبارک: آپ کے ہر دو گوش مبارک کامل و تام تھے۔ قوت بصر کی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت سمع بھی بطریق خرق عادت غایت درجہ کی عطا کی تھی۔ اسی واسطے آپ صحابہ

کرام سے فرماتے کہ میں جو دیکھتا ہوں (۲۴) تم نہیں دیکھ سکتے۔ اور میں جو سنتا ہوں تم نہیں سن سکتے میں تو آسمان کی آواز بھی سن لیتا ہوں۔

آواز آسمان کی طرح آنحضرت ﷺ آسمان کے دروازے کے کھلنے کی آواز بھی سن لیتے تھے۔ چنانچہ ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ کہ ناگاہ حضور نے اپنے اوپر کی طرف سے ایک آواز سنی۔ آپ نے سر مبارک اٹھایا۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے۔ جو آج ہی کھلا ہے۔ آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔ الحدیث (۲۵)

دہانِ مبارک: منہ مبارک فراخ، رخسار مبارک ہموار، دندان ہائے پیشین کشادہ اور روشن و تاباں جب آپ کلام فرماتے۔ تو دندان ہائے پیشین میں سے نور نکلتا دکھائی دیتا تھا۔

بزار (متوفی ۲۹۲ھ) و بیہقی نے بروایت ابو ہریرہ نقل کیا ہے کہ جب آپ ضحک (۲۶) فرماتے تو دیواریں روشن ہو جاتیں۔ آپ کو کبھی (۲۷) جمائی نہیں آئی۔

حضرت عمیرہ بنت مسعود انصاریہ روایت کرتی ہیں۔ کہ میں اور میری پانچ بہنیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ قدید (خشک کیا ہوا گوشت) کھا رہے تھے۔ آپ نے چبا کر ایک ٹکڑا ان کو دیا۔ انہوں نے بانٹ کر کھا لیا۔ مرتے دم تک ان میں سے کسی کے منہ میں بوئے ناخوش پیدا نہ ہوئی اور نہ کوئی منہ کی بیماری (۲۸) ہوئی۔

غزوہ خیبر (۲۹) کے روز حضرت سلمہ بن الاکوع کی پنڈلی میں ایسی ضرب شدید لگی۔ کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ شہید ہو گئے حضور نے تین بار اس پر دم کر دیا۔ (۳۰) پھر پنڈلی میں کبھی درد نہ ہوا۔

ایک روز ایک بدزبان عورت آپ کی خدمت میں آئی۔ آپ قدید تناول فرما رہے تھے۔ اس نے سوال کیا کہ مجھے بھی دیجئے۔ آپ نے جو قدید سامنے پڑا ہوا تھا اس میں سے دیا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ اپنے منہ میں سے دیجئے۔ آپ نے منہ سے نکال کر اسے دیا۔ وہ کھا گئی اس روز سے فحش اور کلام قبیح اس سے سننے میں نہ آیا۔ (۳۱)

مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ بے شمار پیش گوئیاں اور دعوات جو پوری اور قبول ہوئی۔ وہ اسی منہ مبارک سے نکلی ہوئی تھیں۔

یوم حدیبیہ میں چاہ حدیبیہ کا تمام پانی لشکر اسلام نے (جو بقول حضرت براء بن عازب چودہ سو تھے) نکال لیا۔ اس میں ایک قطرہ بھی نہ رہا۔ آنحضرت ﷺ نے پانی کا ایک برتن طلب فرمایا۔ اور وضو کر کے پانی کی ایک کلی کوئیں میں ڈال دی۔ اور فرمایا کہ ذرا ٹھہرو۔ اس کوئیں میں اس قدر پانی جمع ہو گیا کہ حدیبیہ میں قریباً بیس روز قیام رہا۔ تمام فوج اور ان کے اونٹ اسی سے سیراب ہوتے رہے۔ (۳۲)

لعاب دہن مبارک: حضور کے منہ مبارک کا لعاب زخمی اور بیماروں کے لیے شفاء تھا چنانچہ فتح خیبر کے دن آپ نے اپنا لعاب دہن حضرت علی المرتضٰی کی آنکھوں میں ڈال دیا۔ تو وہ فوراً تندرست ہو گئے گویا دردِ چشم کبھی ہوا ہی نہ تھا۔

غارِ ثور میں حضرت صدیق اکبر کے پاؤں کو کسی چیز نے کاٹ کھایا۔ حضور نے اپنا لعاب دہن زخم پر لگایا اسی وقت درد جاتا رہا۔

حضرت رفاعہ بن رافع کا بیان ہے کہ بدر کے دن میری آنکھوں میں تیر لگا اور پھوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور دعا فرمائی۔ پس مجھے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی اور آنکھ بالکل درست ہو گئی۔ (۳۳)

حضرت محمد بن حاطب کے ہاتھ پر ہنڈیا گر پڑی اور وہ جل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اس پر ڈالا اور دعا کی۔ وہ ہاتھ چنگا ہو گیا۔

حضرت عمرو بن معاذ بن جموح انصاری کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا۔ وہ اچھا ہو گیا (۳۴) حضرت ابو قتادہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ غزوہ ذی قرد (محرم ۷ھ) میں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے چہرے میں یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک تیر لگا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ نزدیک آؤ میں نزدیک ہوا تو آپ نے اس پر لعاب دہن لگا دیا۔ اس روز سے مجھے کبھی تیر و تلوار نہیں لگی۔ اور نہ خون نکلا۔ (۳۵)

ایک دفعہ حضور کے پاس پانی کا ڈول لایا گیا۔ آپ نے اس میں سے پیا۔ پس خوردہ کوئیں میں ڈال دیا گیا۔ پس اس میں سے کستوری کی سی خوشبو نکلی۔ آپ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک کنواں تھا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن اس میں ڈال دیا۔ اس کا پانی ایسا شیریں ہو گیا کہ تمام مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر میٹھا کوئی کنواں نہ تھا۔

عاشورہ کے روز حضور بچوں کو بلا کر ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیتے اور ان کی ماؤں سے فرما دیتے کہ شام تک ان کو دودھ نہ دینا۔ پس وہی لعاب دہن ان کو کافی ہوتا۔ (۳۶)

حضرت عامر بن کریز قریشی عبشمی اپنے صاحب زادے عبداللہ کو بچپن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے حضور عبداللہ کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالنے لگے اور وہ اسے نگلنے لگے۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ یہ مسقی (سیراب) ہے حضرت عبداللہ جب کسی زمین (یا پتھر) میں شگاف کرتے تو پانی نکل آیا کرتا۔ (۳۷)

عتبہ بن فرقد جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں موصل کو فتح کیا ان کی بیوی ام عاصم

بیان کرتی ہے۔ کہ عتبہ کے ہاں ہم چار عورتیں تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک خوشبو لگانے میں کوشش کرتی تھی تاکہ دوسری سے اطیب ہو۔ اور عتبہ کوئی خوشبو نہ لگاتا تھا۔ مگر اپنے ہاتھ سے تیل مل کر ڈاڑھی کو مل لیتا تھا۔ اور ہم سب سے زیادہ خوشبودار تھا۔ جب وہ باہر نکلتا تو لوگ کہتے کہ ہم نے عتبہ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو نہیں سونگھی ایک دن میں نے اس سے پوچھا۔ کہ ہم استعمال خوشبو میں کوشش کرتی ہیں۔ اور تو ہم سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں میرے بدن پر آبلہ ریزے نمودار ہوئے میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس بیماری کی شکایت کی آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ کپڑے اتار دو۔ میں نے کپڑے اتار دیئے۔ اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اپنا لعاب مبارک اپنے دست مبارک پر ڈال کر میری پیٹھ اور پیٹ پر مل دیا۔ اس دن سے مجھ میں یہ خوشبو پیدا ہو گئی۔ اس حدیث کو طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ) نے اوسط میں روایت کیا ہے۔

زبان مبارک: آپ افصح الخلق تھے۔ اور فصاحت میں خارق عادت حد کو پہنچے ہوئے تھے آپ کے جوامع کلم، بدائع حکم، امثال سائرہ، درمنثورہ، قضایائے محکمہ، وصایائے مبرمہ اور مواعظ و مکاتیب و مناشیر مشہور آفاق ہیں۔ ان کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام تمہارے کلام کی مانند نہ تھا کہ بوجہ عجلت سامع پر ملتبس ہو۔ بلکہ آپ کا کلام واضح اور مبین ایسا تھا۔ کہ پاس بیٹھنے والا اسے یاد کر لیتا (۳۸) حضرت ام معبد نے جو آپ کا حلیہ شریف بیان کیا ہے۔ اس میں یوں ہے (آپ کا کلام (۳۹) شیریں۔ حق و باطل میں فرق کرنے والا، نہ حد سے کم نہ حد سے زیادہ۔ گویا آپ کا کلام لڑی کے موتی ہیں جو گر رہے ہیں"۔

حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت ﷺ کی حیات شریف میں صحابہ کرام میں سے کوئی اصم یعنی بہرا نہ تھا۔ اور یہ آپ کی کرامات میں سے ہے کیوں کہ آپ ان کے لیے احکام الٰہی کے مبلغ تھے۔ اور بہراپن اس کام کے سہولت کے ساتھ ہونے سے مانع ہوتا ہے۔ برعکس نابینائی کے کہ وہ مانع نہیں ہوتی۔ (۴۰)

آواز مبارک: تمام انبیائے کرام خوبرو اور خوش آواز تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ ان سب سے زیادہ خوبرو (۴۱) اور خوش آواز تھے۔ آپ کی آواز میں ذرا گرانی پائی جاتی تھی۔ جو اوصاف حمیدہ میں شمار ہوتی ہے۔ خوش آواز ہونے کے علاوہ آپ بلند آواز اتنے تھے کہ جہاں تک آپ کی آواز شریف پہنچتی اور کسی کی آواز نہ پہنچتی تھی۔ بالخصوص خطبوں میں آپ کی آواز شریف گھروں میں پردہ نشین عورتوں تک پہنچ جاتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا۔ کہ خطبہ سننے کے لیے بیٹھ جاؤ۔ اس آواز کو

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جو شہر مدینہ میں قبیلہ بنی غنم میں تھے سن لیا۔ اور ارشاد نبوی کی تعمیل میں وہیں اپنے مکان میں دوزانو ہو بیٹھے (۴۲) حضرت عبدالرحمن بن معاذ فرماتے ہیں کہ حضور نے منیٰ میں خطبہ پڑھا۔ جس سے ہمارے کان کھل گئے یہاں تک کہ ہم اپنی اپنی جگہ پر آپ کا کلام مبارک سنتے تھے۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں۔ کہ ہم آدھی رات کے وقت حضور کی قرأت سنا کرتے تھے۔ حالانکہ میں مکان کے اندر چارپائی پر ہوا کرتی تھی۔

خندہ وگریہ مبارک: حضور اقدس ﷺ عموماً تبسم فرمایا کرتے تھے۔ تبسم مبادی ضحک سے ہے اور ضحک کے معنی چہرہ کا انبساط ہے۔ یہاں تک کہ خوشی سے دانت ظاہر ہو جائیں۔ اگر آواز کے ساتھ ہو۔ اور دور سے سنا جائے۔ اسے قہقہہ کہتے ہیں۔ اگر آواز تو ہو۔ اور دور سے نہ سنا جائے تو ضحک کہتے ہیں۔ اگر بالکل آواز نہ پائی جائے تو اسے تبسم بولتے ہیں پس یوں سمجھیے کہ حضور اکثر اوقات تبسم کی حد سے تجاوز نہ فرماتے۔ شاذ ونادر ضحک کی حد تک پہنچتے۔ کیوں کہ ضحک دل کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اور قہقہہ کبھی نہ مارتے کیوں کہ یہ مکروہ ہے۔

آپ کا گریہ شریف ضحک کی جنس سے تھا۔ کہ آواز بلند نہ ہوتی تھی۔ مگر آنسو مبارک آنکھوں سے گر پڑتے تھے۔ آپ کے سینہ شریف سے دیگ مسی کے جوش کی سی آواز سنی جاتی تھی۔ آپ کا گریہ مبارک صفت جلال الٰہی کی تجلی اور امت پر شفقت اور میت پر رحمت کے باعث ہوا کرتا اور اکثر قرآن شریف کے سننے سے اور کبھی کبھی نماز شب میں بھی ہوا کرتا۔ آپ نے انگڑائی کبھی نہیں لی۔

سر مبارک: سر مبارک بڑا تھا۔ یہ وہی سر مبارک ہے کہ جس پر قبل بعثت بطریق ارہاص وکرامت گرما میں بادل سایہ کیے رہتا تھا۔ چنانچہ جب آپ مائی حلیمہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے تو وہ آپ کو کسی دور جگہ نہ جانے دیتی تھیں۔ ایک روز وہ غافل ہو گئیں۔ اور حضور اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ دوپہر کے وقت مویشیوں میں تشریف لے گئے۔ مائی حلیمہ تلاش میں نکلیں۔ آپ کو شیماء کے ساتھ پایا۔ کہنے لگیں۔ ایسی تپش میں؟ شیما بولی "اماں جان! میرے بھائی نے تپش محسوس نہیں کی۔ میں نے دیکھا۔ کہ بادل آپ پر سایہ کرتا تھا۔ جب آپ ٹھہر جاتے تو بادل بھی ٹھہر جاتا۔ اور جب آپ چلتے تو وہ بھی چلتا۔ یہی حال رہا یہاں تک کہ ہم اس جگہ آ پہنچے ہیں" مائی حلیمہ نے پوچھا بیٹی! کیا یہ سچ ہے شیماء نے جواب دیا "ہاں خدا کی قسم (۴۳)" اس طرح جب آپ بارہ برس کی عمر شریف میں اپنے چچا ابوطالب اور دیگر شیوخ قریش کے ساتھ ملک شام میں تشریف لے گئے تو بحیرا راہب کے عبادت خانے کے قریب اترے۔ اس راہب نے آپ کو پہچان لیا۔ اور کھانہ تیار کر کے لایا۔ اور آپ کو بلوایا۔ پس آپ تشریف لائے۔ اور آپ پر بادل سایہ کیے تھا۔ (۴۴)

گردن مبارک: گردن مبارک کیا تھی گویا بت عاج کی گردن تھی۔ چاندی کی مانند صدف۔

دست مبارک: کف دست اور بازو مبارک پُر گوشت تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے کسی ریشم یا دیبا کو آپ کے کف مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ اور نہ کسی خوشبو کو آپ کی خوشبو سے بڑھ کر پایا۔ (۴۵)

جس شخص سے آپ مصافحہ کرتے اور دن بھر اپنے ہاتھ میں خوشبو پاتا۔ اور جس بچہ کے سر پر آپ اپنا دست مبارک رکھ دیتے اور خوشبو میں دوسرے بچوں سے ممتاز ہوتا۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی۔ پھر آپ اپنے اہل خانہ کی طرف نکلے میں بھی آپ کے ساتھ نکلا۔ بچے آپ کے سامنے آئے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخسار کو اپنے ہاتھ مبارک سے مسح فرمانے لگے۔ میرے رخسار کو بھی آپ نے مسح فرمایا۔ پس میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک یا خوشبو ایسی پائی۔ کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ عطار کے صندوقچہ سے نکالا تھا۔ (۴۶)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب میں رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کرتا تھا۔ یا میرا بدن آپ کے بدن سے مس کرتا تو میں اس کا اثر بعد ازاں اپنے ہاتھ میں پاتا۔ اور میرا ہاتھ کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا۔ حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک میری طرف بڑھایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برف سے ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔ (۴۷)

حضور کا ہاتھ وہ مبارک ہاتھ تھا۔ کہ ایک مشت خاکِ کفار پر پھینک دی (۴۸) اور ان کو شکست ہوئی۔ یہ وہی دست کرم تھا کہ کبھی کوئی سائل آپ کے دروازے سے محروم نہیں پھرا۔ یہ وہی دست شفا تھا۔ کہ جس کے محض چھونے سے وہ بیماریاں جاتی رہیں کہ جن کے علاج سے اطباء عاجز ہیں۔ اسی مبارک ہاتھ میں سنگ ریزوں (۴۹) نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اسی مبارک ہاتھ کے اشارے سے فتح مکہ کے روز تین سو ساٹھ بت (۵۰) یکے بعد دیگرے منہ کے بل گر پڑے۔ اسی مبارک ہاتھ کی ایک انگلی کے اشارے سے چاند (۵۱) دو پارہ ہو گیا اسی مبارک ہاتھ کی انگلیوں سے (۵۲) متعدد دفعہ چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا۔

آنحضرت ﷺ کے دست مبارک کی مزید برکات کی تشریح کے لیے ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت ابیض بن جمال کے چہرے پر داد تھا۔ جس سے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا ایک روز آنحضرت ﷺ نے ان کو بلایا۔ اور ان کے چہرے پر اپنا دست شفا پھیرا شام نہ ہونے پائی۔ کہ

داد کا کوئی نشان نہ رہا۔

۲۔ حضرت شرجیل جعفی کی ہتھیلی میں ایک گلٹی سی تھی جس کے سبب سے وہ تلوار کا قبضہ اور گھوڑے کی باگ نہیں پکڑ سکتے تھے۔ انہوں نے حضور علیہ السلام سے شکایت کی۔ آپ نے اپنی ہتھیلی سے اس گلٹی کو رگڑا۔ پس اس کا نشان تک نہ رہا۔

۳۔ ایک عورت اپنے لڑکے کو خدمت اقدس میں لائی اور عرض کیا۔ کہ اس کو جنون ہے حضور نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ لڑکے کو قے ہوئی۔ اور اس میں سے ایک کالے کتے کا پلا نکلا اور فوراً آرام ہو گیا۔

۴۔ جنگ احد میں حضرت قتادہ کی آنکھ کو صدمہ پہنچا اور ڈیلا رخسار پر آپڑا تجویز ہوئی کہ کاٹ دیا جائے۔ حضور سے دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو اور انہیں بلا کر اپنے دست مبارک سے ڈیلے کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ آنکھ فوراً ایسی درست ہو گئی۔ کہ کوئی یہ نہ بتا سکتا تھا کہ دونوں میں سے کس آنکھ کو صدمہ پہنچا تھا۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عتیک جب ابو رافع یہودی کو قتل کر کے اس کے گھر سے نکلے تو زینے سے گر کر ان کی ساق ٹوٹ گئی۔ انہوں نے اپنے عمامہ سے باندھ لی جب آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ کہ پاؤں پھیلاؤ حضرت عبداللہ نے پاؤں پھیلایا۔ حضور نے اس پر اپنا دست شفا پھیرا۔ اسی وقت ایسی تندرست ہو گئی۔ کہ گویا کبھی وہ ٹوٹی ہی نہ تھی۔

۶۔ حضرت عائذ بن سعید جسری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! آپ میرے چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیجئے اور دعائے برکت فرمایئے۔ حضور انور نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت سے حضرت عائذ کا چہرہ تر و تازہ اور نورانی رہا کرتا تھا۔

۷۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن و عبداللہ پسران عبد کے لیے دعائے برکت فرمائی۔ اور دونوں کے سروں پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ وہ دونوں جب سر منڈایا کرتے۔ تو جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے مبارک ہاتھ رکھا تھا اس پر باقی حصے سے پہلے بال اگ آتے۔

۸۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب قرشی عدوی پیدا ہوئے تو نہایت ہی کوتاہ قد تھے۔ ان کے نانا حضرت ابولبابہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں لے گئے حضور نے تحسین کے بعد ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت فرمائی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن جب کسی قسم میں ہوتے تو قد میں سب سے بلند نظر آتے۔

۹۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت قتادہ بن ملحان قیسی کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ جب وہ عمر

رسیدہ ہو گئے تو ان کے تمام اعضاء پر کہنگی کے آثار نمایاں تھے۔ مگر چہرہ بدستور تر و تازہ تھا۔

۱۰۔ آنحضرت ﷺ نے قیس بن زید بن حباب جزامی کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت فرمائی حضرت قیس نے سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے سر کے بال سفید ہو گئے تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک کی جگہ کے بال سیاہ ہی رہے۔

۱۱۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی تو راستے میں ایک غلام چرواہے سے آپ نے دودھ طلب کیا۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میرے پاس کوئی دودھ دینے والی بکری نہیں۔ آپ نے ایک بکری پکڑ لی اور اس کے تھن پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اس کا دودھ دوہا۔ اور دونوں نے پیا غلام نے حضور سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں۔ یہ سن کر وہ ایمان لایا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے معبد کی بکری کے تھن پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور اس نے دودھ دیا۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آ چکا ہے۔

۱۲۔ حضرت مالک بن عمیر سلمی شاعر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ میں شاعر ہوں۔ آپ شعر کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے سر سینہ سے کندھے تک پیپ سے بھر جائے۔ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھرا ہوا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری خطا بطریق مسح دور کر دیجئے۔ یہ سن کر حضور نے میرے سر اور چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ پھر میرے جگر پر پھر پیٹ پر پھیرا۔ یہاں تک کہ میں حضور کے دست مبارک کے مبلغ سے شرمندہ ہوتا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت مالک بن عمیر بوڑھے ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کی سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے مگر سر اور ڈاڑھی میں حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک کی جگہ کے بال سفید نہ ہوئے۔

۱۳۔ حضرت مدلوک فزاری کا بیان ہے۔ کہ میرا آقا مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ میں اسلام لایا۔ تو حضور نے مجھے دعائے برکت دی۔ اور میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ میرے سر کا وہ حصہ جسے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے مس کیا تھا۔ سیاہ ہی رہا۔ باقی تمام تر سفید ہو گیا۔

۱۴۔ حضرت معاویہ بن ثور بن عبادہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے صاحب زادے بشر بن معاویہ ساتھ تھے حضرت معاویہ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! بشر کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیر دیجئے۔ چنانچہ حضور انور نے بشر کے چہرے کو مسح کیا حضور کے مسح کا نشان حضرت بشر کی پیشانی میں غرہ کی مانند تھا۔ اور وہ جس بیمار پر اپنا ہاتھ پھیر دیتے اچھا ہو جاتا۔ حضرت بشر کے صاحب زادے محمد بن بشر اس بات پر فخر کیا کرتے تھے۔ کہ میرے باپ کے سر پر

رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا تھا۔ چنانچہ یوں کہا کرتے تھے۔

وَ اَبِی الَّذِیْ مَسَحَ النَّبِیُّ بِرَاسِہٖ وَ دَعَا لَہٗ بِالْخَیْرِ وَالْبَرَکَاتِ

میرا باپ وہ ہے کہ پیغمبر خدا نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور ان کے لیے دعائے خیر و برکت فرمائی۔

۱۵- حضرت یزید بن قنافہ طائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اقرع (گنجے) تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اسی وقت بال اُگ آئے۔ اسی واسطے ان کا لقب ہلب (بسیار مو) ہو گیا ابن درید کا قول ہے کہ وہ اقرع تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی برکت سے افرع (مرد تمام مو) ہو گئے۔

۱۶- یسار بن ازیہر جہنی ذکر کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور مجھے دو چادریں پہنا دیں۔ اور ایک تلوار عطا فرمائی حضرت یسار کی صاحب زادی عمرہ کا بیان ہے کہ میرے باپ کے سر میں سفید بال نہ آئے یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی۔

۱۷- حضرت ابو زید بن اخطب انصاری خزرجی کے سر اور چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ سو سال سے زائد ان کی عمر ہو گئی مگر سر اور ڈاڑھی میں کوئی سفید بال نہ تھا۔

۱۸- حضرت ابو سنان عبدی صباحی کے چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا۔ ان کی عمر نوے برس ہو گئی۔ مگر چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا۔

۱۹- حضرت ابو غزوان حالت کفر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ابو غزوان آپ نے ان کے لیے سات بکریوں کا دودھ دوہا۔ اور وہ سب پی گئے۔ آپ نے ان کو دعوت اسلام دی۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ پھر آپ نے ان کے سینے پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیا۔ دوسرے روز صبح کے وقت ایک بکری دوہی گئی۔ وہ اس کا بھی تمام دودھ نہ پی سکے۔

۲۰- حضرت سہل بن رافع دو صاع کھجوریں بطور زکوٰۃ اور اپنی لڑکی عمیرہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ آپ میرے حق میں اور میری لڑکی کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ اور اس لڑکی کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیں۔ عمیرہ کا قول ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک مجھ پر رکھا۔ میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھ کی ٹھنڈک بعد میں میرے کلیجے پر رہی۔

۲۱- حضرت سائب بن یزید کا آزاد کردہ غلام عطاء بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت سائب کو دیکھا کہ

ان کی ڈاڑھی کے بال سفید تھے۔مگر سر کے بال سیاہ تھے۔میں نے پوچھا آقا! آپ کے سر کے بال سفید کیوں نہیں ہوتے؟ انہوں نے جواب دیا۔کہ ایک روز میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے لڑکوں کو سلام کیا۔ان میں سے میں نے سلام کا جواب دیا۔آپ نے مجھے بلایا اور اپنا مبارک ہاتھ میرے سر پر رکھ کر فرمایا "اللہ تجھ میں برکت دے" پس حضور کے دست مبارک کی جگہ پر سفید بال کبھی نہ آئیں گے۔

۲۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ایک روز رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔آپ نے فرمایا: لڑکے! کیا تیرے پاس دودھ ہے؟ میں نے کہا۔کہ ہاں۔لیکن میں امین ہوں۔آپ نے فرمایا کیا تیرے پس کوئی ایسی بکری ہے۔جس پر نر نہ کود ہوا؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔پس میں نے ایک بکری پیش کی جس کا تھن نہ تھا۔آپ نے تھن کی جگہ پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ناگاہ ایک دودھ بھرا تھن نمودار ہوا۔آپ نے دودھ دوہا اور حضرت ابو بکر اور مجھ کو پلایا۔پھر تھن سے ارشاد فرمایا کہ سکڑ جا۔پس وہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ پہلے تھا۔یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے تعلیم دیجئے۔آپ نے میرے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت دے کر فرمایا کہ تو تعلیم یافتہ لڑکا ہے۔پس میں اسلام لایا۔

۲۳۔ حضرت محمد بن انس بن فضالہ انصاری اوسی ذکر کرتے ہیں۔کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں تشریف لائے۔تو میں دو ہفتے کا تھا۔مجھے حضور کی خدمت میں لے گئے۔آپ نے میرے سر پر دست مبارک پھیرا۔اور دعائے برکت فرمائی۔اور ارشاد فرمایا۔کہ اس کا نام میرے نام پر رکھ مگر میری کنیت نہ رکھو۔ان کے صاحب زادے یونس کا قول ہے کہ میرے والد بوڑھے ہو گئے۔اور ان کے تمام بال سفید ہو گئے مگر سر کے بال جن پر دست مبارک پھرا تھا سفید نہ ہوئے۔

۲۴۔ حضرت عبادہ بن سعد بن عثمان زرقی کے سر پر آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی۔انہوں نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی اور کوئی بال سفید نہ ہوا۔

۲۵۔ حضرت بشر (یا بشیر) بن عقربہ جہنی کا بیان ہے کہ میرے والد مجھ کو رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں لے گئے۔حضور نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ میرا بیٹا بحیر ہے۔حضور نے مجھ سے فرمایا کہ نزدیک آؤ۔میں آپ کے دائیں ہاتھ بیٹھ گیا۔آپ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔اور مجھ سے پوچھا۔کہ تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا نام بحیر ہے۔ حضور نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارا نام بشیر ہے میری زبان میں لکنت تھی۔آپ نے میرے منہ میں اپنا

لعاب دہن ڈال دیا۔لکنت جاتی رہی۔میرے سر کے تمام بال سفید ہو گئے مگر جن بالوں پر حضور کا دست مبارک پھرا تھا وہ سیاہ ہی رہے۔

۲۶۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت خزیمہ بن عاصم عکلی کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ان کے چہرے پر پیری کے آثار نمودار نہ ہوئے۔یہاں تک کہ وفات پائی۔

۲۷۔ حضرت فراش بن عمرو کنانی لیثی اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دردسر کی شکایت کی۔حضور نے فراش کو اپنے سامنے بٹھایا۔اور ان کی آنکھوں کے درمیانی چمڑے کو پکڑ کر کھینچا۔آپ کی مبارک انگلیوں کی جگہ بال اگ آئے اور درد جاتا رہا۔انہوں نے حروراء کے دن خوارج کے ساتھ نکلنا چاہا۔ان کے والد نے ان کو کوٹھڑی میں بند کر دیا۔وہ بال گر گئے۔جب توبہ کی تو پھر اگ آئے۔

۲۸۔ حضرت عمرو بن تغلب کے چہرے اور سر پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا۔انہوں نے سو برس کی عمر میں وفات پائی۔مگر چہرے اور سر کے وہ بال جن کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک نے چھوا تھا سفید نہ ہوئے۔

۲۹۔ حضرت اسید بن ابی ایاس کنانی دئلی کے سینے پر حضور علیہ السلام نے اپنا دست مبارک رکھا۔اور چہرے پر پھیرا۔وہ تاریک گھر میں داخل ہوتے تو روشن ہو جاتا۔(۵۳)

۳۰۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے ہوا۔تو میری اماں ام سلیم نے خرما اور گھی اور پنیر سے حیس تیار کیا۔اور اسے ایک تور میں (۵۴) ڈال دیا۔ پھر کہا: انس! اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لے جاؤ وہاں عرض کرنا کہ یہ میری ماں نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔وہ سلام کہتی ہے اور عرض کرتی ہے کہ یا رسول اللہ یہ تھوڑا سا کھانا ہماری طرف سے آپ کے لیے ہے۔میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ماں نے جو کچھ کہا تھا عرض کر دیا حضور نے فرمایا کہ اس کو رکھ دو اور فلاں فلاں فلاں (تین شخصوں) کو بلا لاؤ اور جو اور ملیں ان کو بھی لے آؤ میں نے تعمیل ارشاد کی۔واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر اہل خانہ سے بھرا ہوا ہے حضور نے اپنا دست مبارک اس حیس پر رکھا اور دعائے برکت فرمائی۔پھر آپ حاضرین میں سے دس دس کو بلاتے رہے اور فرماتے رہے کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔اور ہر ایک اپنے سامنے سے کھائے۔ اس طرح ایک گروہ نکلتا اور دوسرا آ جاتا۔یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔حضور نے فرمایا: انس! اٹھاؤ میں نے اٹھا لیا میں یہ نہیں بتا سکتا کہ جب تور رکھا گیا تو اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب اٹھایا گیا بقول انس حاضرین کی تعداد تین سو تھی۔(۵۵)

۳۱۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو اس وقت حضرت سلمان فارسی ایک یہودی کے ہاں بطور غلام کام کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے انہوں نے یہودی سے اس امر پر مکاتبت کر لی۔ کہ وہ اس یہودی کو چالیس اوقیہ سونا ادا کریں۔ اور اس کے لیے کھجوروں کے تین سو پودے لگا کر پرورش کریں۔ یہاں تک کہ وہ بار آور ہوں۔ جب حضرت سلمان نے حضور کو یہ خبر دی تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ کہ سلمان کی مدد کرو۔ چنانچہ صحابہ کرام نے پودے دے دیئے۔ اور حضور نے اپنے مبارک ہاتھ سے ان کو لگایا وہ سب لگ گئے۔ اور اسی سال پھل لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ تین سو پودوں میں سے ایک کسی (۵۶) اور نے لگایا۔ وہ پھل نہ لایا تو حضور نے اسے اکھاڑ کر اپنے دست مبارک سے پھر لگا دیا۔ وہ بھی دوسروں کے ساتھ ہی پھل لایا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کسی کان سے مرغی کے انڈے کے برابر سونا آیا تھا۔ وہ آپ ﷺ نے سلمان کو عطا فرمایا سلمان نے عرض کیا کہ اس کو چالیس اوقیہ کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہی لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اسی کے ساتھ تمہارا قرض ادا کر دے گا۔ چنانچہ وہ لے گئے۔ اور اسی میں سے چالیس اوقیہ تول کر یہودی کو دے دیئے (۵۷) اس طرح حضرت سلمان فارسی آزاد ہو گئے۔

حضور اقدس ﷺ کی بغل شریف سفید تھی۔ اور اسے کسی قسم کی ناخوش بو نہ آتی تھی بلکہ کستوری کی مانند خوشبو آیا کرتی تھی۔

سینہ مبارک وقلب شریف: آپ کا سینہ مبارک کشادہ تھا۔ آپ کا قلب شریف پہلا قلب شریف ہے جس میں اسرار الٰہیہ اور معارف ربانیہ ودیعت رکھے گئے۔ کیوں کہ آپ بوجود صورت نوری سب سے پہلے پیدا کیے گئے۔ صدر معنوی کی شرح اور قلب اقدس کی وسعت کا بیان طاقت بشری سے خارج ہے۔ چار دفعہ فرشتوں نے آپ کے صدر مبارک کو شق کیا۔ اور قلب شریف کو نکال کر دھویا۔ اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا۔ اسی کی طرف اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے قرآن پاک میں یوں ارشاد فرماتا ہے: الم نشرح لك صدرك (کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا) یہی وجہ ہے کہ جو اسرار آپ کے قلب شریف کو عطا ہوئے وہ کسی اور مخلوق کو عطا نہیں ہوئے اور نہ کسی اور مخلوق کا قلب اس کا متحمل ہو سکتا تھا۔ حضور اقدس ﷺ اپنے قلب شریف کی نسبت یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ میری آنکھ سو جاتی ہے۔ مگر میرا دل نہیں سوتا۔ (۵۸)

شکم مبارک: آپ کے سواء البطن والصدر تھے یعنی آپ کا شکم اور سینہ مبارک ہموار و برابر تھے۔ نہ تو شکم سینہ سے اور نہ سینہ شکم سے بلند تھا۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ کے شکم مبارک کو دیکھا۔گویا کاغذ ہیں ایک دوسرے پر رکھے ہوئے اور تہ کیے ہوئے۔(۵۹)
حضور اقدس ﷺ کا بول و براز بلکہ تمام فضلات پاک تھے جیسا کہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔(۶۰)

پشت مبارک: آپ کی پشت مبارک ایسی صاف وسفید تھی۔کہ گویا پگھلائی ہوئی چاندی ہے(۶۱) ہر دو شانہ کے درمیان ایک نورانی گوشت کا ٹکڑا تھا جو بدن شریف کے باقی اجزاء سے ابھرا ہوا تھا۔اسے مہر نبوت یا خاتم نبوت کہتے تھے۔کتب سابقہ میں آپ کی علامات نبوت میں ایک یہ بھی مذکور تھی۔حلیہ مبارک بیان کرنے والوں نے اس کی ظاہری شکل وصورت کے بیان کرنے میں اسے کئی چیزوں (مثلاً بیضہ، کبوتر یا تکمہ چھپر کھٹ یا گرہ گوشت سرخ وغیرہ) سے تشبیہ دی ہے۔تاکہ لوگ سمجھ لیں۔سچ پوچھو تو یہ ایک عظیم اور نشان عجیب تھا جو آنحضرت ﷺ سے مختص تھا۔کہ جس کی حقیقت کو رب العزت کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

نبوت راتوائی آں نامہ درپشت   کہ از تعظیم دارد مہر برپشت

پائے مبارک: ہر دو پائے مبارک سطبر و پُر گوشت اور خوبصورت ایسے کہ کسی انسان کے نہ تھے اور نرم وصاف ایسے کہ ان پر پانی ذرا بھی نہ ٹھہرتا بلکہ فوراً گر جاتا۔ایڑیاں کم گوشت ہر دو ساق مبارک باریک وسفید ولطیف گویا شحم النخل (الف) یعنی کھجور کا گابھا ہیں۔جب آپ چلتے تو قدم مبارک کو قوت وتثبت اور وقار تواضع سے اٹھاتے۔جیسا کہ اہل ہمت وشجاعت کا قاعدہ (ب) ہے۔
حضرت ابو ہریرہ (ج) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چلنے میں میں نے آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔گویا آپ کے لیے زمین لپٹتی جاتی تھی۔ہم دوڑا کرتے اور تیز چلنے میں مشقت اٹھاتے۔اور آپ بآسانی و بے تکلف چلتے۔مگر پھر بھی سب سے آگے رہتے۔بعض دفعہ حضور ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ چلنے کا قصد فرماتے تو اس صورت میں اصحاب آپ کے آگے ہوتے۔اور آپ عمداً ان کے پیچھے ہوتے۔(د) اور فرماتے ہیں کہ میری پیٹھ فرشتوں کے لیے خالی چھوڑ دو۔(ر)
حضور کے پاؤں مبارک وہ قدم مبارک ہیں کہ جب آپ پتھر پر چلتے تو وہ نرم ہو جاتا (س) تاکہ آپ بآسانی اس پر گزر جائیں۔اور جب ریت پر چلتے تو اس میں پائے مبارک کا نشان نہ ہوتا۔یہ وہی قدم مبارک ہیں جن کی محبت میں کوہ احد کوہ ثبیر حرکت میں آئے۔یہ وہی قدم مبارک ہیں کہ قیام شب میں ورم کر آتے تھے۔یہی وہی قدم مبارک ہیں کہ مکہ اور بیت المقدس کو ان سے شرف زائد حاصل ہوا۔

قد مبارک: آپ نہ بہت دراز تھے نہ کوتاہ قد۔بلکہ میانہ قد مائل بہ درازی تھے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بہت دراز قد نہ تھے اور مائل بہ درازی ہونے کے سبب اوسط قد سے زیادہ تھے۔مگر جب لوگوں کے ساتھ ہوتے تو سب سے بلند وسرفراز ہوتے (۶۲)۔حقیقت

میں یہ آپ کا معجزہ تھا کہ جب علیحدہ ہوتے تو میانہ قد مائل بہ درازی ہوتے۔ اور جب اوروں کے ساتھ چلتے یا بیٹھتے سب سے بلند دکھائی دیتے (۶۳)۔ تاکہ باطن کی طرح ظاہر وصورت میں بھی کوئی آپؐ سے بڑا معلوم نہ ہو۔

آپ کی قامت زیبا کا سایہ نہ تھا۔ اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ آپ کے اسمائے مبارک میں سے ایک اسم شریف نور ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورہ مائدہ میں ہے قد جاءکم من اللہ نور و کتب مبین (البتہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور کتاب واضح آئی) اور ظاہر ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا حکیم ترمذی (متوفی ۲۵۵ھ) نے نوادر الاصول میں بروایت ذکوان (تابعی) نقل کیا ہے۔ کہ دھوپ اور چاندنی میں رسول اللہ ﷺ کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ امام ابن سبع کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ اور آپ نور تھے لہٰذا جب آپ دھوپ یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا بعض نے کہا ہے کہ اس کی شاہد وہ حدیث ہے کہ جس میں مذکور ہے۔ کہ جب آپ نے یہ دعا مانگی کہ اللہ میرے تمام اعضاء اور جہات میں نور کر دے۔ تو دعا کو اس قول پر ختم فرمایا: واجعلنی نوراً (۶۴) (اور مجھ کو نور بنا دے) (۶۵) زرقانی میں مذکور ہے کہ حدیث ذکوان مرسل ہے۔ مگر ابن مبارک و ابن جوزی نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے۔ تو آپ کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب آتی۔ اور جب چراغ کے سامنے کھڑے ہوتے تو چراغ کی روشنی پر غالب آتی۔ بعض کا قول ہے کہ آپ کا سایہ نہ ہونے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کے سایہ کو کوئی کافر پامال نہ کرے۔ (۶۶)

ماہ فرو ماند از جمال محمد ﷺ   سرو نروید باعتدال محمد ﷺ

رنگ مبارک: رنگ مبارک گورا اور روشن و تاباں مگر اس میں کسی قدر سرخی ملی ہوئی تھی۔ بعض روایتوں میں جو آپ کو اسمر اللون یعنی گندم گوں لکھا ہے۔ اس سے بھی یہی مراد ہے۔

جلد مبارک و بوئے خوش: آپ کی جلد مبارک نرم تھی۔ ایک وصف ذاتی حضور میں یہ تھا کہ خوشبو لگائے بغیر آپ سے ایسی خوشبو آتی تھی کہ کوئی خوشبو اس کو نہ پہنچ سکتی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو میں نے غور سے آپ کی طرف نگاہ کی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند ہیں۔ اور آپ سے تیز بو کستوری کی طرح خوشبو آ رہی (۶۷) ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کستوری (۶۸) یا عنبر کو بوئے رسول اللہ ﷺ سے خوشتر نہ پایا۔ (۶۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا۔

اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا ہے میں اسے اس کے خاوند کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کوئی خوشبو نہیں آپ کچھ عنایت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس موجود نہیں۔ مگر کل صبح ایک چوڑے منہ والی شیشی اور کسی درخت کی لکڑی میرے پاس لے آنا۔ دوسرے روز وہ شخص شیشی اور لکڑی لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس میں اپنا پسینہ ڈالنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ بھر گئی۔ پھر فرمایا۔ کہ اسے لے جا اپنی بیٹی سے کہہ دینا کہ اس لکڑی کو شیشی میں تر کر کے مل لیا کرے۔ پس جب وہ آپ کے پسینہ مبارک کو لگاتی۔ تمام اہل مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچتی۔ یہاں تک کہ ان کے گھر کا نام بیت المطیبین (خوشبو والوں کا گھر) ہو گیا۔ (۷۰)

حضور کے خادم حضرت انس فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ حالت خواب میں آپ کو پسینہ آ گیا۔ میری ماں ام سلیم نے ایک شیشی لی اور آپ کا پسینہ مبارک اس میں ڈالنے لگی۔ آپ جاگ اٹھے اور فرمانے لگے: ام سلیم! تو یہ کیا کرتی ہے؟ اس نے عرض کیا: ''یہ آپ کا پسینہ ہے (۷۱) ہم اس کو اپنی خوشبو میں ڈالتے ہیں اور وہ سب خوشبوؤں سے خوشبودار بن جاتی ہے'' دوسری روایت مسلم میں ہے کہ ام سلیم نے یوں عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ہم اپنے بچوں کے لیے آپ کے عرق مبارک کی برکت کے امیدوار ہیں''۔ (۷۲) آپ نے فرمایا ''تو نے سچ کہا'' اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے عرق مبارک کو بچوں کے چہرے اور بدن پر مل دیا کرتے تھے اور وہ تمام بلاؤں سے محفوظ رہا کرتے تھے۔

حضرت انس (۷۳) سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کے کسی کوچہ میں سے گزرتے تو گزر جانے کے بعد بھی آنے جانے والوں کو اس کوچہ سے خوشبو آتی اور وہ سمجھ جاتے کہ اس کوچہ میں سے آپ کا گزر ہوا ہے باقی حال لعاب مبارک اور دست مبارک میں آ چکا ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اب بھی مدینہ منورہ کے درودیوار سے خوشبوئیں آ رہی ہیں۔ جنہیں محبان و عاشقان جناب رسول اکرم ﷺ شامہ محبت سے محسوس کرتے ہیں۔ ابن بطال (۷۴) کا قول ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں رہتا ہے۔ وہ اس کی خاک اور دیواروں سے خوشبو محسوس کرتا ہے۔ اور اشبیلی نے فرمایا ہے۔ کہ خاک مدینہ میں ایک عجیب مہک ہے۔ جو کسی خوشبو میں نہیں۔ اور یاقوت نے کہا ہے کہ من جملہ خصائص مدینہ اسی کی ہوا کا خوشبودار ہونا ہے اور وہاں کی بارش میں بوئے خوش ہوتی ہے جو کسی اور جگہ کی بارش میں نہیں ہوتی۔

ابو عبداللہ عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب کہا ہے (۷۵):

بِطِیْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ طَابَ نَسِیْمُهَا فَمَا الْمِسْكُ مَا الْكَافُوْرُ مَا الصَّنْدَلُ الرَّطْبُ

''رسول اللہ کی خوشبو سے نسیم مدینہ خوشبودار ہوگئی پس کیا ہے کستوری کیا ہے کافور کیا ہے عطر صندل تر و تازہ۔''

امام ابن سبع (۷۶) نے آنحضرت ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔ کہ آپ کے کپڑوں پر مکھی نہ بیٹھتی۔ اور آپ کو جوں ایذاء نہ دیتی یعنی آپ کے کپڑوں میں جوں نہ ہوتی کہ آپ کو ایذاء دے۔ کیونکہ جوں عفونت اور پسینے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضور تو نور اور اطیب الناس تھے۔ اور آپ کا پسینہ خوشبودار ہوتا تھا۔ اسی طرح بوجہ لطافت آپ کے بدن مبارک پر کپڑا میلا نہ ہوتا تھا۔

علامہ دمیری نے اپنے منظومہ فی الفقہ میں لکھا ہے۔ کہ جن چوپایوں پر آنحضرت ﷺ سوار ہوئے آپ کی سواری کی حالت میں انہوں نے کبھی پیشاب نہ کیا۔ اور جس چوپایہ پر آپ سوار ہوئے۔ وہ آپ کی حیات میں کبھی بیمار نہ ہوا۔

موئے مبارک: سر مبارک کے بال نہ تو بہت گھونگر والے تھے اور نہ بہت سیدھے۔ بلکہ دونوں کے بین بین تھے۔ ان بالوں کی درازی میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ کانوں تک، کانوں کے نصف تک، کانوں کی لو تک، شانہ مبارک کے نزدیک تک، شانوں تک۔ ان سب روایتوں میں تطبیق یوں ہے۔ کہ ان کو مختلف اوقات و احوال پر محمول کیا جائے یعنی جب آپ کٹوا دیتے تو کان تک رہ جاتے۔ پھر بڑھ کر نصف گوش یا نرمہ گوش یا شانہ تک پہنچ جاتے۔ اگر موئے مبارک خود بخود پراگندہ ہو جاتے تو آپ ان کو دو حصے بطور مانگ کر لیتے۔ اور اگر از خود نہ بکھرتے تو بحال خود رہنے دیتے۔ اور بہ تکلیف مانگ نہ نکالتے۔

داڑھی مبارک گھنی تھی۔ اسے کنگھی کرتے اور آئینہ دیکھتے۔ اور سونے سے پہلے آنکھوں (۷۷) میں تین تین بار سرمہ ڈالتے۔ مونچھ مبارک کو کٹوایا کرتے اور فرماتے (۷۸) تھے کہ مشرکین کی مخالفت کرو یعنی داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو خوب کٹواؤ۔ اخیر عمر شریف میں آپ کی ریش مبارک اور سر مبارک میں قریباً بیس بال سفید تھے۔ گلے اور ناف کے درمیان بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ اس کے سوا شکم مبارک اور پستان مبارک پر بال نہ تھے۔ دونوں بازوؤں اور شانوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصہ میں بال زیادہ تھے۔ موئے مبارک کا باقی حال آثار شریفہ کی تعظیم کے تحت میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

لباس: عام لباس (۷۹) چادر قمیص اور تہبند تھا یمن کی دھاری دار چادریں جن کو عربی میں حبرۃ کہتے ہیں سب سے زیادہ پسند فرماتے تھے بعض اوقات آپ نے اونی جبہ شامیہ استعمال فرمایا ہے جس کی آستینیں اس قدر تنگ تھیں کہ وضو کے وقت ہاتھ آستینوں سے نکالنے پڑتے تھے۔ جبہ کسروانی بھی پہن لیتے تھے جس کی جیب اور دونوں چاکوں پر دیبا کی سنجاف تھی۔ ایسی اونی چادر بھی آپ نے

پہنی ہے جس پر کجاوہ کی شکل بنی ہوئی تھی۔ سفید لباس پسند اور سرخ ناپسند فرماتے تھے۔ پاجامہ آپ نے کبھی نہیں پہنا۔

عمامہ کا شملہ چھوڑا کرتے اور کبھی نہ چھوڑا کرتے شملہ اکثر دونوں شانوں کے بیچ میں اور کبھی شانہ مبارک پر پڑا رہتا بعض وقت عمامہ میں تحیک فرماتے یعنی دستار مبارک کا ایک پیچ بائیں جانب سے ٹھوڑی مبارک کے نیچے سے گزار کر سر مبارک پر لپیٹ لیتے عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوا کرتی۔ اونچی ٹوپی آپ نے استعمال نہیں فرمائی۔

نعلین شریف چپلی کی شکل کی تھیں۔ ہر ایک کے دو دو تسمے دہرہ تہ والے تھے ایک تسمہ انگوٹھے اور متصل کی انگلی مبارک کے بیچ میں اور دوسرا انگشت میانہ اور بنصر کے بیچ میں ہوا کرتا۔ یہ وہی نعلین شریفین ہیں کہ شب معراج میں جب حضور اقدس ﷺ عرش پر تشریف لے گئے۔ تو بقول صوفیاء کرام باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ نعلین سمیت عرش کو شرف بخشئے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے (۸۰):

لَدَى الطُّوْرِ مُوْسٰى نُوْدِیَ اخْلَعْ وَاَحْمَدُ   عَلَى الْعَرْشِ لَمْ یُؤْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِهٖ

"طور کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز آئی کہ پاپوش اتار لیجئے اور حضرت احمد کو عرش پر پاپوش اتارنے کی اجازت نہ ملی۔"

ہر ایک مسلمان کی یہ آرزو ہوتی ہے اور ہونی چاہیے کہ اس دنیا میں بھی حالت خواب یا حالت بیداری میں آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو۔ لہٰذا ہم ذیل میں ایک درود شریف درج کرتے ہیں۔ جو شخص اس درود شریف کو ہر روز سونے سے پہلے باوضو باادب اور حضور قلب سے تین بار پڑھے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ چالیس دن کے اندر حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔

- اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی نُوْرِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَنْوَارِ وَصَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَصَلِّ عَلٰی جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ وَصَلِّ عَلٰی رَاسِ مُحَمَّدٍ فِی الرُّءُوْسِ وَصَلِّ عَلٰی وَجْهِ مُحَمَّدٍ فِی الْوُجُوْهِ وَصَلِّ عَلٰی جَبِیْنِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْبُنِ وَصَلِّ عَلٰی جَبْهَةِ مُحَمَّدٍ فِی الْجِبَاهِ وَصَلِّ عَلٰی عَیْنِ مُحَمَّدٍ فِی الْعُیُوْنِ وَصَلِّ عَلٰی حَاجِبِ مُحَمَّدٍ فِی الْحَوَاجِبِ وَصَلِّ عَلٰی جَفْنِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْفَانِ وَصَلِّ عَلٰی اَنْفِ مُحَمَّدٍ فِی الْاُنُوْفِ وَصَلِّ عَلٰی خَدِّ مُحَمَّدٍ فِی الْخُدُوْدِ وَصَلِّ عَلٰی صُدْغِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَصْدَاغِ وَصَلِّ عَلٰی اُذُنِ مُحَمَّدٍ فِی الْاٰذَانِ وَصَلِّ عَلٰی فَمِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَفْوَاهِ وَصَلِّ عَلٰی شَفَةِ مُحَمَّدٍ فِی الشِّفَاهِ وَصَلِّ عَلٰی سِنِّ مُحَمَّدٍ فِی الْاَسْنَانَ وَصَلِّ عَلٰی لِسَانِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَلْسِنَةِ

وَصَلِّ عَلٰی ذَقَنِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَذْقَانِ وَصَلِّ عَلٰی عُنُقِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَعْنَاقِ وَصَلِّ عَلٰی صَدْرِ مُحَمَّدٍ فِی الصُّدُوْرِ وَصَلِّ عَلٰی قَلْبِ مُحَمَّدٍ فِی الْقُلُوْبِ وَصَلِّ عَلٰی یَدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَیْدِیْ وَصَلِّ عَلٰی کَفِّ مُحَمَّدٍ فِی الْاَکُفِّ وَصَلِّ عَلٰی اِصْبِعِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَصَابِعِ وَصَلِّ عَلٰی زَنْدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَزْنَادِ وَصَلِّ عَلٰی ذِرَاعِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَذْرُعِ وَصَلِّ عَلٰی مِرْفَقِ مُحَمَّدٍ فِی الْمَرَافِقِ وَصَلِّ عَلٰی عَضُدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَعْضَادِ وَصَلِّ عَلٰی اِبْطِ مُحَمَّدٍ فِی الْاٰبَاطِ وَصَلِّ عَلٰی مَنْکِبِ مُحَمَّدٍ فِی الْمَنَاکِبِ وَصَلِّ عَلٰی کَتِفِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَکْتَافِ وَصَلِّ عَلٰی تَرْقُوَّةِ مُحَمَّدٍ فِی التَّرَاقِیْ وَصَلِّ عَلٰی کَبِدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَکْبَادِ وَصَلِّ عَلٰی ظَهْرِ مُحَمَّدٍ فِی الظُّهُوْرِ وَصَلِّ عَلٰی فَخِذِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَفْخَاذِ وَصَلِّ عَلٰی رُکْبَةِ مُحَمَّدٍ فِی الرُّکَبِ وَصَلِّ عَلٰی عَقَبِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَعْقَابِ وَصَلِّ عَلٰی قَدَمِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَقْدَامِ وَصَلِّ عَلٰی شَعْرِ مُحَمَّدٍ فِی الشُّعُوْرِ وَصَلِّ عَلٰی لَحْمِ مُحَمَّدٍ فِی اللُّحُوْمِ وَصَلِّ عَلٰی عِرْقِ مُحَمَّدٍ فِی الْعُرُوْقِ وَصَلِّ عَلٰی دَمِ مُحَمَّدٍ فِی الدِّمَآءِ وَصَلِّ عَلٰی عَظْمِ مُحَمَّدٍ فِی الْعِظَامِ وَصَلِّ عَلٰی جِلْدِ مُحَمَّدٍ فِی الْجُلُوْدِ وَصَلِّ عَلٰی لَوْنِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَلْوَانِ وَصَلِّ عَلٰی قَامَةِ مُحَمَّدٍ فِی الْقَامَاتِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّاتِهٖ اَفْضَلَ صَلٰوةً وَّاَکْمَلَ بَرَکَةٍ وَّاَزْکٰی سَلَامٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ وَعَلَیْنَا مَعَهُمْ کُلَّمَا ذَکَرَكَ وَذَکَرَهُ الذَّاکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِکْرِكَ وَذِکْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔

حیات النبی: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص حضور سید المرسلین ﷺ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ بحیات حقیقیہ دنیوی۔ قرآن مجید میں جو آنحضرت ﷺ کی موت کی خبر ہے وہ موت عادی ہے۔ جس سے مخلوقات میں سے کسی کو چارہ نہیں۔ اسی عادی موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو حیات بخش دی ہے احادیث صحیحہ سے انبیاء و شہداء کے واسطے اس حیات کا دائمی ہونا ثابت ہے۔

ابن تیمیہ کے وقت سے ایک فرقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو کہتا ہے کہ انبیاء بھی دوسرے مردہ اشخاص کی طرح زمین کے نیچے مدفون اور مردہ ہیں۔ اس لیے مدینہ منورہ میں روضہ شریف پر حاضر ہونا اور آنحضرت ﷺ کے وسیلہ سے طلب حاجات بے کار و بے سود ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ کا بڑا شاگرد ابن القیم اپنی کتاب عقائد یعنی قصیدہ نونیہ (مطبوعہ مصر ص ۱۴۱) میں یوں لکھتا ہے:

من فوقه اطباق ذاك الترب واللبنات	قد عرضت على الجدران
لوكان حيافي الضريح حياته	قبل الممات بغير فرقان
وماكان تحت الارض بل من فو	قها والله هذه سنّة الرحمان

''حضرت نبی پر ڈھیروں مٹی اور اینٹیں ہیں۔ دیواریں بنی ہوئی ہیں۔ اگر آپ قبر شریف میں ویسے ہی زندہ ہوتے جیسے موت سے پہلے تھے تو زمین کے نیچے نہ ہوتے بلکہ اس کے اوپر ہوتے۔ واللہ عادت اللہ یہی ہے۔'' (انتہیٰ)

توسل اور زیارت روضہ اقدس کی بحث آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں صرف حیات انبیاء کرام بالخصوص حیات حضور سید المرسلین ﷺ کا ثبوت پیش کرنا مقصود ہے۔

قرآن کریم میں شہداء کرام کی حیات کی نص موجود ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام شہداء عظام سے یقیناً افضل ہیں۔ ان میں وصف نبوت کے ساتھ بالعموم وصف شہادت بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات شریف کے وقت یوں فرمایا:

يا عائشة ما ازال اجد الم الطعام الذى اكلت بخيبر وهذا اوان انقطاع ابهرى من ذلك السّم۔

''اے عائشہ! مجھے خیبر کے کھانے کی تکلیف برابر رہی ہے۔ اور اب میری رگ جان اسی زہر سے منقطع ہوتی ہے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ شہادت کا درجہ بھی حاصل ہے۔ لہٰذا آپ سید المرسلین ہونے کے ساتھ سید الشہداء بھی ہوئے ہیں پس آپ کی حیات شہداء کی حیات سے اکمل ہے۔ بایں ہمہ آپ کو مردہ کہنا کیسی گستاخی ہے حالانکہ قرآن کریم میں شہداء کی نسبت ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ان کو مردہ نہ کہو۔

علامہ سمہودی وفاء الوفاء (جزء ثانی ص ۴۰۵) میں لکھتے ہیں۔ کہ اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں۔ اسی طرح دیگر انبیاء بھی اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں ایسی حیات کے ساتھ جو شہداء (جن کی حیات اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں خبر دی ہے) کی حیات سے اکمل ہے اور ہمارے نبی ﷺ سید الشہداء ہیں اور شہداء کے اعمال آپ کی میزان میں ہیں۔ (انتہیٰ)

احادیث صحیحہ سے بھی حیات انبیاء کا ثبوت ملتا ہے۔ جن میں سے چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ **عن اوس قال رسول الله ﷺ من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق ادم**

و فیه قبض و فیه النَّفْخَةُ و فیه الصّعقة فاکثروا علی من الصّلوۃ فیه فانّ صلوتکم معروضة علیّ قالوا یا رسول اللّٰه و کیف تعرض صلوتنا علیك و قد ارمت قال یقولون بلیت قال انّ اللّٰه حرّم علی الارض اجساد الانبیآء رواہ ابو داؤد والنسآئی و ابن ماجة والدّارمیّ والبیھقی فی الدعوات الکبیر۔ (مشکوۃ: باب الجمعۃ)

''حضرت اوس سے روایت ہے کہا، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تمہارے افضل ایام میں سے جمعہ کا دن ہے۔ اس میں آدم پیدا کیے گئے اور اسی میں قبض کیے گئے۔ اس میں نفخۂ ثانیہ اور نفخۂ اولیٰ ہے پس تم اس دن مجھ پر درود زیادہ بھیجو۔ کیوں کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ بوسیدہ ہڈیاں ہوں گے۔ (قول راوی) صحابہ کی مراد ارمت سے بلیت (بوسیدہ ہوں گے) ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ اسے ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ و دارمی نے اور بیہقی نے دعوت الکبیر میں روایت کیا ہے۔''

اس حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام جسموں کے ساتھ زندہ دفن ہیں کیوں کہ صحابہ کرام نے جب حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد سنا کہ تمہارا درود مجھ پر عرض کیا جاتا ہے تو ان کو شبہ ہوا کہ آیا یہ عرض بعد وفات شریف صرف روح پر ہوگا۔ یا روح مع الجسد پر کیوں کہ انہوں نے خیال کیا کہ جسد نبی دوسرے اشخاص کے جسد کی مانند ہے پس اس کے جواب میں حضور نے فرمادیا کہ میرا جسد دوسرے اشخاص کے جسد کی مانند نہیں۔ کیوں کہ پیغمبروں کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔ پس وہ سمجھ گئے کہ یہ عرض روح مع الجسد پر ہو گا۔ لہٰذا حیات انبیاء بعد وفات ثابت ہے۔

۲۔ عن ابی الدرداء قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم اکثروا الصّلوۃ علیّ یوم الجمعة فانّه مشھود تشھدہ الملٰئکة و ان احد لم یصلّ علیّ الاعرضت علیّ صورته حتّی یفرغ منھا قال قلت و بعد الموت قال انّ اللّٰه تعالٰی حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبیّ اللّٰه حیّ یرزق۔ رواہ ابن ماجة۔

''حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر جمعہ کے دن درود زیادہ بھیجا کرو کیوں کہ وہ دن حاضر کیا گیا ہے۔ حاضر ہوتے ہیں اس میں فرشتے تحقیق کوئی

مجھ پر درود نہیں بھیجتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ درود سے فارغ ہو جائے۔ کہا ابو درداء نے میں نے عرض کیا: کیا موت کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ پس اللہ کے نبی زندہ ہیں۔ رزق دیئے جاتے ہیں۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔"

اس حدیث سے انبیاء کی حیات بحیات حقیقیہ دنیویہ بعد الوفات ثابت ہے اس میں حی کے ساتھ یرزق بطور تاکید ہے کیوں کہ رزق کی حاجت جسم کو ہوتی ہے۔

۳۔ و اخرج ابو یعلٰی والبیهقی و ابن مندة عن انس انّ النبیّ صلی الله علیه وسلّم قال الانبیآء احیآء فی قبورهم یصلّون۔

"اور ابو یعلیٰ اور بیہقی اور ابن مندہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔"

علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے۔ کہ روایت ابو یعلی کے راوی ثقہ ہیں اور بیہقی نے اسے مع التصحیح نقل کیا ہے۔ اس کے شواہد سے صحیح مسلم میں روایت حضرت انس ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں (شب معراج میں) موسیٰ علیہ السلام پر گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھتے تھے (انتھیٰ) اسی طرح حضور نے شب معراج میں بیت المقدس میں انبیاء کرام کی جماعت کرائی۔ اور آسمانوں میں ان کو دیکھا۔ مسئلہ حیات انبیاء کی تائید صحیح مسلم کی روایت ابن عباس سے بھی ہوتی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ وادی ارزق سے گزرے۔ فرمایا۔ یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا وادی ارزق ہے۔ حضور نے فرمایا میں گویا موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ گھاٹی سے اترتے ہوئے لبیک کہہ رہے ہیں۔ پھر ہرشا پہنچ کر حضور نے فرمایا۔ یہ کون سی گھاٹی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یہ وادی ہرشا ہے حضور نے فرمایا۔ گویا میں یونس علیہ السلام کو سرخ بالوں والی اونٹنی پر دیکھتا ہوں کہ صوف کا جبہ پہنے ہوئے ہیں مہار کھجور کی چھال کی رسی کی ہے۔

اولیاء کرام میں بہت سی مثالیں ایسے بزرگوں کی ملتی ہیں جو رسول اکرم ﷺ کو حالت بیداری میں دیکھا کرتے تھے۔ بخوف طوالت یہاں ان کا حال درج نہیں کرتے علامہ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ تنویر الملک میں وہ احادیث واقوال صلحا نقل کرتے ہیں۔ جو حالت خواب اور حالت بیداری ہر دو میں رسول اللہ ﷺ کی رویت کے امکان پر دلالت کرتے ہیں۔ بعد ازاں یوں فرماتے ہیں کہ ان تمام احادیث واقوال سے ثابت ہو گیا۔ کہ حضور رسول اکرم ﷺ اپنے جسم اقدس اور روح شریف کے ساتھ زندہ ہیں اور وہ تصرف فرماتے ہیں جہاں چاہتے ہیں۔ زمین و آسمان میں اور اسی ہیت سابقہ شریفہ پر

ہیں کچھ تبدیلی اس میں نہیں ہوئی۔ آنکھوں سے ایسے ہی غائب ہیں جیسے فرشتے نظر نہیں آتے۔ حالانکہ فرشتے زندہ ہیں اور ان کے اجسام بھی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کسی امتی پر کرامت اور احسان کا تو حجاب اٹھا دیتا ہے۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اصلی صورت میں کر لیتا ہے۔ اس میں کوئی مانع نہیں ہے۔ اور صرف مثال ہی کے دیکھنے پر منحصر کر دینے کی کوئی وجہ نہیں انتہی۔ امام بیہقی نے حیات انبیاء پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ جو چاہے اسے مطالعہ کرے۔

خلاصہ کلام یہ کہ سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ وفات شریف کے بعد بھی جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں بحیات حقیقیہ دنیویہ اور آپ کے تصرفات بدستور جاری ہیں۔ اسی واسطے آپ کی امت میں تا قیامت قطب، غوث ابدال و اوتاد ہوتے رہیں گے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے رسالہ سلوک اقرب السبل الی سید الرسل ﷺ میں جو خانخاناں کی طرف لکھا ہے یوں فرمایا ہے:

''دبادہ یا چندیں اختلافات و کثرت مذاہب کہ در علماء است۔ یک کس را در یں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت ﷺ بحقیقت حیات بے شائبہ وتو ہم تاویل دائم باقی است۔ و بر اعمال امت حاضر و ناظر و مرطبان حقیقت راومتو جہان آنحضرت را مفیض و مربی است (۸۱)۔'' (اخبار الاخیار مجتبائی)

علماء امت میں اس قدر اختلافات اور کثرت مذاہب ہے۔ بایں ہمہ کسی ایک کو اس مسئلہ میں ذرا بھی اختلاف نہیں کہ آنحضرت ﷺ بلا شائبہ مجاز وتو ہم تاویل حیات حقیقیہ کے ساتھ دائم و باقی ہیں۔ اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔ اور طالبان حقیقت کو اور متوسلان بارگاہِ نبوت کو فیض پہنچانے والے اور ان کی تربیت فرمانے والے ہیں۔

حضرت شیخ نے بالکل درست لکھا ہے۔ کیوں کہ فتنہ ابن تیمیہ اس تحریر سے سینکڑوں سال پہلے فرو ہو چکا تھا۔ اور شیطان کا سینگ ابھی نجد سے نکلا تھا۔ جس نے تعلیم تیمی کی سوتی بلا کو جگایا۔ اور بات بات پر مسلمانوں کو مشرک بتایا۔

❀❀❀❀

باب: ٦
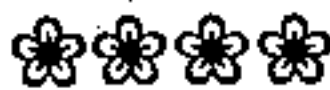
آنحضرت ﷺ کے خُلقِ عظیم کا بیان

افرادِ انسان میں سے انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کو مکارمِ اخلاق کی زیادہ ضرورت ہے کیوں کہ ان کا کام تبلیغ وتزکیہ ہے۔ اسی واسطے باعنایت الٰہی انہیں اول خلقت وفطرت ہی میں محاسن اخلاق حاصل تھے۔ جن کا ظہور حسب موقع ان کی عمر شریف میں ہوتا رہا۔ مگر دیگر فضائل کی طرح اس کمال میں بھی آنحضرت ﷺ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خلق عظیم کو آپ کی ذات شریف میں حصر فرمایا ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝ (سورۂ قلم) ''اور تحقیق تو بڑے خلق پر پیدا ہوا ہے۔''

اور خود حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ (موطا امام مالک)

''میں محاسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔''

انبیائے سابقین علیہم السلام میں سے ہر ایک حسن اخلاق کی ایک نوع سے مختص تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس حسن اخلاق کے تمام انواع کی جامع تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیائے سابقین علیہم الصلوٰت کی سیرت کے اتباع کا حکم دیا۔ فبھداھم اقتدہ (پس تو ان کی روش کی پیروی کر۔ انعام ۱۰۲) لہٰذا خصال وکمال وصفات شرف وفضائل جو ان میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔ وہ تمام آپ کی ذات شریف میں جمع تھے۔ چنانچہ حلم وسخاوت ابراہیم، صدق وعدۂ اسماعیل، شکر داؤد وسلیمان، صبر ایوب، معجزات قاہرۂ موسیٰ، مناجات زکریا، تضرع یحییٰ، دم عیسیٰ وغیرہ سب موجود تھے۔ علیٰ نبینا و علیهم الصلوات والتسلیمات۔(۱)

آنچہ بنا زند زاں دلبراں جملہ تراہست و زیادت براں

حضرت سعد بن ہشام بن عامر نے جب حضرت عائشہ صدیقہ سے آنحضرت ﷺ کے خلق کی بابت دریافت کیا تو حضرت صدیقہ نے جواب میں فرمایا۔ کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ حضرت سعد نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ سن کر حضرت صدیقہ نے فرمایا: کہ ''نبی ﷺ کا خلق قرآن (۲) تھا''۔ کتب سابقہ

الہامیہ میں جو آداب وفضائل واوصاف حمیدہ مذکور تھے قرآن مجید ان سب کا جامع ہے۔ارشاد صدیقہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس قدر محامد اخلاق مذکور ہیں وہ سب آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس میں پائے جاتے تھے۔غرض دیگر کمالات کی طرح محاسن اخلاق میں بھی آپ کا مرتبہ دیگر انبیائے کرام علیہم التسلیمات سے بڑھا ہوا ہے۔صاحب قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں۔(۳)

فَاقَ النَّبِیّٖنَ فِیْ خَلْقٍ وَّفِیْ خُلُقٍ وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمٖ

لے گیا فوق انبیاء پر خلق میں اور خلق میں
کس میں تھا؟ اس کا علم اور کس میں اس کا سا کرم

آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔آپ کے بعد کوئی اور نیا نبی نہ ہوگا۔اس لیے آپ کے اخلاق و عادات بطریق اسناد نہایت صحت کے ساتھ محفوظ ہیں۔تا کہ قیامت تک ہر زمانے میں ان کا اقتداء کیا جائے اور ان ہی کو دستور العمل بنایا جائے۔اس مختصر میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔اس لیے ذیل میں چند جزئیات پیش کی جاتی ہیں۔واللہ الموفق و المعین۔

صبر وحلم وعفو: نبوت کا بوجھ ان اوصاف (۴) کے بغیر برداشت نہیں ہوسکتا۔قرآن کریم میں کئی جگہ ان اوصاف کا ذکر آیا ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ؁ (مائدہ:ع ۳)

''پس معاف کر ان سے اور درگزر کر بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔''

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰي مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓي اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ

''اور البتہ بہت سے رسول تجھ سے پہلے جھٹلائے گئے۔پس وہ جھٹلانے اور ایذاء پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو ہماری مدد پہنچی۔'' (انعام:ع ۴)

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ؁ (اعراف:اخیر رکوع)

''خو پکڑ معاف کرنا۔اور کہا کر نیک کام کو اور کنارہ کر جاہلوں سے۔''

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ (احقاف:اخیر رکوع)

''پس تو صبر کر جیسے صبر کرتے رہے اولوالعزم رسول اور شتابی نہ کر ان کے واسطے۔''

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ؁ (توبہ:ع ۱۴)

''تحقیق ابراہیم تھا البتہ دردمند حلم والا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے حق کے لیے کبھی انتقام نہ لیا۔ہاں جب آپ کسی حرمت اللہ کی بے حرمتی دیکھتے۔تو اللہ کے واسطے اس کا انتقام لیتے۔(۵)

نبوت کے دسویں سال جیسا کہ پہلے آچکا ہے آنحضرت ﷺ قبیلہ ثقیف کو دعوت اسلام دینے کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ مگر بجائے رو براہ ہونے کے انہوں نے آپ کو اس قدر اذیت دی کہ نعلین مبارک خون آلودہ ہو گئے۔ جب آپ وہاں سے واپس ہوئے۔ تو راستے میں پہاڑوں کے فرشتے نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی: یا محمد! آپ جو چاہیں حکم دیں۔ اگر اجازت ہو۔ تو اخشبین کو ان پر الٹ دوں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے بندے پیدا کرے گا۔ جو صرف خدا کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔(۶)

ہجرت سے پہلے مکہ میں کفار نے مسلمانوں کو اس قدر اذیت دی کہ ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ چنانچہ حضرت خباب بن الارت بیان کرتے ہیں۔ کہ ہمیں مشرکین سے شدت وسختی پہنچی۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ سر مبارک کے نیچے چادر رکھ کر کعبہ کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کیا: آپ مشرکین پر بددعا کیوں نہیں کرتے؟ یہ سن کر آپ اٹھ بیٹھے۔ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا تھا۔ فرمایا تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں۔ ان پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں۔ جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا۔ اور ان کے سر پر آرے رکھے جاتے اور چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ مگر یہ اذیتیں ان کو دین سے برگشتہ نہ کر سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو کمال تک پہنچائے گا۔ یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔(۷)

جب آنحضرت ﷺ غزوہ بدر (رمضان ۲ھ) سے واپس تشریف لائے تو راستے میں مقام صفراء میں آپ کے حکم سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی کو قتل کر ڈالا۔ نضر مذکور ان امرائے قریش میں سے تھا۔ جن کا شغل آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کرنا تھا۔ اسی نضر کی بیٹی قتیلہ نے جو بعد میں اسلام لائی اپنے باپ کا مرثیہ لکھا جس کے اخیر میں یہ شعر ہیں:

ا محمّد وَ لَانْتَ ابن نجیبة	منْ قومها والفحل فحل معرق
ما کان ضرّكَ لو منت و ربّما	منّ الفتی وهو المغیظ المحنق
والنّصر اقرب من اسرت قرابةً	و احقّ ان کان عتق یعتق

"اے محمد! بے شک آپ اس ماں کے بیٹے ہیں جو اپنی قوم میں شریف ہے اور آپ شریف اصل والے مرد ہیں۔

آپ کا کچھ نہ بگڑتا تھا اگر آپ احسان کرتے اور بعض وقت جوان احسان کرتا ہے۔

حالانکہ وہ غضبناک اور نہایت خشم ناک ہوتا ہے۔

اور نضر آپ کے تمام قیدیوں میں قرابت میں سب سے زیادہ قریب تھا اور آزادی کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر ایسی آزادی پائی جائے کہ جس سے آزاد کیا جائے۔

جب یہ شعر حضور سید المرسلین رحمتہ اللعالمین ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ تو ان کو پڑھ کر آپ اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں (۸) سے تر ہو گئی اور فرمایا: کہ اگر یہ اشعار نضر کے قتل سے پہلے میرے پاس پہنچ جاتے۔ تو میں ضرور اسے قبیلہ کے حوالے کر دیتا۔

جنگ بدر کے کچھ دن بعد ایک روز عمیر بن وہب بن خلف قرشی جمحی اور صفوان بن امیہ بن خلف قرشی جمحی خانہ کعبہ میں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عمیر مذکور شیاطین قریش میں سے تھا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اذیت دیا کرتا تھا۔ اس کا بیٹا وہب بن عمیر اسیران جنگ میں تھا۔ عمیر و صفوان کے درمیان یوں گفتگو ہوئی:

عمیر: بدر میں ہمارے ساتھیوں نے مسلمانوں سے کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں۔ ظالموں نے کس بے رحمی سے ان کو گڑھے میں پھینک دیا۔

صفوان: اللہ کی قسم ان کے بعد اب زندگی کا لطف نہ رہا۔

عمیر: اللہ کی قسم! تو نے سچ کہا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جسے میں ادا نہیں کر سکتا اور عیال نہ ہوتا جس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو میں سوار ہو کر محمد کو قتل کرنے جاتا۔ کیوں کہ اب تو ایک بہانہ بھی ہے کہ میرا بیٹا ان کے ہاتھ میں گرفتار ہے۔

صفوان: آپ کا قرض میں ادا کر دیتا ہوں۔ آپ کا عیال میرے عیال کے ساتھ رہے گا۔ میں آپ کے بال بچوں کا متکفل ہوں جب تک وہ زندہ ہیں۔

عمیر: بس میرے اور آپ کے درمیان۔

صفوان: بسر و چشم (عمیر کی روانگی کے بعد لوگوں سے) تم شاد ہو کہ چند روز میں تمہارے پاس ایک واقعہ کی خبر آئے گی۔ جس سے تم جنگ بدر میں کی سب مصیبتیں بھول جاؤ گے۔

(عمیر زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مدینہ میں آتا ہے۔ اس وقت حضرت عمر فاروق مسلمانوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے جنگ بدر میں مسلمانوں پر خدا کی عنایات کا ذکر کر رہے ہیں۔ عمیر تلوار آڑے لٹکائے ہوئے اپنی اونٹنی کو مسجد کے دروازے میں بٹھا دیتا ہے)۔

عمر فاروق: (عمیر کو دیکھ کر) یہ کتا دشمن خدا عمیر کسی شرارت کے لیے آیا ہے۔

رسول اللہ (ﷺ): اسے میرے پاس لاؤ (عمیر سے) آگے آؤ۔

عمیر: آپ کی صبح بخیر ہو۔

رسول اللہ (ﷺ): عمیر! تو نے جاہلیت کا تحیہ کہا۔ مگر اللہ عزوجل نے ہمیں تیرے تحیہ سے بہتر عطا فرمایا۔ اور وہ سلام ہے جو اہل بہشت کا تحیہ ہے۔

عمیر: یا محمد! اللہ کی قسم! یہ تحیہ آپ کو تھوڑے دنوں سے ملا ہے۔

رسول اللہ (ﷺ): عمیر! کیونکر آنا ہوا؟

عمیر: اپنے بیٹے کے لیے جو آپ کے پاس اسیران جنگ میں ہے۔

رسول اللہ (ﷺ): پھر گلے میں تلوار آڑے کیوں لٹکائی ہے؟

عمیر: خدا ان تلواروں کا برا کرے۔ انہوں نے ہمیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

رسول اللہ (ﷺ): سچ بتاؤ کس لیے آئے ہو؟

عمیر: فقط اپنے بیٹے کے لیے۔

رسول اللہ (ﷺ): نہیں بلکہ تو اور صفوان دونوں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے تو نے مقتولین بدر کا ذکر کیا جو گڑھے میں پھینکے گئے۔ پھر تو نے کہا کہ اگر مجھ پر قرض اور بار عیال نہ ہوتا تو میں محمد کو قتل کرنے نکلتا۔ یہ سن کر صفوان نے بار قرض وعیال اپنے ذمہ لیا۔ بدیں غرض کہ تو مجھے قتل کردے۔ مگر اللہ تیرے اور اس غرض کے درمیان حائل ہے۔

عمیر: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ یا رسول اللہ! ہم اس آسمانی وحی کو جو آپ پر نازل ہوئی تھی جھٹلا دیا کرتے تھے۔ آپ نے جو بات بتلائی۔ وہ میرے اور صفوان کے سوا کسی کو معلوم نہ تھی۔ اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ خدا کے سوا آپ کو کسی نے نہیں بتائی۔ حمد ہے اللہ کی جس نے مجھے اسلام کی توفیق بخشی۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔

رسول اللہ (ﷺ): (اپنے اصحاب سے) تم اپنے بھائی عمیر کو مسائل دینی سکھاؤ اور قرآن پڑھاؤ۔ اور اس کے بیٹے کو بھی چھوڑ دو۔ (۹)

حضرت رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں۔ کہ غزوۂ انمار (ربیع الاول ۳ھ) میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر اعراب پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔ غطفان نے دعثور بن حارث کو جو ان کا سردار تھا کہا: کہ محمد اس وقت اپنے اصحاب سے علیحدہ ہیں۔ تمہیں ایسا موقع نہ ملے گا۔ دعثور تیز تلوار لے کر اتر آیا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ لیٹے ہوئے ہیں۔ وہ تلوار کھینچ کر آپ کے سر پر آ کھڑا ہوا۔ آپ بیدار ہوئے تو کہنے لگا: ''تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟'' آپ نے فرمایا: اللہ۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے ہٹا دیا اور وہ گر پڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے تلوار لے کر کہا: ''تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟'' وہ بولا: کوئی نہیں۔ غرض رسول اللہ ﷺ نے اس سے کچھ تعرض نہ کیا۔ اور وہ ایمان لے آیا۔ (۱۰)

غزوہ احد (شوال ۳ھ) میں کفار نے آپ کا دانت مبارک شہید کر دیا۔ اور سر اور پیشانی مبارک بھی زخمی کر دی۔ اس حالت میں آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ (۱۱) تھے:

اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔

''خدایا میری قوم کا یہ گناہ معاف کر دے کیوں کہ وہ نہیں جانتے۔''

حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے۔ کہ غزوہ نجد (غزوات ذات الرقاع جمادی الاولیٰ ۴ھ) میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ واپس آتے ہوئے ایک گھنے جنگل میں آپ کو دوپہر ہو گئی۔ آپ ایک درخت کے سایہ میں اترے۔ اور اپنی تلواریں اس درخت سے لٹا دی اور آپ کے اصحاب ایک ایک کر کے درختوں کے سایہ میں اتر پڑے اسی اثناء میں آپ نے ہمیں آواز دی۔ ہم حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدو آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا۔ اس نے آ کر میری تلوار کھینچ لی۔ میں بیدار ہوا تو یہ تلوار کھینچے میرے سر پر کھڑا تھا۔ کہنے لگا: ''تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟'' میں نے کہا: اللہ۔ یہ سن کر اس نے تلوار نیام میں کر لی۔ آپ نے اس کو کچھ سزا نہ دی (۱۲)۔ اس اعرابی کا نام غورث بن حارث تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں کہ ایک غزوہ (غزوہ مریسیع شعبان ۵ھ) میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ایک مہاجر نے ایک انصاری کے تھپڑ مارا۔ انصاری نے انصار اور مہاجر نے مہاجرین کو مدد کے لیے پکارا۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا۔ تو پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ جب سارا ماجرا عرض کیا گیا تو فرمایا کہ یہ دعویٰ جاہلیت اچھا نہیں۔ اس طرح رفع فساد ہو گیا۔ راس المنافقین عبداللہ بن ابی خزرجی نے سنا تو کہنے لگا کہ اگر ہم اس سفر سے مدینہ میں پہنچ گئے تو جس کا اس شہر میں زور ہے وہ بے قدر شخص کو نکال دے گا''۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر فاروق نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے اجازت دیں۔ کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ مگر حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: اسے جانے دو۔ کیوں کہ لوگ یہی کہیں گے کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے (۱۳)۔ جائے غور ہے کہ آپ کا یہ سلوک اس شخص کے ساتھ ہے جو عمر بھر منافق رہا۔ جس نے آپ کو ازل ستایا۔ جو جنگ احد میں عین موقع پر تین سو کی جمعیت لے کر راستہ میں سے واپس آ گیا۔ اور ہمیشہ آپ کی مخالفت و توہین میں سرگرم رہا۔

جب آنحضرت ﷺ غزوہ مریسیع سے واپس ہوئے تو راستے میں افک پیش آیا۔ جس کا بانی بھی

راس المنافقین تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم تھا مگر معاملہ گھر کا تھا اس لیے فیصلہ خدا پر چھوڑا۔ تاکہ منافقین کو چون وچرا کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی تکذیب اپنے کلام پاک میں کر دی۔ بااین ہمہ جب یہ منافق مرا تو آپ کو نماز جنازہ کے لیے بلایا گیا۔ جب آپ اس پر نماز پڑھنے لگے تو حضرت عمر فاروق نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ ابن ابی پر نماز پڑھتے ہیں۔ جس نے فلاں فلاں روز ایسا ایسا کہا۔ اس پر آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ عمر! ہٹو۔ جب اصرار کیا۔ تو فرمایا کہ استغفار و عدم استغفار کا مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ستر سے زیادہ بار استغفار سے اس کی مغفرت ہوسکتی ہے۔ تو میں ویسا ہی کرتا۔ جب آپ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے۔ تو آئندہ کے لیے حکم ممانعت نازل ہوا۔ (۱۴)

فرات بن حیان جو انصار میں سے ایک شخص کا حلیف تھا۔ ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور تھا۔ غزوۂ خندق (ذیقعدہ ۵ ھ) میں وہ جاسوسی کرتا ہوا پکڑا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ لوگ اس کو پکڑ کر لے چلے۔ راستے میں اس کا گزر انصار کے ایک حلقہ پر ہوا تو کہنے لگا کہ میں مسلمان ہوں۔ ایک انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی۔ کہ فرات کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو ہم ان کے ایمان پر چھوڑتے ہیں۔ ان میں سے ایک فرات ہے۔ حضرت فرات بعد میں صدق دل سے ایمان لائے۔ اور آنحضرت ﷺ نے ان کو یمامہ میں ایک قطعہ زمین عطا فرمائی جس کی آمدنی چار ہزار دو (۱۵) سو تھی۔

ثمامہ بن آثال الیمامی جو اہل یمامہ کا سردار تھا رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے دعا فرمائی تھی کہ خدایا اس کو میرے قابو میں کر دے۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سواروں کا ایک دستہ نجد کی طرف بھیجا۔ وہ بنوحنفیہ میں سے ایک شخص ثمامہ بن آثال کو پکڑ لائے۔ اور اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ آنحضرت ﷺ اس کی طرف نکلے۔ تو پوچھا ثمامہ! کیا کہتے ہو؟ ثمامہ نے کہا: یا محمد! اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک خونی کو قتل کریں گے۔ اور اگر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے۔ اگر آپ زرفدیہ چاہتے ہیں۔ تو جس قدر مانگیں دے دوں گا۔ آپ نے یہ سن کر کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے روز بھی یہی گفتگو ہوئی۔ تیسرے روز آپ نے اس کا وہی جواب سن کر حکم دیا کہ ثمامہ کو کھول دو۔ یہ عنایت دیکھ کر اس نے مسجد کے قریب ایک درخت کی آڑ میں غسل کیا اور مسجد میں آ کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اور کہنے لگا: ''اے محمد! خدا کی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا اب وہی چہرہ میرے نزدیک سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی دین میرے

نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے (۱۶)۔ وفا الوفاء میں ہے کہ حضرت ثمامہ کی گرفتاری شروع ۶ ھ میں ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ (۱۷) روایت کرتے ہیں۔ کہ اہل مکہ میں سے اُسّی مرد کوہِ تنعیم (۱۸) سے رسول اللہ ﷺ پر آپڑے۔ وہ ہتھیار لگائے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو غافل پائیں۔ آپ نے ان کو لڑائی کے بغیر پکڑ لیا اور زندہ رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو چھوڑ دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ ۔ (فتح: ع ۳)

''اور خدا وہ ہے۔ جس نے مکہ کے نواح میں ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے باز رکھا۔''

یہ واقعہ قضیہ حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ ھ) میں ہوا تھا۔

جب آنحضرت ﷺ غزوۂ خیبر (محرم ۷ ھ) سے واپس تشریف لائے تو ایک روز سلام بن مشکم یہودی کی زوجہ زینب بنت حارث نے بکری کا گوشت بھون کر زہر آلود کر کے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا۔ جسے آپ نے اور آپ کے چند اصحاب نے کھایا۔ باوجود اعتراف کے آپ نے اس یہودیہ کو اپنی طرف سے معاف کر دیا۔ مگر جب اس کے سبب سے ایک صحابی نے انتقال فرمایا۔ تو قصاص میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اسی سال ماہ محرم ہی (۱۹) میں لبید بن اعصم یہودی منافق نے آنحضرت ﷺ کو جادو کر دیا۔ معلوم ہو جانے پر آپ نے اس سے بھی کچھ تعرض نہ فرمایا۔ (۲۰)

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ میری ماں مشرکہ تھیں۔ میں ان کو دعوت اسلام دیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان کو دعوت اسلام دی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں مجھے مکروہ الفاظ سنائے۔ میں روتا ہوا آپ کی خدمت اقدس میں گیا اور واقعہ عرض کر کے دعائے ہدایت کی درخواست کی۔ آپ نے یوں دعا فرمائی: ''خدایا ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے''۔ میں اُس دعا سے خوش ہو کر گھر آیا تو دیکھا کہ کواڑ بند ہیں۔ میری ماں نے میرے قدم کی آہٹ سن کر کہا۔ ابو ہریرہ! یہیں ٹھہرو۔ میں نے پانی کی آواز سنی۔ انہوں نے غسل کر کے جلدی کپڑے پہنے اور دروازہ کھولتے ہی کلمہ شہادت پڑھا (۲۱)۔

جن دنوں رسول اللہ ﷺ فتح مکہ (رمضان ۸ ھ) کے لیے پوشیدہ تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے بغرض اطلاع قریش ایک خط لکھا اور ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا۔ وہ خط

راستے میں پکڑا گیا۔ باوجود ایسے سنگین جرم کے آنحضرت ﷺ نے حضرت حاطب کو معاف کر دیا۔ اور اس عورت سے بھی کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔

ابوسفیان بن حرب جو اسلام لانے سے پہلے غزوۂ احزاب میں راس المشرکین تھے۔ غزوۂ فتح میں مقام الظہر ان میں مسلمانوں کی جاسوسی کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ حضرت عباس ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ابوسفیان سے مروت سے پیش آئے اور وہ اسلام لائے۔

قریش آنحضرت ﷺ کو مذمم کہہ کر گالیاں دیا کرتے تھے۔ مگر آپ فرمایا کرتے "کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ قریش کی دشنام و لعنت کو کس طرح مجھ سے باز رکھتا ہے۔ وہ مذمم کہہ کر گالیاں دیتے اور لعنت کرتے ہیں۔ حالانکہ میں محمد ہوں (۲۲)"۔

اعلان دعوت سے ساڑھے سترہ سال تک قریش نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کو جو اذیتیں دیں ان کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں۔ فتح مکہ کے دن وہی قریش مسجد حرام میں نہایت خوف و بے قراری کی حالت میں آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ آپ ان اذیتوں کا ذکر تک زبان مبارک پر نہیں لاتے۔ اور یہ حکم سناتے ہیں۔ اذہبوا فانتم الطلقاء (جاؤ تم آزاد ہو) اس عالی حوصلگی کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ اس عفو عام کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جنگ حنین میں دو ہزار طلقاء لشکر اسلام میں شامل تھے۔

ہند بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان بن حرب) جو حضرت امیر حمزہ کا کلیجہ چبا گئی تھیں فتح مکہ کے دن نقاب پوش ہو کر ایمان لائیں۔ تاکہ آنحضرت ﷺ پہچان نہ لیں۔ بیعت کے موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ رہیں۔ ایمان لا کر نقاب اٹھا دیا اور کہنے لگیں کہ میں ہند بنت عتبہ ہوں مگر حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے کسی امر کا ذکر تک نہ کیا۔ یہ دیکھ کر ہند نے کہا: "یارسول اللہ! روئے زمین پر کوئی اہل خیمہ میری نگاہ میں آپ کے اہل خیمہ سے زیادہ مبغوض نہ تھے۔ لیکن آج میری نگاہ میں روئے زمین پر کوئی اہل خیمہ آپ کے اہل خیمہ سے، زیادہ محبوب نہیں رہے۔ (۲۳)"۔

عکرمہ بن ابی جہل قرشی مخزومی اپنے باپ کی طرف رسول اللہ ﷺ کے سخت دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن وہ بھاگ کر یمن چلے گئے۔ ان کی بیوی جو مسلمان ہو چکی تھی وہاں پہنچی۔ اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر صلہ رحم اور احسان کرنے والے ہیں۔ غرض وہ عکرمہ کو بارگاہ رسالت میں لائی۔ عکرمہ نے آپ کو سلام کہا۔ رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور ایسی جلدی سے ان کی طرف بڑھے کہ چادر مبارک گر پڑی اور فرمایا (۲۴):

مرحبا بالرّاکب المہاجر۔

''ہجرت کرنے والے سوار کو آنا مبارک ہو۔''

صفوان بن امیہ جاہلیت میں اشراف قریش میں سے تھے۔ اور اسلام کے سخت دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن بھاگ گئے تھے۔ حضرت عمیر بن وہب نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ صفوان میری قوم کے سردار ہیں۔ وہ بھاگ گئے ہیں تاکہ اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیں۔ احمر و اسود کو آپ نے امان دی ہے۔ ان کو بھی امان دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ تو اپنے چچیرے بھائی کو لے آ اسے امان ہے۔ حضرت عمیر نے عرض کیا کہ امان کی کوئی نشانی چاہیے۔ جو میں اسے دکھاؤں۔ آپ نے اپنا عمامہ جو فتح مکہ کے دن پہنے ہوئے تھے عطا فرمایا۔ صفوان جدہ میں جہاز پر سوار ہونے کو تھے کہ حضرت عمیر جا پہنچے۔ اور ان کو مژدۂ امان سنایا۔ صفوان نے کہا مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت عمیر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا حلم و کرم اس سے برتر ہے۔ غرض صفوان حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ اور عرض کیا کہ یہ عمیر کہتا ہے کہ آپ نے مجھے امان دی ہے۔ آپ نے فرمایا عمیر سچ کہتا ہے یہ سن کر صفوان نے کہا: یا رسول اللہ! دو ماہ کی مہلت دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے چار ماہ کی مہلت ہے (۲۵)۔ حضرت صفوان غزوۂ طائف کے بعد برغبت و رضا ایمان لائے۔

جب رسول اللہ ﷺ محاصرۂ طائف (شوال ۸ ھ) سے واپس آنے لگے۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ ثقیف پر بددعا فرمائیں۔ مگر آپ نے یوں دعا فرمائی: اللھم اھد ثقیفا۔ (خدایا ثقیف کو ہدایت دے) چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی۔ اور ثقیف ۹ ھ میں ایمان لائے۔

جب آنحضرت ﷺ نے جعرانہ میں غنائم حنین تقسیم فرمائیں۔ تو ایک منافق انصاری نے کہا کہ اس تقسیم سے رضائے خدا مطلوب نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ ماجرا آپ سے عرض کیا تو فرمایا:

''خدا موسیٰ پر رحم کرے ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی۔ پس صبر کیا (۲۶)''۔

جب ابوالعاص بن ربیع نے آنحضرت ﷺ کی صاحب زادی حضرت زینب کو مکہ سے مدینہ بھیجا۔ تو راستے میں چند سفہائے قریش نے مزاحمت کی۔ ان میں سے ہبار بن اسود قریشی اسدی نے حضرت زینب کو اونٹ سے گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں۔ پتھر پر گریں۔ حمل ساقط ہو گیا اور ان کو سخت چوٹ آئی۔ اور اسی میں جاں بحق ہوئیں۔ فتح مکہ کے دن ہبار مذکور واجب القتل اشتہاریوں میں تھا۔۔ وہ مکہ سے بھاگ گیا اور چاہتا تھا کہ ایران چلا جائے۔ جب آنحضرت ﷺ جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور یوں عرض کرنے لگا: ''یا نبی اللہ! میں آپ کے ہاں سے بھاگ کر شہروں میں پھرتا رہا۔ میرا ارادہ تھا کہ ایران چلا جاؤں۔ پھر مجھے آپ کی نفع رسانی، صلہ رحمی اور عفو و کرم یاد آئے۔

مجھے اپنی خطا و گناہ کا اعتراف ہے۔ آپ درگزر فرمائیں"۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: "میں نے تجھے معاف کر دیا(۲۷)"۔

کعب بن زہیر اور ان کے بھائی بجیر ابرق عزاف میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ بجیر نے کعب سے کہا: "تم یہاں ٹھہرو میں اس مدعی نبوت کے پاس جاتا ہوں تا کہ دیکھوں وہ کیا کہتا ہے"؟ بجیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ کا کلام سن کر مسلمان ہو گئے۔ کعب کو یہ خبر لگی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی ہجو اور اسلام کی توہین میں یہ اشعار بجیر کو لکھ کر بھیجے:

الا ابلغا عنی بحیراً رسالة	فهل لك فيماقلت ويحك هل لكا
سكاك ابو بكر بكأس رويّة	فانهلك المامون منها وعلّكا
ففارقت اسباب الهدٰی واتّبعة	علٰی ایّ شیءٍ ريب غيرك دلّكا
علٰی خلق لم تلف امًّا ولا ابًا	عليه ولم تعرف عليه اخالكا
فان انت لم تفعل فلست باٰسف	ولا قائل اما عثرت لعاً لكا

"آگاہ رہو میری طرف سے بجیر کو یہ پیغام پہنچا دو کہ کیا تو نے دل سے کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے؟ تجھ پر افسوس! کیا تو نے دل سے کلمہ پڑھ لیا ہے ابو بکر نے تجھے سیراب کرنے والا پیالہ پلا دیا"

اور امین (حضرت محمد) نے تجھے اس پیالہ سے پہلی بار اور دوسری بار پلا دیا۔

"اس لیے تو اسباب ہدایت چھوڑ کر اس کا پیرو بن گیا اس نے تجھے کیا بتایا۔ تو اوروں کی طرح ہلاک ہو گیا اس نے ایسا مذہب بتایا جس پر تو نے اپنے ماں باپ کو نہ پایا۔

اور نہ اپنے بھائی کو اس پر دیکھا۔

اگر تو نے میرا کہا نہ مانا تو میں تجھ پر تاسف نہ کروں گا۔

اور تو ٹھوکر کھا کر گر پڑے تو میں دعا نہ کروں گا کہ تو اُٹھ کر کھڑا ہو جائے۔"

حضرت بجیر نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ماجرا عرض کر دیا۔ آپ نے کعب کا خون ہدر فرما دیا۔ پھر حضرت بجیر نے کعب کو اطلاع دی اور ترغیب دی کہ حاضر خدمت ہو کر معافی مانگیں۔ چنانچہ وہ ۹ھ میں غزوۂ تبوک سے پہلے حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت مسجد میں اپنے اصحاب میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کعب سے واقف نہ تھے۔ کعب نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عرض کیا: یا رسول اللہ! کعب بن زہیر مسلمان ہو کر امان طلب کرتا ہے۔ اجازت ہو تو میں اسے آپ کے پاس لے آؤں۔ آپ نے اجازت دی۔ پھر کعب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کعب میں ہی ہوں۔ بعد ازاں اسلام لا کر

انہوں نے اپنا قصیدہ پڑھا۔ جس میں ارشاد تو طیہ کے بعد یہ شعر ہے:

اُنْبِئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْ عَدَنِیْ وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَاْمُوْلُ

''مجھے خبر دی گئی ہے کہ بارگاہ رسالت سے میری نسبت وعید قتل صادر ہوئی ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے عفو کی امید کی جاتی ہے۔''

اس قصیدہ سے خوش ہو کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب کو اپنی چادر (بردہ) عطا فرمائی۔ اور ان کی گزشتہ خطا کا ایک حرف بھی زبان پر نہ لائے (۲۸)۔

آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت امیر حمزہ کا قاتل وحشی حبشی غلام سفیان بن حرب جنگ احد کے بعد مکہ میں رہا کرتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام پھیلا۔ تو وہ بھاگ کر طائف چلا گیا۔ پھر وفد طائف کے ساتھ ماہ رمضان ۹ ھ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ایمان لایا۔ آپ نے ان سے صرف اتنا فرمایا کہ مجھے اپنا چہرہ نہ دکھایا کرو (۲۹)۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ فاحش تھے اور نہ متفحش اور نہ بازار میں شور کرنے والے تھے۔ آپ بدی کا بدلہ بدی سے نہ دیا کرتے تھے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر فرماتے (۳۰)۔

اب ہم چند متفرق مثالیں اور پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اسے مار پیٹ کرنے کے لیے اٹھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے جانے دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو۔ کیوں کہ تم نرم گیر بنا کر بھیجے گئے ہو۔ سخت گیر بنا کر نہیں بھیجے گئے (۳۱)''۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ سخت حاشیہ والی نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک بدو آپ کے پاس آیا۔ اس نے آپ کی چادر کے ساتھ آپ کو ایسا سخت کھینچا کہ چادر پھٹ گئی۔ آپ کی گردن مبارک کو جو میں نے دیکھا۔ اس میں چادر کے حاشیہ نے اثر کیا ہوا تھا پھر اس بدو نے کہا: ''اے محمد! آپ کے پاس جو خدا کا مال ہے اس میں میرے واسطے حکم کیجیے''۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر ہنس کے اس کے لیے بخشش کا حکم دیا (۳۲)۔

آنحضرت ﷺ کی خطا بخشی کا یہ عالم تھا کہ حسب بیان حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ نے کبھی کسی عورت یا خادم کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا۔

حضرت زید بن سعنہ جو احبار یہود میں سے تھے۔ اپنے اسلام لانے کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے تورات میں نبی آخر الزمان کی نبوت کی جو علامات پڑھی تھیں۔ وہ سب میں نے روئے محمد ﷺ کو دیکھتے ہی پہچان لیں۔ صرف دو خصلتیں ایسی تھیں۔ جن کا آزمانا باقی رہا۔ یعنی آپ کا حلم آپ

کے غضب پر سبقت لے جاتا ہے۔ اور دوسرے کی شدت جہالت وایذاء آپ کے حلم کو اور زیادہ کردیتی ہے۔ ان دونوں کی آزمائش کے لیے میں موقع کا منتظر تھا اور آپ سے تلطف سے پیش آتا تھا۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے دولت خانہ سے نکلے۔ آپ کے ساتھ حضرت علیؓ بن ابی طالب تھے۔ ایک سوار جو بظاہر کوئی بادیہ نشین تھا۔ آپ کی خدمت میں آیا اور یوں عرض کرنے لگا: ''یارسول اللہ! فلاں قبیلے کے لوگ ایمان لائے ہیں میں ان سے کہا کرتا تھا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ۔ تو تمہیں رزق بکثرت ملے گا۔ اب ان کے ہاں امساک باراں اور قحط ہے۔ یارسول اللہ! مجھے اندیشہ ہے۔ کہیں وہ طمع کے سبب سے اسلام سے برگشتہ نہ ہو جائیں)۔ کیوں کہ طمع کیلئے ہی وہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اگر آپ کی رائے مبارک ہو تو کچھ ان کی دستگیری فرمایئے''۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے پہلو میں ایک شخص (جو میرے گمان میں حضرت علی تھے) کی طرف دیکھا۔ اس نے عرض کیا کہ اس میں سے تو کچھ باقی نہیں رہا۔ یہ دیکھ کر میں آگے بڑھا اور آپ سے کھجوروں کی میعاد معین میعاد معلوم پر خرید کی۔ اور اس کی قیمت اسی مثقال سونا اپنی ہمیانی سے نکال کر پیشتر دے دی۔ آپ نے وہ اسی مثقال اس سوار کو دے دیئے اور فرمایا کہ جلدی جاؤ اور اس قبیلے کے لوگوں میں اسے تقسیم کردو۔ جب میعاد ختم ہونے میں تین دن باقی رہ گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے جنازے کیساتھ نکلے۔ آپکے ہمراہ من جملہ دیگر اصحاب حضرت ابوبکر و عمر عثمان تھے۔ جب آپ نماز جنازہ سے فارغ ہوئے اور بیٹھنے کیلئے ایک دیوار کے قریب پہنچے۔ تو میں نے آگے بڑھ کر آپکی قمیص اور چادر کے دامن پکڑ لیے اور تند نگاہ سے آپ کی طرف دیکھ کر یوں کہا: ''اے محمد! کیا تو میرا حق ادا نہیں کرتا۔ اے عبدالمطلب کے خاندان والو! قسم بخدا تم ادائے حق سے گریز کرنے کیلئے حیلے حوالے کیا کرتے ہو''۔ حضرت عمر نے تیز نگاہ سے میری طرف دیکھ کر کہا: ''او دشمن خدا! کیا تو رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتا ہے جو میں سن رہا ہوں۔ اور آپکے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر مجھے مسلمانوں اور تیری قوم کے درمیان صلح کے فوت ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا۔ تو اپنی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا''۔ رسول اللہ ﷺ نے آرام و آہستگی اور تبسم کی حالت میں حضرت عمر کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ ''عمر! مجھے اور اسے بجائے اس سختی کے اس بات کی زیادہ ضرورت تھی کہ تم مجھے حسن ادائے حق اور اسے حسن تقاضا کا امر کرتے۔ اے عمر! اس کو لے جاؤ۔ اور اس کا حق ادا کردو۔ اور اسے جو تم نے دھمکایا ہے اس کے عوض بیس صاع کھجوریں اور دے دو''۔ حضرت عمر مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور میرا حق ادا کردیا۔ اور بیس صاع کھجوریں اور دے دیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ زائد کیسی ہیں؟ حضرت عمر نے اس کا جواب دیا۔ پھر میں نے کہا: عمر! کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ جواب دیا کہ نہیں۔ میں نے کہا: کہ میں زید بن سعنہ ہوں۔ فرمایا: وہی زید جو یہودیوں

کا عالم ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ پھر پوچھا کہ تو نے رسول اللہ ﷺ کیساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ میں نے کہا: اے عمر! جس وقت میں نے روئے محمد ﷺ کو دیکھا۔ وہ تمام علامات جو میں تورات میں پڑھا کرتا تھا موجود پائیں۔ ان میں سے صرف دو علامتیں باقی تھیں جو میں نے اب آزمالیں"۔ اے عمر! میں تجھ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اللہ کو اپنا پروردگار اور اسلام کو اپنا دین اور محمد کو اپنا پیغمبر ماننے پر راضی ہو گیا۔ اور میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میرا آدھا مال اُمت محمد ﷺ پر صدقہ ہے پھر حضرت عمرؓ اور زید دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت زید نے بارگاہ رسالت میں اظہار اسلام کیا (۴۴)۔ اسلام لانے کے بعد حضرت زید بن سعنہ بہت سے غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے۔ اور غزوہ تبوک میں دشمن کی طرف بڑھتے ہوئے شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

شفقت ورحمت: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (انبیاء: ع ۷)

"اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر رحمت بنا کر سارے جہان کے لیے۔"

اس لیے تمام مخلوقات آپ کی رحمت سے بہرہ ور ہے۔ جیسا کہ ذیل کے مختصر بیان سے واضح ہوگا۔

امت پر شفقت ورحمت: اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کی شان میں یوں فرماتا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (توبہ: اخیر رکوع)

"البتہ تحقیق تمہارے میں کا ایک پیغمبر تمہارے پاس آیا ہے۔ تمہاری تکلیف اس پر شاق گزرتی ہے۔ اس کو تمہاری ہدایت وصلاح کی حرص ہے۔ وہ ایمان والوں پر شفقت رکھنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے اوصاف حمیدہ میں ذکر کر دیا کہ امتؐ کی تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے۔ ان کو شب و روز یہی خواہش دامن گیر ہے کہ امت راہ راست پر آ جائے اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ آپ نے امت کی ہدایت و بہبودی کے لیے کیا کیا مصیبتیں جھیلیں۔ سخت سے سخت مصیبت میں بھی آپ نے بد دعا نہ فرمائی بلکہ ہدایت کی دعا کی۔ ایمان والوں پر آپ کی شفقت و رحمت ظاہر ہے۔ اسی واسطے آپ نے کسی مقام پر امت کو فراموش نہیں فرمایا۔ بغرض توضیح چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

جس روز آندھی یا آسمان پر بادل ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک میں غم و فکر کے آثار

نمایاں ہوتے۔اور آپ کبھی آگے بڑھتے اور کبھی پیچھے ہٹتے۔جب بارش ہو جاتی تو آپ خوش ہوتے اور حالت غم جاتی رہتی۔حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا۔تو فرمایا: کہ میں ڈرتا ہوں کہ مبادا (قوم عاد کی طرح) یہ عذاب ہو جو میری امت پر مسلط کیا گیا ہو۔(۳۶)

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ مَنْ وُّلِیَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِیْ شَیْئًا فَشَقَّ عَلَیْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَیْهِ وَمَنْ وُّلِیَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِیْ شَیْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهٖ۔

"خدایا جو شخص میری امت کے کسی کام کا والی و متصرف بنایا جائے پس وہ ان کو مشقت میں ڈالے تو اس والی کو مشقت میں ڈال اور جو شخص میری امت کے کسی کا والی بنایا جائے۔ پس وہ ان کے ساتھ نرمی کرے۔تو اس والی کے ساتھ نرمی کر۔"

رسول اللہ ﷺ کو جہاد کا اس قدر شوق تھا کہ آپ چاہتے تھے کہ میں بار بار شہید ہو کر زندہ ہوتا رہوں۔مگر چونکہ امت میں سے ہر ایک پر واجب تھا کہ جہاد میں آپ کے ساتھ نکلے بحوائے آیہ ذیل:

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ

"نہ چاہیے مدینہ کے رہنے والوں کو اور ان اعراب کو جو ان کے گرد ہیں کہ پیچھے رہ جائیں رسول خدا سے، اور نہ یہ کہ رسول کی جان سے اپنی جان کو زیادہ چاہیں۔" (توبہ:ع ۱۵)

اس لیے آپ سرایا میں لشکر اسلام کے ساتھ بدیں خیال تشریف نہ لے جایا کرتے تھے کہ اگر میں ہر فوج کے ہمراہ جاؤں تو مسلمانوں کی ایک جماعت پیچھے رہ جائے گی۔کیوں کہ میرے پاس اس قدر گھوڑے اونٹ نہیں کہ سب کو سوار کر کے ساتھ لے جاؤں اور نہ ان میں استطاعت ہے کہ سوار ہو کر میرے ساتھ چلیں۔اس طرح پیچھے رہ جانے والے گنہگار اور ناخوش و شکستہ دل ہوں گے (۳۷)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ عزوجل کا قول حضرت ابراہیمؑ کی نسبت رب انهن اضللن كثيراً من الناس۔الایہ۔اور حضرت عیسیٰ کا قول ان تعذبهم فانهم عبادك و ان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم تلاوت فرمایا۔پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی:

اللهم امتي امتي۔ (خدایا میری امت میری امت) اور رو پڑے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ محمد کے پاس جاؤ (حالانکہ تیرا پروردگار خوب جانتا ہے)۔ان سے رونے کا سبب دریافت کرو۔حضرت جبرئیل نے حاضر خدمت ہو کر رونے کا سبب پوچھا۔آپ نے بتا دیا (حالانکہ خدا

کو خوب معلوم ہے) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: اے جبرئیل! محمد کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہم آپ کو امت کے بارے میں راضی کریں گے۔ اور غمگین نہ کریں گے (۳۸)۔

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے۔ کہ جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو مومن مر جائے اور مال چھوڑ جائے۔ تو وہ اس کے وارثوں کو خواہ کوئی ہوں ملنا چاہیے۔ اور جو مومن قرض یا (محتاج) عیال چھوڑ جائے تو چاہیے کہ قرض خواہ یا عیال میرے پاس آئے کیوں کہ میں اس کا ولی و متکفل ہوں (۳۹)۔

آنحضرت ﷺ نے تین رات نماز تراویح اپنے اصحاب کرام کو پڑھائی۔ چوتھی رات صحابہ کرام بکثرت مسجد میں جمع ہوئے اور انتظار کرتے رہے۔ مگر حضور علیہ السلام تشریف نہ لائے صبح کی نماز کے بعد آپ نے یوں تقریر فرمائی (۴۰)۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهٗ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ لٰكِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا۔

''اما بعد تمہارا مسجد میں جمع ہونا مجھ پر پوشیدہ نہ تھا۔ لیکن میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض ہو جائے۔ اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز آ جاؤ۔''

نماز تراویح کی طرح بعض اور افعال کو آپ نے صرف اس ڈر سے ترک کر دیا کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائیں۔ ہر نماز کے لیے مسواک کا ترک کرنا، تاخیر عشاء کا ترک کرنا اور صوم وصال سے منع فرمانا اسی قبیل سے ہیں۔

یہ آپ کی شفقت ہی کا باعث تھا کہ دین و دنیا میں امت کے لیے تخفیف و آسانی ہی مدنظر رہی۔ چنانچہ جب آپ کو دو امروں میں اختیار دیا جاتا۔ تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے۔ بشرطیکہ وہ آسان موجب گناہ نہ ہوتا۔ اور اگر ایسا ہوتا تو آپ سب سے بڑھ کر اس سے دور رہنے والے تھے (۴۱)۔

شب معراج میں پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ بارگاہِ رب العزت سے واپس آتے ہوئے جب آپ آسمان ششم میں حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرے۔ تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا۔ کہ کیا حکم ملا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہر روز پچاس نمازوں کا حکم ملا ہے۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا۔ کہ آپ کی امت ہر روز پچاس نمازیں نہ پڑھ سکے گی۔ آپ اپنی امت سے بوجھ ہلکا کرائیں۔ چنانچہ آپ درگاہِ رب العزت میں بار بار حاضر ہو کر تخفیف کراتے رہے۔ یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں۔ اور آپ اس پر راضی ہو گئے۔ (صحیحین)

جب شب معراج میں حضور مقام قاب قوسین میں پہنچے۔ تو باری تعالیٰ کی طرف سے آپ پر یوں سلام پیش ہوا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ۔

''اے نبی! تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں۔''

اس کے جواب میں آپ نے عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ۔

''سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔''

اس جواب میں حضور نے عباد صالحین کو الگ ذکر کر کے گنہگارانِ امت کو غایت کرم سے سلام میں اپنے ساتھ شامل رکھا۔ اور اسی واسطے صیغہ جمع (علینا) استعمال فرمایا۔

حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میرا حال اور میری امت کا حال اس شخص کی مثل ہے۔ جس نے آگ روشن کی۔ پس ٹڈیاں اور پروانے اس میں گرنے لگے۔ اور وہ ان کو آگے سے ہٹاتا تھا۔ سو میں کمرے سے پکڑ کر آگے سے بچانے والا ہوں۔ اور تم میرے ہاتھ سے چھوٹتے ہو (۴۲)۔ (اور آگ میں گرنا چاہتے ہو)۔

قیامت کے دن لوگ بغرض شفاعت یکے بعد دیگرے انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس جائیں گے۔ مگر وہ سب عذر پیش کریں گے۔ آخر کار حضور شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ حمد وثناء کے بعد سجدے میں گر پڑیں گے۔ باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ سر سجدے سے اٹھایئے۔ جو کچھ مانگیے، دیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے۔ آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس وقت آپ یوں عرض کریں گے۔ یارب امتی امتی اے میرے پروردگار! میری امت میری امت (صحیحین) اب عالم برزخ میں ہر روز آپ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ اچھے عملوں کو دیکھ کر آپ خدا کا شکر اور برے عملوں کو دیکھ کر مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

کافروں پر رحمت: پہلی امتوں میں نافرمانی پر عذاب الٰہی ہوتا تھا مگر حضور علیہ السلام کے وجود باوجود کی برکت سے کفار عذاب دنیوی سے محفوظ رہے۔

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ ط (انفال: ع ۴)

''اور خدا ان کو عذاب نہ کرے گا جب تک تو ان میں ہے۔''

بلکہ عذاب استیصال کفار سے تاقیامت مرفوع ہے۔

ایک دفعہ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ مشرکین پر بددعا کریں آپ نے فرمایا ''میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں (۴۳)۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی کو رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ دوس میں دعوت اسلام کے لیے بھیجا تھا۔

انہوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں عرض کیا: ''قبیلہ دوس ہلاک ہو گیا۔ کیوں کہ انہوں نے نا فرمانی کی اور اطاعت سے انکار کر دیا۔ آپ ان پر بد دعاء کریں''۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ بد دعاء کرنے لگے ہیں۔ مگر آپ نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِھِمْ۔

''خدایا! قبیلہ دوس کو ہدایت دے دو اور ان کو مسلمان کر کے لا۔''

جب طائف سے محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ہم کو قبیلہ ثقیف کے تیروں نے جلا دیا۔ آپ ان پر بد دعا کریں۔ مگر آپ نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا۔

''خدایا! ثقیف کو ہدایت دے۔''

جنگ احد میں دانت مبارک شہید ہو گیا تھا اور چہرۂ مبارک خون آلود تھا۔ مگر زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

''خدایا! میری قوم کا یہ گناہ معاف کر دے کیوں کہ وہ نہیں جانتے۔''

جب قریش نے از روئے تعنت و عناد ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے یوں دعا کی: یا اللہ! ان حضرات پر یوسف کے سات سالوں کی طرح سات سال قحط لا''۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریش نے ہڈیاں اور مردار کھائے۔ اس حالت میں ابوسفیان نے حاضر خدمت ہو کر یوں عرض کیا: ''یا محمد! آپ کی قوم ہلاک ہو گئی۔ اللہ سے دعا کیجئے۔ کہ ان کی مصیبت دور ہو جائے''۔ پس حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے دعاء فرمائی اور وہ مصیبت دور ہو گئی (۴۴)۔

حضرت ثمامہ بن آثال یمامی کے ایمان لانے کا قصہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ وہ اسلام لا کر آنحضرت ﷺ کی اجازت سے عمرہ کے لیے مکہ میں آئے۔ مشرکین میں سے کسی نے ان سے کہا کہ تم ہمارے دین سے برگشتہ ہو گئے۔ ثمامہ نے کہا کہ میں نے دین محمدی جو خیر الادیان ہے اختیار کر لیا ہے۔ ''خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر غلہ کا ایک دانہ تم تک نہ پہنچے گا (۴۵)''۔ مکہ میں غلہ یمامہ سے آیا کرتا تھا۔ جب یمامہ سے غلہ کی آمد بند ہو گئی۔ تو قریش میں کال پڑ گیا۔ انہوں نے تنگ آ کر صلہ رحم کا واسطہ دے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لکھا۔ آپ نے حضرت ثمامہ کو لکھا کہ یہ بندش اٹھا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (۴۶)۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر بیان کرتی ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں میری ماں

میرے پاس آئی۔ وہ مشرکہ تھی۔ میں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ وہ کچھ مانگتی ہے۔ کیا میں اس سے صلہ رحم کروں؟ حضور نے فرمایا (۴۷):

نَعَمْ صَلِّیْ اُمَّكَ۔ ''ہاں۔ تو اپنی ماں سے صلہ رحم کر۔''

آنحضرت ﷺ کا سلوک منافقین کے ساتھ قابل غور ہے۔ یہ لوگ سامنے تو چاپلوسی کیا کرتے تھے۔ مگر پیٹھ پیچھے حضور علیہ السلام کو اذیت دیا کرتے تھے۔ باوجود علم کے آپ ان کے ساتھ خلق سے پیش آتے۔ ان کے لیے استغفار فرماتے۔ اور ان کے جنازے کی نماز پڑھا کرتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔

عورتوں پر شفقت و رحمت: اسلام سے پہلے یہ صنف نازک قعر مذلت میں گری ہوئی اور مردوں کے استبداد کا تختہ مشق بنی ہوئی تھی۔ عرب میں ازواج کی کوئی حد نہ تھی۔ چنانچہ حضرت غیلان ثقفی ایمان لائے۔ تو ان کے تحت میں دس عورتیں تھیں۔ جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کو وراثت میں پاتا۔ وہ خود اس سے شادی کر لیتا۔ یا اپنے بھائی یا قریبی کو شادی کے لیے دے دیتا۔ ورنہ نکاح ثانی سے منع کرتا۔ اسی طرح اور خرابیاں بھی تھیں۔ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

ہندوستان میں کثرت ازدواج اور نیوگ کو جائز سمجھا جاتا تھا۔ شوہر مرجاتا تو بیوہ نکاح ثانی نہ کر سکتی تھی۔ بلکہ اسے دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہ تھا۔ وہ شوہر کی چتا میں زندہ جل کر بھسم ہو جاتی۔ اور ستی کا پوتر لقب حاصل کرتی۔ طرفہ یہ کہ ایسا حکم صرف عورتوں ہی کے لیے تھا۔ شوہر عورت کی چتا میں نہ جلتا۔

بعض ملکوں مثلاً تبت میں کثرت ازدواج کا عکس پایا جاتا تھا۔ اگر عورت ایک مرد سے شادی کرتی۔ تو وہ اس مرد کے دوسرے بھائیوں کی بھی زوجہ سمجھی جاتی تھی۔ مجوسیوں کے ہاں بیٹی اور ماں سے بھی نکاح جائز سمجھا جاتا تھا۔

مسیحی بیاض تعلیم میں عورت کی عزت واحترام کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کو اے عورت کہتے ہیں (یوحنا باب ۱۹۔ آیہ ۲۶)۔ اور ستم دیکھیے۔ شوہر عنین ہو۔ خصی ہو مجبوب ہو۔ مجنون ہو یا سزا یافتہ حبس دوام ہو۔ ان حالات میں انجیل مقدس نے عورت کی خلاصی کی کوئی صورت نہیں بتائی۔ مگر یہ کہ زنا جیسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے (متی باب ۵۔ آیہ ۳۲ باب ۱۹۔ آیہ ۹)۔

جزیرہ پاپوا (نیوگنی) کے قدیم باشندوں کے حالات جواب معلوم کیے گئے ہیں ان سے پایا جاتا ہے۔ کہ ''ان میں شوہر کو اپنی عورت پر پورا اختیار حاصل تھا وہ اپنے شوہر کا مال تھی۔ کیوں کہ خاوند اس کے لیے ایک رقم ادا کرتا تھا۔ بعض حالات میں شوہر اس کو قتل کر سکتا تھا (۴۸)''۔

دنیا کے کسی مذہب میں والدین یا شوہر کے ترکہ میں عورت کا کوئی حق نہ تھا۔ اور اب تک بھی

اسلام کے سوا کسی مذہب نے عورت کو ترکہ میں کسی کا حقدار نہیں ٹھہرایا۔
آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے اس ذلیل و مظلوم گروہ کی وہ حق رسی ہوئی۔ کہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ حضور علیہ السلام نے عورت کو عزت و احترام کے دربار میں مردوں کے برابر جگہ دی۔ اور مذکورہ بالا مفاسد کا انسداد فرمادیا۔
اسلام سے پہلے کثرت ازدواج کی کوئی حد نہ تھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اسلام نے اسے خوبصورت ضرورت چار تک محدود کر دیا۔ اور چار کو بھی شرط عدل پر معلق رکھا۔ بصورت فقدان عدل صرف ایک پر مقصود کر دیا۔ مرد عورت پر حاکم ہے۔ اس لیے رعیت کا تعدد ایک حد تک جائز رکھا گیا۔ مگر حاکم کا تعدد جائز نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ایک عورت کے متعدد شوہر نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید میں محرمات کی تفصیل موجود ہے۔ جن میں ماں اور بیٹی داخل ہیں۔ خودکشی خواہ کسی طرح ہو منع ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ۔ (نساء:ع۵) ''اور نہ مار ڈالو اپنے آپ کو۔''

حسن معاشرت کی تاکید:

باری تعالیٰ عز اسمہ کا ارشاد ہے:
وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (نساء:ع۳)
''عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو۔''
اگر عورت سرکشی اختیار کرے تو مرد کو اسے قتل کرنے کا اختیار نہیں۔ بلکہ پہلے اسے سمجھائے۔ نہ سمجھے تو گھر میں اس سے جدا سوئے۔ پھر آخر درجہ مارے تو بھی تو نہ ایسا کہ ضرب شدید پہنچے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ۔

''اور جن عورتوں کی سرکشی کا تم کو ڈر ہو تم ان کو نصیحت کرو۔ اور خواب گاہ میں ان کو جدا کرو اور ان کو مارو۔''

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَهْلِهٖ وَ اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَهْلِیْ۔ (ترمذی و دارمی ابن ماجہ)

''تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے سب سے اچھا ہو۔ اور میں اپنے اہل کے لیے تم سب سے اچھا ہوں۔''

حضور علیہ السلام مردوں کو عورتوں کی کج خلقی پر صبر کی وصیت یوں فرماتے ہیں:

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّ الْمَرْاَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَّ اِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی

الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهٗ كَسَرْتَهٗ وَ اِنْ تَرَكْتَهٗ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ۔ (بخاری۔ باب خلق آدم وذریتہ)

''میں جو تمہیں عورتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں۔ تم میری وصیت کو قبول کرو۔ کیوں کہ عورت استخوان پہلو سے پیدا کی گئی ہے۔ اور استخوان پہلو میں سب سے ٹیڑھی چیز اس کا حصہ بالائی ہے۔ اگر تم اس استخوان کو سیدھا کرنے لگو تے تو اسے توڑ دو گے۔ اور اگر اسے چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی رہے گی۔ پس تم عورتوں کے بارے میں میری وصیت کو قبول کرو۔''

عورتوں پر آنحضرت ﷺ کی شفقت اس قدر تھی کہ اگر آپ نماز کی حالت میں کسی بچہ کی آواز سنتے تو اس کی ماں کی مشقت کے خیال سے نماز میں تخفیف فرماتے۔ (بخاری باب الایجاز فی الصلوۃ واکمالہا)

آنحضرت ﷺ کے ایک سیاہ فام غلام انجشہ نام تھے۔ وہ اونٹوں کے آگے حدی پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہرات کے ساتھ تھیں۔ اونٹ تیز چلنے لگے۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

وَيْحَكَ يَا اَنْجَشَةُ رُوَيْدَكَ بِالْقَوَارِيْرِ۔ (بخاری: کتاب الادب)

''انجشہ! دیکھنا۔ شیشوں کو آہستہ لے چل۔''

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق مکہ میں حضرت زبیر العوام کے نکاح میں آئیں۔ حضرت زبیر کے پاس ایک گھوڑے اور ایک آبکش اونٹ کے سوا کوئی مال ومملوک نہ تھا۔ اس لیے حضرت اسماء گھر کے کام کے علاوہ گھوڑے کے لیے گھاس لاتیں۔ اور اونٹ کو کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر کھلاتیں۔ چنانچہ آپ بیان فرماتی ہیں کہ میں اس زمین سے جو رسول اللہ ﷺ نے (ہجرت کے بعد اموال بنی نضیر میں سے) حضرت زبیر کو عطاء فرمائی تھی اور جو میرے مکان سے دو میل کے فاصلے پر تھی کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لاد کر لایا کرتی تھی۔ ایک روز میں آرہی تھی اور گٹھلیاں میرے سر پر تھیں۔ اس حالت میں میری نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی۔ آپ کے ساتھ انصار کی ایک جماعت تھی۔ آپ نے مجھے آواز دی۔ اور اونٹ کو بٹھا دیا تاکہ مجھے اپنے پیچھے سوار کرلیں۔ میں مردوں کے ساتھ چلنے سے شرما گئی۔ آنحضرت ﷺ آگے تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابوبکر نے ایک خادمہ میرے پاس بھیج دی جو گھوڑے کی خدمت کیا کرتی تھی۔ اس طرح صدیق اکبر نے مجھ کو گویا غلامی سے آزاد کر دیا۔ (۴۹)

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں حضرت اسماء کا بیان ہے کہ ''میں حضرت زبیر کے ہاں کام کرتی تھی۔ ان کا ایک گھوڑا تھا۔ جس کی نگہبانی میرے ذمہ تھی۔ گھوڑے کی نگہبانی سے زیادہ سخت اور کوئی خدمت نہ تھی۔ میں اس کے لیے گھاس لاتی، اس کی خدمت ونگہبانی کرتی''۔ کچھ عرصہ کے بعد

آنحضرت ﷺ کے پاس غلام آئے۔ آپ نے ایک خادمہ حضرت اسماء کو عطا فرمائی جو گھوڑے کی خدمت کیا کرتی تھی۔ (۵۰) ہر دو روایت میں وجہ تطبیق یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وہ باندی حضرت ابوبکر کے ہاں بھیج دی۔ تاکہ وہ حضرت اسماء کے پاس بھیج دیں۔

عورتوں کے حقوق: اسلام میں از روئے قرآن و حدیث عورتوں کے حقوق ثابت ہیں۔ چنانچہ باری تعالیٰ عزاسمہ کا ارشاد ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ: ع ۲۸، آیت ۲۲۸)

''اور عورتوں کا (مردوں پر) حق ہے جیسا کہ (مردوں کا) عورتوں پر ہے۔ ساتھ انصاف کے اور مردوں کو ان پر درجہ (فوقیت) ہے۔''

اس آیت سے ظاہر ہے کہ عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے عورتوں پر ہیں۔ ازدواجی زندگی میں نباہ نہ ہونے کی صورت میں اگر مرد کو طلاق کا حق ہے۔ تو دوسری طرف عورت کو خلع کا اختیار دیا گیا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ (نساء: ع ۱۵)

''مردوں کے لیے حصہ ہے اس چیز سے کہ چھوڑ گئے ہیں ماں باپ اور قرابتی اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس چیز سے کہ چھوڑ گئے ہیں ماں باپ اور قرابتی تھوڑا ہو اس میں سے یا بہت ہو حصہ ہے مقرر کیا ہوا۔''

اس آیت کی رو سے عورتیں اپنے ماں باپ اور قرابتیوں کی وارث ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یوں (۵۱) ارشاد فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَآءِ فَاِنَّكُمْ فَاَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ۔

''پس عورتوں کے معاملہ میں تم خدا سے ڈرو۔ کیوں کہ تم نے ان کو عہد خدا کے ساتھ لیا ہے۔''

ایک روز عورتوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا۔ کہ آپ کے ہاں مردوں کا ہر روز ہجوم رہتا ہے۔ آپ ہمارے واسطے ایک خاص دن مقرر فرمائیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کے لیے ایک دن خاص کر دیا۔ وہ اس دن حاضر خدمت اقدس ہوتیں۔ آپ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے (۵۲)۔

حقوق النساء کی تفصیل کے لیے مطولات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

یتامیٰ و مساکین و بیوگان پر شفقت و رحمت: یتیموں اور غریبوں پر آپ کی بڑی شفقت تھی۔ چنانچہ یتیم کی خبرگیری کرنے والے کا درجہ بتانے

کے لیے آپ نے اپنی انگشت سبابہ و وسطی کے درمیان کچھ کشادگی رکھ کر فرمایا: ''میں اور یتیم کا متکفل خواہ یتیم اس کے رشتہ داروں میں سے ہو یا اجنبیوں میں سے ہو بہشت میں یوں ہوں گے (۵۳)۔

حضرت ابو امامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص محض رضائے خدا کے لیے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے اس کے لیے ہر بال کے مقابلہ میں جس پر اس کا ہاتھ پھرتا ہے نیکیاں ہیں۔ اور جو کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ (جو اس کی کفالت میں ہو) نیکی کرتا ہے میں اور وہ بہشت میں ان دو انگلیوں (آپ نے سبابہ و وسطی کو ملا کر اشارہ فرمایا) کی مانند ہوں گے (۵۴)۔

ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میرا دل سخت ہے۔ اس کا علاج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

حضرت اسماء بنت عمیس ''زوجہ حضرت جعفر طیار'' بیان کرتی ہیں۔ کہ جس دن حضرت جعفر ''غزوہ موتہ میں'' شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاں قدم رنجہ فرمایا۔ میں اس دن چالیس کھالوں کی دباغت کر چکی تھی اور آٹا پیس کر اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر تیل مل چکی تھی۔ کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ فرمایا اسماء! جعفر کے بچے کہاں ہیں؟ میں نے ان کو حاضر خدمت کیا۔ آپ نے ان کو سینہ سے لگا لیا۔ پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ رو پڑے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! شاید آپ کو جعفر کی طرف سے کچھ خبر آئی ہے۔ فرمایا: ہاں وہ آج شہید ہو گئے۔ یہ سن کر میں چلانے لگی۔ عورتیں جمع ہو گئیں۔ فرمانے لگے اسماء لغو نہ بول اور سینہ نہ پیٹ۔ پھر آپ حضرت فاطمہ زہرا کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ بولیں۔ ہائے چچا! آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جعفر جیسے پر عورتوں کو رونا چاہیے (۵۵)۔

بیوگان و مساکین کی خبر گیری کا ثواب آپ نے یوں بیان فرمایا: ''بیوگان و مساکین پر خرچ کرنے والا راہ خدا ''جہاد و حج'' میں خرچ کرنے والے کی مانند ہے۔

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے یوں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

''خدایا! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مجھے مسکین موت دے اور قیامت کے دن غریبوں کے گروہ میں میرا حشر کر۔''

حضرت عائشہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا یہ دولت مندوں سے چالیس سال پہلے بہشت میں جائیں گے۔ اے عائشہ! کسی مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد نہ پھیرنا۔ گو نصف خرما ہی کیوں نہ ہو۔ اے عائشہ! غریبوں سے محبت رکھ اور ان کو اپنے سے نزدیک کر۔ خدا تجھے

قیامت کے دن اپنے سے نزدیک کرے گا۔

بچوں پر شفقت و رحمت: آنحضرت ﷺ بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ بچے آپ کی خدمت میں بغرض دعا و تحنیک لائے جاتے تھے۔ ایک روز ام قیس بنت محصن اپنے شیر خوار بچہ کو خدمت اقدس میں لائی۔ آپ نے اس بچہ کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے اس پر پانی بہا دیا اور کچھ نہ کہا۔

آپ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے تھے۔ ایک روز آپ حضرت حسن بن علی کو چوم رہے تھے۔ اقرع بن حابس تمیمی آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ دیکھ کر کہنے لگے۔ کہ میرے دس لڑکے ہیں۔ میں نے ان میں سے کسی کو نہیں چوما۔ آپ نے فرمایا ''جو رحم نہیں کرتا۔ اس پر رحم نہیں کیا جاتا''۔ ایک بدو رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا۔ کہ تم بچوں کو چومتے ہو۔ ہم نہیں چومتے۔ آپ نے فرمایا: ''جب اللہ تمہارے دل سے رحمت نکال لے۔ تو میں کیا کر سکتا ہوں''۔

حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز ظہر پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ دولت خانہ کو تشریف لے گئے میں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں بچے ملے۔ آپ نے ہر ایک کے رخساروں پر دست شفقت پھیرا۔ اور میرے رخساروں پر بھی پھیرا۔ میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک یا خوشبو ایسی پائی کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ مبارک عطار کے صندوقچہ میں سے نکالا تھا۔

جب آپ کا گزر بچوں پر ہوتا۔ تو ان کو سلام کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کا بیان ہے۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی سفر سے تشریف لاتے تو آپ کے اہل بیت کے بچے خدمت میں تشریف لائے جاتے۔ ایک دفعہ آپ کسی سفر سے تشریف لائے۔ تو پہلے مجھے خدمت شریف میں لے گئے۔ آپ نے مجھے اپنے آگے سوار کر لیا۔ پھر حضرت فاطمہ زہرا کے دو لڑکوں میں سے ایک لائے گئے۔ آپ نے ان کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ اس طرح تینوں ایک سواری پر داخل مدینہ ہوئے (۵۶)۔

فتح مکہ کے دن جب آپ مکہ میں تشریف لائے۔ تو حضرت عباس کے صاحب زادوں قثم اور فضل کو اپنی سواری پر آگے پیچھے بٹھا لیا۔ (۵۷)

حضرت ابو رافع بن عمرو غفاری کے چچا بیان کرتے ہیں۔ کہ میں لڑکپن میں انصار کے نخلستان میں جاتا۔ اور درختوں پر ڈھیلے مارتا۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے پوچھا لڑکے! تو درختوں پر ڈھیلے کیوں مارتا ہے؟ میں نے کہا کھجوریں کھانے کے لیے۔ آپ نے فرمایا: ڈھیلے نہ مارا

کرو۔ کھجوریں جو نیچے گری ہوں کھالیا کرو۔ پھر آپ نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور یوں دعا فرمائی: ''خدایا! اس کا پیٹ بھر دے (۵۸)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فصل کا کوئی پھل پکتا تو لوگ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا کرتے۔ آپ اس پر یہ دعا پڑھا کرتے: ''خدایا ہمیں اپنے مدینہ میں اور اپنے پھل اور اپنے مد میں اور اپنے صاع میں برکت دے''۔ اس دعا کے بعد بچے جو حاضر خدمت ہوا کرتے ان میں سے سب سے چھوٹے کو وہ پھل عنایت فرماتے (۵۹)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت میرے پاس آئی۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں۔ اس نے مجھ سے کچھ مانگا۔ اس وقت میرے پاس صرف ایک کھجور تھی۔ میں نے وہی اسے دے دی۔ اس نے دونوں لڑکیوں میں تقسیم کر دی۔ پھر وہ چلی گئی۔ رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے۔ تو میں نے یہ قصہ آپ سے عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ''جس شخص کے ہاں لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی پرورش اچھی طرح کرے۔ تو وہ آتش دوزخ اور اس کے درمیان حائل ہو جائیں گی''۔ (۶۰)

ام خالد بنت خالد بن سعید بن عاص قرشیہ امویہ کے والدین ہجرت کر کے حبشہ میں چلے گئے تھے۔ یہ وہیں پیدا ہوئیں اور لڑکپن میں وہاں سے مدینہ آ گئیں۔ حضرت زبیر بن العوام کے ساتھ بیاہی گئیں۔ جن سے ایک لڑکا خالد نام پیدا ہوا۔ اس سبب سے ان کی کنیت ام خالد ہوئی۔ ان کا بیان ہے کہ ایک روز میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ زرد رنگ کا کرتہ میرے بدن پر تھا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: سنہ سنہ ''حبشی زبان میں حسنہ کو کہتے ہیں'' میں خاتم نبوت سے کھیلنے لگی۔ میرے باپ نے مجھے جھڑک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھیلنے دو۔ پھر تین بار فرمایا: تو اس کو پہن کر پرانا کرے۔ (۶۱)

ام خالد ہی بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے پاس کپڑے آئے۔ ان میں ایک سیاہ چادر تھی۔ جس میں دونوں طرف آنچل تھے۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ چادر کس کو اوڑھاؤں۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا ام خالد کو لاؤ۔ مجھے لے گئے تو آپ نے اپنے دست مبارک سے وہ چادر مجھے اوڑھائی۔ اور دو دفعہ فرمایا: ''تو اسے پہن کر پرانی کرے'' آپ چادر کی بوٹیاں دیکھ رہے تھے۔ اور ہاتھ مبارک سے میری طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے ''ام خالد! یہ سنہ ہے۔ ام خالد یہ سنہ ہے''۔ سنہ حبشی زبان میں حسن ''اچھے'' کو کہتے ہیں۔ (۶۲)

غزوات میں آنحضرت ﷺ کی ہدایت تھی کہ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا۔ آپ کا وجود باوجود لڑکیوں کے لیے خصوصیت سے رحمت تھا زمانہ جاہلیت میں بعض عرب افلاس کے ڈر سے لڑکیوں

کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ کہ ہم اہل جاہلیت وبت پرست تھے۔ اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے۔ میرے ہاں ایک لڑکی تھی۔ میں نے اسے بلایا۔ وہ خوشی خوشی میرے پیچھے ہولی۔ جب میں نزدیک ہی اپنے اہل کے ایک کنوئیں پر پہنچا۔ تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنوئیں میں گرا دیا۔ وہ ابا ابا کہتی تھی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے آپ نے فرمایا کہ یہ قصہ مجھے پھر سناؤ۔ اس شخص نے دہرایا۔ تو آپ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ڈاڑھی مبارک تر ہوگئی۔ (۶۳)

عرب کی طرح ہند میں بھی دختر کشی پائی جاتی تھی۔ رومتہ الکبریٰ میں بچہ کشی کی رسم زمانہ قدیم سے جاری تھی۔ چنانچہ ایڈورڈ گبن صاحب اپنی تاریخ میں یوں رقمطراز ہے:

''اپنے نئے پیدا ہوئے بچوں کے باہر پھینک آنے یا قتل کرنے کی خوفناک رسم جس سے قدماء خوب آشنا تھے۔ رومتہ الکبریٰ کے صوبہ جات بالخصوص اطالیہ میں روز بروز کثیر الوقوع ہوتی جاتی تھی۔ اس کا باعث افلاس تھا۔ اور افلاس کے بڑے اسباب ٹیکسوں کا ناقابل برداشت بوجھ اور مفلس مدیونوں کے خلاف محکمہ مال کے افسروں کے تکلیف دہ اور بے درد مقدمات تھے۔ نوع انسان کے کم مالدار یا کم محنت کش حصہ نے عیال میں اضافہ کی خوشی منانے کی بجائے شفقت پدری کا مقتضا یہ سمجھا تھا۔ کہ اپنے بچوں کو ایسی زندگی کی آنے والی تکلیفوں سے چھڑا دیا جائے جسے وہ خود نباہنے کے قابل نہ تھے۔ قسطنطنیہ (متوفی ۲۲ مئی ۳۳۷ء) کی مروت شاید مایوسی کے بعض تازہ غیر معمولی واقعات سے حرکت میں آئی۔ کہ اس نے پہلے اطالیہ پھر افریقہ کے تمام شہروں کی طرف ایک فرمان بھیجا۔ جس میں یہ ہدایت تھی کہ والدین اپنے ایسے بچے مجسٹریٹوں کی عدالتوں میں پیش کیا کریں جن کو ان کا افلاس تعلیم دلانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ان کو فوری و کافی امداد دی جائے گی۔ لیکن یہ وعدہ ایسا فیاضانہ اور بندوبست ایسا بے سروپا تھا۔ کہ اس پر کوئی عام یا دائمی فائدہ مترتب نہ ہوا۔ یہ قانون اگرچہ کسی قدر قابل تحسین تھا۔ مگر افلاس عامہ کو کم کرنے کی بجائے یہ افلاس کے اظہار کا ذریعہ بنا''۔ (۶۴)

یہ رسم بد جس کا انسداد کسی دنیوی قوت سے نہ ہو سکا آنحضرت ﷺ کی برکت سے عرب بلکہ آہستہ آہستہ تمام دنیا سے اٹھ گئی۔ ارشادِ باری تعالیٰ عز اسمہ یوں ہوا:

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ (انعام: ع ۱۹)

''اور تم اپنے بچوں کو مفلسی کے ڈر سے ہلاک نہ کرو۔ ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں''۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۙ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۚ (تکویر)

''اور جب زندہ در گور لڑکی پوچھی جائیگی کہ تو کس گناہ کے بدلے ہلاک کی گئی۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمادیا:

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ وَوَاْدَ الْبَنَاتِ۔ (مشکوۃ: باب البر والصلۃ)

''اللہ نے تم پر حرام فرمادیا ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ در گور کرنا۔''

عورتیں جن چیزوں پر آنحضرت ﷺ سے بیعت کیا کرتی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی:

وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ۔ (ممتحنہ: ع ۲) ''وہ اپنے بچوں کو ہلاک نہ کیا کریں گی۔''

آنحضرت ﷺ نے غلاموں کے آزاد کرنے کو موجب نجات فرمایا ہے۔

غلاموں پر شفقت: چنانچہ آپ کا ارشاد ہے: ''جو کوئی کسی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے اس غلام کے ہر عضو کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اس کا ایک عضو دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہے (۶۵)''۔ علاوہ ازیں کفارات میں جابجا غلام آزاد کرنا واجب رکھا گیا ہے۔

اسلام میں غلاموں کے حقوق کا خاص لحاظ ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں تمہارے غلاموں میں جو تمہارے موافق ہوں۔ اسے کھلاؤ اس میں سے جو تم کھاتے ہو۔ اور پہناؤ اس میں سے جو تم پہنتے ہو۔ اور ان میں سے جو تمہارے موافق نہ ہو۔ اسے بیچ دو۔ اور خلق خدا کو عذاب نہ دو۔ (۶۶)

حضرت ابو مسعود انصاری بیان کرتے ہیں۔ کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا۔ کہ میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی: ''ابو مسعود! جان لو کہ تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے۔ اس سے زیادہ خدا کو تم پر اختیار ہے''۔ میں نے مڑ کر جو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے اس کو رضائے خدا کے لیے آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ''دیکھو! اگر تم ایسا نہ کرتے۔ تو دوزخ کی آگ تم کو جلاتی۔ (۶۷)

حضرت ابو ذر کا بیان ہے کہ میں نے ایک عجمی غلام کو برا بھلا کہا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کر دی۔ آپ نے فرمایا: ''ابو ذر! تم میں جاہلیت ہے۔ وہ تمہارے بھائی ہیں۔ خدا نے تم کو ان پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے جو تمہارے موافق نہ ہو۔ اسے بیچ دو۔ اور خلق خدا کو عذاب نہ دو۔ (۶۸)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ! ہم خادم کو کتنی بار معاف کر دیا کریں''؟ آپ خاموش رہے۔ اس نے دوسری بار دریافت کیا۔ پھر بھی آپ خاموش رہے۔ تیسری بار دریافت کرنے پر فرمایا کہ ہر روز ستر بار معاف کر دیا کرو۔ (۶۹)

آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے غلام کے منہ پر تھپڑ مارے اس کا کفارہ یہ ہے۔ کہ اسے آزاد کر دے۔ حضرت سوید بن مقرن بیان کرتے ہیں کہ ہم سات بھائی تھے۔ ہمارے ہاں صرف ایک خادمہ تھی۔ ہم میں سے ایک نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا کہ خادمہ کو آزاد کر دو۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں صرف یہی ایک خادمہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ خدمت کرتی رہے۔ یہاں تک کہ بے نیاز ہو جائیں۔ جب ضرورت نہ رہے تو اسے آزاد کر دیں۔ (۷۰)

آنحضرت ﷺ کو غلاموں کی بہبودی کا اس قدر خیال تھا کہ جب وفات شریف کا وقت عین قریب آ پہنچا۔ تو آپ یوں وصیت فرما رہے تھے:

اَلصَّلٰوۃُ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ ''نماز اور غلام۔''

انسان تو در کنار چوپایوں پر بھی آنحضرت ﷺ کی شفقت تھی۔

چوپایوں پر شفقت ورحمت: ایک روز آپ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک اونٹ ہے۔ جب اس اونٹ نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو رو پڑا اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپ اس کے پاس آئے۔ اور اس کے پس گوش پر ہاتھ پھیرا۔ وہ چپ ہو گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے عرض کیا۔ کہ یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو اس چوپائے کے بارے میں جس کا اللہ نے تجھ کو مالک بنایا ہے خدا سے نہیں ڈرتا؟ اس نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے۔ اور کثرت سے تکلیف دیتا ہے۔ (۷۱)

ایک روز رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک اونٹ پر ہوا۔ جس کی پیٹھ ''بھوک اور پیاس کے سبب سے'' پیٹ سے لگی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ تم ان پر سوار ہو اور آنحالیکہ لائق ''سواری کے'' ہوں۔ اور ان کو چھوڑ در آنحالیکہ لائق ''پھر سوار ہونے کے'' ہوں''۔ (۷۲)

ایک دفعہ ایک گدھے پر آپ کا گزر ہوا۔ جس کے چہرے پر داغ دیا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''لعنت کرے اللہ اس شخص کو جس نے اسے داغ دیا ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے چوپایوں کی پیٹھوں کو منبر نہ بناؤ۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے تابع کیا ہے تا کہ وہ تم کو ایسے شہروں میں پہنچا دیں جہاں تم بغیر مشقت جان نہ پہنچتے اور تمہارے واسطے زمین بنائی۔ پس اس پر اپنی حاجتیں پوری کرو۔ (۷۳)

رسول اللہ ﷺ نے آداب سفر میں فرمایا ہے: کہ جب فراخ سالی ہو اور گھاس بکثرت ہو تو تم سفر

میں دن کو کسی وقت اونٹوں کو چھوڑ دیا کرو تا کہ وہ چر لیں۔ اور جب قحط سالی ہو تو ان کو تیز چلاؤ تا کہ وہ اچھی حالت میں منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ بصورت تاخیر وہ بھوک کے مارے کمزور ہو کر راستے ہی میں رہ جائیں۔ اور جب تم آخر شب میں کسی جگہ اترو تو راستہ چھوڑ کر ڈیرہ ڈالو کیوں کہ رات کے وقت چوپائے اور حشرات الارض راستوں میں پھرا کرتے ہیں۔ (۷۴) اور کھانے کی گری پڑی چیزیں اور ہڈیاں وغیرہ جو راستے میں ہوں کھایا کرتے ہیں۔

حضرت ابو واقد لیثی روایت کرتے ہیں۔ کہ نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اور لوگ اونٹوں کی کوہان اور بھیڑ بکری کی سرین کا گوشت ''کھانے کے لیے'' کاٹ لیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جو گوشت کسی زندہ چوپائے سے کاٹا جائے وہ مردار ہے۔ کھانا نہ چاہیے۔ (۷۵)

حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت ایک بلی کے سبب سے دوزخ میں گئی جسے اس نے باندھ رکھا اور کھانا کھلایا اور نہ چھوڑا تا کہ حشرات الارض کو کھاتی۔ (۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص راستے میں چل رہا تھا۔ اسے سخت پیاس لگی۔ ایک کنواں نظر پڑا۔ تو اس میں اتر کر اس نے پانی پیا پھر نکل آیا۔ ناگاہ اس نے ایک کتا دیکھا جو پیاس کے مارے زبان نکالے ہوئے تھا اور مٹی کھا رہا تھا۔ اس شخص نے سوچا کہ اس کتے کو پیاس سے ویسی ہی تکلیف ہے جیسی مجھے تھی۔ اس لیے وہ کنوئیں میں اترا۔ اور اپنا موزہ پانی سے بھرا۔ پھر اسے اپنے منہ سے پکڑا۔ یہاں تک کہ اوپر چڑھ آیا۔ اور کتے کو پانی پلایا۔ خدا نے اس کی قدردانی کی اور اسے بخش دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا چوپایوں میں ہمارے واسطے کچھ اجر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہر ذی روح میں اجر ہے۔ (۷۷)

آنحضرت ﷺ کی شفقتِ عامہ کا مقتضاء تھا کہ آپ نے چوپایوں کو باہم لڑانے (۷۸)، کسی جانور کو نشانہ بنانے (۷۹)، کسی چوپائے یا جانور کو ہلاک کرنے کے لیے حبس (۸۰) کرنے اور اور حیوان کو مثلہ (۸۱) بنانے سے منع فرما دیا۔

پرندوں اور حشرات الارض پر شفقت و رحمت:

حضرت عبدالرحمٰن کے والد عبداللہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ ہم نے ایک پرندہ ''زوک'' کو دیکھا۔ جس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے۔ ہم نے دونوں کو پکڑ لیا۔ زوک آئی اور اترنے کے لیے بازو پھیلانے لگی۔ اتنے میں نبی ﷺ تشریف لے آئے۔ اور آپ نے فرمایا: اس کے بچوں کو پکڑ کر اسے کس نے دکھ دیا ہے؟ اس کے بچے اسے واپس دے دو'' پھر آپ نے ایک چیونٹیوں کا گھر دیکھا جسے ہم نے

جلا دیا تھا۔ آپ نے پوچھا اسے کس نے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ ''جائز نہیں کہ خدا کے سوا کوئی کسی کو آگ کا عذاب دے''۔ (۸۲)

ایک روز حضرت عثمان بن حبان نے ایک پسو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا۔ اس پر حضرت ام درداء نے کہا میں نے ابوالدرداء سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آگ کے مالک ''خدا'' کے سوا کوئی کسی کو آگ کا عذاب نہ دے''۔ (۸۳)

عامر تیر انداز سے روایت ہے۔ کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں تھے۔ ناگاہ ایک شخص آیا جس پر کمبل تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ جس پر اس نے کمبل لپیٹا ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! درختوں کے جنگل میں میرا گزر ہوا۔ میں نے اس میں ایک پرندے کے بچوں کی آوازیں سنیں۔ میں نے ان کو پکڑ لیا اور اپنے کمبل میں رکھ لیا۔ ان کی ماں آئی اور میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے کمبل کو بچوں پر سے دور کر دیا وہ ان پر گر پڑی۔ میں نے ان سب کو اپنے کمبل میں لپیٹ لیا اور وہ یہ میرے پاس ہیں۔ آپ نے فرمایا: ان کو رکھ دے۔ میں نے ان کو رکھ دیا۔ مگر ان کی ماں نے ان کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم بچوں پر ماں کے رحم کرنے پر تعجب کرتے ہو۔ اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے۔ تحقیق اللہ اپنے بندوں پر ان بچوں کی ماں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو ان کو واپس لے جا اور ان کو ماں سمیت وہیں رکھ دے۔ جہاں سے انہیں پکڑا ہے۔ پس وہ ان کو واپس لے گیا۔ (۸۴)

نباتات و جمادات پر رحمت: آنحضرت ﷺ کی رحمت سے جمادات و نباتات کو بھی حصہ ملا ہے۔ آپ کی بعثت سے زمین شرک و کفر کی نجاست سے پاک ہوئی۔ اور نور ایمان چاروں طرف پھیل گیا۔ مسجدیں تعمیر ہونے لگیں۔ اور اذان میں اللہ اور اس کے رسول کا نام پکارا جانے لگا۔ آپ کے تولد ہونے کے بعد آسمان پر شیاطین کا جانا بند ہو گیا۔

جب امساک باراں ہوتا۔ تو لوگ حضور کا وسیلہ پکڑ کر دعا کیا کرتے۔ اور وہ مستجاب ہو جاتی۔ یا حضور خود دعا فرمایا کرتے اور باران رحمت نازل ہوتا۔ جس سے مردہ زمین پھر سے زندہ ہو جاتی اور نباتات اگتے۔

غرض آنحضرت ﷺ کی رحمت سے دونوں عالم کو حصہ پہنچا ہے۔ انسان کے علاوہ جنات بھی آپ کی دعوت سے دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ فرشتے آپ پر درود بھیجنے کے سبب سے مورد رحمت الٰہی بنے رہتے ہیں۔ کیوں کہ حدیث مسلم میں ہے کہ حضور نے فرمایا: ''جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ (۸۵)

باوجود علو مرتبت کے آنحضرت ﷺ سب سے بڑھ کر متواضع تھے۔

تواضع وحسن معاشرت: آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ بارگاہِ الٰہی سے ایک فرشتے نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ آپ کا پروردگار ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو پیغمبری کے ساتھ بندگی وفقر اختیار کریں۔اور اگر چاہیں تو نبوت کے ساتھ پادشاہت اور امیری لے لیں۔آپ نے پیغمبر کے ساتھ بندگی کو پسند فرمایا۔اس کے بعد حضور انور تکیہ لگا کر کھانا نہ کھاتے۔اور فرماتے ''میں کھانا کھاتا ہوں جیسے بندہ کھایا کرتا ہے۔اور بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھا کرتا ہے''۔(۸۶)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصا پر ٹیک لگائے نکلے۔ہم آپ کے لیے کھڑے ہو گئے۔آپ نے فرمایا کہ تم کھڑے مت ہو جیسا کہ عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔(۸۷)

حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے ایک دوسرے کو دشنام دی۔مسلمانوں نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد کو تمام جہان والوں پر برگزیدہ کیا۔یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام جہان والوں پر برگزیدہ کیا۔اس پر مسلمان نے ہاتھ اٹھا کر یہودی کے ایک تھپڑ مارا۔یہودی جناب پیغمبر خدا ﷺ کے پاس گیا۔اور اپنا اور مسلمان کا حال بیان کیا۔آپ نے (مسلمان سے) فرمایا۔کہ تم مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔کیوں کہ لوگ (قیامت کے دن) بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا۔ناگاہ موسیٰ پر عرش کی ایک طرف کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔مجھے معلوم نہیں کہ وہ ان میں سے ہوں گے جو بے ہوش ہوئے اور پھر ہوش میں آئے۔یا ان میں سے ہوں گے جو بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رہے۔(۸۸)

حضرت انس روایت کرتے ہیں۔کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہنے لگا:

یَا خَیْرَ الْبَرِیَّةِ۔ اے بہترین خلق۔

آپ نے فرمایا کہ خیر البریہ تو ابراہیم ہیں۔(۸۹)

حضرت عبداللہ بن الشخیر بیان کرتے ہیں۔کہ میں بنو عامر کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ہم نے کہا آپ ہمارے آقا ہیں۔

آپ نے فرمایا۔آقا خدا ہے۔پس ہم نے کہا کہ آپ فضل وکرم میں ہم سب سے افضل واعظم ہیں۔آپ نے فرمایا تم یہ کہو یا اس سے بھی کم کہو، دیکھنا! شیطان تمہیں اپنا وکیل نہ بنا لے۔(۹۰)

عدی بن حاتم طائی پہلے عیسائی تھے۔جو اپنی قوم کے سردار تھے۔اور غنیمت میں سے حسب قاعدہ جاہلیت چوتھا حصہ لیا کرتے تھے۔جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی۔تو وہ بھاگ کر ملک

شام کو چلے گئے۔ان کی بہن پیچھے رہ گئی۔اور گرفتار ہو کر بارگاہ رسالت میں آئی۔اس نے عرض کیا کہ آپ مجھ پر احسان کیجئے۔خدا تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسے خوراک و پوشاک اور سواری دے کر اس کی قوم کے ایک قافلہ کے ساتھ روانہ فرما دیا۔وہ شام میں اپنے بھائی کے پاس پہنچ گئی۔عدی کو شک تھا کہ رسول اللہ ﷺ بادشاہ ہیں یا پیغمبر۔بہن نے مشورہ دیا کہ تم خود حاضر خدمت ہو کر دیکھ آؤ۔چنانچہ عدی یوں بیان کرتے ہیں۔کہ جب میں مدینہ پہنچا۔تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔میں نے سلام عرض کیا۔آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں عدی بن حاتم طائی ہوں۔یہ سن کر آپ کھڑے ہو گئے اور مجھے اپنے گھر لے چلے۔ناگاہ ایک مسکین بڑھیا کسی حاجت کے لیے حاضر خدمت ہوئی۔وہ کہنے لگی۔ٹھہریئے چنانچہ آپ ٹھہر گئے اور وہ دیر تک کچھ عرض کرتی رہی۔یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بادشاہ نہیں ہیں۔پھر آپ مجھے اپنے گھر لے گئے۔آپ نے ایک تکیہ جو کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تھا میری طرف پھینکا۔اور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔میں نے کہا۔نہیں۔آپ اس پر تشریف رکھیے۔آپ نے فرمایا۔کہ تم ہی اس پر بیٹھو۔چنانچہ حسب الارشاد میں اس پر بیٹھ گیا اور آپ زمین پر بیٹھ گئے۔یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ بادشاہ کا یہ حال نہیں ہوا کرتا پھر آپ نے فرمایا۔عدی بن حاتم! کیا تم رکوسی (۹۱) نہیں ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔پھر فرمایا۔کیا تم غنیمت کا چوتھا حصہ نہیں لیتے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔آپ نے فرمایا۔کہ یہ تمہارے دین میں جائز نہیں میں اس سے پہچان گیا۔کہ آپ پیغمبر مرسل ہیں۔اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ عدی؟ شاید تم اس لیے دین اسلام میں داخل نہیں ہوتے کہ مسلمان غریب اور تعداد میں تھوڑے ہیں۔اور ان کے دشمن بہت اور صاحب ملک و سلطنت ہیں۔مگر عنقریب مسلمانوں میں مال کی وہ کثرت ہوگی کہ کوئی صدقہ لینے والا نہ ملے گا۔اور تم عنقریب سن لو گے کہ ایک عورت اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے مکہ میں پہنچ کر بیت اللہ کا حج کیا کرے گی۔اور اسے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔اور تم عنقریب سرزمین بابل میں سفید محلات پر مسلمانوں کے قبضہ کی خبر سن لو گے۔یہ سن کر میں اسلام لایا حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ان تین پیش گوئیوں میں سے دوسری اور تیسری پوری ہو چکی ہے۔اور پہلی پوری ہو کر رہے گی۔(۹۲)

آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب کو مدح میں مبالغہ کرنے سے روکتے اور فرماتے "میری مدح میں تم مبالغہ نہ کرو۔جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کی مدح میں کیا۔میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول کہا کرو (۹۳)۔

آپ اپنے اہل خانہ و خدام اور اصحاب سے نہایت تواضع سے پیش آیا کرتے اور اپنے دولت خانہ

میں اہل خانہ کے کاروبار کیا کرتے۔ آپ نے کبھی کھانے کو عیب نہ لگایا۔ خواہش ہوتی تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ حضرت انس نے دس سال تک آپ کی خدمت کی۔ اس عرصہ میں آپ نے کبھی ان کو اف نہ کہا۔ اور نہ یوں فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کیوں نہ کیا (۹۴)۔

جب آپ نماز فجر سے (۹۵) فارغ ہوتے۔ تو اہل مدینہ کے خادم پانی کے برتن لے کر حاضر ہوتے۔ آپ ان میں اپنا دست مبارک ڈبو دیتے۔ تا کہ ان کو شفاء اور برکت ہو آپ بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ چلتے۔ اور ان کی حاجت بر آری فرماتے۔ اہل (۹۶) مدینہ کی لونڈیاں آپ کا ہاتھ مبارک پکڑتیں اور اپنے کاموں کے لیے جہاں چاہتیں لے جاتیں۔

آپ بیماروں کی عیادت فرماتے۔ جنازے کے پیچھے چلتے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے۔ دراز گوش پر سوار ہوتے۔ اور اپنے پیچھے اوروں کو بٹھا لیتے۔ چنانچہ بنی قریظہ کی لڑائی کے دن آپ دراز گوش پر سوار تھے۔ جس کی مہار اور پالان پوست خرما کا (۹۷) تھا حجۃ الوداع میں جس کجاوے پر آپ سوار تھے (۹۸) جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو از روئے تواضع سر مبارک کو اس قدر جھکا لیا کہ کجاوے سے آلگا (۹۹)۔

غزوۂ بدر میں تین تین مجاہدوں کے لیے ایک ایک اونٹ (۱۰۰) تھا۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ و ابولبابہ انصاری رسول اللہ ﷺ کے عدیل تھے جب آنحضرت ﷺ کے اترنے کی باری آتی تو دونوں عرض کرتے کہ آپ نہ اتریں۔ ہم آپ کے بدلے پیدل چلتے ہیں۔ مگر حضور انور ﷺ فرماتے کہ تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو۔ اور میں تمہاری نسبت اجر و ثواب سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں (۱۰۱)۔

آپ اپنے نعل مبارک کو آپ پیوند لگا لیتے۔ اپنے کپڑے آپ سی لیتے۔ اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے۔ جب کوئی آپ سے ملنے آتا تو اس کا اکرام کرتے۔ یہاں تک کہ بعض وقت اپنی چادر مبارک اس کیلئے بچھا دیتے۔ جب آپ کسی سے ملتے تو پہلے سلام کرتے۔ جب مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ نہ ہٹاتے جب تک دوسرا شخص نہ ہٹاتا۔ اور اس سے اپنا روئے مبارک نہ پھیرتے یہاں تک کہ وہ پھیر لیتا۔ آپ اپنے زانو اپنے ہم نشین سے آگے بڑھا کر نہ بیٹھا کرتے''۔ (۱۰۲)

حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ ایک شخص اجازت لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس اندر آیا۔ آپ نے اسے دروازے میں دیکھتے ہی فرمایا کہ قبیلے کا یہ شخص برا ہے۔ جب وہ بیٹھ گیا۔ تو آپ نے اس کے سامنے کشادہ روئی اور انبساط ظاہر کیا۔ جب وہ چلا گیا۔ تو حضرت صدیقہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جب آپ نے اس شخص کو دروازے میں دیکھا۔ تو ایسا فرمایا۔ مگر اس کے روبرو تازہ روئی اور انبساط ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا: ''اے عائشہ! تو نے مجھے فاحش کب پایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک

منزلت کے لحاظ سے سب سے برا وہ شخص ہوگا جس سے لوگ اس کے فحش سے بچنے کے لیے کنارہ کرتے ہیں''۔(۱۰۳)

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فحش کہنے والے نہ تھے اور نہ کسی پر لعنت کرنے والے اور نہ گالی دینے والے تھے۔ جب آپ کسی پر عتاب فرماتے تو یوں ارشاد فرماتے ''اسے کیا ہوا۔ اس کی پیشانی خاک آلود ہو''۔(۱۰۴)

ایک سفر میں آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ کھانے کے لیے ایک بکری درست کرلو۔ ایک نے کہا۔ اس کا ذبح کرنا میرے ذمے ہے۔ دوسرے نے کہا۔ کھال اتارنا میرے ذمے ہے۔ ایک اور بولا۔ پکانا میرے ذمے ہے۔ آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تم کر سکتے ہو۔ لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اپنے تئیں تم سے ممتاز کروں کیوں کہ خدا تعالیٰ اس بندے کو پسند نہیں کرتا۔ جو اپنے ساتھیوں سے ممتاز بنتا ہے۔ اس کے بعد آپ لکڑیاں جمع کر کے لائے۔(۱۰۵)

آپ اپنے اصحاب کرام کی دلجوئی اور تعہد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرماتے۔ ایک روز ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ اور اپنی حاجت عرض کی۔ وہ آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ مت۔ میں بادشاہ نہیں ہو۔ میں ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔(۱۰۶)

ایک دفعہ نجاشی شاہ حبشہ کا وفد آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ بذات خود ان کی خدمت کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ ہم آپ کی طرف سے خدمت کے لیے کافی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے ملک میں ہمارے اصحاب کا اکرام کیا تھا۔ اس لیے مجھے یہی پسند ہے۔ کہ اس اکرام کا بدلہ میں خود دوں۔(۱۰۷)

حضرت قیس بن سعد بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ میرے والد نے آپ کی خاطر تواضع کی۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد جب آپ واپس آنے لگے۔ تو میرے والد نے آپ کے لیے ایک دراز گوش تیار کیا۔ جس پر کمبل کا پالان تھا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے۔ جب چلنے کو ہوئے تو والد نے مجھ سے کہا: قیس! تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا۔ اس لیے میں ساتھ ہولیا۔ حضور انور نے فرمایا کہ تو میرے ساتھ سوار ہو جا۔ میں نے بپاس ادب انکار کر دیا۔ مگر آپ نے فرمایا: ''یا تو سوار ہو جا یا لوٹ جا''۔ اس لیے میں واپس آ گیا۔(۱۰۸)

آنحضرت ﷺ کی دل جوئی کے لیے کبھی کبھی خوش طبعی بھی فرمایا کرتے تھے۔ مگر وہ متضمن دروغ نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت انس کا ایک چھوٹا اخیافی بھائی تھا۔ وہ جب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں

آتا۔ تو اس کے ہاتھ میں ایک چڑیا (ممولا) ہوتی۔ جس سے وہ کھیلا کرتا تھا۔ اتفاقاً وہ چڑیا مرگئی۔ اس کے بعد جب وہ آپ کی خدمت میں آتا۔ تو آپ خوش طبعی کے طور پر فرماتے یا اباعمیر ما فعل النغیر۔ یعنی اے ابوعمیر! وہ چڑیا کہاں گئی۔ (۱۰۹)

ایک روز ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے سواری عنایت کیجئے تاکہ میں اس پر سوار ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا۔ وہ بولا: میں اونٹنی کے بچے کو کیا کروں؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ اونٹنیاں ہی اونٹ جنتی ہیں (۱۱۰) یعنی ہر ایک اونٹ اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔ اس میں تعجب کیا ہے: اسی طرح ایک روز ایک عورت نے جو قرآن پڑھا کرتی تھی۔ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ دعا کریں کہ میں بہشت میں داخل ہوں آپ نے اس سے فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت بہشت میں داخل نہ ہوگی۔ اس نے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے جواب دیا۔ کیا تو قرآن نہیں پڑھتی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ (واقعہ: ع ۱)

''ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر پیدا کیا اور ان کو کنواریاں بنایا۔''

ایک بدوی صحابی زاہر نام جو بدشکل تھے۔ جنگل کے پھل سبزی وغیرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ لایا کرتے تھے۔ جب وہ آپ سے رخصت ہوتے تو آپ شہر کی چیزیں کپڑا وغیرہ ان کو دے دیا کرتے تھے۔ آپ کو ان سے محبت تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ زاہر ہمارا روستائی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔ ایک روز آپ بازار کی طرف نکلے۔ تو دیکھا کہ زاہر اپنی متاع بیچ رہے ہیں۔ آپ نے پیٹھ کی طرف سے جا کر ان کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک رکھا اور ان کو گود میں لے لیا۔ وہ بولے: کون ہے؟ مجھے چھوڑ دو۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ تو آنحضرت ﷺ تھے۔ پس اپنی پیٹھ اور بھی حضور کے سینے سے (بغرض تبرک) لپٹانے لگے حضور نے فرمایا۔ کوئی ہے جو ایسے غلام کو خریدے۔ وہ بولے یا رسول اللہ اگر آپ بیچتے ہیں۔ تو آپ مجھے کم قیمت پائیں گے۔ حضور نے فرمایا ''تو خدا کے نزدیک گراں قدر ہے۔ (۱۱۱)

حضرت محمود بن ربیع انصاری خزرجی جو صغار صحابہ میں سے تھے۔ پانچ سال کے تھے۔ کہ آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے جس میں ایک کنواں تھا آپ نے ایک ڈول سے پانی پیا۔ اور پانی کی کلی (بطریق مزاح) حضرت محمود کے چہرے پر ماری (۱۱۲) اس کی برکت سے ان کو وہ حافظہ حاصل ہوگیا۔ کہ اس قصے کو یاد رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے صحابہ میں شمار ہوئے۔ اسی طرح حضرت زینب بنت ام سلمہ مخزومیہ جو آنحضرت ﷺ کی ربیبہ تھیں۔ آپ کے پاس آئیں۔ آپ غسل خانے میں تھے

آپ نے ان کے چہرے پر پانی پھینک دیا۔اس کی برکت سے ان کے چہرے میں شباب کی رونق قائم رہی۔ یہاں تک کہ نہایت بوڑھی ہو گئیں (۱۱۳)۔

سخاوت وایثار: جود حقیقی یہ ہے۔ کہ بغیر غرض وعوض کے ہو۔ اور یہ صفت ہے حق سبحانہ کی۔ جس نے بغیر کسی غرض وعوض کے تمام ظاہری و باطنی نعمتیں اور تمام حسی وعقلی کمالات خلائق پر افاضہ کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اجود الاجودین اس کے حبیب پاک ﷺ ہیں۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ”آپ سے کبھی کسی چیز کا سوال نہ کیا گیا کہ اس کے مقابل آپ نے لا (نہیں) فرمایا ہو (۱۱۴)“۔ یعنی آپ کسی کے سوال کو رد نہ فرماتے۔ اگر موجود ہوتا تو عطا فرماتے اور اگر پاس نہ ہوتا تو قرض لے کر دیتے۔ یا وعدہ عطا فرماتے۔ ایک دفعہ ایک سائل آپ کی خدمت شریف میں آیا۔ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی چیز نہیں مگر یہ کہ تو مجھ پر قرض کرے۔ جب ہمارے پاس کچھ آجائے گا ہم اسے ادا کر دیں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! خدا نے آپ کو اس چیز کی تکلیف نہیں دی جو آپ کی قدرت میں نہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کی یہ بات حضور کو پسند نہ آئی۔ انصار میں سے ایک شخص بولا: یارسول اللہ ﷺ! عطا کیجیے اور عرش کے مالک سے تقلیل کا خوف نہ کیجیے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور آپ کے روئے مبارک پر تازگی وخوشحالی پائی گئی۔ فرمایا ”اسی کا امر کیا گیا ہے“۔ (۱۱۵)

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بحرین سے مال لایا گیا۔ اور یہ زیادہ سے زیادہ مال تھا جو آپ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو مسجد میں ڈال دو۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو اس مال کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم فرمانے لگے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس آپ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ ﷺ! مجھے اس مال میں سے دیجیے۔ کیوں کہ جنگ بدر کے دن میں نے فدیہ دے کر اپنے آپ کو اور عقیل بن ابی طالب کو آزاد کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ لے لو حضرت عباس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کپڑے میں ڈال لیا۔ پھر اٹھانے لگے تو نہ اٹھا سکے۔ عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! آپ کسی سے فرمادیں کہ اٹھا کر مجھ پر رکھ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ میں کسی سے اٹھانے کو نہیں کہتا۔ حضرت عباس بولے۔ آپ خود اٹھا کر مجھ پر رکھ دیں۔ حضور نے فرمایا میں اسے نہیں اٹھاتا۔ پس حضرت عباس نے اس میں سے کچھ گرا دیا۔ پھر اٹھانے لگے۔ تو تب بھی نہ اٹھا سکے۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ کسی سے فرمادیں کہ اٹھا کر مجھ پر رکھ دے آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں کسی کو اسے اٹھانے کا نہیں کہتا۔ پس حضرت عباس بولے۔ آپ خود اٹھا کر مجھ پر رکھ دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں اسے نہیں اٹھاتا۔ پس حضرت عباس نے اس میں سے بھی کچھ گرا دیا۔ پھر اسے اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔ اور روانہ ہوئے حضور اقدس ان کی طرف دیکھتے رہے یہاں تک

کہ وہ غائب ہو گئے۔ اور حضور ان کی طمع پر تعجب فرماتے تھے۔ غرض حضور انور وہاں سے اٹھے۔ تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا (۱۱۶)۔ مسند ابن ابی شیبہ میں بروایت حمید بن ہلال بطریق ارسال مروی ہے کہ وہ مال ایک لاکھ درہم تھا۔ اور اسے علاء بن الحضرمی نے بحرین کے اخراج سے بھیجا تھا۔ اور یہ پہلا مال تھا جو آنحضرت ﷺ کے پاس لایا گیا۔

غنائم حنین کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ ان میں آپ کی سخاوت حد قیاس سے خارج تھی۔ آپ نے اعراب میں بہتوں کو سو سو اونٹ عطا فرمائے (۱۱۷)۔ مگر اس دن آپ کی سخاوت زیادہ تر مؤلفۃ القلوب کے لیے تھی۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے حضرت بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص (صفوان بن امیہ) نے اس روز بکریوں کا سوال کیا۔ جن سے دو پہاڑوں کا درمیانی جنگل پُر تھا۔ آپ نے وہ سب اس کو دے دیں۔ اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا: ''اے میری قوم! تم اسلام لاؤ۔ اللہ کی قسم! محمد ایسی سخاوت کرتے ہیں کہ فقر سے نہیں ڈرتے (۱۱۸)۔

حضرت سعید بن مسیّب روایت کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ حنین کے دن مجھے مال عطا فرمانے لگے۔ حالانکہ آپ میری نظر میں مبغوض ترین خلق تھے۔ پس آپ مجھے عطا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ میری نظر میں محبوب ترین خلق ہو گئے (۱۱۹)۔

حضرت جبیر بن مطعم بیان کرتے ہیں۔ کہ جب میں اور دیگر لوگ رسول اللہ ﷺ کیساتھ حنین سے (بعد تقسیم غنائم) واپس آرہے تھے تو بادیہ نشینان عرب حضور سے لپٹ گئے۔ وہ حنین کی غنیمت میں سے مانگتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ آپ کو بحالت اضطرار ایک ببول کے درخت کی طرف لے گئے۔ اس درخت میں آپ کی چادر مبارک پھنس گئی۔ آپ ٹھہرے اور فرمایا: ''مجھے میری چادر دے دو۔ اگر میرے پاس اس جنگل کے درختان ببول جتنے چوپائے ہوتے تو البتہ میں ان کو تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ پھر تم مجھ کو بخیل نہ پاتے۔ اور نہ دروغ گو اور بزدل پاتے'' (۱۲۰)۔

حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ ایک روز میں جناب پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ تھا۔ جب آپ نے کوہ احد کو دیکھا۔ تو فرمایا۔ ''اگر یہ پہاڑ میرے لیے سونا بن جائے میں پسند نہ کروں گا کہ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس تین راتوں سے زیادہ رہ جائے۔ بجز اس دینار کے جسے میں ادائے قرض کے لیے رکھ چھوڑوں'' (۱۲۱)۔

ایک روز نماز عصر کا سلام پھیرتے ہی آپ دولت خانہ میں تشریف لے گئے پھر جلد نکل آئے۔ صحابہ کرام کو تعجب ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نماز میں خیال آ گیا کہ صدقہ کا کچھ سونا گھر میں پڑا ہے مجھے پسند نہ آیا کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہے۔ اس لیے جا کر اسے تقسیم کرنے کے لیے کہہ آیا

ہوں (۱۲۲)۔
حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت چادر لے کر آئی۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ میں نے اپنے ہاتھ سے بُنی ہے۔ میں آپ کے پہننے کے لیے لائی ہوں۔ آپ کو ضرورت تھی۔ اس لیے آپ نے چادر لے لی۔ پھر آپ ہماری طرف نکلے۔ اور اسی چادر کو بطور تہ بند باندھے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام میں سے ایک نے دیکھ کر عرض کیا: کیا اچھی چادر ہے۔ یہ مجھے پہنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ کچھ دیر کے بعد آپ مجلس سے اٹھ گئے۔ پھر لوٹ آئے اور وہ چادر لپیٹ کر اس صحابی کے پاس بھیج دی۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ تو نے اچھا نہ کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم سے اس چادر کا سوال کیا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ کسی سائل کا سوال رد نہیں فرماتے۔ اس صحابی نے کہا۔ اللہ کی قسم! میں نے صرف اس واسطے سوال کیا کہ جس دن میں مر جاؤں یہ چادر میرا کفن ہے۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ وہ چادر اس کا کفن ہی بنی (۱۲۳)۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک کافر رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہوا۔ آپ کے حکم سے اس کے لیے ایک بکری دوہی گئی۔ وہ اس کا دودھ پی گیا۔ دوسری دوہی گئی۔ وہ اس کا دودھ بھی پی گیا۔ پھر ایک اور دوہی گئی۔ وہ اس کا دودھ بھی پی گیا۔ اسی طرح اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا۔ صبح جو اٹھا تو اسلام لایا پس رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے لیے ایک بکری دوہی جائے وہ اس کا دودھ پی گیا۔ پھر دوسری دوہی گئی۔ مگر وہ اس کا دودھ تمام نہ پی سکا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ ''مومن ایک انتڑی میں پیتا ہے اور کافر سات انتڑیوں میں پیتا ہے''۔ (۱۲۴)
حضرت بلال مؤذن آنحضرت ﷺ کے خزانچی تھے۔ ایک روز عبداللہ ہوازنی نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے خزانہ کا حال پوچھا۔ انہوں نے بیان کیا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ نہ رہتا تھا۔ بعثت سے وفات شریف تک یہ کام میری تحویل میں تھا۔ جب کوئی ننگا بھوکا مسلمان آپ کے پاس آتا۔ آپ مجھے حکم دیتے۔ میں کسی سے قرض لیتا۔ اور چادر خرید کر اسے اڑھاتا اور کھانا کھلاتا۔ ایک روز ایک مشرک مجھ سے ملا۔ کہنے لگا: بلال! میرے ہاں گنجائش ہے۔ میرے سوا کسی اور سے قرض نہ لیا کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک روز میں وضو کر کے اذان دینے لگا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مشرک تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ آ رہا ہے۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔ او حبشی! میں نے کہا۔ لبیک۔ پھر اس نے ترش رو ہو کر میری نسبت سخت الفاظ کہے۔ اور بولا: ''کچھ معلوم ہے۔ وعدے میں کتنے دن باقی ہیں''؟ میں نے کہا۔ وقت وعدہ قریب آ گیا۔ اس نے کہا۔ کہ صرف چار دن باقی ہیں۔ اگر اس مدت میں تو نے قرضہ ادا نہ کیا۔ تو تجھے غلام بنا کر بکریاں چرواؤں گا جیسا کہ تو پہلے چرایا کرتا تھا۔ یہ سن کر مجھے فکر و غم دامن گیر ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نماز عشاء پڑھ کر دولت خانہ میں تشریف لے گئے۔ میں وہیں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ وہ مشرک جس سے میں قرضہ لیا کرتا تھا۔ اس نے مجھ سے ایسا ایسا کہا ہے۔ آپ کے پاس ادائے قرض کے لیے کچھ موجود نہیں اور نہ میرے پاس ہے۔ وہ مجھ کو فضیحت کرے گا آپ اجازت دیں۔ تو میں بھاگ کر مسلمانوں کے کسی قبیلہ میں جارہا ہوں۔ جب ادائے قرض کے لیے خدا کچھ سامان کردے گا۔ تو واپس آجاؤں گا۔ غرض میں اپنے گھر آگیا۔ اور تلوار، تھیلا، جوتا اور ڈھال اپنے سرہانے رکھ لیے۔ صبح کاذب ہوتے ہی میں چلنے لگا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک شخص دوڑتا آرہا ہے اور کہتا ہے۔ بلال! رسول اللہ ﷺ تجھے یاد فرمارہے ہیں۔ وہاں پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ چار لدے ہوئے اونٹ بٹھائے ہوئے ہیں۔ میں اجازت لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے فرمایا مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے ادائے قرض کا سامان کردیا۔ تم نے چار اونٹ بیٹھے دیکھے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹ حاکم فدک نے بھیجے ہیں۔ یہ اور غلہ اور کپڑے جو ان پر ہیں۔ سب تمہاری تحویل میں ہیں۔ ان کو بیچ کر قرضہ ادا کردو۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ پھر میں مسجد میں آیا اور رسول اللہ ﷺ سے سلام عرض کیا۔ آپ نے ادائے قرضہ کا حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ قرضہ سب ادا ہوگیا۔ کچھ باقی نہیں رہا۔ آپ نے پوچھا کہ کچھ بچ تو نہیں رہا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ کچھ بچ بھی رہا۔ فرمایا "مجھے اس سے سبکدوش کرو۔ جب تک یہ ٹھکانے نہ لگے گا میں گھر نہ جاؤں گا"۔ آپ نماز عشاء سے فارغ ہوئے تو مجھے بلا کر اس بقیہ کا حال پوچھا میں نے عرض کیا کہ وہ میرے پاس ہے کوئی سائل نہیں ملا۔ رسول اللہ ﷺ رات کو مسجد ہی میں رہے۔ دوسرے روز نماز عشاء کے بعد مجھے پھر بلایا۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کردیا۔ یہ سن کر آپ نے تکبیر کہی اور خدا کا شکر کیا۔ کیوں کہ آپ کو ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور وہ مال میرے پاس ہو۔ پھر آپ دولت خانہ میں تشریف لے گئے۔

بعض وقت ایسا ہوتا۔ کہ آپ کسی شخص سے ایک چیز خریدتے۔ قیمت چکا دینے کے بعد وہ اسی کو یا کسی دوسرے کو عطا فرماتے۔ چنانچہ آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ سے ایک اونٹ خریدا۔ پھر وہی اونٹ ان کو بطور عطیہ عنایت فرمایا۔ اسی طرح ایک روز آپ نے حضرت عمر فاروق سے ایک شتر کا بچہ خریدا پھر حضرت عبداللہ بن عمر کو عطا فرمایا۔ (۱۲۵)

غرض جو کچھ آنحضرت ﷺ کے پاس آتا۔ سب راہ خدا میں دے دیتے۔ پاس نہ ہوتا۔ تو قرضہ لے کر سائل کی حاجت روائی فرماتے۔ اپنی ذات شریف کے لیے دوسرے دن کا نفقہ بھی جمع نہ کرتے (۱۲۶)۔ البتہ بعض وقت اپنے حرم کے لیے ایک سال کا نفقہ ذخیرہ کرلیتے۔ جب آپ کسی محتاج

کو دیکھتے۔ تو باوجود احتیاج کے اپنا کھانا اسے دے دیتے۔ آپ کے دولت خانہ میں بعض دفعہ دو دو مہینے آگ نہ جلتی تھی۔ ایک دفعہ غنیمت میں کنیزیں آئی ہوئی تھیں۔ حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے کہا۔ کہ تم اس موقع پر اپنے والد بزرگوار سے خدمت کے لیے ایک کنیز مانگ لو۔ جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تو آپ نے پوچھا کہ کس لیے آئی ہو؟ عرض کیا۔ کہ سلام کرنے آئی ہوں۔ اور بپاس حیا اظہار مطلب نہ کیا۔ اور واپس آ کر حضرت علی سے یہی عذر بیان کر دیا۔ پھر دونوں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ حضرت علی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آب کشی کرتے کرتے میرے سینے پر نیل پڑ گئے ہیں۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا۔ کہ چکی پیستے پیستے میری ہتھیلیوں پر آبلے پڑ گئے ہیں۔ آپ خدمت کے لیے ایک کنیز عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! یہ نہیں ہونے کا کہ میں تم کو خادمہ دوں اور اہل صفہ بھوکے مریں۔ ان کے خرچ کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔ میں ان اسیران جنگ کو بیچ کر ان کی قیمت اہل صفہ پر خرچ کروں گا"۔ رات ہوئی تو آپ حضرت علی و فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے۔ دونوں ایسی پرزہ دار چادر میں تھے کہ اگر اس سے سر ڈھانپتے۔ تو پاؤں ننگے ہو جاتے۔ اور پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگے رہتے۔ آپ کو دیکھ کر دونوں اٹھنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ اپنی جگہ پر رہو۔ پھر ارشاد فرمایا۔ کہ میں تمہیں کنیز سے بہتر چیز بتاتا ہوں۔ اور وہ وہ کلمات ہیں جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے سکھائے ہیں۔ یعنی ہر نماز کے بعد سبحان اللہ دس بار، الحمدللہ دس بار اور اللہ اکبر دس بار۔ اور سونے کے وقت سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمدللہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو (۱۲۷)۔

شجاعت وقوت عزم واستقلال:

آنحضرت ﷺ ان اوصاف میں بھی سب پر فائق تھے۔ ایک رات مدینہ منورہ کے لوگ ڈر گئے اور شور وغل برپا ہوا۔ گویا کوئی چور یا دشمن آتا ہے۔ آپ نے حضرت ابوطلحہ کا گھوڑا لیا۔ جو سست رفتار اور سرکش تھا۔ آپ اس کی پیٹھ پر بغیر زین کے سوار ہو گئے۔ اور تلوار آڑے لٹکائے ہوئے جنگل کی طرف اکیلے ہی تشریف لے گئے۔ جب لوگ اس آواز کی طرف گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ ان کو راستے میں واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ نے ان کو تسلی دی۔ کہ ڈرو مت ڈرو مت۔ اور گھوڑے کی نسبت فرمایا۔ کہ ہم نے اسے دریا کی مانند تیز رفتار پایا (۱۲۸)۔

غزوات میں جہاں بڑے بڑے دلاور و بہادر بھاگ جایا کرتے تھے۔ آپ ثابت قدم رہا کرتے تھے۔ چنانچہ جنگ احد میں جب مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی۔ تو یہ کوہ استقامت اپنی جگہ قائم رہے۔ اور دشمنوں پر تیر پھینکتے رہے۔ جب کمان پارہ پارہ ہو گئی۔ تو سنگ اندازی شروع کی۔ جنگ حنین میں صرف چند جانباز آپ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ باقی سب بھاگ گئے تھے۔ اس نازک حالت میں آپ نے اسی

پر اکتفاء نہ کیا کہ اپنی جگہ پر قائم رہ کر مدافعت فرمائیں۔ بلکہ اپنے خچر کو بار بار ایڑی لگا کر دشمن کی طرف بڑھانا چاہتے تھے مگر وہ جانباز مانع آرہے تھے۔

جب گھمسان کا معرکہ ہوا کرتا تھا۔ تو صحابہ کرام حضور علیہ السلام کی آڑ میں پناہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت براء بن عازب کا قول ہے: "اللہ کی قسم! جب لڑائی شدت سے ہوا کرتی تھی تو ہم نبی ﷺ کی پناہ ڈھونڈا کرتے تھے۔ اور ہم میں سے بہادر وہ ہوتا تھا۔ جو آپ کے ساتھ دشمن کے مقابل کھڑا ہوتا تھا (۱۲۹)۔

اعلان دعوت پر قریش نے آپ کی سخت مخالفت کی۔ جب ابو طالب نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ تو آپ نے یوں فرمایا: "چچا جان! اللہ کی قسم اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تاکہ میں اس کام کو چھوڑ دوں۔ تب بھی اس کام کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ خدا اسے غالب کردے یا میں خود اس میں ہلاک ہو جاؤں"۔

ہجرت سے پہلے قریش نے مسلمانوں کو اس قدر ستایا کہ ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تنگ آکر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ان پر بددعا فرمائیں۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا: "تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، ان پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں۔ جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا۔ اور ان کے سروں پر آرے رکھے جاتے اور چیر کو دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ مگر یہ اذیتیں ان کو دین سے برگشتہ نہ کر سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو کمال تک پہنچائے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضرت موت تک سفر کرے گا اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا"۔ (صحیح بخاری)

آنحضرت ﷺ کی قوت بدنی بھی سب سے زیادہ تھی۔ غزوہ احزاب میں جب صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے۔ تو ایک جگہ ایسی سخت زمین ظاہر ہوئی کہ سب عاجز آگئے۔ آپ سے عرض کیا گیا تو آپ بذات شریف خندق میں اترے۔ اور ایک کدال ایسا مارا کہ وہ سخت زمین ریگ رواں کا ڈھیر بن گئی (۱۳۰)۔

رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم قرشی مطلبی قریش میں سب سے طاقتور تھا۔ وہ ایک روز مکہ کے راستے میں حضور علیہ السلام سے ملا۔ آپ نے اس سے فرمایا: "رکانہ! کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ اور میری دعوت اسلام کو قبول نہیں کرتا؟" اس نے کہا۔ کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ سچ ہے۔ تو میں آپ پر ایمان لے آؤں۔ آپ نے فرمایا: "اگر میں تجھے کشتی میں پچھاڑ دوں تو کیا مان جائے گا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں سچ ہے؟" وہ بولا کہ ہاں۔ آپ نے اسے پکڑتے ہی چاروں شانے چت گرا دیا۔ کہنے لگا۔ "محمد! آپ مجھ سے دوبارہ کشتی لڑیں"۔ آپ نے دوسری دفعہ بھی اسے پچھاڑ دیا۔ اس پر اس نے کہا: "محمد! خدا کی قسم آپ کا مجھے پچھاڑنا عجیب ہے"۔ آپ نے فرمایا: "اگر تو خدا سے ڈرے اور مجھ پر ایمان لائے۔ تو میں اس سے بھی عجیب امر تجھ کو دکھاتا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ

درخت جوتو دیکھتا ہے۔ میں اسے بلاتا ہوں۔ اور وہ میرے پاس چلا آئے گا۔ اس نے کہا کہ آپ اسے بلائیے۔ چنانچہ وہ درخت آپ کے بلانے پر پاس آ کھڑا ہوا رکانہ نے کہا۔ کہ اسے حکم دیجیے کہ اپنی جگہ پر چلا جائے۔ آپ کے حکم سے وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ رکانہ نے اپنی قوم میں جا کر کہا کہ میں نے محمد (ﷺ) سے بڑھ کر کسی کو جادوگر نہیں دیکھا۔ پھر بیان کیا جو کچھ دیکھا تھا (۱۳۱)۔ رکانہ مذکور فتح مکہ میں ایمان لائے۔ رضی اللہ عنہ۔

آپ نے ابوالاسود جمحی کو بھی پچھاڑا تھا۔ جو ایسا طاقتور تھا کہ گائے کی کھال پر کھڑا ہو جاتا۔ دس جوان اس کھال کو اس کے پاؤں کے نیچے سے نکال لینے کی کوشش کرتے۔ وہ چمڑا پھٹ جاتا۔ مگر اس کے پاؤں کے نیچے سے نہ نکل سکتا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ''اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا''۔ آپ نے اسے پچھاڑ دیا۔ مگر وہ بدبخت ایمان نہ لایا (۱۳۲)۔

زہد: یہ وصف بھی آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک میں کمال درجے کا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک قوم کے پاس سے گزرے۔ جن کے آگے بکری کا بھنا ہوا گوشت رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے آپ کو شریک طعام ہونے کے لیے بلایا مگر آپ نے یہ فرما کر انکار کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی (۱۳۳)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اہل بیت کبھی لگا تار دو روز جو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئے (۱۳۴)۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے کبھی خوان پر کھانا نہ کھایا۔ اور نہ باریک روٹی تناول فرمائی (۱۳۵)۔

حضور اقدس ﷺ کے دولت خانہ میں بعض دفعہ دو دو مہینے آگ روشن نہ ہوا کرتی تھی۔ اور صرف پانی اور چھواروں پر گزارہ ہوتا تھا (۱۳۶)۔ بعض وقت آپ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ انصاری بیان فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور ہم میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا دکھایا۔ پس آپ نے اپنے پیٹ مبارک پر دو پتھر بندھے دکھائے (۱۳۷)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا۔ تو میرے گھر کے طاق میں سوائے آدھے پیانہ جو کے کچھ کھانے کو نہ تھا (۱۳۸) اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تیس صاع جو کے عوض گروی تھی جو آپ نے اپنے اہل وعیال کے نفقہ کے لیے تھے (۱۳۹)۔

ایلاء کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ ایک مشربہ (بالا خانہ) میں تشریف رکھتے تھے۔ جہاں کھانے پینے کا اسباب رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق کو جب ایلاء کی خبر ملی۔ تو گھبرائے ہوئے اس مشربہ میں

حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جو برگ خرما سے بنی ہوئی ہے اور جس پر کوئی توشک وغیرہ نہیں۔ بوریائے خرما کے نشان آپ کے پہلوئے مبارک پر پڑے ہوئے ہیں۔ اور بدن مبارک پر ایک تہ بند کے سوا کچھ نہیں۔ سرہانے ایک تکیہ ہے۔ جس میں خرما کی چھال بھری ہوئی ہے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے خزانہ کو دیکھا۔ ایک کونے میں مٹھی بھر جو رکھے ہوئے تھے۔ پاؤں مبارک کے قریب درخت سلم کے کچھ پتے (جو دباغت میں کام آتے ہیں) پڑے ہوئے تھے۔ اور سر مبارک کے پاس ایک کھونٹی پر تین کھالیں لٹک رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے پوچھا۔ ابن خطاب! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہ روؤں۔ بوریائے خرما کے نشان آپ کے پہلوئے مبارک پر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ آپ کا خزانہ ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ نظر آ رہا ہے۔ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور خدا کے رسول و برگزیدہ کے خزانہ کا یہ حال ہو۔ آپ نے فرمایا۔ ابن خطاب! کیا تم پسند نہیں کرتے کہ آخرت ہمارے واسطے اور دنیا ان کے لیے ہو (۱۴۰)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ بوریائے خرما پر سوئے ہوئے تھے۔ اٹھے تو اس کے نشان آپ کے پہلوئے مبارک پر پڑے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کے لیے گدا بنوا دیتے ہیں آپ نے فرمایا ''مجھے دنیا سے کیا غرض؟ دنیا میں میرا حال اس سوار کی مانند ہے جو ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھتا ہے (۱۴۱)''۔

آنحضرت ﷺ اپنے اہل و عیال کے لیے بھی زہد کی زندگی پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے ازواج مطہرات کے حجرے کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے۔ جن کی چھت کہگل کی ہوتی تھی۔ اور وہ قد آدم سے کچھ ہی اونچے تھے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ پہننے کے لیے ان میں سے ہر ایک کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا تھا (۱۴۲)۔

حضرت ثوبان کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کا قصد فرماتے تو اپنے اہل میں سے سب سے اخیر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے مل کر جاتے۔ اور واپس آ کر سب سے پہلے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے ملتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کسی غزوہ سے تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دروازہ پر پردہ لٹکایا ہوا تھا۔ اور امام حسن اور حسین کو چاندی کے کنگن پہنائے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ حسب معمول حضرت فاطمہ کے یہاں آئے۔ تو اندر داخل نہ ہوئے اور تشریف لے گئے حضرت فاطمہ زہرا نے خیال کیا کہ زینت و زیور نے ہی آنحضرت ﷺ کو اندر آنے سے روکا ہے۔ اس لیے پردے کو پھاڑ ڈالا۔ اور بچوں کے ہاتھوں سے کنگن نکال دیئے۔ حضرت حسین روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

آئے۔ حضور نے کنگن ان سے لے لیے اور فرمایا: "ثوبان! یہ زیور فلاں شخص کی آل کے ہاں لے جا۔ کیوں کہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ میں پسند نہیں کرتا کہ یہ اپنی دنیوی زندگی میں لذائذ سے حظ اٹھائیں۔ ثوبان! فاطمہ کے لیے ایک عصب (۱۴۳) کا ہار اور عاج (ہاتھی دانت) کے دو کنگن خرید لاؤ (۱۴۴)۔

ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنی صاحب زادی حضرت بی بی فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے مگر اندر داخل نہ ہوئے۔ حضرت علی آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے ذکر کر دیا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ کے دروازے پر مخطط پردہ لٹک رہا تھا۔ پھر فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا غرض جب حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے بیان کیا۔ تو وہ بولیں کہ حضور انور اس بارے میں جو چاہیں ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے فلاں حاجت مند اہل بیت کو دے دیں۔ اسی طرح حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھے نبی ﷺ نے ایک حلہ سیراء (مخطط یا ریشمی) بطور ہدیہ عطا فرمایا۔ میں نے اسے پہن لیا۔ یہ دیکھ کر حضور انور کے چہرۂ مبارک پر غضب کے آثار نمودار ہوئے۔ میں نے اسے پھاڑ کر اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔ (۱۴۵)

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی دعوت کی۔ اور کھانا تیار ہوا تو حضرت فاطمہ زہراء نے کہا۔ کیا خوب ہو اگر ہم رسول اللہ ﷺ کو بھی شریک طعام کر لیں۔ چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کو بلایا۔ آپ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے دروازے کے بازوؤں پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا۔ اور گھر کے ایک طرف پردہ لٹکتا دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہ نے حضرت علی سے کہا جائیے اور دیکھیے کہ آپ ﷺ کس واسطے واپس ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے واپسی کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ یہ پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ زیب و زینت والے گھر میں داخل ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے تھے۔ میں آپ ﷺ کی واپسی کا انتظار کیا کرتی تھی۔ ہمارے ہاں ایک رنگین فرش تھا۔ میں نے اسے چھت کے ایک شہتیر پر لپیٹ دیا۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے۔ تو میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا "السلام علیک یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ سب ستائش خدا کے لیے ہے۔ جس نے آپ ﷺ کو شرف و بزرگی بخشی"۔ آپ ﷺ نے گھر میں بساط رنگین دیکھ کر میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر کراہت کے آثار دیکھے۔ آپ ﷺ نے اس فرش کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ خدا نے جو کچھ ہمیں دیا ہے۔ اس کے بارے میں ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ اینٹ پتھر کو پہنا دیں۔ بس میں نے اس کے دو تکیے بنا

لیے۔ جن میں کھجور کی چھال بھر دی۔ آپ ﷺ نے اس پر اعتراض نہ فرمایا (۱۴۶)۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ہمارے ہاں ایک پردہ تھا۔ جس میں پرندوں کی تصویریں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے عائشہ! اس کو بدل ڈالو۔ کیوں کہ جب میں اسے دیکھتا ہوں۔ تو دنیا یاد آتی ہے۔ (۱۴۷)

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ زہد اختیاری تھا۔ خدا تعالیٰ نے تو زمین (۱۴۸) کے خزانوں کی کنجیاں آپ ﷺ پر پیش کیں۔ مگر آپ ﷺ کی ہمت عالی نے عبودیت و زہد کو پسند فرمایا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ میرے پروردگار نے مجھ سے فرمایا "اگر تو چاہے تو تیرے واسطے وادیٔ مکہ کو سونا بنا دوں"۔ مگر میں نے عرض کیا: "اے میرے پروردگار میں یہ نہیں چاہتا۔ بلکہ یوں چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور دوسرے روز بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں۔ تو تیرے آگے زاری و عاجزی کروں۔ اور جب سیر ہو جاؤں تو تیری حمد اور تیرا شکر کروں" (۱۴۹)۔

اس میں شک نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو فتوحات بکثرت ہوئیں۔ مگر جو کچھ آتا راہ خدا میں اٹھا دیتے۔ اور خود زہد کی زندگی بسر کرتے۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کا وصال شریف ہوا۔ تو بدن مبارک پر صرف ایک کملی اور تہبند تھا۔ کملی میں پیوند لگے ہوئے تھے اور نمدہ کی طرح ہو گئی تھی۔ تہبند کا کپڑا بھی پیوندوں کی کثرت سے موٹا ہو گیا تھا (۱۵۰)۔ اور آپ کی زرہ ذات الفضول نام ابوالشحم یہودی کے پاس بیس صاع جو میں گروی تھی۔ جو آپ ﷺ نے اپنے اہل کے لیے ایک دینار کے لیے تھے۔ (ترمذی)

خوف و عبادت: آنحضرت ﷺ کو معرفت الٰہی اور علم سب سے زیادہ تھا۔ اس لیے آپ ﷺ سب سے زیادہ خدا ترس اور عبادت کرنے والے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تمہیں معلوم ہوتا جو مجھے معلوم ہے۔ تو تم البتہ زیادہ روتے اور تھوڑا ہنستے (۱۵۱)۔

آپ ﷺ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ کثرت قیام شب کے سبب سے آپ ﷺ کے پاؤں مبارک پر ورم آ گیا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ آپ ﷺ یہ تکلیف و محنت کیوں اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سبب اگلے پچھلے گناہ بخش دیے ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: "کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں" (۱۵۲)۔ یعنی کیا میں اس بات کا شکر نہ کروں کہ میں بخشا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ تمام رات نماز میں کھڑے رہے۔ اور قرآن کی ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہے (۱۵۳)۔

حضرت حذیفہ بن الیمان کا بیان ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو رات کے ایک حصے میں نماز

پڑھتے دیکھا۔ آپ ﷺ یوں پڑھتے تھے۔ اللہ اکبر (تین بار) ذوالملك والجبروت والکبریاء والعظمة۔ پھر دعائے استفتاح پڑھتے تھے بعد ازاں آپ ﷺ نے (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ پڑھ کر رکوع کیا۔ آپ ﷺ کا رکوع (طوالت میں) مانند قیام کے تھا۔ اور اس میں سبحان ربی العظیم پڑھتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا۔ آپ ﷺ کا قومہ مانند رکوع کے تھا۔ اور آپ ﷺ اس میں لربی الحمد پڑھتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا۔ آپ ﷺ کا سجدہ مانند قومہ کے تھا۔ آپ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا آپ ﷺ دو سجدوں کے درمیان مانند سجدہ کے بیٹھتے تھے اور رب اغفرلی رب اغفرلی پڑھتے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ نے چار رکعتیں پڑھیں۔ اور ان میں سورۂ بقرہ و آل عمران و نساء اور مائدہ یا انعام ختم کیں (۱۵۴)۔

آپ ﷺ کو خوف الٰہی کمال درجہ کا تھا۔ حضرت عبداللہ بن الشخیر روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور رونے کے سبب سے آپ ﷺ کے شکم مبارک سے تانبے کی دیگ (کے جوش) کی مانند آواز آرہی ہے (۱۵۵)۔

رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے تفصیلی حالات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ یہاں بوجہ اختصار ان کے ایراد کی گنجائش نہیں۔ مگر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کا طرزِ عمل افراط و تفریط سے خالی ہوا کرتا تھا۔ نہ تمام رات نماز پڑھتے اور نہ تمام رات سوتے۔ بلکہ رات کو نماز بھی پڑھتے اور سو بھی لیتے۔ اسی طرح روزوں کا حال تھا۔ ماہ رمضان مبارک کی طرح تمام ماہ شعبان کے روزے رکھتے باقی دس مہینوں میں سے ہر ایک میں آپ ﷺ ہمیشہ روزہ نہ رکھتے کہ افراط لازم آئے اور نہ ہمیشہ افطار فرماتے کہ تفریط لازم آئے۔ بلکہ ہر مہینہ میں کبھی روزہ رکھتے اور کبھی افطار فرماتے (۱۵۶)۔

عدل وانصاف: رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ عادل وامین تھے۔ طفولیت میں جب مائی حلیمہ نے آپ ﷺ کو پہلے پہل گود میں لیا۔ تو آپ ﷺ نے صرف داہنی چھاتی سے دودھ پیا۔ اور دوسری ان کے شیر خوار بچے کے لیے چھوڑ دی (۱۵۷)۔

جب آپ ﷺ غنام حنین تقسیم فرما رہے تھے۔ تو ذوالخویصرہ راس الخوارج نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! عدل کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تجھ پر افسوس۔ میں اگر عدل نہ کروں تو اور کون کرے گا؟ اگر میں عادل نہیں تو نا امید وزیاں کار ہے''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے جانے دو۔ کیوں کہ اس کے اصحاب ایسے ہیں کہ ان کی نمازوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں

کو حقیر سمجھو گے۔ وہ دین سے یوں نکل جاتے ہیں۔ جیسے تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے (۱۵۸)۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک شخص سے کچھ کھجوریں ادھار لیں۔ جب اس نے تقاضا کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ مہلت دیجئے کہ کچھ آجائے تو ادا کروں''۔ یہ سن کر وہ بولا ''آہ بے وفائی''۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمر! جانے دو۔ صاحب حق ایسا ویسا کہا کرتا ہے''۔ پھر آپ نے حضرت خولہ بنت حکیم انصاریہ سے کھجوریں منگوا کر اس کے حوالہ کیں (۱۵۹)۔

حضرت ابوحدرد اسلمی کا بیان ہے کہ مجھ پر ایک یہودی کا چار درہم قرض تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ خیبر کا ارادہ فرمارہے تھے۔ اس نے مجھ سے تقاضا کیا۔ میں نے مہلت مانگی۔ تو وہ نہ مانا اور مجھے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے دو دفعہ فرمایا کہ اس کا حق ادا کر دو میں نے عرج کیا۔ یارسول اللہ! آپ ﷺ مہم خیبر کا ارادہ فرمارہے ہیں۔ شاید ہمیں وہاں سے کچھ غنیمت ہاتھ لگے۔ آپ نے پھر فرمایا۔ کہ اس کا حق ادا کر دو۔ یہ قاعدہ تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی بات کے لیے تین بار فرمادیتے۔ تو پھر کوئی عذر نہ کیا جاتا۔ میرے پاس بدن پر ایک تہ بند اور سر پر عمامہ تھا۔ میں نے اس یہودی سے کہا۔ کہ اس تہ بند کو مجھ سے خرید لو۔ چنانچہ اس نے چار درہم میں خرید لیا۔ میں نے عمامہ سر سے اتار کر کمر سے لپیٹ لیا۔ ایک عورت میرے پاس سے گزری۔ اس نے اپنی چادر مجھے اوڑھا دی (۱۶۰)۔

سرق ایک صحابی تھے ان سے اس نام کی وجہ تسمیہ دریافت کی گئی۔ تو کہنے لگے کہ ایک بدوی دو اونٹ لے کر آیا۔ میں نے خرید لیے۔ پھر میں (قیمت لانے کے بہانہ سے) اپنے گھر میں داخل ہوا اور عقب خانہ سے نکل گیا۔ اور ان اونٹوں کو بیچ کر اپنی حاجت پوری کی۔ میں نے خیال کیا کہ بدوی چل گیا ہوگا۔ میں واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کھڑا ہے۔ وہ مجھے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ اور واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے اونٹوں کو بیچ کر اپنی حاجت روائی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بدوی کو قیمت ادا کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو سرق ہے۔ پھر بدوی سے فرمایا کہ تم اس کو بیچ کر اپنی قیمت وصول کر لو۔ چنانچہ لوگ اس سے میری قیمت پوچھنے لگے۔ وہ ان سے کہتا تھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہتے تھے کہ ہم خرید کر اس کو آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر بدوی نے کہا کہ میں تمہاری نسبت ثواب کا زیادہ مستحق و خواہاں ہوں۔ اور مجھ سے کہا کہ جاؤ۔ میں نے تم کو آزاد کر دیا (۱۶۱)۔

ایک دفعہ خاندان مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش نے چاہا کہ وہ حد سے بچ جائے۔ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید سے جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب خاص تھے درخواست کی کہ آپ سفارش کیجئے۔ چنانچہ حضرت اسامہ نے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم حد میں سفارش کرتے ہو؟ تم سے پہلے لوگ (بنی اسرائیل) اسی سبب سے تباہ ہوئے کہ وہ غریبوں پر حد جاری کرتے اور امیروں کو چھوڑ دیتے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی ایسا کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا" (۱۶۲)۔

ایک روز رسول اللہ ﷺ غنیمت تقسیم فرمارہے تھے۔ ایک شخص آیا اور آپ ﷺ پر جھک گیا۔ آپ ﷺ نے کھجور کی سوکھی شاخ سے جو آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی اسے ٹھوکا دیا۔ جس سے اس کے منہ پر خراش آ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھ سے قصاص لے لو۔ اس نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ میں نے معاف کر دیا" (۱۶۳)۔

آنحضرت ﷺ جنگ بدر کے لیے صف آرائی کر رہے تھے۔ حضرت سواد بن غزیہ انصاری صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک تیر کی لکڑی سے ان کے پیٹ کو ٹھوکا دیا اور فرمایا:

استوا یا سواد۔ اے سواد! برابر ہو جاؤ۔

اس پر سواد نے حضور ﷺ سے قصاص طلب کیا۔ آپ ﷺ نے فوراً اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا اور فرمایا کہ قصاص لے لو۔ یہ قصہ بالتفصیل پہلے آ چکا ہے۔

آپ ﷺ کی امانت کا یہ عالم تھا۔ کہ نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ عرب میں امین مشہور تھے۔ چنانچہ جب قریش کعبہ کو از سرِ نو بنانے لگے اور حجرہ اسود کی جگہ تک تیار ہو گیا تو قبائل قریش میں جھگڑا ہوا۔ ہر ایک قبیلہ یہی چاہتا تھا۔ کہ حجر اسود کو اٹھا کر ہم اس کی جگہ پر رکھیں گے۔ آخر یہ قرار پایا کہ جو شخص کل صبح باب بنی شیبہ سے حرم میں پہلے داخل ہو وہ ثالث بنے۔ اتفاقاً اس دروازے سے جو پہلے داخل ہوئے وہ آنحضرت ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی سب پکار اٹھے۔ (۱۶۴)

هٰذَا الْاَمِیْنُ رَضِیْنَا هٰذَا مُحَمَّدٌ۔

"یہ امین ہیں۔ ہم راضی ہیں۔ یہ محمد ہیں۔"

جب انہوں نے آپ ﷺ سے یہ معاملہ ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اس میں رکھا۔ پھر فرمایا کہ ہر طرف والے ایک ایک سردار انتخاب کر لیں۔ اور وہ چاروں سردار چادر کے چاروں کونے تھام لیں۔ اور اوپر کو اٹھائیں۔ اس طرح جب وہ چادر مقام نصب کے برابر پہنچ گئی۔ تو آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر دیوار کعبہ میں نصب فرمایا۔ اور وہ سب خوش ہو گئے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے بدن مبارک پر ایک جوڑا قطری موٹے کپڑے کا۔ جب آپ ﷺ بیٹھتے۔ تو وہ پسینہ سے بوجھل ہو جاتا۔ ایک یہودی کے ہاں شام سے کپڑے آئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا۔ کہ آپ ﷺ کسی کے ہاتھ اس سے ایک جوڑا قرض منگوا لیں۔ جب آپ ﷺ کا آدمی یہودی کے پاس پہنچا۔ تو اس نے کہا: "میں سمجھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ میرا مال یا دام یوں ہی اڑا لیں"۔ آپ ﷺ نے سن کر فرمایا"۔ اس نے جھوٹ کہا۔ اسے معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں" (۱۶۵)۔

قریش کو اگرچہ آنحضرت ﷺ سے سخت عداوت تھی۔ مگر باوجود اس کے اپنی جوکھم کی چیز آپ ﷺ ہی کے ہاں امانت رکھا کرتے تھے۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے مذکور ہوا۔

صدق: اپنے تو درکنار بیگانے بھی آنحضرت ﷺ کی صداقت کے قائل تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام ابھی ایمان نہ لائے تھے کہ حضور ﷺ کو دیکھتے ہی پکار اٹھے:

وَجْهُهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔ "ان کا چہرہ دروغ گو کا چہرہ نہیں۔" (۱۶۶)

صلح حدیبیہ کی مدت میں ہرقل روم نے ابو سفیان (جو اب تک ایمان نہ لائے تھے) سے آنحضرت ﷺ کی نسبت پوچھا: "کیا دعویٰ نبوت سے پہلے تمہیں ان پر جھوٹ بولنے کا گمان ہوا ہے؟" ابو سفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ ابو جہل نے آنحضرت ﷺ سے کہا "ہم۔ (معشر قریش) تم کو جھوٹے نہیں کہتے۔ لیکن جو کچھ (کتاب و شریعت) تم لائے ہو۔ اس سے ہم انکار کرتے ہیں"۔ اس پر ابو جہل اور اس کے امثال کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (انعام: ع ۴)

"وہ تجھ کو جھوٹا نہیں کہتے۔ لیکن ظالم خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔"

عتبہ بن ربیعہ حضرت امیر معاویہ کی والدہ ہندہ کا باپ تھا۔ جو جنگ بدر میں کفر پر مرا۔ ایک روز قریش نے اس کو آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے حضور ﷺ پر چند امور پیش کیے کہ ان میں سے جو چاہیں اختیار کریں۔ اور نئے مذہب سے باز آئیں۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے سورۂ حم السجدہ پڑھنی شروع کی۔ جب آپ ﷺ آیہ فان اعرضوا پر پہنچے۔ تو عتبہ نے آپ ﷺ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ کر اور قرابت کی قسم دے کر کہا کہ آپ ﷺ آگے نہ پڑھیں۔ اس کے بعد عتبہ نے واپس جا کر قریش سے یہ ماجرا بیان کیا اور کہا کہ اس نے مجھے قرآن سنایا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝

''اگر وہ منہ پھیریں۔ تو کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں ایک کڑا کے سے ڈرایا ہے جیسا کہ عاد وثمود پر آیا تھا۔''

تو میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور قرابت قریبہ کی قسم دے کر کہا کہ بس آگے نہ پڑھیے۔ تمہیں معلوم ہے کہ محمد (ﷺ) جب کچھ کہہ دیتا ہے۔ تو جھوٹ نہیں بولتا۔ اس لیے میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر وہ عذاب نازل ہو جائے جس سے اس نے ڈرایا تھا (۱۶۷)۔

جب آنحضرت ﷺ کو اعلان دعوت کا حکم آیا۔ تو آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔ جب لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''بتاؤ۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ وادی مکہ سے ایک سواروں کا لشکر تم پر تاخت وتاراج کرنا چاہتا ہے تو کیا تمہیں یقین آ جائے گا''۔ وہ بولے: ''ہاں''۔ کیوں کہ ہم نے تم کو سچ ہی بولتے دیکھا ہے (۱۶۸)۔

حسن عہد ووفا: جب ہرقل قیصر روم نے ابوسفیان سے پوچھا: ''کیا مدعیٔ نبوت عہد شکنی کرتا ہے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔

ابورافع ایک قبطی غلام تھے۔ جو مکہ میں رہا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے۔ کہ قریش نے مجھے سفیر بنا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا۔ جب میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام کی صداقت جاگزیں ہو گئی۔ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں واللہ کبھی ان کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ ''میں عہد شکنی نہیں کرتا اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روکتا ہوں۔ تم اب لوٹ جاؤ۔ اگر وہاں بھی تمہارے دل میں صداقت اسلام رہی۔ تو واپس آ جانا''۔ ابورافع کا قول ہے کہ میں چلا گیا۔ پھر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لایا (۱۶۹)۔

آنحضرت ﷺ عہد شکنی کو بہت برا جانتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَ اِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَّسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَامًا۔

''جو شخص کسی غیر مسلم معاہد (ذمی) کو قتل کرے گا وہ بہشت کی بو نہ سونگھے گا۔ حالانکہ اس کی بو چالیس سال کی مسافت سے آئے گی (۱۷۰)۔''

حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے نبی ﷺ سے کوئی چیز خریدی۔ اس کی قیمت میں سے کچھ میرے ذمہ باقی رہا۔ میں نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا۔ کہ میں باقی قیمت لے کر اسی جگہ آپ ﷺ کے پاس آتا ہوں۔ چنانچہ میں چلا گیا اور اپنا وعدہ بھول گیا۔ تین راتوں کے بعد مجھے یاد آیا۔ میں بقیہ قیمت لے کر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور اسی جگہ بیٹھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ

نے فرمایا: "اے نوجوان! آ بے شک تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا۔ میں تین راتوں سے یہاں تیرا انتظار کر رہا ہوں" (۱۷۱)۔

عفت وحیا: حضور اقدس ﷺ کی پاک دامنی کا ذکر کس زبان سے کیا جائے صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ آپ نے کبھی کسی عورت کو جس کے آپ مالک نہ ہوں نہیں چھوا۔

حیا وہ خلق ہے جس کے ذریعے انسان قبائح شرعیہ کے ارتکاب سے بچتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی ذات میں غایت درجہ کی حیا تھی۔ چنانچہ حضرت ابوسعدی خدری بیان کرتے ہیں۔ کہ "رسول اللہ ﷺ پردہ دار دوشیزہ سے بڑھ کر حیادار تھے۔ جب آپ کسی امر کو ناپسند فرماتے۔ تو ہم اسے آپ کے چہرے مبارک میں پہچان (۱۷۲) جاتے۔ یعنی غایت حیا کے سبب سے آپ اپنی کراہت کی تصریح نہ فرماتے تھے۔ بلکہ ہم اس کے آثار چہرہ انور میں پاتے۔

تقسیم اوقات: حضرت امام حسین کا بیان ہے۔ کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا جو وقت اپنے دولت خانہ میں گزرتا تھا۔ آپ اس میں کیا کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو اس میں قیام کے وقت کے تین حصے کر لیتے تھے۔ ایک حصہ اللہ" کی عبادت" کے لیے، دوسرا اپنے اہل" کے ساتھ موانست و معاشرت" کے لیے۔ تیسرا اپنی ذات اقدس کے لیے۔ پھر اپنے ذاتی حصہ کو اپنے اور عام لوگوں کے درمیان تقسیم کر لیتے۔ خواص صحابہ جو دولت خانہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ ان کی وساطت سے عوام کو جو دولت خانہ میں نہ ہوا کرتے تبلیغ احکام فرماتے۔ اور نصیحت و ہدایت کی کوئی بات عام و خاص سے پوشیدہ نہ رکھتے۔ حصہ امت میں آپ کا طریقہ یوں تھا کہ اہل فضل کو ترجیح دیتے۔ تاکہ حاضر خدمت ہو کر افاذہ عام کریں۔ اور اس حصہ امت کو بقدر حاجات دینیہ تقسیم فرماتے۔ اہل فضل میں سے کسی کو ایک مسئلہ دین دریافت کرنا ہوتا۔ کسی کو دو اور بعض کو بہت سے مسائل کی ضرورت ہوتی۔ پس ان اصحاب حاجات کی طرف توجہ فرماتے اور ان کو وہی امور دریافت کرنے دیتے جن میں ان کی امت کی بہبودی ہو۔ حضور ان کے مناسب حال احکام بیان فرماتے۔ اس کے بعد آپ حاضرین مجلس سے ارشاد فرماتے کہ تمہیں چاہیے کہ بقیہ امت کو جو حاضر نہیں یہ احکام پہنچا دو۔ اور نیز فرماتے کہ جو لوگ (مثلاً عورتیں، بیمار، غائب وغیرہ) اپنی حاجتیں مجھ تک پہنچا نہیں سکتے۔ تم ان کے حوائج مجھ پر پیش کرو۔ کیوں کہ جو شخص ایسے آدمی کی حاجت بادشاہ تک پہنچاتا ہے جسے وہ خود نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قدم (پل صراط پر) ثابت رکھے گا۔ اسی طرح کے ضروری مفید امور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا کرتے۔ اور ایسے امور کی شنوائی نہ ہوتی جن میں کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ طالب وسائل

دولت خانہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ اور آپ سے استفادہ علوم کرتے اور لوگوں کے رہبر بن کر نکلتے۔

حضرت امام حسین فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنے والد بزرگوار سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کا جو وقت گھر سے خارج گزرتا تھا۔ آپ اس میں کیا کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا۔ کہ آنحضرت ﷺ اکثر خاموش رہتے اور بجز مفید و ضرور امر کے لب کشائی نہ فرماتے۔ آپ لوگوں کو (حسن خلق سے) اپنا گرویدہ بناتے۔ اور ایسی بات نہ کرتے جس سے وہ آپ سے نفرت کرنے لگیں۔ آپ ہر ایک قوم کے بزرگ کی عزت کرتے اور اس کو ان کا سردار بناتے۔ آپ لوگوں کو (عذاب خدا) سے ڈراتے۔ ان سے احتراز کرتے اور بچتے۔ مگر کشادہ روئی اور حسن خلق میں کسی سے دریغ نہ فرماتے۔ اپنے اصحاب کی خبر گیری فرماتے (مثلاً مریض کی عیادت، مسافر کے لیے دعاء اور میت کے لیے استغفار فرماتے) اپنے خاص اصحاب سے لوگوں کے حالات دریافت فرماتے (تاکہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیں) آپ اچھی بات کی تحسین فرماتے اور اس کی تائید کرتے۔ اور بری بات کی برائی ظاہر فرماتے اور اس کی تضعیف و تردید کرتے۔ آپ کا حال ہمیشہ معتدل تھا۔ اس میں اختلاف نہ تھا۔ آپ (لوگوں کی تذکیر و تعلیم سے) غافل نہ ہوتے تھے۔ کہ مبادا وہ غافل ہو جائیں یا سستی کی طرف مائل ہو جائیں۔ آپ بہر حال (جمیع انواع عبادات کے لیے) مستعد تھے۔ حق سے کوتاہی نہ کرتے۔ اور نہ حق سے تجاوز فرماتے۔ جو لوگ (استفادہ کے لیے) آپ کی خدمت میں حاضر رہتے وہ خیر الناس ہوتے سب سے افضل آپ کے نزدیک وہ ہوتا جو سب مسلمانوں کا خیر خواہ ہوتا اور مرتبہ میں آپ کے نزدیک سب سے بڑا وہ ہوتا جو محتاجوں کی غم خواری کرنے والا اور (مہمات امور میں) اپنے بھائیوں کی مدد کرنے والا ہوتا۔

امام حسین فرماتے ہیں کہ بعد ازاں میں نے اپنے والد بزرگوار سے آنحضرت ﷺ کی مجلس کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور کا مجلس سے اٹھنا اور مجلس میں بیٹھنا بغیر ذکر الٰہی نہ ہوتا۔ جب آپ کسی مجلس میں رونق افروز ہوتے تو جو جگہ خالی پاتے وہیں بیٹھ جاتے۔ اور دوسروں کو بھی یہی حکم دیتے۔ جو لوگ آپ کے پاس بیٹھتے۔ آپ ان میں سے ہر ایک کو (حسب حال کشادہ روائی اور تعلیم و تفہیم سے) بہرہ ور فرماتے۔ آپ کا ہر ایک جلیس یہ سمجھتا کہ آپ کے نزدیک مجھ سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں۔ جو شخص آپ کے پاس بیٹھتا یا کسی حاجت کے لیے آپ سے کلام کرتا۔ آپ اس کے ساتھ اسی حالت میں ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ وہ خود واپس ہو جاتا۔ جو شخص آپ سے کسی حاجت کا سوال کرتا۔ آپ اس کی حاجت کو پورا کرتے یا اس سے کوئی نرم بات فرماتے۔ (یعنی وعدہ فرماتے یا فرماتے کہ

فلاں سے ہمارے ذمہ قرض لے لو) آپ کی کشادہ روئی اور حسن خلق تمام لوگوں کے لیے عام تھا۔ آپ (بلحاظ شفقت) سب کے باپ ہو گئے تھے۔ اور وہ آپ کے نزدیک حق میں برابر تھے (حسب حال و استحقاق ہر ایک کی حق رسانی ہوتی) آپ کی مجلس حلم و حیاء و امانت و صبر کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ ہوا کرتیں۔ اور نہ اس میں کسی کی آبروریزی ہوتی۔ اور نہ اشاعت ہفوات ہوتی۔ آپ کی مجلس میں سب متساوی تھے۔ ہاں بلحاظ تقویٰ بعض کو بعض پر فضیلت تھی وہ سب متواضع تھے۔ جو مجلس مبارک میں بڑوں کی توقیر چھوٹوں پر رحم کرتے۔ اور صاحب حاجت کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے۔ اور مسافر و اجنبی کے حق کی رعایت کرتے (۱۷۴)۔

❀❀❀❀

حصہ دوم

باب :7

آنحضرت ﷺ کے معجزوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ بھیجے۔ اور ان کی رسالت کے ثبوت کے لیے بطور دلائل ان کو معجزات عنایت کیے۔ کوئی پیغمبر ایسا نہیں جسے کوئی نہ کوئی معجزہ عطا نہ ہوا ہو۔ مگر حضور اقدس ﷺ کے معجزات اکثر واقوی واظہر واشہر ہیں۔ کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان کے افراد کا احاطہ انسانی طاقت سے خارج ہے۔ قرآن کریم کو دیکھیے۔ کہنے کو تو ایک معجزہ ہے۔ مگر اس میں ہزار ہا معجزے ہیں۔ کیوں کہ فصحائے قریش سے قرآن کی کسی ایک سورت کا معاوضہ طلب کیا گیا تو وہ عاجز آ گئے۔ اب جائے غور ہے کہ قرآن میں چھوٹی سے چھوٹی سورت کوثر ہے۔ جس میں دس سے کچھ اوپر کلمات ہیں بقول بعض قرآن میں ۷۷۹۳۴ کلمے ہیں۔ پس اگر سورت کوثر کی مقدار کلمات قرآن کے اجزاء بنائے جائیں تو قریباً سات ہزار ہوں گے جن میں سے ہر ایک جزء فی نفسہ معجزہ ہوگا۔ پھر اگر بلاغت واسلوب واخبار غیب وغیرہ وجوہ اعجاز پر غور کیا جائے تو سات ہزار کی تضعیف ہوتی جائے گی۔ پس آپ حساب کر لیں کہ ایک قرآن کریم میں کتنے معجزے ہیں۔ ہم اسی مضمون کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ دو فصلوں میں لکھتے ہیں۔

فصل اول

اعجاز القرآن کا بیان

حضور اقدس ﷺ سے پہلے دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اپنے زمانے میں معجزات دکھائے۔ مگر ان معجزات کا وجود صرف ان کی حیات دنیوی تک رہا۔ علاوہ ازیں ان کے معجزات

عموماً حسی تھے۔ جن کو فقط حاضرین وقت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مثلاً عصائے موسوی کو اگر دیکھا تو اس وقت کے حاضرین نے، ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کا اگر مشاہدہ کیا تو اس وقت کے موجودین نے۔ اور مائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اگر ملاحظہ کیا تو حاضرین وقت نے۔ مگر حضور اقدس ﷺ کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔ اور ہر زمانے میں ہر صاحب عقل سلیم اس کو بصیرت کی آنکھ سے دیکھ سکے گا۔ چنانچہ جب کفار نے آنحضرت ﷺ سے پہلے نبیوں کے سے حسی معجزے طلب کیے تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ (عنکبوت: ع ۵)

''کیا ان کو بس نہیں کہ ہم نے اتاری تجھ پر کتاب جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔''

مطلب یہ کہ اگر کفار واقعی طالب حق ہیں، تو ہم نے تجھے قرآن مجید ایک ایسا معجزہ عطا کیا ہے کہ جس کی موجودگی میں ان معجزوں کی ضرورت نہیں جو از روئے تعنت وعناد تجھ سے طلب کرتے ہیں۔ یہ قرآن ہر مکان و ہر زمان میں منکرین پر پڑھا جاتا ہے اور پڑھا جائے گا۔ لہٰذا یہ زندہ معجزہ تا قیامت ان کے ساتھ رہے گا اور دوسرے معجزوں کی طرح نہیں کہ وجود میں آئے اور جاتے رہے۔ یا ایک مکان میں ہوئے اور دوسرے میں نہ ہوئے۔ اسی مطلب کو امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے قصیدہ بردہ میں یوں ادا کیا ہے۔(۱)

دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مُعْجِزَةٍ مِنَ النَّبِيِّنَ اِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدُمِ

''ہیں ہمارے پاس باقی آج تک وہ آیتیں معجزے اور انبیاءؑ کے ہو گئے سب کالعدم۔''

حضور اقدس ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی سب سے اشرف اور سب سے واضح دلیل یہی قرآن مجید ہے۔ وجہ یہ ہے کہ معجزات عموماً اس وحی کے مغائر ہوا کرتے تھے جو کسی نبی پر نازل ہوتی تھی۔ اور وہ نبی اس وحی کی صداقت پر معجزے کو بطور شاہد پیش کرتا تھا۔ مگر قرآن کریم وحی ہے اور معجزہ بھی۔ اس لیے یہ اپنا شاہد خود آپ ہے اور کسی دوسری دلیل کا محتاج نہیں۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلت باید از دے رومتاب

حدیث مامن (۲) الانبیاء کے یہی (۳) معنے ہیں۔ کیوں کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب معجزہ نفس وحی ہو تو بوجہ اتحاد دلیل و مدلول وہ دلالت میں اوضح واقویٰ ہوتا ہے اور اس پر ایمان لانے والے زیادہ ہوتے ہیں اسی واسطے قرآن پر ایمان لانے والے ہر زمانے میں بکثرت رہے اور رہیں گے۔ خلاصہ کلام یہ کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت قرآن مجید پر مبنی ہے۔ چنانچہ خود قرآن مجید میں وارد ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاۙ (فرقان:ع۱)

''بڑی برکت ہے اس کی جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر کہ ہو جہان والوں کے لیے ڈرانے والا۔''

اور قرآن کریم کے وحی الٰہی ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل مغائر کی ضرورت نہیں۔لہٰذا ہم قرآن ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔اور بتاتے ہیں کہ وجوہ ذیل سے اس کا معجزہ ثابت ہوتا ہے:

اعجاز القرآن کی پہلی وجہ

وجوہ اعجاز میں سب سے اعلیٰ اور مقدم قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ہے

فصاحت و بلاغت: جو خارق عادت عرب ہے۔ زمانہ جاہلیت میں فصاحت و بلاغت میں عرب (۴) کا وہ پایہ تھا کہ کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ان کا نام ہی بتا رہا ہے کہ اس فن میں ان کو کس قدر مزاولت تھی۔ مہمات امور میں وہ اس فن کے عجائبات بداہتہً ظاہر کیا کرتے تھے۔محافل و مجالس میں فی البدیہ خطبے پڑھ دیا کرتے تھے۔اور گھمسان کے معرکوں میں طعن وضرب کے درمیان رجز پڑھا کرتے تھے اور مطالب عالیہ کے حصول میں بھی اپنی سحر بیانی سے کام لیتے تھے۔اس فن سے وہ بزدل کو دلیر، بخیل کو سخی، ناقص کو کامل، گمنام کو نامور اور مشکل کو آسان کر دیتے تھے۔ جسے چاہتے مدح سے شریف اور ہجو سے وضیع بنا دیتے۔اور اسی سے کینہ دیرینہ دلوں سے دور کر کے بیگانے کو اپنا بنا لیتے۔ انہیں یقین تھا کہ اقلیم سخن کے مالک اور میدان فصاحت و بلاغت کے شہسوار ہم ہی ہیں اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی کلام ہمارے کلام سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔

فصاحت و بلاغت کے اس کمال پر ان کی روحانی حالت نہایت ہی گری ہوئی تھی وہ عموماً بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔حتیٰ کہ خانہ خدا کو انہوں نے بت خانہ بنایا ہوا تھا۔بعض آگ کی پرستش کرتے تھے۔ کچھ لوگ ستاروں اور سورج اور چاند کو پوجتے تھے۔بعض تشبیہ کے قائل تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔اور بعض کو خدا کی ہستی ہی سے انکار تھا۔اوامر و نواہی کی انہیں مطلق خبر نہ تھی۔اور نہ ان کے پاس کوئی الہامی کتاب تھی۔دین ابراہیمی بجز چند رسوم کے بالکل مفقود تھا۔قساوت قلب کا یہ عالم تھا کہ بعض لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ در گور کر دیتے تھے۔وہ شب و روز زنا کاری، شراب خوری، قمار بازی اور قتل و غارت گری میں مشغول رہتے تھے۔ان کے درمیان جو اہل کتاب موجود تھے ان کی حالت بھی دگرگوں تھی۔اور ان کی کتابیں بھی محرف ہو چکی تھیں۔یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اور نصاریٰ تین خدا مانتے تھے اور مسئلہ کفارہ کی آڑ میں اعمال حسنہ کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے

تھے۔غرض ملک عرب میں ساری دنیا کے مذاہب باطلہ اور عقائد قبیحہ موجود تھے۔مشرکین وہاں تھے، آتش پرست،ستارہ پرست، آفتاب پرست، ماہتاب پرست، اور درخت پرست وہاں تھے، نصاریٰ وہاں تھے، یہود وہاں تھے،مشبہہ ومجسمہ وہاں تھے،تناسخیہ وہاں تھے دہریہ وہاں تھے۔

نظر بحالات مذکورہ بالا اس امر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ ایسے مرکز میں خدا کی طرف سے ایک کامل طبیب روحانی ساری دنیا کے لیے مبعوث ہو۔ چنانچہ حسب عادت الٰہی ان کے پاس اللہ کا ایک کامل بندہ آیا۔ اور ایک کامل کتاب لایا۔ جس میں قیامت تک ہر زمانے اور ہر قوم کے تمام روحانی (۵) امراض کا خدائی نسخہ درج تھا اس طبیب روحانی سے وہ پہلے ہی آشنا تھے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا خاتم سلسلہ انبیاء انہیں میں سے تھا۔ انہیں کے درمیان پیدا ہوا اور انہیں کے درمیان پرورش پائی۔ ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے بطن مبارک ہی میں تھا کہ والد ماجد نے انتقال فرمایا۔ جب چھ سال کا ہوا تو والدہ ماجدہ نے بھی اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ بعد ازاں دادا اور چچا یکے بعد دیگرے اس کی پرورش کے متکفل ہوئے۔ اس طرح اس در یتیم کی تعلیم کا کوئی سامان نہ ہوا نہ ہو سکتا تھا۔ کیوں کہ مکہ میں نہ کوئی مدرسہ تھا، نہ کتب خانہ اور نہ وطن سے باہر کسی دوسری جگہ جا کر تعلیم پانے کا اتفاق ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو اہل مکہ سے کب پوشیدہ رہ سکتا تھا غرض چالیس سال کی عمر تک وہ بندہ کامل امیوں میں امی مگر صدق و امانت میں مشہور رہا پھر یکا یک استاد ازل کی تعلیم سے منصب نبوت پر سرفراز ہوا۔

اس امی لقب امین نے جو کتاب اپنی نبوت کے ثبوت میں اپنے ہم وطنوں کے سامنے پیش کی وہ انہی کی زبان میں تھی۔ اور اسی فن میں ان سے معارضہ طلب کیا جس میں وہ نقارہ لمن الملك اليوم بجا رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں افصح الفصحاء ابلغ البلغاء، مصاقع الخطباء اور اشعر الشعراء موجود تھے۔ مگر جب معارضہ کے لیے وہ کتاب پیش کی گئی تو ان کی عقلیں چکرا گئیں۔

اس رحمت عالم ﷺ نے باوجود قلت اتباع کے کھلے الفاظ میں یوں فرمایا کہ اگر تمام انس و جن مل کر اس کا معارضہ کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں گے۔ (بنی اسرائیل: رکوع ۱۰) پھر بطور ارخاء عنان کہہ دیا کہ سارا نہیں تو ایسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ (ہود: ع۲) پھر اتمام حجت کے لیے فرما دیا کہ دس نہیں تو ایسی ایک ہی سورت پیش کر دو (یونس: ع۴) اس طرح وہ اللہ کا پیارا دو جہان میں ہم گنہ گاروں کا سہارا مکہ مشرفہ میں لگاتار دس سال کفار سے معارضہ فرماتا رہا۔ پھر جب حکم الٰہی سے ہجرت فرما کر مدینے میں رونق افروز ہوا تو وہاں بھی دس سال فاتوا بسورة من مثله سے تحدی کرتا رہا۔ اور ساتھ ہی ولن تفعلوا سے انہیں چونکاتا رہا اور اکساتا رہا۔

اس عرصہ دراز میں اس ختم المرسلین نے اسی تحدی پر اکتفا نہ کیا بلکہ عرب جیسی قوم کو جس کی حمیت

جاہلیہ مشہور ہے مجالس میں علیٰ روس الاشہاد یوں پکار کر فرما دیا کہ تم گمراہ ہو۔ تمہارے آباؤ اجداد گمراہ تھے۔ تمہارے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں۔ تمہاری جانیں اور تمہارے مال مسلمانوں کے لیے مباح ہیں۔ بایں ہمہ انہوں نے معارضہ سے پہلوتہی کی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اسلام کی شوکت روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ ان کے شہر اسلام کے قبضے میں آرہے تھے۔ ان کی اولاد کو گرفتار کر کے غلام بنایا جارہا تھا۔ ان کے بت توڑے جارہے تھے۔ ان کے باپ دادا دوزخی بتائے جارہے تھے۔ اس حالت میں اگر وہ ذرا سا معارضہ بھی کر سکتے تو اس ذلت کو ہرگز گوارا نہ کرتے۔ کیوں کہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے معارضہ سے یہ تمام خواری و رسوائی دور ہو سکتی تھی۔ اور اسلام کی جمعیت و شوکت کا شیرازہ ہمیشہ کے لیے پراگندہ ہو سکتا تھا۔ جمعیت کے باوجود ان کا بیس سال اس ذلت کو برداشت کرنا اور جلاوطنی اور جزیہ کو گوارا کرنا صاف بتارہا ہے کہ وہ معارضہ سے عاجز تھے۔ مگر اپنے عجز پر پردہ ڈالنے کے لیے قسم قسم کے عذر اور حیلے بہانے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ کبھی اسے منظوم دیکھ کر شاعر کا قول یا کاہن کا قول بتاتے۔ (حاقہ: ع۲) کبھی اپنی قدرت سے خارج دیکھ کر حیرت سے کہا کرتے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ (سبا: ع۵) کبھی اپنی جہالت کے سبب سے کہتے کہ چاہئیں تو ہم بھی ایسا کہہ لیں۔ یہ تو پہلوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ (انفال: ع۴) کبھی کہتے کہ یہ اضغاث احلام یعنی اڑتے خواب ہیں (انبیاء: ع۱) کبھی اس کی تاثیر روکنے کے لیے کہتے کہ شور مچاؤ اور سننے نہ دو (حم سجدہ: ع۴) کبھی کہتے کہ قرآن سے ہمارے دل غلاف میں ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے (حم سجدہ: ع۱) کبھی کہتے کہ ہم اپنے باپ دادوں میں یہ نہیں سنا۔ یہ تو بنائی ہوئی بات ہے (ص: ع۱) اور کبھی اس رحمۃ اللعالمین کو ساحر کذاب یعنی بڑا جھوٹا جادوگر (ص: ع) کبھی مسحور یعنی جادو مارا (فرقان: ع۱) کبھی معلم مجنون یعنی سکھایا ہوا باؤلا (دخان: ع۱) کبھی کاہن اور کبھی شاعر کہتے (طور: ع۲) مگر ایسے حیلوں اور عذروں سے کیا بن سکتا تھا۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آں کو پف زند ریشش بسوزد

جب عرب کے کمال فصاحت و بلاغت کے زمانے میں فصحاء بلغاء چھوٹی چھوٹی سورت کے معارضے سے عاجز آ گئے۔ تو ازمنہ مابعد کے عرب و عجم کا عجز خود ثابت ہو گیا۔ سیدنا مولانا محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی رسالت کی یہ کیسی دلیل ساطع اور برہان قاطع ہے کہ ساڑھے تیرہ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا۔ کوئی شخص اقصر سورت کے معارضہ پر قادر نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔

اگر ہم کسی انسان کے کلام کو خواہ وہ کتنا ہی فصیح و بلیغ ہو مطالعہ کریں تو اختلاف مضامین، اختلاف احوال، اور اختلاف اغراض سے ان کی فصاحت و بلاغت میں ظاہر فرق نظر آئے گا۔ مثلاً شعراء و خطبائے عرب جو فصاحت میں بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں ان میں سے بعض مدح میں بہت بڑھ

چڑھ کر اور ہجو میں معمول سے بہت گرے ہوئے اور بعض اس کے برعکس ہیں۔ بعض مرثیہ گوئی میں فائق اور غزل میں بھدے اور بعض اس کے خلاف ہیں۔ اور بعض رجز میں اچھے اور قصیدے میں خراب اور بعض اس کے برعکس ہیں۔ بعض کسی خاص شے کے وصف میں اوروں سے سبقت لے گئے ہیں۔ چنانچہ امراؤ القیس گھوڑے اور عورت کے وصف میں۔ اعشیٰ شراب کے وصف میں۔ نابغہ ترہیب اور زہیر ترغیب میں مشہور ہیں۔ ذوالرمہ تشبیب و تشبیہ میں اچھا اور ریت، دوپہر، بیابان، پانی اور سانپ کے وصف میں بڑھ کر ہے مگر مدیح و ہجا میں گرا ہوا ہے اسی سبب سے اسے فحول شعراء میں شمار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اس کے شعر میں ہرنوں کی مینگنیاں اور خال عروس ہیں۔ فرزق اگرچہ صاحب غزل ہے مگر تشبیب میں اچھا نہیں۔ جریر اگرچہ عورتوں سے پرہیز کرنے والا ہے مگر تشبیب میں سب سے اچھا ہے اسی طرح شاعر اگر زہد کو بیان کرنے لگے تو قاصرہ رہ جائے۔ اگر کوئی لائق ادیب حلال وحرام کو بیان کرے تو اس کا کلام معمول سے گر جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اختلاف احوال سے بھی انسان کا کلام متفاوت ہو جاتا ہے۔ مثلاً خوشی کے وقت کا کلام غصہ کے وقت کے کلام سے بلحاظ فصاحت مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح اختلاف اغراض کے سبب سے انسان کبھی ایک چیز کی مدح کرتا ہے اور کبھی مذمت۔ جس سے اس کے کلام میں ضرور فرق ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں فصحاء و بلغاء کا کلام فصل و وصل، علو و نزول، تقریب و تبعید وغیرہ میں متفاوت ہے۔ مثلاً بہت سے شعراء ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کرنے اور ایک باب سے دوسرے باب کی طرف خروج کرنے میں ناقص ہیں۔ چنانچہ سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بحتری جو نظم میں اچھا ہے۔ تشبیب سے مدیح کی طرف انتقال کرنے میں قاصر ہے اس تمام کے برعکس قرآن کریم پر غور کیجئے۔ باوجودیکہ اس میں وجوہ خطاب مختلف ہیں۔ کہیں قصص و مواعظ ہیں اور کہیں حلال وحرام کا ذکر ہے۔ کہیں اعذار و انذار، کہیں وعدہ و وعید، کہیں تخویف و تبشیر اور کہیں تعلیم اخلاق حسنہ ہے مگر وہ ہر فن میں فصاحت و بلاحت و بلاغت کے خارق عادات اعلیٰ درجے میں ہے۔ اور اس میں کہیں اس منزلت علیا سے انحطاط نہیں پایا جاتا اور اول سے آخر تک مقصد و احد کے لیے ہے۔ اور وہ خلقت کو اللہ کی طرف بلانا اور دنیا سے دین کی طرف پھیرنا ہے۔ چنانچہ آیۂ ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿﴾

"کیا غور نہیں کرتے قرآن میں۔ اور اگر ایسا ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے۔ تو پاتے اس میں بہت تفاوت۔" (نساء: رکوع ۱۱)

مثال کے طور پر دیکھیے:

ترغیب میں:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (سجدہ:ع۲)

''سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔''

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

''چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں کہ بناؤ کر دیے جاؤ گے۔ لیے پھریں گے ان پر رکابیاں سونے کی اور آبخورے۔ اور وہاں ہے جو دل چاہے اور جس سے آنکھیں آرام پائیں۔ اور تم کو اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔'' (زخرف:ع۷)

ترہیب میں:

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ۝

''سو کیا تم نڈر ہو اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیج دے تم پر آندھی پھر نہ پاؤ تم اپنا کوئی کارساز یا نڈر ہو اس سے کہ پھر لے جائے تم کو دریا میں دوسری بار پھر بھیجے تم پر پتھراؤ ہوا کا۔ پھر غرق کرے تم کو بدلے اس ناشکری کے پھر نہ پاؤ تم اپنی طرف سے ہم پر اس کا دعویٰ کرنے والا۔'' (بنی اسرائیل:ع۷)

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۝

''کیا نڈر ہو تم اس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں۔ پس ناگاہ وہ جنبش کرے۔ یا نڈر ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ بھیجے تم پر پتھراؤ ہوا کا سو اب جاؤ گے کیسا ہے ڈرانا میرا۔'' (ملک:ع۲)

زجر میں:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ

كَانُوٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝ (عنکبوت: ع۴)

''پھر ہر ایک کو پکڑا ہم نے اس کے گناہ پر سو ان میں سے کوئی تھا کہ اس پر بھیجا ہم نے پتھراؤ ہوا کا۔ اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑ نے۔ اور کوئی تھا کہ اس کو دھنسایا ہم نے زمین میں۔ اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبویا ہم نے اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے، پر تھے وہ اپنا آپ برا کرتے۔''

وعظ میں:

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ۝

''بھلا بتلاؤ۔ اگر ہم فائدہ دیں ان کو کئی برس پھر آئے ان پر (عذاب) جس کا ان سے وعدہ تھا۔ کیا کام آئے گا ان کے تمتع ان کا۔'' (شعراء: ع۱۱)

الٰہیات میں:

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ۝

''اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں۔ اور ہر چیز اس کے نزدیک اندازہ پر ہے۔ وہ جاننے والا چھپے اور کھلے کا۔ عظیم الشان بلند۔ برابر ہے تم میں جو چپکے بات کہے اور جو کہے پکار کر۔ اور جو چھپنے والا ہے رات کو چلنے والا ہے دن کو۔'' (رعد: ع۲)

اسی طرح قرآن کریم کے فواتح وخواتم۔ مواضع و وصل اور مواقع تحول و تنقل کو دیکھیے اس کے پڑھنے والوں کو خارق عادت بدیع تالیف کے سبب سے فصل میں وصل معلوم دیتا ہے۔ اور ایک قصے سے دوسرے قصے کی طرف اور ایک شے سے دوسری شے کی طرف مثلاً وعدہ سے وعید اور ترغیب سے ترہیب کی طرف انتقال کرنے میں مختلف مؤلف اور متبائن متناسب نظر آتا ہے۔

اس مقام پر بغرض توضیح قرآن کی فصاحت و بلاغت کے متعلق چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔ سبع معلقات جو تمام عرب جاہلیت کا مایہ فخر و ناز تھے اور خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں تھے۔ قرآن شریف کے نازل ہونے پر اتار لیے گئے۔ یہ قصائد اب تک موجود ہیں مگر سبع طوال کی جھلک سے اپنی

آب و تاب سب کھو بیٹھے ہیں۔

حضرت لبید (٦) بن ربیعہ رضی اللہ عنہ جو سبع معلقات کے شعراء میں سے تھے اور اسلام لے آئے تھے اور ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے سوائے ایک بیت کے کوئی شعر نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں ان سے فرمایا کہ مجھے اپنے شعر سناؤ۔ اس پر آپ نے سورہ بقرہ پڑھی اور عرض کیا۔ میں شعر نہیں کہنے کا جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سورہ بقرہ سکھا دی ہے۔

ابو عبید (٧) قاسم بن سلام بغدادی (متوفی ٢٢٣ھ) جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور فقہ و حدیث و لغت میں امام ہیں حکایت کرتے ہیں کہ ایک بادیہ نشین عرب نے کسی کو یہ آیت پڑھتے سنا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ (حج) "سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا۔"

اس نے سنتے ہی سجدہ کیا۔ اور کہا کہ میں نے اس کلام کی فصاحت کو سجدہ کیا ہے۔

ایک دفعہ کسی اعرابی نے یہ آیت سنی۔

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا (یوسف)

"پھر جب ناامید ہوئے اس سے۔ اکیلے بیٹھے مصلحت کو (٨)۔"

کہنے لگے، میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس کلام کی مثل پر قادر نہیں۔

امام اصمعی یعنی عبد الملک بن اصمع بصری (متوفی ٢١٠ھ) جو لغت و نحو و ادب و نوادر میں امام ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک پانچ یا چھ سالہ لڑکی کو یہ کہتے سنا کہ میں اپنے تمام گناہوں سے استغفار کرتی ہوں۔ میں نے سن کر کہا: تو کس چیز پر استغفار کرتی ہے۔ تو تو مکلف ہی نہیں۔ وہ بولی:

استغفر اللّٰہ لذنبی کلہ قتلت انسانا بغیر حلّہ

مثل غزال ناعم فی دلّہ انتصف اللیل و لم اصل لہ

میں نے کہا، اللہ تجھے مارے! تو کیسی فصیح ہے! وہ کہنے لگی۔ قرآن میں یہ آیت ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (قصص: ع ١)

"اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلا۔ پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس کا۔ تو ڈال دے اس کو دریا میں۔ اور ڈر مت اور غم مت کھا۔ بے شک ہم لوٹانے والے ہیں اس کو تیری طرف اور بنانے والے ہیں اس کو رسولوں سے۔"

کیا اس آیت کے مقابل میرا یہ قول فصیح کہا جا سکتا ہے؟ اس ایک آیت میں دو امر دو نہی دو خبریں اور دو بشارتیں جمع ہیں۔

حکایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک روز مسجد نبوی میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے سرہانے کھڑا ہوا ایک شخص کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں بطارقہ روم میں سے ہوں۔ مجھے عربی زبانیں آتی ہیں۔ میں نے ایک مسلمان قیدی سے سنا کہ وہ آپ مسلمانوں کی کتاب میں سے ایک آیت پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس آیت پر غور کیا، اس میں وہ احوال دنیا و آخرت جمع ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام پر نازل فرمائے۔ وہ آیت یہ ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ (نور: ع ۷)

''اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول ﷺ کے اور ڈرتا ہے اللہ سے اور بچ کر چلے اس سے۔ سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے۔''

ابن مقنع نے جو فصاحت و بلاغت میں یگانہ روزگار تھا اور زمانہ تابعین میں تھا۔ قرآن شریف کے معارضہ میں کچھ لکھنا شروع کیا۔ ایک روز ایک مکتب پر سے اس کا گزر ہوا جس میں ایک لڑکا یہ آیت پڑھ رہا تھا:

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (ہود: ع ۴)

''اور حکم آیا، اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور خشک کیا گیا پانی اور تمام کیا گیا کام اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہوں قوم بے انصاف۔''

وہ سن کر واپس آیا۔ اور جو کچھ لکھا تھا سب مٹا ڈالا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کا معارضہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ یہ انسان کا کلام نہیں۔

یحییٰ بن الحکم الغزال نے جو بقول ذہبی دوسری اور بقول ابن حبان تیسری صدی ہجری میں اندلس میں فحول شعراء میں سے تھا۔ قرآن کے معارضے کا ارادہ کیا۔ ایک روز سورۂ اخلاص کا معارضہ کرنے لگا تو اس پر ہیبت طاری ہوگئی جو اس کی توبہ کی باعث ہوئی۔

امام ابن (۹) الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) نے وفاء فی فضائل المصطفیٰ میں ذکر کیا ہے کہ امام بن عقیل نے کہا کہ ابو محمد بن مسلم نحوی نے مجھ سے حکایت کی ہے کہ ہم اعجاز القرآن پر گفتگو کر رہے تھے۔ وہاں ایک فاضل شیخ موجود تھا۔ اس نے کہا کہ قرآن میں ایسی کون سی چیز ہے جس سے فضلاء عاجز آ جائیں۔ پھر وہ کاغذ دوات لے کر بالا خانے پر چڑھ گیا۔ اور وعدہ کیا کہ تین دن کے بعد قرآن کے معارضے میں کچھ لکھ کر لاؤں گا۔ جب تین دن گذر گئے تو ایک شخص بالا خانے پر چڑھا۔ اور اس کو سہارا

لیے ہوئے اس حال میں پایا کہ اس کا ہاتھ قلم پر سوکھ گیا تھا۔

مسیلمہ کذاب نے قرآن کی بعض چھوٹی سورتوں کے معارضے میں کچھ لکھا۔ مگر ایسا کہ اطفال مکتب بھی اسے دیکھ کر ہنسیں۔ سورۂ کوثر پر جو اس لعین نے لکھا تھا ہم ان شاء اللہ اسے اس بحث کے اخیر میں لائیں گے۔ اور اس لعین کے کلام کی سخافت ظاہر کرنے کے لیے اس سورت کی وجہ اعجاز پر مفصل بحث کریں گے۔ اور مزید توضیح کے لیے قرآن کے متعلق دو اور مثالیں پیش کریں گے۔

اعتراض: قرآن شریف میں انبیاء کرام کے قصے بار بار لائے گئے ہیں۔ چنانچہ بقول بعض حضرت موسیٰ کا ذکر ایک سو بیس جگہ ہے۔ اور بقول ابن عربی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ پچیس آیتوں میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نوے آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے یہ خلاف فصاحت ہے۔

جواب: وہ تکرار خلاف فصاحت ہوتی ہے جس میں کچھ فائدہ نہ ہو۔ مگر قصص قرآنی کی تکرار فوائد سے خالی نہیں۔ علامہ بدر بن جماعہ نے اس مضمون پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ''المقتنص فی فوائد تکرار القصص'' ہے۔ اس میں تکریر قصص کے کئی فائدے (۱۰) ذکر کیے ہیں۔

۱- ہر جگہ کچھ نہ کچھ زیادتی ہوتی ہے جو دوسری جگہ نہیں۔ یا کسی نکتہ کے لیے ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ لایا گیا ہے۔ اور یہ بلغاء کی عادت ہے۔

۲- ایک جماعت ایک قصہ سن کر اپنے گھر چلی جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسری جماعت ہجرت کر کے آتی تھی اور جو کچھ پہلی جماعت کے چلے جانے کے بعد نازل ہوتا اسے روایت کرتی۔ اگر تکرار قصص نہ ہوتی تو قصہ موسیٰ کو ایک قوم سنتی۔ اور قصہ عیسیٰ کو دوسری قوم سنتی۔ اس طرح باقی قصوں کا حال ہوتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمام لوگ ان قصوں کے سننے میں مشترک ہوں۔ تاکہ ایک قوم کو افادہ اور دوسری کو زیادہ تاکید حاصل ہو۔

۳- ایک ہی مضمون کو مختلف اسالیب میں بیان کرنے میں جو فصاحت ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

۴- قصص کے نقل کرنے پر اس قدر دواعی نہیں جتنے کہ احکام کے نقل کرنے پر ہیں اس لیے احکام کے برعکس قصص کو بار بار لایا گیا ہے۔

۵- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا۔ اور لوگ اس کی مثل لانے سے عاجز آ گئے پھر ان کے عجز کے معاملہ کو اس طرح واضح کر دیا کہ ایک قصہ کو کوئی جگہ ذکر کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں۔ خواہ کوئی سے الفاظ میں لائیں اور کسی عبارت سے تعبیر کریں۔

۶- جب اللہ تعالیٰ نے منکرین سے تحدی کی کہ اس کی مثل ایک سورت بنا لاؤ تو اگر ایک قصے کو ایک ہی جگہ ذکر کیا جاتا اور اسی پر کفایت کی جاتی۔ اہل عرب کہتے کہ تم ہی اس کی مثل ایک سورت پیش

کرو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے ان کی حجت دور کرنے کے لیے ایک قصے کو کئی سورتوں میں نازل فرمایا۔

۷۔ جب ایک قصے کو بار بار ذکر کیا گیا اور ہر جگہ اس کے الفاظ میں کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر کر دی گئی۔ اور مختلف اسلوب عمل میں لایا گیا تو یہ عجیب بات پیدا ہوگئی کہ ایک ہی معنی مختلف صورتوں میں جلوہ افروز ہوا۔ اور لوگوں کو اس کے سننے کی طرف کشش ہوگئی۔ کیوں کہ ہر نئے امر میں لذت ہوتی ہے۔ اور اس سے قرآن مجید کا ایک خاصہ ظاہر ہوگیا۔ کیوں کہ باوجود تکرار کے لفظ میں کوئی عیب اور سننے کے وقت کوئی ملال پیدا نہیں ہوتا۔ پس کلام الٰہی بندوں کے کلام سے ممتاز رہا۔

اعتراض: مانا کہ ایک معنی کو مختلف لباس اور مختلف اسلوب میں ظاہر کرنے سے فصاحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ بلکہ یہ ابلغ ہے۔ مگر بعض جگہ ایک ہی جملہ بار بار لایا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ شعراء میں آٹھ بار لایا گیا ہے اور سورہ قمر میں چار بار سورہ الرحمٰن میں اکتیس بار اور سورہ مرسلات میں دس بار مذکور ہے۔

جواب: ان سورتوں میں بھی تکرار آیت فائدہ سے خالی نہیں۔ کیوں کہ ہر جگہ متعلق بہ مختلف ہے تاکہ ہر خبر کے سننے کے بعد تجدید نصیحت و عبرت ہو۔ چنانچہ سورۂ شعراء میں ہر قصے کے بعد ان فی ذلك الآیتہ۔ الایۃ مذکور ہے۔ اور ہر دفعہ ایک نبی اور اس کی امت کے قصے کی طرف اشارہ ہے کہ اس نبی پر ایمان لانے والے سلامت رہے اور منکرین تباہ ہوئے۔ اور پھر بار بار بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے رحم والا اور منکروں کے لیے عزیز یعنی زبردست ہے۔ تاکہ اس امت کے لوگ نصیحت پکڑیں۔ یہی حال سورہ قمر میں تکرار آیت کا ہے۔ کیوں کہ اس میں قصہ نوح و عاد و ثمود و لوط میں سے ہر ایک کے بعد ولقد یسرنا القرآن۔ الایہ۔ مذکور ہے۔ تاکہ قرآن پڑھنے والے اس سے عبرت پکڑیں۔ اسی طرح سورہ مرسلات میں ہر دفعہ ایک نشانی کے ذکر کے بعد آیا ہے کہ قیامت کے دن خرابی ہوگی ان لوگوں کے لیے جو اس نشان کو جھٹلانے والے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ سورہ رحمٰن میں ہر بار مختلف نعمتوں کے ذکر کے بعد فبای آلاء ربکما تکذبن آیا ہے تاکہ لوگ سن کر ہدایت پائیں۔ جیسا کہ ایک ناشکر گزار محسن الیہ کو محسن کہے۔ کیا تو فقیر نہیں تھا۔ میں نے تجھے امیر بنا دیا۔ آیا تجھے اس سے انکار ہے؟ کیا تو ننگا نہ تھا۔ میں نے تجھے لباس پہنا دیا۔ آیا تجھے اس سے انکار ہے؟ کیا تو گمنام نہ تھا۔ میں نے تجھے نامور کر دیا۔ آیا تجھے اس سے انکار ہے؟

کتب عہد عتیق میں مزمور ۱۳۶ میں یہی طرز پایا جاتا ہے جس کا عربی ترجمہ جو قسیس ولیم ہاج مل مدرس مدرسہ اسقفیہ کلکتہ نے کیا ہے وہ اس وقت ہمارے زیر نظر ہے اس میں ہر آیت کے بعد ان رحمتہ

الی الابد اٹھائیس بار آیا ہے۔ بخوف طوالت ہم اس مزمور کو یہاں نقل نہیں کرتے۔

اعجاز القرآن کی دوسری وجہ

نظم قرآن کا اسلوب بدیع: اگرچہ قرآن مجید کے الفاظ و حروف کلام عرب کی جنس سے ہیں۔ اور ان کی نظم و نثر میں مستعمل ہیں مگر اس کا اسلوب تمام اسالیب سے جدا ہے اور انواع کلام (قصائد، خطب، رسائل، محاورہ) میں سے کسی سے نہیں ملتا۔ بایں ہمہ سب انواع کے محاسن کا جامع ہے۔ اہل عرب انواع چہارگانہ کے سوا کوئی اور اسلوب و طرز نہ جانتے تھے۔ اور نہ کوئی نئے طرز میں کلام کر سکتے تھے۔ پس ایک عجیب نرالے اسلوب کا آنحضرت ﷺ (جو امی تھے) کی زبان مبارک پر جاری ہونا عین اعجاز ہے۔

اس کتاب میں پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ایک روز ولید بن مغیرہ نے قریش سے کہا کہ ایام حج قریب ہیں۔ عرب کے قبائل تم سے اس مدعی نبوت (حضرت محمد ﷺ) کی نسبت دریافت کریں گے۔ تم اس کی نسبت ایک رائے قائم کر لو اس پر قریش نے مختلف رائیں پیش کیں کہ وہ کاہن ہے، دیوانہ ہے، شاعر ہے، جادوگر ہے۔ ولید نے یکے بعد دیگرے ان تمام کی تردید کر کے کہا:

"اللہ کی قسم! اس کے کلام میں بڑی حلاوت ہے۔ اس کلام کی اصل مضبوط جڑ والا درخت خرما ہے۔ اور اس کی فرع پھل ہے۔ ان باتوں میں سے جو بات تم کہو گے وہ ضرور پہچان لی جائے گی کہ جھوٹ ہے۔ اس کے بارے میں صحت کے قریب تر قول یہ ہے کہ تم کہو وہ جادوگر ہے اور ایسا کلام لایا ہے جو جادو ہے۔ اس کلام سے وہ باپ بیٹے میں بھائی بھائی میں میاں بیوی میں خویش و اقارب میں جدائی ڈال دیتا ہے۔"

اسی طرح ایک روز آنحضرت ﷺ مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ قریش نے اپنے سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اور اس نے آپ پر کئی باتیں پیش کر کے کہا ان میں سے ایک پسند کر لیجیے۔ آپ نے اس کے جواب میں سورہ حم السجدہ کی شروع آیتیں تلاوت فرمائیں۔ عتبہ نے قریش سے جا کر کہا:

"اللہ کی قسم میں نے ایسا کلام سنا کہ اس کی مثل کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں۔ نہ جادو ہے نہ کہانت۔ اے گروہ قریش! میرا کہا مانو۔ اس شخص کو کرنے دو جو کرتا ہے۔ اور اس سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں نے جو کلام اس سے سنا ہے اس کی بڑی عظمت و شان ہوگی۔ اگر عرب اس کو مغلوب کر لیں تو تم غیر کے ذریعے سے اس سے بچ گئے اگر وہ

عرب پر غالب آ گیا تو اس کا ملک تمہارا ملک ہے اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے اور تم اس کے سبب سے خوش نصیب ہو جاؤ گے"۔

قریش یہ سن کر کہنے لگے کہ اس نے تو اپنی زبان سے تجھے بھی جادو کر دیا۔ عتبہ بولا کہ "اس کی نسبت میری یہی رائے ہے۔ تم کرو جو چاہو"۔

صحیح مسلم میں حدیث اسلام ابو ذر غفاری میں خود ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی انیس نے مجھ سے کہا کہ مجھ کو مکہ میں ایک کام ہے۔ تو بکریوں کی حفاظت رکھنا۔ یہ کہہ کر انیس چلا گیا اور مکہ پہنچ گیا۔ دیر کے بعد واپس آیا۔ تو میں نے پوچھا، تو نے کیا کیا؟ وہ بولا میں مکہ میں ایک شخص سے ملا۔ جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں نے پوچھا کہ لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ کہ لوگ کہتے ہیں وہ شاعر ہے۔ کاہن ہے۔ جادوگر ہے۔ پھر انیس ہی جو خود بڑا شاعر تھا۔ کہنے لگا:

"اللہ کی قسم! میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہوا ہے۔ اس کا کلام کاہنوں کا کلام نہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کے کلام کو شعر کی تمام قسموں کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ میرے بعد کسی سے یہ نہ بن پڑے گا کہ کہے وہ کلام شعر ہے۔ اللہ کی قسم! وہ سچے نبی ہیں۔ اور کافر بے شک جھوٹے ہیں (۱۱)"۔

اس حدیث میں اس کے بعد یہ مذکور ہے کہ یہ سن کر ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ مکہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور اسلام لائے۔ جب اپنے بھائی انیس کے پاس واپس آئے تو ان کے اسلام کی خبر سن کر حضرت انیس اور ان کی والدہ بھی ایمان لے آئے۔ پھر تینوں اپنی قوم غفار میں آئے۔ آدھی قوم ایمان لے آئی جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو باقی بھی ایمان لے آئے۔ اس طرح قبیلہ اسلم بھی مسلمان ہو گیا۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

غفار غفر اللّٰہ لھا و اسلم سالمھا اللّٰہ۔

"اللہ تعالیٰ قبیلہ غفار کو بخش دے اور اسلم کو سلامت رکھے"۔

ابن سعد نے طبقات میں بروایت یزید بن رومان اور محمد بن کعب اور شعبی اور زہیری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ بنی سلیم میں ایک شخص جس کا نام قیس بن نسیبہ تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کا کلام سنا۔ اور آپ سے کئی باتیں دریافت کیں۔ آپ نے ان کا جواب دیا۔ اس نے وہ سب کچھ یاد کر لیا۔ پھر آپ نے اسے دعوت اسلام دی وہ ایمان لے آیا اور اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا:

"بیشک میں نے روم کا ترجمہ، فارس کا زمزمہ، عرب کے اشعار، کاہن کی کہانت اور ملوک حمیر کا کلام سنا ہے۔ مگر محمد (ﷺ) کا کلام ان کے کلام میں سے کسی سے نہیں ملتا۔ اس

لیے میرا کہا مانو۔ اور اس سے بہرہ ور ہو جاؤ"۔

اس طرح بنو سلیم فتح مکہ کے سال مقام قدید میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ وہ سات سو تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ ایک ہزار تھے۔ عباس بن مرداس اور انس بن عباس بن رعل اور راشد بن عبدربہ انہیں میں تھے۔

قرآن مجید کے اسلوب بدیع کی نسبت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہے:

"قرآن کو متون کتب کی طرف بابوں اور فصلوں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ تاکہ تو ہر مطلب اس میں سے معلوم کر لے۔ یا ایک فصل میں مذکور ہو۔ بلکہ قرآن کو مکتوبات کا مجموعہ فرض کر۔ جس طرح کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو بحسب اقتضائے حال ایک فرمان لکھے۔ اور کچھ مدت کے بعد دوسرا فرمان لکھے۔ اور اسی طرح لکھتا جائے۔ یہاں تک کہ بہت سے فرمان جمع ہو جائیں۔ پھر ایک شخص ان فرمانوں کو جمع کر کے ایک مجموعہ تیار کر دے۔ اسی طرح اس ملک علی الاطلاق نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے آنحضرت ﷺ پر مقتضائے حال کے موافق یکے بعد دیگرے سورتیں نازل فرمائیں اور آپ کے زمانہ مبارک میں ہر سورت الگ الگ محفوظ تھی۔ مگر سورتوں کو ایک جگہ جمع نہ کیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں تمام سورتوں کو ایک جلد میں خاص ترتیب سے جمع کیا گیا۔ اور اس مجموعہ کا نام مصحف رکھا گیا۔ اصحاب کرام کے درمیان سورتوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک سبع طوال دوسری مئین جن میں سے ہر ایک میں سو یا کچھ زیادہ آیتیں ہیں۔ تیسری مثانی جن میں سے ہر ایک میں سو آیتوں سے کم ہیں۔ چوتھی مفصل اور مصحف کی ترتیب میں دو تین سورتیں جو مثانی میں سے ہیں مئین میں داخل کر دی گئیں کیوں کہ ان کے سیاق کو مئین کے سیاق سے مناسبت ہے۔ اسی طرح بعض دیگر اقسام میں بھی کچھ تصرف ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کی کئی نقلیں کرا کے اطراف میں بھیج دیں۔ تاکہ ان سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ اور کسی دوسری ترتیب کی طرف مائل نہ ہوں۔ چونکہ سورتوں کا اسلوب بادشاہوں کے فرمانوں سے پوری پوری مناسبت رکھتا تھا۔ اس لیے ابتداء و انتہا میں مکتوبات کے طریقہ کی رعایت کی گئی۔ جس طرح بعض مکتوبات کو خدا تعالیٰ کی حمد سے شروع کرتے ہیں۔ اور بعض کو اس کے املاء کی غرض سے اور بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے شروع کرتے ہیں۔ اور بعض رقعے اور خطوط بے عنوان ہوتے ہیں اور بعض مکتوبات طویل اور بعض مختصر ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد و تسبیح سے شروع کیا اور بعض کو اس کے املاء کی غرض کے بیان سے شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا:

ذٰلك الكتٰب لاريب فيه هدى للمتقين۔ (بقرہ شروع) سورة انزلنٰها و فرضنٰها (نور شروع) اور قسم مشابہ ہے اس کے هذا ما صالح فلان و فلان۔ هذا ما اوصى به فلان اور

آنحضرت ﷺ نے واقعہ حدیبیہ میں یوں تحریر فرمایا تھا: ہذا ما قاضیٰ علیہ محمد اور بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے ذکر سے شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا: تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز الحکیم (زمر شروع) کتٰب احکمت ایتہ ثم فصلت من لدون حکیم خبیر (ہود شروع) اور یہ قسم مشابہ ہے اس کے کہ لکھیں۔ "حضرت خلاف کا حکم صادر ہوا"۔ یا لکھیں۔ فلاں شہر کے باشندوں کو حضرت خلافت کی طرف سے یہ آگاہی ہو"۔ اور آنحضرت ﷺ نے تحریر فرمایا من رسول اللہ الیٰ ھرقل عظیم الروم اور بعض سورتوں کو رقعات وخطوط کے طور پر عنوان کے بغیر شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا: اذا جاء ك المنافقون (منافقون شروع) قد سمع اللہ قول التی تجادلك فی زوجھا۔ (مجادلہ شروع) یا یھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لك۔ (تحریم شروع) چونکہ عرب کی سب سے مشہور فصاحت قصیدے تھے۔ اور قصیدوں کے شروع میں تشبیب میں عجیب مواضع اور ہولناک وقائع کا ذکر کرنا ان کی قدیم رسم تھی۔ اس لیے اس اسلوب کو بعض سورتوں میں اختیار کیا۔ چنانچہ فرمایا: والصّٰفّٰت صفاo فالزّٰجرٰت زجراًo (صافات شروع) والذّٰریٰت ذرواًo فالحاملٰت وقراًo (ذاریات شروع) اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت (تکویر شروع) جس طرح مکتوبات کے اواخر کو جوامع کلم اور نوادر وصایا اور احکام کی سابقہ کی تاکید اور مخالفین احکام کی تہدید پر ختم کرتے تھے اسی طرح سورتوں کے اواخر کو جوامع کلم اور منابع حکم اور تاکید بلیغ اور تہدید عظیم پر ختم فرمایا۔ اور کبھی سورت کے درمیان بڑے بڑے فائدے والے بدیع الاسلوب بلیغ کلام کو ایک طرح کی حمد وتسبیح یا نعمتوں اور عطایائے نعمت کے ایک طرح کے بیان سے شروع کیا ہے۔ چنانچہ خالق ومخلوق کے مراتب میں تباین کے بیان کو سورۂ نمل کے اثناء میں آیہ قل الحمد للہ وسلم علی عبادہ الذین اصطفیٰ ءاللہ خیرا مایشر کون سے شروع کیا اور اس کے بعد پانچ آیتوں میں اس مدعا کو نہایت ہی بلیغ وجہ اور نہایت ہی بدیع اسلوب سے بیان فرمایا۔ اور بنی اسرائیل کے مخاصمہ کو سورہ بقر کے اثناء میں الفاظ (یبنی اسراء یل اذکروا نعمتی التی) سے شروع فرمایا اور ان ہی الفاظ پر ختم کیا۔ پس اس مخاصمہ کا اس کلام سے شروع کرنا اور اسی کلام پر ختم رکھنا کمال درجہ کی بلاغت ہے۔ اسی طرح یہود ونصاریٰ کے مخاصمہ کو سورۂ آل عمران میں آیہ (ان الذین عند اللہ الاسلام) سے شروع فرمایا۔ تاکہ محل نزاع معین ہو جائے۔ اور قیل وقال کا توارد اس مدعا پر واقع ہو۔ واللہ اعلم بحقیقہ الحال۔ انتہیٰ۔

اعجاز القرآن کی تیسری وجہ

غیب کی خبریں: قرآن میں پہلے نبیوں اور گذشتہ امتوں اور قرون ماضیہ کے قصے مذکور ہیں۔ مثلاً حضرت آدم وحوا کا قصہ، حضور نوح وطوفان کا قصہ، حضرت ابراہیم وسارہ کا قصہ، حضرت اسحاق اور حضرت لوط کے حالات، حضرت مریم وتولد مسیح کا قصہ، ابتدائے پیدائش کا حال، ان میں بعض قصے جو علمائے اہل کتاب کو بھی شاذ ونادر ہی معلوم تھے یہود کے سوال کرنے پر بتائے گئے۔ مثلاً اصحاب کہف کا قصہ، ذوالقرنین کا قصہ، حضرت یوسف اوران کے بھائیوں کا قصہ، حضرت موسیٰ و خضر کا قصہ، یہ تمام قصے قرآن مجید میں کتب سابقہ الہامیہ کے مطابق مذکور ہیں۔

قرآن میں شرائع سابقہ کے احکام مذکور ہیں۔ مثلاً سورہ مائدہ رکوع اول میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ۔

''حرام ہو تم پر مردہ اور لہو اور گوشت سور کا اور جس چیز پر نام لیا گیا اللہ کے سوا کا اور جو مر گیا گلا گھٹ کر۔''

اعمال باب ۱۵۔ آیہ ۲۹ میں ہے:

''تم بتوں کے چڑھاووں اور لہو اور گلا گھونٹی ہوئی چیزوں اور حرام کاری سے پرہیز کرو''۔

اس آیت میں جو سور کے گوشت کی جگہ حرام کاری لکھا ہے درست نہیں کیوں کہ اس مقام پر حلال و حرام خوراک کا ذکر ہے حرام کاری سے کیا علاقہ۔

قرآن میں بعض احکام بحوالہ کتب الہامیہ سابقہ مذکور ہوئے ہیں۔ مثلاً سورہ مائدہ رکوع ۷ میں ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ

''اور لکھ دیا ہم نے ان پر قصاص اس کتاب (تورات) میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخم کا بدلہ برابر۔''

تورات کتاب الخروج باب ۲۱ آیہ ۲۳-۲۵ میں یوں ہے''۔

''جان کے بدلے جان، اور آنکھ بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے کے بدلے جلانا، زخم کے بدلے زخم، چوٹ کے بدلے چوٹ''۔

بعض احکام یہود کے طعن کے جواب یا ان کی تردید میں وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ سورہ آل عمران رکوع: ۱۰ میں ہے:

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

''سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو۔ مگر جو حرام کر لی تھی اسرائیل (یعقوب) نے اپنی جان پر تورات نازل ہونے سے پہلے۔ تو کہہ لاؤ تورات اور پڑھو اسے گر سچے ہو۔''

اس آیت کا شانِ نزول موضح قرآن میں یوں لکھا ہے:

''یہود آنحضرت ﷺ سے کہتے کہ تم کہتے ہو۔ ہم ابراہیم کے دین پر ہیں اور ابراہیم کے گھرانے میں جو چیزیں حرام ہیں سو کھاتے ہو۔ جیسا کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ اللہ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں سب ابراہیم کے وقت میں حلال تھیں۔ یہاں تک کہ تورات نازل ہوئی۔ تورات میں خاص بنی اسرائیل پر حرام ہوئی ہیں۔ مگر ایک اونٹ کہ تورات سے پہلے حضرت یعقوب نے اس کے کھانے سے قسم کھائی تھی۔ ان کی تبعیت سے ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا۔ اور قسم کا سبب یہ تھا کہ ان کو ایک مرض (عرق النساء) ہوا تھا۔ انہوں نے نذر کی کہ اگر میں صحت پاؤں تو جو میری بہت بھاؤ کی چیز ہے وہ چھوڑ دوں گا۔ ان کو یہی بہت بھاتا تھا۔ سو نذر کے سبب چھوڑ دیا''۔

اسی طرح خود یہود پر جو چیزیں حرام تھیں ان کی نسبت وہ کہتے کہ یہ ہم ہی پر حرام نہیں ہوئیں۔ بلکہ حضور نوح و حضرت ابراہیم اور پہلی امتوں پر بھی حرام تھیں۔ ان کے اس خیال کی تردید آیہ ذیل میں مذکور ہے:

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۫ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ (انعام: ع ۱۸)

''اور ان پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا اور گائے اور بکری میں سے ہم نے حرام کی ان پر ان دونوں کی چربی مگر جو لگی ہو پشت پر یا آنت میں ملی ہو ہڈی کے ساتھ۔ یہ ہم نے ان کو سزا دی تھی ان کی شرارت (۱۱) پر اور ہم سچ کہتے ہیں۔''

جانوروں کے حلال و حرام کے احکام کی طرح جنب و حائض و نفساء بھی قرآن میں کتب سابقہ کے مطابق بیان ہوئے ہیں۔

ناظرین کرام! موافق و مخالف سب کو معلوم ہے کہ حضور اقدس ﷺ امی تھے۔ نہ کبھی کسی استاد

کے آگے زانو شاگردی تہ کیا۔ اور نہ کبھی علمائے اہل کتاب میں سے کسی عالم کی صحبت سے استفادہ فرمایا۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ پس تعلّم و مجالست علماء کے بغیر قصص مذکورہ بالا اور احکام ملل سابقہ کی خبر اس طرح دینا کہ مصدق کتب الہامیہ سابقہ ہو۔ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ نے حضور کو وحی کے ذریعے بتایا۔ اسی واسطے یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت آپ پر ایمان لائی۔ اور باقی جو اس نعمت سے محروم رہے اس کا سبب محض حسد و عناد تھا۔

قصص و احکام کے علاوہ قرآن میں کتب سابقہ کے بعض اور مضامین صراحۃً یا اشارۃً بصورت اعمال کتاب مذکور ہیں دیکھو آیات ذیل:

۱- قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰىۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰىؕ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَاؗۖ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰىؕ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰىۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى۠ (سورہ اعلیٰ)

۲- وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا (بنی اسرائیل: ع ۱۲)

''بے شک بھلا ہوا اس کا جو سنورا اور پڑھا نام اپنے رب کا۔ پھر نماز پڑھی۔ بلکہ تم آگے رکھتے ہو دنیا کا جینا اور آخرت بہتر ہے اور رہنے والی۔ یہ لکھا ہے پہلے صحیفوں میں۔ صحیفوں میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے۔''

''اور ہم نے دیں موسیٰ کو نو نشانیاں صاف، سو پوچھ بنی اسرائیل سے جب آیا وہ ان کے پاس سو کہا اس کو فرعون نے میری اٹکل میں اے موسیٰ تجھ پر جادو ہوا ہے۔''

اس آیت میں نو نشانیوں سے وہ نو معجزے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کو فرعون کے مقابلے میں عطا کیے۔ ان نشانیوں کا ذکر تورات (کتاب الخروج باب ۷ تا ۱۰) میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔

۳- ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ (فتح: ع ۴)

''یہ صفت ہے ان کی تورات میں اور صفت ہے ان کی انجیل میں جیسا کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا۔ پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر پٹھا موٹا ہوا۔ پھر کھڑا ہوا اپنی نال پر خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو تا جلاوے ان سے جی کافروں کا۔''

تورات موجودہ (کتاب پیدائش باب ۲۶۔ آیہ ۱۲۔ ۱۳) میں یہ تفصیل یوں پائی جاتی ہے:

''اور اضحٰق نے اس زمین میں کھیتی کی۔ اور اسی سال سو گنا حاصل کیا۔ اور خداوند نے اسے

برکت بخشی اور وہ مرد بڑھ گیا۔ اور کی ترقی چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بہت بڑا آدمی ہو گیا"۔

اور انجیل متی باب ۱۳۔ آیہ ۳۱-۳۲ میں یوں ہے:

"وہ ان کے واسطے ایک اور تمثیل لایا۔ کہ آسمان کی بادشاہت خردل کے دانے کی مانند ہے جسے ایک شخص نے لے کر اپنے کھیت میں بویا۔ وہ سب بیجوں میں چھوٹا۔ پر جب اگا۔ سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا۔ اور ایسا پیڑ ہوتا کہ ہوا کی چڑیاں آ کے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتیں"۔

۴- اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ (توبہ۔ ع ۱۴)

"اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور مال اس قیمت پر کہ ان کے لیے بہشت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔ وعدہ ہو چکا اس کے ذمے پر توراۃ اور انجیل اور قرآن میں"۔

موجودہ کتب عہد عتیق و جدید میں بہت جگہ جہاد کا ذکر ہے۔ تفصیل کے لیے مصابیح الظلام اردو اور فارسی مؤلفہ خاکسار دیکھو۔ پولوس عبرانیوں کو اپنے نامہ (باب ۱۱۔ آیہ ۳۲-۳۳) میں یوں لکھتا ہے:

"اب میں کیا کہوں فرصت نہیں کہ جدعون اور برق اور سمسون اور فتح اور داؤد اور سموئیل اور نبیوں کا حال بیان کروں۔ انہوں نے ایمان سے بادشاہوں کو مغلوب کیا۔ اور راستی کے کام کیے اور وعدوں کو حاصل کیا۔ اور شیر ببر کے منہ بند کیے"۔

۵- وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (انبیاء۔ ع ۷)

"اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں بعد ذکر (توراۃ) کے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے"۔

زبور ۳۷۔ آیہ ۲۹ میں ہے:

"صادق زمین کے وارث ہوں گے"

۶- لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝ (مائدہ۔ ع ۱۱)

"لعنت کھائی منکروں نے بنی اسرائیل میں سے داؤد اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کی زبان پر۔ یہ اس سبب سے کہ گنہگار تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے"۔

حضرت داؤد علیٰ نبینا و علیہ السلام فرماتے ہیں:

''وے جو میری برائی سے خوش ہوتے ہیں شرمندہ اور رسوا ہوویں۔ اور جو میری دشمنی پر پھولتے ہیں شرمندگی اور رسوائی کا لباس پہنیں''۔ (زبور ۳۵۔ آیہ ۲۵)

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں پر بھیتر مردوں کی ہڈیوں کی طرح کی ناپاکی سے بھری ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو۔ پر باطن میں ریاکار اور شرارت سے بھرے ہو''۔ (انجیل متی باب ۲۳۔ آیہ ۲۸)

۷- وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ (صف۔ ع ۱)

''جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے۔ اے بنی اسرائیل! میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری طرف سچا کرتا اس کو جو مجھ سے آگے ہے تورات سے اور خوشخبری سناتا ایک رسول کی جو آئے گا مجھ سے پیچھے اس کا نام احمد ہے۔ پھر جب آیا ان کے پاس وہ رسول کھلے نشان لے کر بولے یہ جادو ہے صریح۔''

اس آیت کا پہلا حصہ متی باب ۵ آیہ ۱۷-۱۸ اور پچھلا حصہ یوحنا باب ۱۴ آیہ ۱۶ میں ہے۔ مگر یوحنا کے موجودہ یونانی نسخوں میں آیہ زیر استدلال میں بجائے لفظ احمد کے لفظ پاراقلیطوس (PARACLETOS) ہے۔ جس کے معنی انگریزی میں کمفرٹر اور اردو میں تسلی دینے والا درج کر دیئے گئے ہیں۔ مگر یہ صاف تحریف لفظی ہے۔ اصل میں یونانی لفظ پریقلیطوس (PARICLYTOS) تھا۔ جس کے معنی ہیں بہت سراہا ہوا۔ یعنی احمد۔ اہل کتاب جو اپنی کتابوں میں تحریف کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے لفظ پریقلیطوس کو بدل کر پاراقلیطوس بنا دیا۔ جروم جس نے چوتھی صدی مسیحی میں انجیل کا لاطینی ترجمہ کیا۔ اس کے لفظ زیر بحث کو لاطینی میں پیرقلی طاس لکھا ہے۔ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اصلی نسخہ یونانی جو جروم کے پاس تھا۔ اس میں پریقلیطوس تھا نہ کہ پاراقلیطوس اسی طرح انجیل برناس میں بھی پریقلیطوس موجود ہے۔ علاوہ ازیں اگر انجیل میں بشارت احمد نہ ہوتی تو علمائے اہل کتاب کبھی قرآن کی صداقت پر ایمان نہ لاتے۔ بلکہ اس کے برعکس قرآن مجید کی تکذیب کرتے۔

۸- مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی

الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ (مائدہ:ع۵)

''اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی مار ڈالے ایک جان بغیر بدلے جان کے فساد کے بیچ زمین کے۔تو گویا مار ڈالا اس نے سب لوگوں کو۔اور جس نے جلایا ایک جان کو۔تو گویا جلایا اس نے سب لوگوں کو۔''

اس آیت کے متعلق تفسیر موضح قرآن میں یوں لکھا ہے:

''یعنی اول روئے زمین میں بڑا گناہ یہی ہوا اور اس سے آگے رسم پڑی۔اسی سبب سے تورات میں اس طرح فرمایا کہ ایک جو مارا جیسے سب کو مارا۔یعنی ایک کے کرنے سے اور دلیر ہوتے ہیں۔تو سب کے گناہ میں اول بھی شریک تھے اور جیسا یک کو جلایا سب کو جلایا۔یعنی ظالم کے ہاتھ سے بچا دیا''۔

آیت مذکورہ بالا کا مضمون اب تورات میں موجود نہیں ملتا۔مگر طلمود یعنی احادیث یہود سے پایا جاتا ہے کہ اس میں تھا۔چنانچہ کتاب پیدائش باب ۴۔آیت ہذا میں لفظ خون اصل عبرانی میں بصیغہ جمع ہے۔اس کی تفسیر میں شناہ سنہدرین میں مفسر یہودی ۹ نے جو کچھ عبرانی میں لکھا ہے۔اس کا ترجمہ ولیم سینٹ کلر ٹزل واعظ مشن جلفہ واقع ایران فارس میں یوں کرتا ہے:

''نسبت بقاین کہ برادر خود را کشت۔یافتہ ایم کہ درباره دے گفتہ۔آواز خوں ہائے برادرت فریاد برمے آورد۔نمے گوید خون برادرت بلکہ خونہائے برادرت یعنی خون دے و خون اولادش بنابریں انسان بہ تنہائی آفریدہ شد۔برائے آزمودن تو کہ ہر کہ ہلاک کر دیکے نفسے از اسرائیل را۔کتاب بردے حسابش رامے نماید کہ گویا ہمہ عالم راہ ہلاک کردہ باشد و ہر کہ یک نفسے از اسرائیل را زندہ کرد کتاب بردے حسابش رامے نماید کہ گویا ہمہ عالم را زندہ کردہ باشد)۔(ینابیع الاسلام صفحہ ۳۹-۴۰)

اس ترجمہ میں کتاب سے مراد بظاہر تورات ہے۔فافہم۔

۹- وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ۔(نساء:ع۲۲)

''اور ان کے سود لینے پر حالانکہ وہ اس سے منع کیے گئے۔''

تفسیر حسینی میں ہے:

''حالانکہ نہی کردہ شدہ انداز اخذ ربود در تورات تورات میں یہ ممانعت۔'' (احبار باب ۲۵)

آیہ ۳۶ میں ہے:

آیات مذکورہ بالا کا اس نبی امی (بابی ہو وامی) کی زبان مبارک سے نکلنا بجز وحی الٰہی ناممکن تھا۔

لہٰذا یہ سب اخبار بالمغیبات کی قسم سے ہیں۔ اور ان کی صحت میں کسی مخالف نے چون و چرا نہیں کی۔
حضور اقدس ﷺ نے اہل کتاب کو وہ باتیں بتا دیں جنہیں وہ چھپاتے تھے (مائدہ: ع ۳) حالانکہ وہ ان کی کتابوں میں موجود تھیں۔ مثلاً نبی آخر الزمان کی نسبت پیشین گوئیاں۔ آپ ﷺ کے اوصاف حکم رجم وغیرہ مگر ان میں سے کوئی بھی اپنی کتاب پیش کر کے آپ کی تکذیب نہ کر سکا۔ اس سے بڑھ کر آپ کی صداقت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

کتب الہامیہ کا محاورہ بھی قابل غور ہے۔ دیکھیے آیات ذیل:

۱۔ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (انعام: ع ۴)
''سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے۔ لیکن بے انصاف اللہ کے حکموں سے منکر ہوئے جاتے ہیں۔''

اول سموئیل باب ۸ آیہ ۷ میں ہے:
''وہ تجھ سے منکر نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ مجھ سے منکر ہوئے ہیں''۔

۲۔ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ۔ ع ۱۲)
''پھینک دی ایک جماعت نے کتاب پانے والوں میں سے اللہ کی کتاب اپنی پیٹھوں کے پیچھے گویا کہ ان کو معلوم نہیں۔''

نحمیاہ باب ۹۔ آیہ ۲۶ میں ہے:

۳۔ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (حج۔ ع ۶)
''اور ایک دن تیرے رب کے ہاں ہزار برس کے برابر ہے جو تم گنتے ہو۔''

زبور: ۹ آیہ ۴ میں ہے:
''ہزار برس تیرے آگے ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گزر گیا۔''

۴۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ (بنی اسرائیل: ع ۵)
''اس کی ستھرائی بولتے ہیں آسمان ساتواں اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے۔ اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا۔''
(یعنی ہزار برس کا کام ایک دن میں کر سکتا ہے۔ (موضح القرآن)

زبور ۱۹۔ آیہ ۱۔ ۳ میں ہے:
''آسمان خدا کا جلال بیان کرتے ہیں۔ اور فضا اس کی دستکاری دکھاتی ہے۔ ایک دن دوسرے دن سے باتیں کرتا ہے۔ اور ایک رات دوسری رات کو معرفت بخشتی ہے ان کی

کوئی لغت اور زبان نہیں۔ان کی آواز سنی نہیں جاتی''۔

۵- كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ (حدید:ع۳)

''جیسے کہاوت ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو اس کا سبزہ اگنا۔ پھر زور پر آتا ہے۔ پھر تو دیکھے اس کو زرد ہوگیا پھر ہو جاتا ہے روندن''۔

زبور۔آیہ ۶ میں ہے:

''وے فجر کو اس گھاس کی مانند ہیں جو اگی ہو۔ وہ صبح کو لہلہاتی ہے اور تر و تازہ ہوتی ہے شام کو کاٹی جاتی ہے اور سوکھ جاتی ہے''۔

۶- اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ۝ (اعراف:ع۵)

''بیشک جنہوں نے جھٹلائی ہماری آیتیں اور ان کے سامنے تکبر کیا۔ نہ کھلیں گے ان کو دروازے آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں۔ یہاں تک کہ داخل ہوا اونٹ سوئی کے ناکے میں اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں گنہگاروں کو''۔

اس آیت کا اخیر حصہ انجیل لوقا (باب ۱۸۔آیہ ۲۵) میں یوں ہے:

''اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزر جانا اس سے آسان ہے۔ کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو''۔

۷- وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ (یونس:ع۱۱)

''اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا کرے تیرا''

یرمیاہ۔باب ۱۰۔آیہ ۵ میں ہے:

''ان کے معبودوں سے مت ڈرو۔ کہ ان میں ضرر پہچانے کی سکت نہیں اور نہ ان میں قوت ہے کہ فائدہ بخشے''۔

۸- يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ (انبیاء۔ع۷)

''جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان کو جیسے لپیٹتا ہے طومار رقعوں کو جیسے سرے سے بنایا ہم نے پہلی بار۔ پھر اس کو دہرا دیں گے۔ وعدہ ہو چکا ہے ہم پر ہم کو کرنا ہے''۔

یسعیاہ: باب ۳۴، آیہ ۴ میں ہے:

''اور آسمان کاغذ کے تاؤ کے مانند لپیٹے جائیں گے''۔

مکاشفات باب ۶، آیہ ۱۴ میں ہے:

''اور آسمان طومار کی طرح جب آپ سے لپیٹا جائے دو حصے ہو گیا''۔

۹- اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ (بقرہ: ع ۳۴)

''جیتا ہے سب کا تھامنے والا۔ نہیں پکڑتی ہے اس کو اونگھ اور نہ نیند''۔

زبور ۱۲۱، آیہ ۴ میں ہے:

''دیکھ وہ جو اسرائیل کا محافظ ہے ہرگز نہ اونگھے گا اور نہ سوئے گا''۔

۱۰- اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿ (بقرہ: ع ۲)

''اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے۔ اور بڑھاتا ہے ان کو ان کی شرارت میں بھکے ہوئے''۔

زبور ۲۔ آیہ ۴ میں ہے:

''وہ جو آسمان پہ تخت نشین ہے ہنسے گا۔ اور خداوند انہیں ٹھٹھوں میں اڑا دے گا''۔

اسی طرح زبور ۵۹، آیہ ۸ میں ہے:

''پر تو اے خداوند ان پر ہنسے گا۔ تو ساری قوم کو مسخرہ بنا دے گا''۔

ناظرین! آپ امثلہ بالا سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قرآن و دیگر کتب الہامیہ میں بلحاظ محاورہ کس قدر مطابقت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ نزول قرآن اور نزول کتب سابقہ میں کتنا عرصہ دراز گزرا ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کتب سابقہ میں تحریف معنوی اور تحریف لفظی اس کثرت سے ہوئی ہے کہ کتابوں تک کا پتہ نہیں چلتا۔ بایں ہمہ قرآن و کتب سابقہ موجودہ میں محاورہ کی ایسی مطابقت کا پایا جانا صاف بتا رہا ہے کہ دونوں صورتوں میں متکلم ایک ہی ہے۔ وہ خدائے علیم جس نے تورات حضرت موسیٰ پر، زبور حضرت داؤد پر، انجیل حضرت عیسیٰ پر اور دیگر صحیفے دوسرے نبیوں پر بھیجے۔ اسی نے قرآن مجید اپنے پیارے نبی امی (بابی ہو وامی) پر نازل فرمایا۔ جو بخلاف دیگر کتب عبارت میں بھی معجز ہے اور مکمل ایسا کہ اس کی موجودگی میں کتب سابقہ جو اپنے اپنے وقت میں مکمل و کافی تھیں نامکمل و منسوخ ہو گئیں۔

قرآن و کتب الہامیہ سابقہ میں مطابقت مذکورہ بالا کو دیکھ کر آج کل کے عیسائی بھی کفار قریش کی طرح کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ باتیں اہل کتاب میں سے کسی عالم کی مدد سے لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ کبھی یہ گپ اڑاتے ہیں کہ بحیرا راہب نے حضور ﷺ کو یہ سب کچھ سکھایا تھا۔ اور کبھی بڑبڑاتے ہیں کہ آپ نے دین مسیحی کا کچھ علم صہیب رومی سے حاصل کیا تھا (۱۲) اور کبھی یہ بڑ ہانکتے ہیں کہ ظن غالب تو ان راہبوں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو اس وقت ملک عرب میں عزیز الوجود نہ تھے۔ اور قرآن اکثر جگہوں میں ان کا ذکر تحسین و مدح کے الفاظ میں کرتا ہے (۱۳)۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اس

تمام ہرزہ سرائی کا کیا ثبوت ہے۔ ایسے عناد سے اپنی عاقبت کیوں خراب کر رہے ہو۔ پامر عیسائی جس نے قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، یوں لکھتا ہے:

''عیسائی مصنفین (حضرت) محمد (ﷺ) پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ان کی وحی کا بڑا حصہ ایک نصرانی راہب کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ مگر اس الزام کی تائید میں کوئی شہادت موجود نہیں۔'' (۱۴)

ہم عیسائیوں سے کھلے الفاظ میں پکار کر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو پہلے ثابت کرو کہ آنحضرت ﷺ نے کسی یہودی یا عیسائی سے تعلیم پائی۔ اور پھر جواب دو کہ مضامین زیر بحث کو ایسے معجز نظام کلام میں کس نے ادا کیا۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے اور سچا دعویٰ ہے کہ قرآن افتراء نہیں۔ اور ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا قرآن بنائے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو ہوگا وہ مخلوق ہوگا اور مخلوق ایسا قرآن بنانے پر قادر نہیں۔ مگر یہ اصول دین اور بعض دیگر مضامین میں کتب سابقہ کے مطابق ہے اور بتاتا ہے کہ وہ کتابیں منجانب اللہ اور اپنے اپنے وقتوں میں معمول بہا تھیں۔ اس لحاظ سے یہ ان کتابوں کا مصدق اور ان کی صحت کی دلیل ہے۔ کیوں کہ یہ معجزہ ہے اور وہ معجزہ نہیں۔ اس لیے وہ اپنے مضامین کی صحت کے لیے اس کی شہادت کی محتاج ہیں نہ کہ یہ۔ پس جب قرآن کتب سابقہ کا مصدق ٹھہرا تو یہ نتیجہ نکلا کہ یہ افتراء نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کیوں کہ یہ ایک ایسے بندہ کامل کے ہاتھ پر ظاہر ہوا جو نہ کوئی علم پڑھا اور نہ علمائے اہل کتاب میں سے کسی کی صحبت میں بیٹھا۔ پھر جو اس کی پیش کردہ کتاب کے مضامین کتب سابقہ کے مطابق پائے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب وحی الٰہی ہے وہ کتاب جو کتب الہامیہ سابقہ کا صدق ثابت کرے خود افتراء کیسے بن سکتی ہے۔ بلکہ وہ تو اولیٰ بالصدق ہے یہ تقریر آیہ ذیل کی تفسیر ہے:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ (یونس: ع ۴)

''اور نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنا لے اللہ کے سوا اور لیکن سچا کرتا ہے اگلے کلام کو اور تفصیل ہے کتاب کی اس میں شبہ نہیں جہان کے پروردگار سے ہے۔''

قرآن میں مومنوں کے دل کی بعض ایسی ایسی باتیں مذکور ہیں۔ جہاں علام الغیوب کے سوا اور کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ دیکھو امثلہ ذیل:

۱- وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿﴾ (انفال: ع ۱)

''اور جس وقت وعدہ دیتا تھا اللہ تم کو ایک ان دو جماعت میں سے کہ تم کو ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ بن شوکت والا ملے تم کو۔ اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کرے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹے پیچھا کافروں کا۔''

اس آیت میں ایک ایسے امر کی خبر ہے جو مومنوں کے دل میں آیا تھا اور جسے وہ پسند کرتے تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ سے وہ امر پوشیدہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آپ ﷺ کو اطلاع بخشی۔ اس کا بیان یوں ہے کہ جب مسلمانوں کو خبر لگی کہ ابوسفیان لدے ہوئے اونٹوں کا قافلہ ملک شام سے لا رہا ہے تو آنحضرت ﷺ تین سو آٹھ کی جمعیت کے ساتھ نکلے اور وادی ذفران میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے دو امروں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا۔ قافلہ کا ہاتھ آنا یا گروہ قریش کا مغلوب ہونا جو مکہ سے اس قافلہ کے چھڑانے کے لیے نکلا تھا۔ صحابہ کرام اپنے دلوں میں قافلہ کی گرفتاری پسند کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ دشمنوں سے مقابلہ کریں تا کہ کفر کا زور ٹوٹ جائے اور دین حق کو تقویت پہنچے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ کیوں کہ بدر کی لڑائی میں ستر کافر مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ اور مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے۔

۲- اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران: ع ۱۳)

''جب قصد کیا دو فرقوں نے تم سے کہ نامردی کریں۔ اور اللہ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی پر بھروسا کریں مسلمان۔''

اس آیت میں مومنوں کے ایک خطرہ قلبی کا اظہار ہے۔ جس کا بیان یوں ہے کہ جنگ بدر سے اگلے سال (غزوۂ احد) کافر جمع ہو کر مدینہ پر چڑھ آئے۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ اکثر کہنے لگے کہ ہم شہر میں لڑیں گے۔ اور حضور ﷺ کی مرضی بھی یہی تھی۔ بعض کہنے لگے کہ یہ عار ہے۔ بلکہ ہم میدان میں مقابل ہوں گے۔ آخر اسی مشورہ پر عمل کیا گیا۔ جب حضور ﷺ شہر سے باہر چلے۔ عبداللہ بن ابی منافق مدینے کا رہنے والا تھا۔ وہ بھی شریک جنگ تھا۔ مگر وہ ناخوش ہو کر پھر گیا کہ ہمارے کہنے پر عمل نہ کیا۔ اس کے بہکانے سے انصار کے دو قبیلے (خزرج سے بنوسلمہ اور اوس سے بنی حارثہ) بھی پھر چلے۔ آخر ان کے سردار عوام کو سمجھا کر لے آئے۔ اس آیت میں انہی دو قبیلوں کے خطرہ قلبی کا ذکر ہے۔ حالانکہ ان سے نہ کوئی قول ظہور میں آیا اور نہ کوئی بزدلی (موضح قرآن)۔

قرآن مجید میں منافقین کے راز کھول کر بتائے گئے ہیں جن کو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے یا اپنی ہی جماعت سے کہتے تھے۔ دیکھو آیات ذیل:

۱- یُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ ؕ یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ

(آل عمران: ع ۱۶)

''اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے ہیں کہ اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ تو ہم مارے نہ جاتے۔''

اس آیت سے ظاہر ہے کہ جنگ احد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو منافقین خلوت میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ اگر لڑائی کے لیے نکلنا ہمارے اختیار میں ہوتا تو ابن ابی کی رائے پر عمل کرتے۔ اور شہر مدینے سے باہر قدم نہ دھرتے۔ اور نہ مارے جاتے۔ اس قول کو وہ آنحضرت ﷺ سے چھپاتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی خبر دے دی۔

۲۔ وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ (توبہ: ع ۷)

''اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بے شک تم میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں۔''

اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ منافقین جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں۔ جھوٹ ہے۔

۳۔ وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ (توبہ۔ ع ۷)

''اور بعض ان میں سے ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں۔ زکوٰۃ بانٹنے میں۔ سو اگر ان کو ملے اس میں سے تو راضی ہوں۔ اور اگر نہ ملے اس میں سے تب ہی وہ ناخوش ہو جائیں۔''

یہ آیت ذوالخویصرہ منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیوں کہ اس نے کہا تھا کہ تم اپنے صاحب کو نہیں دیکھتے کہ تمہارے صدقات ریوڑ چرانے والے گڈریوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اور پھر سمجھتا ہے کہ میں عادل ہوں۔ (تفسیر روح البیان)

۴۔ وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ (توبہ: ع ۸)

''اور بعض ان میں سے بدگوئی کرتے ہیں نبی کی اور کہتے ہیں یہ شخص کان ہے۔''

بعض منافقین مثلاً جلاس اور اس کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کی شان میں ایسی باتیں ہا کرتے تھے کہ جن سے انسان کو اذیت پہنچے اور جب انہیں منع کیا جاتا تو کہتے کہ آنحضرت ﷺ کے تو کان ہی کان ہیں۔ ہم ان کے سامنے قسم کھا لیں گے اور انکار کر دیں گے۔ وہ مان لیں گے۔ کیوں کہ وہ جو سنتے ہیں مان لیتے ہیں۔ ان میں ذکاء و فطانت نام کو نہیں۔ (تفسیر روح البیان)

۵۔ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا

(توبہ: ع ۱۰)

''قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی۔ہم نے نہیں کہا بے شک کہا ہے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے ہیں مسلمان ہو کر اور فکر کیا تھا انہوں نے جو نہ ملا۔''

غزوہ تبوک میں ان منافقین کی فضیحت میں آیات نازل ہوئیں جو اس غزوہ میں مدینہ منورہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔اس لیے جلاس بن سوید نے کہا: اللہ کی قسم! جو کچھ حضرت ہمارے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں، اگر وہ سچ ہے تو ہم گدھوں سے بدترین ہیں جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے جلاس کو بلا کر پوچھا۔وہ قسم کھا گیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا اس پر یحلفون باللہ ما قالوا: الآیہ اتری۔ اگرچہ اس قصے میں قائل ایک ہے۔مگر چونکہ باقی منافق جلاس کے قول پر راضی تھے۔اس لیے وہ بھی بمنزلہ جلاس ہو گئے۔اور صیغہ جمع لایا گیا۔مطلب یہ کہ وہ قسم کھا گئے کہ ہم نے کوئی کلمہ ایسا نہیں کہا۔جس سے آنحضرت ﷺ یا آپ ﷺ کے دین کی توہین ہوتی ہو۔حالانکہ بے شک انہوں نے کلمہ کفر کہا۔اور اسی پر اکتفانہ کیا۔بلکہ اپنے افعال سے بھی کفر باطنی ظاہر کر دیا چنانچہ من جملہ ان افعال کے ایک یہ ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت ان میں سے پندرہ نے اتفاق کر لیا کہ حضرت جب تبوک اور مدینہ کے درمیان عقبہ (گھاٹی) پر ہوں گے تو ہم ان کو سواری سے وادی میں دھکیل کر مار ڈالیں گے۔مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کے اس ارادے سے آگاہ کر دیا۔اس لیے جب لشکر عقبہ پہنچا تو آپ ﷺ تو عقبہ میں چلے اور باقی سب آپ ﷺ کے ارشاد سے وادی میں چلنے لگے۔مگر ان منافقین نے منہ پر ڈھاٹا باندھ کر عقبہ میں چلنا شروع کیا۔حضرت عمار بن یاسر آپ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔اور حضرت حذیفہ بن الیمان پیچھے سے ہانک رہے تھے اتنے میں حذیفہ نے اونٹوں کے پیروں کی آہٹ اور ہتھیاروں کی آواز سنی۔اس لیے حذیفہ اندھیری رات میں ان کی طرف بڑھے۔اور للکار کر کہا: اے اللہ کے دشمنو! رسول اللہ ﷺ سے دور ہو جاؤ۔یہ سن کر وہ وادی کی طرف بھاگ گئے۔اور لوگوں میں مل گئے۔(روح البیان المعانی)

۶۔ وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَانًا ۚ (توبہ: ع ۱۶)

''اور جب نازل ہوئی ایک سورت تو بعض ان میں کہتے ہیں کس کو تم میں زیادہ کیا اس سورت نے ایمان۔''

یعنی جب منافق لوگ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں نہ ہوتے اور کوئی سورت نازل نہ ہوتی جس میں دلائل قاطعہ ہوں تو وہ ایک دوسرے سے بطور استہزاء کہتے کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا۔

۷۔ وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَىٰكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ

انْصَرَفُوْا۔ (توبہ:ع ١٦)

''اور جب نازل ہوئی ایک سورت۔ دیکھنے لگے ایک دوسرے کی طرف کہ کوئی بھی دیکھتا ہے تم کو پھر چلے گئے۔''

یعنی جب منافقین حضور اقدس ﷺ کے حضور ہوتے اور کوئی سورت اترتی جس میں ان کے چھپے عیبوں کا بیان ہوتا تو وہ مومنوں سے آنکھ بچا کر مجلس سے کھسک جاتے۔ اور اگر جانتے کہ کوئی مومن ان کو دیکھ رہا ہے تو وہیں بیٹھے رہتے اور اختتام مجلس پر چلے جاتے۔

٨- وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ O (توبہ:ع ١٣)

''اور جنہوں نے بنائی ایک مسجد ضرر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور گھات اس شخص کے لیے جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور رسول ﷺ سے پہلے سے۔ اور اب قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی چاہی تھی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجد ضرار والے سب منافق تھے۔ منافقین کے مزید حال کے لیے سورۂ منافقون دیکھیے۔

قرآن مجید میں منافقین کی طرح یہودیوں کے چھ عیب بھی ظاہر کر دیے گئے ہیں دیکھو آیات ذیل:

١- اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ O (مجادلہ:ع ٢)

''کیا تو نے نہ دیکھے جن کو منع ہوئی کانا پھوسی پھر وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے۔ اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی اور تعدی کی۔ اور رسول کی نافرمانی کی اور جب آئیں تیرے پاس تجھ کو دعا دیں جو دعا نہیں دی تجھ کو اللہ نے۔ اور کہتے ہیں اپنے دلوں میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں۔ بس ہے ان کو دوزخ داخل ہوں گے اس میں سو بری ہے جگہ پھر جانے کی۔''

موضح قرآن میں ہے ''حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر منافق کان میں باتیں کرتے مجلس کے لوگوں پر ٹھٹھے کرتے اور عیب پکڑتے۔ اور حضرت کی بات سن کر کہتے۔ یہ مشکل کام ہم سے کب ہو سکے گا۔ پہلے سورہ نساء میں اس کا منع آ چکا تھا۔ مگر پھر وہی کرتے تھے اور دعا یہ کہ یہود آتے اور السلام علیک کے

بدلے السام علیک کہتے۔ یہ بددعا ہے کہ تجھ پر پڑے مرگ۔ پھر آپس میں کہتے کہ اگر یہ رسول ہے تو اس کہنے سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ اور کوئی منافق بھی کہتا ہوگا"۔

۲- يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (مائدہ: ع ٦)

"اے رسول ﷺ تم غم نہ کھا ان پر جو جلدی منکر ہونے لگتے ہیں۔ ان لوگوں سے جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے اور ان کے دل مسلمان نہیں۔ اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں سننے والے ہیں واسطے جھوٹ کے اور سننے والے ہیں واسطے دوسری جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے۔ بدل ڈالتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانا چھوڑ کر کہتے ہیں۔ اگر تم کو یہ ملے تو لو اور اگر نہ ملے تو بچتے رہو۔ اور جس کو اللہ نے بچانا چاہا سو تو اس کا کچھ نہیں کر سکتا اللہ کے یہاں وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے چاہا کہ ان کے دل پاک کرے ان کو دنیا میں ذلت ہے اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے۔"

موضح قرآن میں اس آیت کے متعلق یوں لکھا ہے: "بعض منافق تھے کہ دل میں یہود سے ملتے تھے۔ اور بعض یہود تھے کہ حضرت ؐ کے پاس آمد و رفت کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا یہ لوگ جاسوسی کو آتے ہیں کہ تمہارے دین میں سے کچھ عیب چن کر لے جائیں اپنے سرداروں کے پاس جو یہاں نہیں آتے۔ اور فی الحقیقت عیب کہاں ہے۔ لیکن بات کو غلط تقریر کر کے ہنر کا عیب کرتے ہیں۔ یہود میں کئی قصے ہوئے کہ اپنے قضایا لائے، آنحضرت ﷺ کے پاس فیصلے کو۔ وہ سردار یہود آپ نہ آتے بیچ والوں کے ہاتھ بھیجتے۔ اور کہہ دیتے کہ ہمارے معمول کے موافق حکم کریں تو قبول رکھو۔ نہیں تو نہ رکھو غرض یہ تھی کہ حکم تورات کے خلاف معمول باندھے تھے کہ ایک بھی اگر اس کے موافق حکم کر دے تو ہم کو اللہ کے یہاں سند ہو جائے۔ اور جانتے تھے ان کو تورات کی خبر نہیں۔ جو ہمارا معمول سنیں گے سو حکم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ کو خبردار کیا موافق تورات ہی کے حکم فرمایا۔ اور تورات میں سے ثابت کر کے ان کو قائل کیا۔ ایک قصہ رجم کا تھا کہ وہ منکر ہوئے تھے۔ پھر تورات سے قائل کیا۔ اور ایک قصاص کا تھا کہ وہ اشراف اور کم ذات کا فرق کرتے تھے اور تورات میں فرق نہیں رکھا"۔

۳- مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ط (نساء:ع۷)

''وہ جو یہودی ہیں بدل ڈالتے ہیں بات کو اس کی جگہ سے اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نہ مانا اور سن نہ سنایا جائیو اور راعنا موڑ دے کر اپنی زبان کو۔ اور طعن کر کے دین میں۔''

موضح قرآن میں ہے کہ ''یہود حضرت ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کلام فرماتے۔ بعض بات جو نہ سنی ہوتی چاہتے کہ پھر تحقیق کریں تو کہتے۔ راعنا یعنی ہماری طرف توجہ ہو۔ یہود کو اس لفظ کہنے میں دغا تھی۔ اس کو زبان دبا کر کہتے ہیں تو راعینا ہو جاتا یعنی ہمارا چرواہا۔ اور ان کی زبان میں راعینا احمق کو بھی کہتے تھے۔ اس طرح حضرت ﷺ فرماتے تو جواب میں کہتے۔ سنا ہم نے اس کے معنی یہ ہیں کہ قبول کیا۔ لیکن آہستہ کہتے کہ نہ مانا۔ یعنی فقط کان سے سنا۔ اور دل سے نہ سنا۔ اور حضرت ﷺ سے خطاب کرتے تو کہتے۔ سن، نہ سنایا جائیو۔ ظاہر میں یہ دعا نیک ہے۔ کہ تو ہمیشہ غالب رہے۔ کوئی تجھ کو بری بات نہ سنا سکے اور دل میں نیت رکھتے کہ بہرا ہو جائیو۔ ایسی شرارت کرتے۔ پھر دین میں عیب دیتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہمارا فریب معلوم کر لیتا۔ وہی اللہ صاحب نے واضح کر دیا''۔

ناظرین کرام مومنوں کے دلوں کو راز ظاہر کرنا، منافقوں کا بھانڈا پھوڑنا اور یہودیوں کے فریبوں کی قلعی کھولنا یہ تمام از قبیل اخبار بالمغیبات ہے۔ جس سے قرآن کا اعجاز ثابت ہے کیوں کہ انسان اس سے عاجز ہے۔

بیان بالا سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن میں صرف غیوب ماضیہ کی خبریں ہیں۔ کیوں کہ غیوب مستقبلہ کی خبریں بھی اس میں کثرت سے ہیں۔ جن میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

پیشین گوئی-۱: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○

(بقرہ:ع۳)

''اور اگر ہو شک میں اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس قسم کی۔ اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ کرو اور البتہ نہ کر سکو گے تو بچو آگ سے جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر تیار ہے منکروں کے واسطے۔''

ان آیتوں میں یہ پیشین گوئی ہے کہ قرآن مجید کی ایک سورت کی مثل بنانے پر کوئی قادر نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ حضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں اور اس وقت سے اب تک کہ تیرہ سو چھپن

ہجری مقدس ہے کثرت سے مخالفین ومعاندین اسلام رہے مگر کوئی بھی قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بنا کر پیش نہ کر سکا اور نہ آئندہ کر سکے گا۔

پیشین گوئی۔ ۲: قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ (بقرہ: ع ۱۱)

''تو کہہ اگر تم کو ملنا ہے گھر آخرت کا اللہ کے ہاں الگ سوائے اور لوگوں کے تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر سچ کہتے ہو۔''

اس آیت میں اخبار عن الغیب ہے کہ یہود میں سے کوئی موت کی تمنا کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ کسی یہودی نے باوجود قدرت کے موت کی تمنا کی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کہ اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو البتہ مرجاتے۔ اور دوزخ میں اپنی جگہ ضرور دیکھ لیتے (۱۴)۔

پیشین گوئی۔ ۳: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ○ (بقرہ: ع ۱۴)

''اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ ذکر کیا جائے وہاں نام اس کا۔ اور دوڑا ان کے اجاڑنے کو۔ ایسوں کو نہیں لائق تھا کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے ان کو دنیا میں ذلت ہے اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے۔''

اس آیت میں اُولٰٓئِكَ سے مراد نصاریٰ (طیطوس رومی اور اس کے اتباع) ہیں جنہوں نے یہود پر غلبہ پا کر مسجد بیت المقدس کو ویران کیا۔ اور ان کی مسجد اجاڑیں۔ یہ پیشین گوئی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پوری ہوئی، جب کہ یروشلم مع ملک شام عیسائیوں سے لے لیا گیا۔ اور ہیکل یروشلم کی خاص بنیاد پر اسلامی مسجد تعمیر کی گئی۔

بعض کے نزدیک اولئك سے مراد مشرکین عرب ہیں جنہوں نے حدیبیہ کے سال آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیت الحرام میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ اس صورت میں یہ پیشین گوئی ہجرت کے نویں سال پوری ہوئی جب کہ حضور اقدس ﷺ کے ارشاد سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے موسم حج میں منادی کرا دی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔ اور نہ کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف کرے (۱۵)۔

پیشین گوئی۔ ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹: لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ○ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ

اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّابِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُ وْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الْمَسْکَنَۃُO (آلِ عمران۔ع ۱۲)

''وہ ہر گز ہر گز ضرر نہ پہنچائیں گے تم کو مگر ستانا تھوڑا اور اگر تم سے لڑیں گے تو تم سے پیٹھ پھیر دیں گے۔ پھر وہ مدد نہ دیئے جائیں گے ماری گئی ان پر ذلت جہاں پائے جائیں سوائے دستاویز لوگوں کے اور کما لائے غصہ اللہ کا اور ماری گئی ان پر محتاجی۔''

ان آیات میں یہود کی نسبت کئی پیشین گوئیاں ہیں:

۱- یہود مسلمانوں کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔

۲- اگر یہود مسلمانوں سے لڑیں گے تو شکست کھائیں گے۔

۳- شکست کھانے کے بعد یہود میں قوت و شوکت نہ رہے گی۔

۴- یہود ہمیشہ ذلیل رہیں گے۔ مگر یہ کہ دوسروں کی پناہ میں ہوں۔

۵- یہود مغضوب رہیں گے۔

۶- یہود کی سلطنت کہیں نہ ہوگی۔ بلکہ مسکنت میں رہیں گے۔

یہ تمام پیشین گوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ چنانچہ یہود زبانی طعن اور سب و شتم کے سوا مومنین کو کوئی بڑا ضرر نہ پہنچا سکے۔ یہودی بنی قینقاع و بنی قریظہ و بنی نضیر و یہود خیبر نے مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور مغلوب ہوئے۔ پھر ان کے کہیں پاؤں نہ جمے اور ان کی شان و شوکت جاتی رہی۔ یہود ہمیشہ ہر ملک میں قتل و غارت وقید سے پامال ہوتے رہے ہیں روئے زمین پر کہیں ان کی سلطنت نہیں۔ دوسرے ملکوں میں پناہ گزین ہیں تو وہاں کے بادشاہ یا لوگوں کی عنایت سے ایسا ہوتا رہا ہے۔ ان کا مغضوب ہونا ظاہر ہے۔

پیشین گوئی-۱۰: سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَمَاْوٰھُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَی الظّٰلِمِیْنَO (آلِ عمران: ع ۱۶)

''اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس چیز کو جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بری ہے جگہ ظالموں کے رہنے کی۔''

یہ پیشین گوئی یوم احد کی نسبت تھی اور اسی دن پوری ہو گئی۔ کیوں کہ کفار باوجود غلبہ وظفر کے مسلمانوں کے خوف سے لڑائی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

پیشین گوئی-۱۱: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ٥
(آل عمران: ع۲)

''کہہ دے کافروں کو کہ تم جلد ہی مغلوب ہو گے اور اکٹھے کیے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور برا ہے بچھونا۔''

جب حضور اقدس ﷺ جنگ بدر سے مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ نے یہود کو بازار بنی قینقاع میں جمع کیا۔ اور ان سے فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ۔ ورنہ تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو قریش کا ہوا۔ وہ بولے کہ نازاں نہ ہو تیرا ایسی قوم سے مقابلہ ہوا جن فن جنگ سے ناواقف تھی۔ اگر ہم سے پالا پڑے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم بہادر ہیں تو ہماری مانند نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں یہ خبر دی گئی کہ یہود عنقریب مغلوب ہو جائیں (۱۶) گے۔ یہ پیشین گوئی بنی قریظہ کے قتل اور بنی نضیر کی جلاوطنی اور فتح خیبر اور باقی یہود پر جزیہ لگانے سے پوری ہوئی۔

پیشین گوئی-۱۲: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا٥ (مائدہ: ع۱)

''آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا اور پوری کی میں نے تم پر اپنی نعمت۔ اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔''

یہ آیت ۱۰ھ میں عرفہ کی شام کو جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ اصحاب آثار کا قول ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اکاسی یا بیاسی دن زندہ رہے اور شریعت میں کوئی زیادتی یا نسخ یا تبدیلی وقوع میں نہ آئی۔ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی وفات شریف کی خبر ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس سے یہی سمجھتے تھے جو ان کے اعلم الصحابہ ہونے کی دلیل ہے۔

پیشین گوئی-۱۳: وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ سَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ٥ (مائدہ۔ ع۳)

''ان لوگوں سے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں۔ لیا ہم نے عہد ان کا۔ پھر وہ بھول گئے فائدہ لینا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی۔ پھر ہم نے لگا دی ان کے درمیان دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک اور آخر جتا دے گا ان کو اللہ جو کچھ وہ کرتے تھے۔''

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ قیامت تک نصاریٰ کے مختلف فرقے رہیں گے جو ایک دوسرے کی تکذیب و تکفیر کرتے رہیں گے۔ یہ بھی پوری ہو چکی ہے۔ کیوں کہ اب تک ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اور آئندہ

بھی ہوتا رہے گا۔ نصاریٰ کے مختلف سینکڑوں فرقے ہیں جن کا ذکر ہم نے بخوف طوالت نہیں کیا۔

پیشین گوئی ۔۱۴: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌO (مائدہ:ع ۸)

''اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے پھرے گا اپنے دین سے اللہ آگے لائے گا ایک قوم کو کہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ نرم دل ہیں مسلمانوں پر اور سخت ہیں کافروں پر جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے۔ خبر دار۔''

اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ کچھ عرب دین سے پھر جائیں گے۔ اِس لیے فرمادیا کہ اِنکی گوشمالی کیلئے ایک ایسی قوم ہوگی جس کے اوصاف یہ ہونگے۔ یہ پیشین گوئی حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد پوری ہوئی جب کہ عرب کے کئی قبیلے دین اسلام سے منحرف ہوگئے اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باوجود (۱۷) اختلاف آراء ان کے ساتھ جہاد کیا اور ان کو مغلوب کیا یہ آیت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیقت پر دلیل واضح ہے۔

پیشین گوئی ۔۱۵: وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَO (مائدہ:ع ۹)

''اور ہم نے ڈال دی ان میں دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔ جب ایک آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے واسطے۔ اللہ اس کو بجھاتا ہے۔ اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرتے۔ اور اللہ دوست نہیں رکھتا فساد کرنے والوں کو۔''

اس میں پیشین گوئی ہے کہ یہود کے مختلف فرقے ہوں گے۔ جن میں عداوت وبغض قیامت تک رہے گا۔ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے میں کلام نہیں کیوں کہ یہود کے مختلف فرقوں میں اب تک عداوت ہے اور آئندہ رہے گی۔

پیشین گوئی ۔۱۶: يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَO (مائدہ: ع ۱۰)

''اے رسول! پہنچا جو کچھ اتارا گیا ہے تیری طرف تیرے رب سے۔اور اگر تو نے نہ کیا۔
پس تو نے نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچائے گا لوگوں سے۔اللہ ہدایت نہیں کرتا منکر
قوم کو۔''

یہ آیت بقول حضرت جابر رضی اللہ عنہ غزوہ ذات الرقاع (۴ھ) میں نازل ہوئی۔اس آیت کے نزول سے پہلے صحابہ کرام حضور اقدس ﷺ کی پاسبانی کیا کرتے تھے۔مگر جب یہ آیت اتری تو حراست موقوف کر دی گئی۔کیوں کہ اس میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔حضور کی زندگی میں اس پیشین گوئی کا پورا ہونا ظاہر ہے۔کیوں کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین باوجود کینہ وعداوت کے آپ کے قتل پر قادر نہ ہوئے۔چونکہ حضور وفات شریف کے بعد جسد مبارک کے ساتھ مرقد منور میں حقیقۃً زندہ ہیں۔اس لیے یہ وعدہ قیامت تک پورا ہوتا رہے گا۔ذیل میں ہم علامہ سمہودی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ﷺ سے صرف ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس سے ناظرین اندازہ لگا سکیں گے کہ وفات شریف کے بعد اعدائے اسلام نے ہمارے آقا ہمارے مالک حضور شہنشاہِ دو عالم ﷺ کو کس طرح اذیت پہنچانی چاہی۔اور کس طرح یہ وعدہ پورا ہوا۔واقعہ مذکورہ کو علامہ سمہودی یوں بیان فرماتے ہیں:

جان لے کہ مجھے علامہ جمال الدین (۱۸) اسنوی کی تصنیف سے ایک رسالہ معلوم ہوا ہے جس میں نصاریٰ کو حاکم بنانے سے منع کیا گیا ہے۔بعض نے اس رسالے کا نام انتصارات اسلامیہ رکھا ہے۔میں نے اس پر علامہ موصوف کے شاگرد شیخ زین الدین مراغی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے اور وہ یہ ہے۔نصیحت اولی الالباب فی منع استخدام النصاریٰ کتاب لشیخنا العلامہ جمال الدین اسنویؒ۔استاد نے اس رسالے کا نام نہ رکھا تھا۔میں نے آپ کے سامنے یہ نام عرض کیا جسے آپ نے برقرار رکھا،انتہی۔پس میں نے اس میں یہ عبارت دیکھی۔

سلطان عادل نور الدین شہید کے عہد سلطنت میں نصاریٰ کے نفسوں نے انہیں ایک بڑے امر پر آمادہ کیا۔ان کا گمان تھا کہ وہ پورا ہو جائے گا۔اور اللہ اپنی روشنی پورا کیے بغیر نہیں رہتا۔خواہ منکر برا مانیں۔وہ امر یہ ہے کہ سلطان مذکور رات کو تہجد اور وظائف پڑھا کرتا تھا۔ایک روز تہجد کے بعد سو گیا۔خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ دو سرخ رنگ شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں۔میری مدد کر اور مجھے ان دو سے بچا۔وہ ڈر کر جاگ اٹھا۔پھر وضو کیا نماز پڑھی اور سو گیا۔پھر اس نے وہی خواب دیکھا۔جاگ اٹھا اور نماز پڑھ کر سو گیا۔پھر تیسری بار وہی خواب دیکھا۔پس جاگ اٹھا اور کہنے لگا۔نیند باقی نہیں رہی۔اس کا وزیر ایک صالح شخص تھا۔جس نام جمال الدین موصلی تھا رات کو اسے بلایا۔اور

تمام ماجرا اسے کہہ سنایا۔ اس نے کہا تم کیسے بیٹھے ہو۔ اسی وقت مدینۃ النبی کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اور اپنے خواب کو پوشیدہ رکھو۔ یہ سن کر اس نے بقیہ شب میں تیاری کر لی۔ اور سبکسار سواریوں پر بیس آدمیوں کے ساتھ نکلا۔ وزیر مذکور اور بہت سا مال بھی اس کے ساتھ تھا۔ سولہ دن میں وہ مدینے پہنچا۔ شہر سے باہر غسل کیا۔ اور داخل ہوا۔ روضہ منورہ میں نماز پڑھی اور زیارت کی۔ پھر بیٹھ گیا حیران تھا کہ کیا کرے۔ جب اہل مدینہ مسجد میں جمع تھے تو وزیر نے کہا۔ سلطان نبی ﷺ کی زیارت کے ارادے سے آیا ہے۔ اور خیرات کے لیے اپنے ساتھ بہت سا مال لایا ہے۔ جو یہاں کے رہنے والے ہیں ان کے نام لکھو۔ اس طرح تمام اہل مدینہ کے نام لکھے۔ سلطان نے سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔

جو صدقہ لینے آتا سلطان اسے بغور دیکھتا کہ وہ وصف و شکل جو نبی ﷺ نے اسے دکھائی تھی معلوم کرے۔ جس میں وہ حلیہ نہ پاتا اسے صدقہ دے کر کہتا کہ چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ سب لوگ آ چکے۔ سلطان نے پوچھا کہ کیا کوئی باقی رہ گیا ہے۔ جس نے صدقہ نہ لیا ہو۔ انہوں نے عرض کی نہیں۔ سلطان نے کہا غور و فکر کرو۔ اس پر انہوں نے کہا: اور تو کوئی باقی نہیں مگر دو مغربی شخص جو کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ وہ پارسا اور دولت مند ہیں اور محتاجوں کو اکثر صدقہ دیتے رہتے ہیں۔ یہ سن کر سلطان خوش ہو گیا اور حکم دیا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ لائے گئے۔ سلطان نے انہیں وہی دو شخص پایا جن کی طرف نبی ﷺ نے اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ میری مدد کر۔ اور مجھے ان سے بچا۔ پس ان سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم دیارِ مغرب سے حج کرنے کے لیے آئے ہیں اس لیے اس سال ہم نے نبی ﷺ کی مجاورت اختیار کی ہے۔ سلطان نے کہا سچ بتاؤ۔ مگر وہ اپنی بات پر قائم رہے۔ پھر لوگوں سے پوچھا۔ یہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ حجرہ شریف کے قریب رباط میں رہتے ہیں۔ یہ سن کر سلطان نے دونوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے مکان میں آیا۔ وہاں بہت سا مال، دو قرآن مجید اور وعظ و نصیحت کی کتابیں پائیں۔ ان کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔ اہل مدینہ نے ان کی بڑی تعریف کی کہ یہ بڑے سخی اور فیاض ہیں۔ صائم الدہر ہیں اور روضہ شریف میں صلوات اور نبی ﷺ کی زیارت کے پابند ہیں۔ ہر صبح جنت البقیع کی زیارت کو جاتے ہیں۔ اور ہر شنبہ قباء کی زیارت کرتے ہیں۔ کسی سائل کا سوال رد نہیں کرتے۔ ان کی فیاضی سے اس قحط سالی میں مدینہ میں کوئی محتاج نہیں رہا۔ یہ سن کر سلطان نے کہا: سبحان اللہ! اور اپنے خواب کو ظاہر نہ کیا۔ سلطان بذاتِ خود اس مکان میں پھرتا رہا اس میں ایک چٹائی جو اٹھائی تو اس کے نیچے تہ خانہ دیکھا جو حجرہ شریف کی طرف کھود رکھا تھا۔ لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے۔ اس وقت سلطان نے کہا۔ تم اپنا حال سچ سچ بتاؤ۔ اور انہیں بہت مارا۔ پس انہوں نے اقرار کیا کہ ہم عیسائی ہیں۔ ہم کو نصاریٰ نے مغربی حاجیوں کے بھیس میں بھیجا ہے۔ اور ہمیں بہت سا مال دیا ہے اور کہا

ہے کہ اسے حجرہ شریف تک پہنچنے اور جسد مبارک نکالنے کا حیلہ و وسیلہ ٹھہراؤ۔ بھیجنے والے عیسائیوں کا یہ وہم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس بات پر قادر کر دے گا۔ اور وہ کریں گے جو شیطان نے انہیں سمجھایا تھا۔ اس لیے وہ دونوں حجرہ شریف کے سب سے قریب رباط میں اترے تھے۔ اور انہوں نے وہ کیا جو اوپر ذکر ہوا۔ وہ رات کو کھودا کرتے تھے۔ اور ہر ایک کے پاس مغربیوں کے لباس کے مطابق ایک چمڑے کی تھیلی تھی جو مٹی جمع ہوتی۔ ہر ایک اپنی تھیلی میں ڈال لیتا۔ اور دونوں زیارت بقیع کے بہانے سے نکل جاتے اور قبروں میں پھینک آتے۔ کچھ مدت وہ اسی طرح کرتے رہے جب کھودتے کھودتے حجرہ شریف کے قریب پہنچ گئے تو آسمان میں گرج پیدا ہوئی بجلی چمکی۔ اور ایسا زلزلہ عظیم پیدا ہوا کہ گویا پہاڑ جڑ سے اکھڑ گئے ہیں۔ اسی رات کی صبح کو سلطان نورالدین آ پہنچا۔ اور دونوں کی گرفتاری اور اعتراف وقوع میں آیا۔ جب دونوں نے اعتراف کر لیا۔ اور اس کے ہاتھ پر ان کا حال ظاہر ہو گیا۔ اور اس نے اللہ کی یہ عنایت دیکھی کہ یہ کام اس سے لیا تو وہ بہت رویا۔ اور ان کی گردن زنی کا حکم دیا۔ پس وہ اس جالی کے نیچے قتل کیے گئے جو حجرہ شریف کے قریب بقیع سے متصل ہے۔ پھر اس نے بہت سی رانگ منگوائی۔ اور تمام حجرہ شریف کے گرد پانی کی تہ تک ایک بڑی خندق کھدوائی وہ رانگ پگھلائی گئی اور اس سے خندق بھر دی گئی۔ اس طرح حجرہ شریف کے گرد پانی کی تہ تک رانگ کی دیوار تیار ہو گئی۔ پھر سلطان مذکور اپنے ملک کو چلا آیا۔ اور حکم دیا کہ نصاریٰ کمزور کر دیے جائیں۔ اور کوئی کافر عامل نہ بنایا جائے۔ بایں ہمہ حکم دیا کہ محاصل چونگی تمام معاف کر دیے جائیں۔

علامہ جمال الدین محمد مطری (متوفی ۷۴۱ھ) نے اس واقعہ کی طرف بطریق اختصار اشارہ کیا ہے اور حجرہ شریف کے گرد خندق کھودنا۔ اور اس میں رانگ کا پگھلا کر ڈالا جانا ذکر نہیں کیا ہے مگر وہ سال بتا دیا ہے جس میں یہ حادثہ وقوع میں آیا۔ اور بیان بالا سے بعض تفاصیل میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ جو فصیل اب مدینہ کے گرد ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سلطان نورالدین محمود بن زنگی بن اقسنقر ۵۵۵ھ میں مدینہ منورہ میں پہنچا اس کے آنے کا سبب ایک خواب تھا۔ جو اس نے دیکھا تھا۔ اس خواب کو بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے اور میں نے اسے فقیہ علم الدین یعقوب بن ابی بکر (جس کا باپ مسجد نبوی کی آتش زدگی کی رات کو جل گیا تھا) سے سنا۔ اور علم الدین نے روایت کی ان اکابر سے کہ جن سے وہ ملا۔ کہ سلطان محمود مذکور نے ایک رات تین بار نبی ﷺ خواب میں دیکھا۔ ہر بار آپ فرماتے، اے محمود! مجھے ان دو سرخ شخصوں سے بچا۔ اس لیے اس نے صبح ہونے سے پہلے اپنے وزیر کو بلایا۔ اور اسے یہ ماجرا سنایا۔ وزیر نے کہا کہ مدینۃ النبی ﷺ میں کوئی امر حادث ہوا ہے جس کے لیے تیرے سوا کوئی اور نہیں۔ پس وہ تیار ہو گیا اور قریباً ایک ہزار اونٹ اور گھوڑے وغیرہ لے کر جلدی روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ

اپنے وزیر کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا۔ اور اہل مدینہ کو خبر نہ ہوئی۔ زیارت کے بعد مسجد میں بیٹھ گیا۔ اور حیران تھا کہ کیا کرے۔ وزیر نے کہا کہ آپ دو شخصوں کو دیکھ کر پہچان لیں گے؟ سلطان نے کہا ہاں پس تمام لوگوں کو خیرات کے لیے بلایا۔ اور بہت سا زر وسیم ان میں تقسیم کیا۔ اور کہا کہ مدینہ میں کوئی باقی نہ رہ جائے اس طرح کوئی باقی نہ رہا مگر اہل اندلس میں سے دو مجاور جو اس جانب میں اترے ہوئے تھے جو نبی ﷺ کے حجرے کے آگے مسجد سے باہر آل عمر بن الخطاب کے گھر (جو اب دار العشرۃ کے نام سے مشہور ہے) کے پاس ہے سلطان نے ان کو خیرات کے لیے بلایا۔ وہ نہ آئے اور کہنے لگے ہمیں ضرورت نہیں۔ ہم کچھ نہیں لیتے۔ سلطان نے ان کے بلانے میں اصرار کیا۔ پس وہ لائے گئے۔ جب سلطان نے ان کو دیکھا تو اپنے وزیر سے کہا یہی وہ دو ہیں۔ پھر ان کا حال اور ان کے آنے کا باعث دریافت کیا انہوں نے کہا ہم نبی ﷺ کی مجاورت کے لیے آئے ہیں۔ سلطان نے کہا مجھ سے سچ سچ کہو۔ اور کئی دفعہ یہی سوال کیا یہاں تک کہ مار پیٹ کی نوبت پہنچی۔ پس انہوں نے اقرار کیا کہ ہم عیسائی ہیں اور عیسائی بادشاہوں کے اتفاق سے ہم یہاں آئے ہیں۔ تاکہ حجرہ شریف سے جسد مبارک کو نکال کر لے جائیں۔ سلطان نے دیکھا کہ انہوں نے مسجد کی قبلہ رو دیوار کے نیچے سے زمین دوز نقب لگائی ہوئی ہے اور حجرہ شریف کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اور جس مکان میں وہ رہا کرتے تھے اس میں ایک گڑھا تھا۔ جس میں وہ مٹی ڈال دیا کرتے تھے۔ اس طرح علم الدین یعقوب نے بالاسناد میرے پاس بیان کیا۔ پس اس جالی کے پاس جو مسجد سے باہر حجرہ نبی ﷺ کے مشرق میں ہے ان کو قتل کر دیا گیا۔ پھر شام کو آگ سے جلا دیئے گئے۔ اور سلطان مذکور سوار ہو کر شام کی طرف روانہ ہوا۔

پیشین گوئی-۱۷: قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (توبہ: ع ۲)

''لڑو ان سے تا عذاب کرے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں کے ساتھ اور رسوا کرے ان کو اور غالب کرے تم کو ان پر ٹھنڈے کرے دل کتنے مسلمان لوگوں کے اور دور کرے دل کتنے مسلمان لوگوں کے اور دور کرے ان کے دلوں کا غصہ اور اللہ توبہ دے گا جس کو چاہے گا اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

بنو خزاعہ میں سے کچھ لوگ ایمان لائے تھے اور ہجرت کے بعد مکہ مشرفہ میں باقی رہ گئے تھے۔ ان کو مشرکین سے تکلیف پہنچی۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ اور قریش کے درمیان جو عہد و پیمان ہوئے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ ایک دوسرے کے حلیفوں کو ایذا نہ پہنچائیں گے، اور اگر

ایک کے حلیف دوسرے حلیفوں سے جنگ کریں تو ان کی مدد نہ کریں گے۔اس عہد کے خلاف کفار قریش نے آنحضرت ﷺ کے حلیف خزاعہ کے خلاف اپنے حلیف بنوبکر کو ہتھیار وغیرہ سے مدد دی جس سے خزاعہ کا سخت نقصان جان ہوا۔اس لیے خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔پس یہ آیتیں اتریں جن میں مسلمانوں کی نصرت اور بعض کفار کے تائب ہونے کی پیشین گوئی ہے۔یہ پیشین گوئی فتح مکہ سے پوری ہوگئی،اور کفار میں سے بعض مثلاً ابوسفیان اور عکرمہ بن ابی جہل اور سہل بن عمرو وغیرہ ایمان لائے۔

پیشین گوئی-۱۸: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ (توبہ:ع ۷)

''اوران میں سے بعض کہتا ہے مجھ کو رخصت دے اور فتنہ میں نہ ڈال۔خبردار رہو وہ فتنہ میں گر پڑے ہیں اور دوزخ گھیر رہی ہے کافروں کو۔''

ایک منافق جد بن قیس بہانہ لایا کہ روم کی عورتیں خوبصورت ہیں۔میں اس ملک میں جا کر بدی میں گرفتار ہوں گا۔رخصت دو کہ سفر (غزوہ تبوک) میں نہ جاؤں۔لیکن مدد،خرچ کروں گا مال سے (موضح القرآن) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔جس میں یہ اخبار بالغیب ہے کہ جد بن قیس کافر ہی مرے گا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پیشین گوئی-۱۹: وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ (توبہ:ع ۱۰)

''اوران میں سے بعض وہ ہے کہ عہد کیا اللہ سے۔اگر دے ہم کو اپنے فضل سے تو البتہ ہم خیرات دے گے۔اور البتہ ہوں گے ہم صالحین میں سے۔پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے اس میں بخل کیا انہوں نے اور پھر گئے منہ پھیر کر پھر اس کا اثر رکھا خدا نے نفاق ان کے دلوں میں اس دن تک کہ ملیں گے اس سے بسبب اس کے خلاف کیا انہوں نے جو وعدہ کیا اس سے اور بسبب اس کے کہ بولتے تھے جھوٹ۔''

ایک منافق تھا ثعلبہ بن حاطب،اس نے آنحضرت ﷺ سے دعا چاہی کہ مجھ کو کشائش ہو۔فرمایا کہ تھوڑا جس کا شکر ہو سکے بہتر ہے بہت سے کہ غفلت لائے۔پھر آیا لگا عہد کرنے کہ اگر مجھ کو مال ہو، میں بہت خیرات کروں۔اور غفلت میں نہ پڑوں۔حضور نے دعا کی۔اس کو بکریوں میں برکت ملی۔

یہاں تک کہ مدینے کے جنگل سے کفایت نہ ہوتی۔ نکل کر گاؤں میں جا رہا تھا۔ جمعہ اور جماعت سے محروم ہوا۔ حضور نے پوچھا کہ ثعلبہ کیا ہوا؟ لوگوں نے حال بیان کیا۔ فرمایا ثعلبہ خراب ہوا۔ پھر زکوٰۃ کا وقت آیا۔ سب دینے لگے اس نے کہا یہ تو مال بھرنا گویا جزیہ دینا ہے۔ بہانہ کر کر ٹال دیا۔ پھر حضرت کے پاس مال لایا زکوٰۃ میں۔ آپ نے قبول نہ کیا۔ حضرت کے بعد ابو بکر و عمر بھی اپنی خلافت میں اس کی زکوٰۃ نہ لیتے۔ خلافِ عثمان میں مر گیا (موضح قرآن) اسی ثعلبہ کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اخیر آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ ثعلبہ منافق ہی مرے گا۔ اسے توبہ نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پیشین گوئی۔۲۰: يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○ (توبہ: ع ۱۲)

''عذر لائیں گے تمہارے پاس جب بھی پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تو کہہ عذر مت لاؤ ہم نہ مانیں گے ہرگز تمہاری بات ہم کو بتا دیا ہے اللہ نے تمہارا بعض احوال۔ اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارا عمل اور اس کا رسول۔ پھر جاؤ گے تم طرف اس جاننے والے چھپے اور کھلے کے سو وہ بتا دے گا تم کو جو کر رہے تھے اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی جب پھر کر جاؤ گے تم ان کی طرف تا کہ ان سے درگزر کرو تم سو درگزر کرو ان سے۔ وہ لوگ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے بدلہ ان کی کمائی کا۔''

منافقین (جد بن قیس و معتب بن قشیر اور ان دونوں کے اصحاب) جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کی نسبت ان آیتوں میں یہ پیشین گوئی ہے کہ وہ عدم شرکت کا یوں عذر کریں گے اور یوں قسم کھائیں گے۔ یہ پیشین گوئی غزوہ تبوک سے واپسی پر پوری ہوئی۔

پیشین گوئی۔۲۱: وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ○ (رعد: ع ۴)

''اور پہنچتا رہے گا کافروں کو ان کے کیے پر کھڑکا یا اترے گا نزدیک ان کے گھر سے یہاں تک کہ آئے وعدہ اللہ کا بے شک اللہ خلاف نہیں کرتا وعدہ۔''

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ جب سارے عرب ایمان نہ لائیں گے مسلمان ان کے ساتھ

جہاد کرتے رہیں گے۔ اور انہیں قتل وقید کرتے رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (حجر: ع ۱)

پیشین گوئی۔ ۲۲: اس آیت میں خبر دی گئی کہ قرآن کریم تحریف وتبدیل سے محفوظ رہے گا۔ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا مخالف و اعدائے اسلام کو بھی اعتراف ہے۔ ملاحدہ و معطلہ بالخصوص قرامطہ نے تحریف قرآن کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر ایک حرف بھی ادل بدل نہ کر سکے۔ کتب سماویہ سابقہ اگرچہ سب کی سب کلام الٰہی تھیں۔ مگر تحریف سے کوئی خالی نہ رہی فقط ایک قرآن مجید ہے جو تحریف وتبدیل سے محفوظ رہا اور رہے گا۔ کیوں کہ اس کا حافظ خود خدا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر کتب سابقہ میں تحریف ہو جاتی تھی تو دوسرا نبی آ کر اسے بیان فرما دیتا تھا۔ مگر قرآن چونکہ خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوا جن کے بعد کوئی نیا نبی نہ آئے گا جو بصورت وقوع تحریف اسے بیان فرما دیتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ اور اس طرح اپنے حبیب پاک کی شان محبوبیت کو بھی ظاہر فرما دیا۔ اللھم صلی وسلم و بارك علیٰ حبیبك سیدنا و مولنا محمد و علیٰ آله و اصحابه و علینا معھم بعدد کل معلوم لك۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا طرفہ سامان کیا ہے۔ علمائے اسلام قراء ومحدثین ہر دور میں اسے بطریق تواتر روایت کرتے رہے ہیں۔ جن پر کذب کا وہم تک نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر ہر زمانے میں کثرت سے اس کتاب کے حافظ رہے ہیں اور آئندہ رہیں گے اس طرح امت کے سینوں میں محفوظ ہونا اس کتاب الٰہی کا خاصہ ہے۔

بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ (عنکبوت: ع ۵)

"بلکہ یہ قرآن آیتیں ہیں صاف۔ سینے میں ان کے جن کو ملا ہے علم۔ منکر نہیں ہماری آیتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں۔"

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں اپنے حبیب پاک ﷺ سے مقام قاب قوسین او ادنیٰ میں من جملہ دیگر انعامات کے یہ بھی ارشاد فرمایا: "میں (۲۰) نے تیری امت میں سے ایسی جماعتیں بنائی ہیں کہ جن کے دل ان کی انجیلیں ہیں"۔ یعنی ان کے دل کتابوں کی طرح ہیں۔ جس طرح انسان کتاب سے پڑھتا ہے۔ وہ دل سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔

امام بیہقی نے روایت کی کہ یحییٰ بن اکثم (متوفی ۲۴۲ھ) نے کہا۔ کہ ایک یہودی خلیفہ مامون کی خدمت میں آیا۔ اس نے کلام کیا اور اچھا کلام کیا۔ خلیفہ نے اسے دعوت اسلام دی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ جب ایک سال گذرا تو مسلمان ہو کر ہمارے پس آیا اور اس نے علم وفقہ میں اچھی گفتگو کی۔ مامون

نے اس سے پوچھا کہ تیرے اسلام لانے کا کیا باعث ہے؟ اس نے کہا۔ میں نے آپ کے ہاں سے جا کر مذاہب کا امتحان کیا۔ میں نے تورات کے تین (۲۱) نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی اور گرجا میں بھیج دیئے وہ تینوں فروخت ہو گئے۔ پھر میں نے انجیل کے تین نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی اور گرجا میں بھیج دیئے وہ تینوں بھی فروخت ہو گئے پھر میں نے قرآن مجید کے تین نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی۔ اور ان کو وراقین کے ہاں بھیج دیا۔ انہوں نے نسخوں کی ورق گردانی کی (۲۲)۔ جب ان میں کمی بیشی پائی تو ان کو پھینک دیا۔ اور ان کو مول نہ لیا۔

اس سے میں نے جان لیا کہ یہ کتاب تحریف سے محفوظ ہے اسی لیے میں مسلمان ہو گیا۔ یحییٰ نے کہا میں نے اسی سال حج کیا۔ اور سفیان بن عُیَیْنَہ سے ملا میں نے یہ قصہ ان سے بیان کیا۔ حضرت سفیان نے فرمایا کہ اس کا مصداق قرآن مجید میں موجود ہے۔ میں نے پوچھا کس مقام پر۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کی نسبت بما استحفظوا من کتب اللہ۔ فرمایا ہے۔ پس ان کی حفاظت ان پر چھوڑ دی گئی تھی اور قرآن کی نسبت فرمایا۔ **انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحٰفظون** اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے تحریف و تبدیل سے محفوظ رکھا۔

پیشین گوئی۔ ۲۳: اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۝ (حجر: ع ۶)

''ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کو جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے سوا اور معبود۔ سو وہ آگے معلوم کریں گے۔''

اشراف قریش میں سے پانچ شخص جہاں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تھے ٹھٹھا کرتے تھے۔ جب ان کی شرارت حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں ان کے بارے میں نازل فرمائیں۔ پس وہ ایک دن رات میں ہلاک ہو گئے۔ ان میں سے ایک عاص بن وائل سہمی تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ سیر کرنے نکلا اور ایک درہ کوہ میں اترا۔ جونہی اس نے پاؤں زمین پر رکھا کہنے لگا مجھے کچھ کاٹ گیا۔ ہر چند لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا مگر کچھ نہ پایا۔ اس کے پاؤں میں ورم ہو گیا۔ یہاں تک کہ اونٹ کی گردن کی مانند ہو گیا۔ اور وہیں مر گیا۔ دوسرا حارث بن قیس سہمی تھا۔ اس نے نمکین مچھلی کھالی سخت پیاس جو لگی۔ وہ پانی پیتا رہا یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور مر گیا۔ مرتے وقت کہتا تھا کہ مجھے محمد ﷺ کے رب نے مار ڈالا۔ تیسرا اسود بن المطلب بن الحارث تھا۔ وہ اپنے غلام کے ساتھ نکلا۔ ایک درخت کی جڑ میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور اس کے سر کو درخت پر مارنے لگے۔ وہ اپنے غلام سے فریاد کرنے لگا۔ غلام نے کہا، مجھے تو کوئی نظر نہیں آتا آپ ہی ایسا کر رہے ہیں۔ پس وہ وہیں مر گیا۔ چوتھا ولید بن مغیرہ

تھا۔ وہ بنی خزاعہ میں سے ایک تیر تراش کی دکان سے گزرا۔ ایک پیکان اس کی چادر کے دامن سے چمٹ گیا۔ وہ چادر کا دامن اپنے کندھے پر ڈالنے لگا تو پیکان سے اس کی رگ ہفت اندام کٹ گئی۔ پھر خون بند نہ ہوا یہاں تک وہ مر گیا۔ پانچواں اسود بن عبد یغوث تھا۔ وہ اپنے گھر سے نکلا اسے لو لگی۔ پس وہ حبشی کی طرح سیاہ ہو گیا۔ جب وہ گھر آیا گھر والوں نے اسے نہ پہچانا (۲۳) آخر اس لو کے اثر سے مر گیا۔

پیشین گوئی۔ ۲۴: وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خلفك الا قليلا○ (بنی اسرائیل: ع ۸)

''اور تحقیق وہ قریب تھے کہ بچا دیں تجھ کو زمین سے تا کہ نکالیں تجھ کو اس میں سے اور اس وقت وہ نہ رہیں گے تیرے پیچھے مگر تھوڑا زمانہ۔''

کفار قریش چاہتے تھے کہ ایذاء سے رسول اللہ ﷺ کو بے آرام کر دیں۔ تا کہ گھبرا کر مکہ سے نکل جائیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اگر وہ آپ کو نکال دیں گے تو آپ کے بعد وہ دیر تک زندہ رہیں گے۔ بدر کے دن یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اس دن آپ کو ایذاء دینے والے قتل ہو گئے۔

پیشین گوئی۔ ۲۵: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○ (نور: ع ۷)

''وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور کیے ہیں نیک کام البتہ پیچھے حاکم کرے گا ان کو ملک میں جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور ثابت کر دے گا ان کے واسطے دین ان کو جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور بدل دے گا ان کو ڈر کے بعد امن۔ میری بندگی کریں گے شریک نہ ٹھہرائیں گے میرا کوئی۔ اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس پیچھے سو وہی لوگ ہیں فاسق۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کے صحابہ کرام سے جو موجود تھے خلافت اور تمکین دین اور کفار سے امن کا وعدہ فرمایا۔ اور صاف کہہ دیا یہ خلافت اس طرح ہو گی جیسے بنی اسرائیل میں قائم ہوئی تھی۔ یہ وعدہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں لفظ بلفظ پورا ہوا۔ جس کی تفصیل کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔ لہٰذا جو شخص ان کی خلافت سے منکر ہو اس کا حکم وہی ہے جو اس آیت کے اخیر حصے میں مذکور ہے۔

پیشین گوئی۔۲۶: اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ۝ (قصص۔ع۹)
''جس نے حکم بھیجا تم پر قرآن کا۔ وہ پھر لانے والا ہے۔ تجھ کو پہلی جگہ۔''

جب حضور اقدس ﷺ نے بحکم الٰہی مدینہ کو ہجرت فرمائی تو راستے میں مقام جُحفہ میں آپ ﷺ کو وطن کا خیال آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی۔ اور اس میں پھر مکہ واپس آنے کی خوشخبری دی۔ یہ پیشین گوئی ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے دن پوری ہوئی۔

پیشین گوئی۔۲۷: الٓمّٓ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ۝ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ وَ یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ۝ (روم۔شروع)
''مغلوب ہو گئے ہیں رومی لگتے ملک میں۔ اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد اب غالب ہوں گے کئی برس میں۔ اللہ کے ہاتھ میں ہے کام پہلے اور پچھلے اور اس دن میں خوش ہوں گے مسلمان اللہ کی مدد سے۔ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی ہے غالب مہربان۔''

جب کسریٰ پرویز نے رومیوں پر حملہ کیا تو عرب سے لگتی زمین (اذرعات و بصرے یا اردن و فلسطین) میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور فارس روم پر غالب آئے۔ جب یہ خبر مکہ مشرفہ میں پہنچی تو مشرکین خوش ہوئے اور مسلمانوں سے کہنے لگے۔ تم اور نصاریٰ اہل کتاب ہو۔ اور ہم اور فارس بے کتاب ہیں۔ جس طرح ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آ گئے ہم بھی تم پر غالب آ جائیں گے۔ مسلمانوں کو یہ امر نہایت ناگوار گزرا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مذکور ہے کہ چند سال کے اندر روم فارس پر غالب آ جائیں گے چنانچہ نو سال کے بعد بدر کے دن یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی (۲۴)۔

پیشین گوئی۔۲۸: اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ لا اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۝

(مومن: ع ۶)

''جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کچھ سند کے جو پہنچی ہو ان کو۔ اور کچھ نہیں ان کے سینوں میں مگر تکبر وہ نہیں پہنچنے والے اس تک۔ سو تو پناہ مانگ اللہ کی بے شک وہ ہے سنتا دیکھتا۔''

اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ منکرین کے دلوں میں یہ غرور ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اوپر رہیں گے۔ مگر یہ نہیں ہونے کا۔ چنانچہ کفار کو بھی حضور اقدس ﷺ پر تعاظم و تقدم حاصل نہ ہوا۔

پیشین گوئی-۲۹: فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْآ اِلَى السَّلْمِ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝ (محمد:ع۴)

"سوتم سستی نہ کرو۔ اور نہ بلاؤ ان کو صلح کی طرف۔ اور تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا تمہارے اعمال۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کفار کے مقابلہ میں سستی نہ کرو۔ اور ان سے صلح طلب نہ کرو۔ تم ہی غالب آؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

پیشین گوئی-۳۰: لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ (فتح:ع۴)

"بیشک اللہ نے سچ دکھایا اپنے رسول ﷺ کو خواب۔ تحقیق تم داخل ہو جاؤ گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن سے بال مونڈتے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے بے خطرہ پس جانا اللہ نے جو نہ جانا تم نے پس ٹھہرا دی اس سے ورے ایک فتح (خیبر) نزدیک۔"

حدیبیہ کی طرف جانے سے پہلے حضور اقدس ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ ﷺ مع صحابہ کرام سر منڈائے ہوئے کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے ہیں آپ ﷺ نے یہ خواب صحابہ کرام سے بتا دیا۔ وہ سمجھے کہ داخلہ اسی سال ہوگا۔ حالانکہ خواب میں داخلہ کے وقت کی تعین نہ تھی۔ جب مسلمان کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے بغیر حدیبیہ ہی سے صلح کر کے مدینے واپس آنے لگے تو منافقین تمسخر سے کہنے لگے۔ اب وہ خواب کہاں ہے جو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تھا؟ صحابہ کرام کو یہ امر ناگوار گزرا اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور دوسرے سال فتح خیبر کے بعد یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

پیشین گوئی-۳۱: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (فتح:ع۴)

"وہ ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ﷺ ساتھ ہدایت اور سچے دین کے تا کہ غالب کرے اس کو ہر دین پر اور کافی ہے اللہ شہادت دینے والا۔"

اس آیت میں دین اسلام کے تمام دینوں پر غالب آنے کی پیشین گوئی ہے جس کے پورا ہونے میں کلام نہیں۔ موضح قرآن میں ہے "اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سب سے غالب کر دیا ایک مدت۔ اور دلیل سے غالب ہے ہمیشہ"۔

پیشین گوئی۔ ۳۲: اَمۡ یُرِیۡدُوۡنَ کَیۡدًا فَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ھُمُ الۡمَکِیۡدُوۡنَ ۝ (طور۔ ع ۲)
''کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا۔ سو جو کافر ہیں وہی داؤ میں آنے والے ہیں۔''

اس آیت مکی میں یہ اخبار بالغیب ہے کہ جن مشرکین نے بعثت کے تیرھویں سال دار الندوہ میں جناب رسالت مآب ﷺ کے قتل کرنے پر اتفاق کیا تھا وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ یوم بدر میں ایسا ہی وقوع میں آیا۔

پیشین گوئی۔ ۳۳: اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِیۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ۝ سَیُھۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ یُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ۝ (قمر: ع ۳)

''کیا کہتے ہیں ہم سب جماعت بدلہ لینے والے ہیں۔ اب شکست دی جائے گی وہ جماعت اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر۔''

یہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئیں۔ جب بدر کا دن آیا اور قریش کو ہزیمت ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے زرہ پہنے اور تلوار کھینچے ہوئے ان کا تعاقب کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس دن مجھے اس پیشین گوئی کا مطلب سمجھ میں آیا کہ کفار قریش ہزیمت اٹھائیں گے اور مسلمان تلوار و نیزہ سے ان کا تعاقب کریں گے۔ صحیح بخاری کتاب المغازی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بدر کے دن نبی ﷺ نے یوں دعا مانگی۔ اور آپ عریش تھے۔

اَللّٰھُمَّ انّی انشدّك عھدك ووعدك اللّٰھم ان شئت لم تعبد۔

''یا اللہ میں تجھ سے تیرا عہد اور تیرا وعدہ طلب کرتا ہوں۔ یا اللہ تو اگر (ہم پر کافروں کو غالب کرنا) چاہے تو تیری عبادت نہ کی جائے گی۔''

یہ سن کر سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا: ''آپ کو یہ کافی ہے''۔ پس حضور ﷺ عریش سے نکلے اور آپ ﷺ یوں فرما رہے تھے:

سَیُھۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ یُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ۔

پیشین گوئی۔ ۳۴: ھُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِھِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ۔ (حشر: ع ۱)

''وہ ہے جس نے نکال دیئے جو کافر ہیں کتاب والوں میں سے ان کے گھروں سے پہلی جلاوطنی کے وقت۔''

اس کتاب میں پہلے آچکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنی نضیر کو ہجرت کے چوتھے سال جلاوطن کر دیا۔ اور وہ ملک شام میں چلے گئے۔ یہ یہود کی پہلی جلاوطنی تھی جیسا کہ آیت بالا سے ظاہر ہے۔ اس میں

ارشاد تھا کہ یہود کی دوسری جلاوطنی بھی ہوگی۔ چنانچہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں وقوع میں آئی۔ جب کہ یہود تمام جزیرۂ عرب سے نکال دیئے گئے۔ مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے مالوں کی قیمت دی (۲۵)۔

پیشین گوئی۔ ۳۵: كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ (علق، پ ۳۰)
"ہرگز نہیں۔ یوں اگر باز نہ آئے گا ہم گھسیٹیں گے پیشانی کے بال پکڑ کر۔"

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ ابو جہل ذلیل موت مرے گا۔ اور اس کو گھسیٹ کر لائیں گے یہ پیشین گوئی جنگ بدر کے دن پوری ہوئی۔ چنانچہ اس دن جب وہ لعین مر رہا تھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو دبلے پتلے تھے اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھے اور اس کا سر کاٹ دیا۔ جب (۲۶) کمزوری کے سبب اس کے سر کو نہ اٹھا سکے تو اس کے کان میں سوراخ کر کے اس میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لائے۔

پیشین گوئی۔ ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹: إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝ (کوثر، پ ۳۰)

"ہم نے دی تجھ کو کوثر۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی پیش کر بے شک دشمن تیرا وہی ہے پیچھا کٹا۔"

یہ قرآن کی چھوٹی سی سورت ہے۔ اس کی تین آیتوں میں چار (۲۷) پیشین گوئیاں ہیں۔ ایک تو پہلی آیت میں ہے۔ جب کہ کوثر سے مراد کثرت اتباع ہو۔ جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے دوسری پیشین گوئی دوسری آیت میں ہے۔ کیوں کہ وانحر اور قربانی کر صیغہ امر ہے۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ کو اور آپ کی امت کو تونگری عطا کرے گا جس سے قربانی پر اقدام ہو سکے۔ اسی طرح تیسری آیت میں دو پیشین گوئیاں ہیں۔ یعنی حضور ﷺ نہیں بلکہ حضور ﷺ کا دشمن بے اولاد مرے گا کہ اس کے پیچھے کوئی اس کا نام نہ لے گا یہ چاروں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ آپ کے اتباع کی کثرت ظاہر ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن آپ ﷺ بلحاظ امت تمام نبیوں سے بڑھ کر ہوں گے۔ اللہ نے حضور ﷺ کو تونگری اس قدر عطا فرمائی کہ ایک دفعہ سو اونٹ بطور ہدی بھیجے۔ عاص بن وائل جو حضور ﷺ کو پیچھا کٹا ہونے کا طعن دیا کرتا تھا۔ بے اولاد مرا۔ اس کی نسل منقطع ہوگئی۔ کوئی اس کا نام بھی نہیں لیتا۔ حالانکہ حضور ﷺ کی ذریت قیامت تک رہے گی۔ آپ ﷺ کا نام قیامت تک روشن ہے۔ علاوہ ازیں سب مومنین آپ ﷺ کی اولاد ہیں جو قیامت تک رہیں گے (۲۸)۔

خصم سیاہ روئے تو بے حاصل وخجل
آثار اقتدار تو تا حشر متصل!!

پیشین گوئی۔ ۴۰: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًاO فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًاO (نصر)

''جب آئے مدد اللہ کی اور فتح اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے ہیں اللہ کے دین میں فوج درفوج۔ پس پاکی بیان کر اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اور بخشش مانگ اس سے وہ بے شک معاف کرنے والا ہے۔''

یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں فتح مکہ کی بشارت ہے جو ہجرت کے آٹھویں سال پوری ہوئی۔ اور پیشین گوئی کے مطابق اہل مکہ و طائف و یمن و ہوازن اور باقی قبائل عرب دین اسلام میں گروہ باگروہ داخل ہوئے۔ حالانکہ اس سے پہلے اکادکا اسلام میں داخل ہوا کرتے تھے۔

مندرجہ بالا پیشین گوئیاں جو سب کی سب پوری ہوئیں فقط بطور مثال بیان کی گئی ہیں اور اس کتاب میں زیادہ کی گنجائش بھی نہیں۔ ورنہ قرآن مجید میں تو کثرت سے پیشین گوئیاں ہیں کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں جس میں قرآن مجید کی کوئی نہ کوئی پیشین گوئی پوری نہ ہوتی ہو۔ اور کتنی پیشین گوئیاں ہیں کہ قرب قیامت اور یوم قیامت کو پوری ہوں گی۔ مثلاً یاجوج و ماجوج کا آنا، دابۃ الارض کا ظاہر ہونا، حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کا تشریف لانا، آسمانوں کا پھٹنا، پہاڑوں کا غبار ہونا، زمین کا چکنا چور ہونا، صور کا پھونکا جانا، مردوں کا زندہ ہونا، ہاتھ پاؤں کا گواہی دینا، اعمال کا وزن کیا جانا وغیرہ وغیرہ پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم بے شک معجزہ ہے۔

اعجاز القرآن کی چوتھی وجہ

علوم القرآن: علوم کے لحاظ سے بھی قرآن کریم معجزہ ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ معانی منظومہ قرآن پانچ علموں سے خارج نہیں۔ اول علم احکام یعنی واجب و مندوب و مباح و مکروہ و حرام خواہ از قسم عبادت ہوں یا معاملات یا تدبیر منزل یا سیاست مدن۔ دوسرے چار گمراہ فرقوں یعنی یہود و نصاریٰ و مشرکین و منافقین کے ساتھ مخاصمہ کا علم۔ تیسرے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں (آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر اور بندوں کی ضروریات کا الہام اور اللہ کی صفات کاملہ کا بیان) کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ چوتھے ایام اللہ یعنی امم ماضیہ میں دشمنان خدا کے ساتھ وقائع بیان کرنے کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ پانچویں موت اور مابعد موت (حشر و نشر و حساب و میزان و بہشت و دوزخ) کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ قرآن میں ان علوم پنجگانہ کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی ہدایت کے لیے نازل فرمائی ہے۔ جس طرح عالم طب جب قانون

شیخ کا مطالعہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ یہ کتاب بیماریوں کے اسباب و علامات اور ادویہ کے بیان میں غایت درجہ کو پہنچی ہوئی ہے تو اسے ذرا شک نہیں رہتا کہ اس کا مؤلف علم طب میں کامل ہے۔ اسی طرح شریعتوں کے اسرار کا علم جب جان لیتا ہے کہ تہذیب نفوس میں افرادِ انسان کے لیے کن کن چیزوں کے بتانے کی ضرورت ہے۔ اور بعد ازاں فنون پنجگانہ میں تامل کرتا ہے تو بے شک اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ فنون اپنے مانی میں اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ اس سے (۲۹) بہتر ممکن نہیں۔ قرآن کریم چونکہ تزکیہ نفوس میں معجز کتاب ہے اسی واسطے اس کی تلاوت کے وقت دلوں میں خشیت و ہیبت پیدا ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ (زمر: ع ۳)

"اللہ نے اتاری بہتر کتاب۔ کتاب ہے آپس (۳۰) میں دوہرائی ہوئی۔ بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھالوں پر ان لوگوں کی جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے چمڑے اور دل ان کے اللہ کی یاد کی طرف۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (حشر۔ ع ۳)

"اگر ہم اتارتے اس قرآن کو ایک پہاڑ پر البتہ دیکھتا اس کو دب جانے والا پھٹ جانے والا اللہ کے ڈر سے اور یہ مثالیں بیان کرتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے تاکہ وہ فکر کریں۔"

قرآن کریم کی اس خارق عادت تاثیر سے بچنے کے لیے کفار قریش ایک دوسرے سے کہہ دیا کرتے تھے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم شور مچا دیا کرو (حم سجدہ ع ۴) اور اسی واسطے مکذبین پر اس کا سننا نہایت دشوار گزرتا تھا۔ اور بوجہ خبث طبع نفرت سے پیٹھ دے کر بھاگ جاتے تھے (بنی اسرائیل۔ ع ۵) ذیل میں تاثیر قرآن مجید کی توضیح کے لیے ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں:

ابن (۳۱) اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی کیفیت مجھے یہ معلوم ہوئی ہے کہ آپ کی بہن فاطمہ اور فاطمہ کے خاوند سعید بن زید بن عمرو بن نفیل مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر اپنے اسلام کو اپنی قوم کے ڈر سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت نعیم بن عبداللہ النحام (۳۲) بھی جو مکہ کے رہنے والے اور آپ ہی کی قوم بنی عدی بن کعب میں سے تھے اسلام لے آئے تھے اور اپنے اسلام کو اپنی قوم کے ڈر سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ حضرت خباب بن الارت حضرت فاطمہ کے پاس قرآن پڑھانے

آیا کرتے تھے۔ایک روز حضرت عمر کو جو خبر لگی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب دمردوزن قریباً چالیس کوہ صفا کے قریب ایک گھر میں جمع ہو رہے ہیں تو تلوار آڑے لٹکائے ہوئے حضور اقدس ﷺ اور حضور کے اصحاب کے قصد سے نکلے۔ان اصحاب میں حضرت ابو بکر اور حضرت علی، حمزہ رضی اللہ عنہم بھی تھے جو ان مسلمانوں میں سے تھے جنہوں نے ملک حبشہ کی طرف ہجرت نہ فرمائی تھی۔راستے میں حضرت نعیم ملے۔جن سے یوں گفتگو ہوئی۔

عمر: میں اس صابی (دین سے برگشتہ) محمد کا فیصلہ کرنے چلا ہوں۔جس نے قریش کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔اور جو ان کے داناؤں کو نادان اور ان کے دین کو معیوب بتاتا ہے اور ان کے معبودوں کو برا کہتا ہے۔

نعیم: عمر! اللہ کی قسم۔تجھے تیرے نفس نے دھوکا دیا ہے۔کیا تو سمجھتا ہے کہ اگر تو حضرت محمد کو قتل کر دے گا تو عبد مناف کی اولاد تجھے زمین پر زندہ چھوڑ دے گی؟ تو اپنے اہل بیت میں جا اور انہیں سیدھا کر۔

عمر: کون سے اہل بیت؟

نعیم: اللہ کی قسم! تیرا بہنوئی سعید بن زید اور تیری بہن فاطمہ دونوں مسلمان ہو گئے ہیں اور دین محمدی کے پیرو بن گئے ہیں۔تو ان سے سلجھ لے۔

(یہ سن کر عمر اپنی بہن کے گھر پہنچتے ہیں۔وہاں حضرت خباب آپ کی بہن اور بہنوئی کو قرآن کی سورہ طٰہٰ پڑھا رہے ہیں۔جن کی آواز عمر کے کان میں پڑ جاتی ہے عمر کی آہٹ سے حضرت خباب تو کوٹھری میں جا چھپتے ہیں اور فاطمہ وہ صحیفہ قرآن لے کر اپنی ران کے نیچے چھپا لیتی ہیں)۔

عمر: (اندر داخل ہو کر) یہ آواز جو میں نے سنی کیسی تھی؟

سعید و فاطمہ: تو نے کچھ نہیں سنا۔

عمر: کیوں نہیں۔اللہ کی قسم مجھے خبر لگی ہے کہ تم دونوں دین محمدی کے پیرو بن گئے ہو۔(یہ کہہ کر عمر سعید کو پکڑ لیتے ہیں۔بہن جو چھڑانے اٹھتی ہے اسے بھی لہولہان کر دیتے ہیں)۔

سعید و فاطمہ: ہاں ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور اللہ و رسول ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں تو کر جو کر سکتا ہے۔

عمر: (بہن کو لہولہان دیکھ کر ندامت سے) بہن! وہ کتاب تو دکھاؤ جو ابھی تم پڑھ رہے تھے۔

فاطمہ: مجھے ڈر ہے تو واپس نہ دے گا۔

عمر: تو نہ ڈر (اپنے معبودوں کی قسم کھا کر) میں پڑھ کر واپس کر دوں گا۔

فاطمہ: (بھائی کے اسلام کے لالچ میں آکر) بھائی! تو مشرک ہونے کے سبب سے، ناپاک ہے۔

اسے تو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہوں۔

عمر: (غسل کے بعد سورۂ طہٰ کی شروع کی آیتیں تلاوت کر کے) یہ کلام کیسا اچھا اور پیارا ہے۔

خباب: (کوٹھڑی سے نکل کر) عمر! مجھے امید ہے کہ آپ نبی ﷺ کی دعا کے مصداق ہوں گے۔ کیوں کہ میں نے کل سنا کہ آپ یوں دعا فرما رہے تھے: ''یا اللہ تو ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ساتھ اسلام کو تقویت دے''۔ اے عمر! تو اللہ سے ڈر۔

عمر: مجھے حضرت محمد ﷺ کے پاس لے چلو تا کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

خباب: آپ ﷺ مع اصحاب کے کوہ صفا کے قریب تشریف رکھتے ہیں۔ (عمر تلوار آڑے لٹکائے درِ دولت پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ اہل خانہ میں سے ایک صحابی آپ کو اس ہیئت میں دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔

صحابی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ عمر بن الخطاب ہے جو تلوار حمائل کیے ہوئے ہے۔

حمزہ: اسے آنے کی اجازت دو۔ اگر وہ کارِ خیر کے لیے آیا تو ہمیں دریغ نہیں۔ اور اگر وہ شرارت کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم اسے اسی کی تلوار سے قتل کر دیں گے۔

رسول اللہ (ﷺ): اسے اندر آنے دو۔

صحابی: اندر آئیے۔ (عمر داخل ہوتے ہیں)۔

رسول اللہ (ﷺ): (عمر کی کمر یا چادر کا دامن کھینچ کر) خطاب کے بیٹے! کیوں کر آنا ہوا۔ اللہ کی قسم! میں نہیں دیکھتا کہ تو باز آئے۔ یہاں تک کہ اللہ تجھ پر کھڑکا نازل کرے۔

عمر: یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ کی خدمت میں آیا ہوں تا کہ اللہ پر اور اللہ کے رسول ﷺ پر اور اس پر جو وہ اللہ کے ہاں سے لائے ایمان لاؤں۔

(اس طرح عمر اسلام لاتے ہیں اور حضور اقدس ﷺ تکبیر پڑھتے ہیں۔ جس سے تمام حاضرین خانہ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے)۔

ایک (۳۲) روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر سوار ایک کوچے میں سے گزر رہے تھے۔ ایک قاری نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّالَهٗ مِنْ دَافِعٍ O (طور۔ع۱)

ترجمہ: بیشک عذاب تیرے رب کا ہونے والا ہے۔ اس کو کوئی نہیں ہٹانے والا۔

اسے سن کر آپ بے ہوش ہو گئے اور بے ہوشی کی حالت میں زمین پر گر پڑے وہاں سے اٹھا کر آپ کو گھر لائے۔ مدت تک اس درد سے بیمار رہے۔ یہاں تک کہ لوگ آپ کی بیمار پرسی کے لیے آتے تھے۔

دشمنان اسلام بھی قرآن کریم کی فوق العادت تاثیر کے قائل تھے۔ چنانچہ جب ۶ نبوت میں حضرت ابوبکر صدیق ہجرت کے ارادے سے حبشہ کی طرف نکلے تو ابن الدغنہ ان کو برک الغماد سے اپنی جوار میں مکہ واپس لے آیا۔ قریش نے ابن الدغنہ کی جوار کورد نہ کیا۔ مگر اس سے کہا کہ ابوبکر سے کہہ دو کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے اور نماز میں چپکے جو چاہے پڑھے۔ مگر ہمیں اذیت نہ دے۔ اور آواز سے قرآن نہ پڑھے۔ کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ مبادا ہماری عورتوں اور بچوں پر قرآن کا اثر پڑ جائے۔ ابن الدغنہ نے یہی آپ سے ذکر کر دیا۔ کچھ مدت آپ نے اسی پر عمل کیا۔ بعد ازاں اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی جس میں آپ نماز پڑھتے اور قرآن با آواز پڑھتے۔ رقیق القلب تھے۔ قرآن پڑھتے تو بے اختیار رو پڑتے۔ آپ کی قرأت ورقت سے سردارانِ قریش ڈر گئے۔ انہوں نے ابن الدغنہ کو بلا کر کہا کہ ابوبکر نے خلاف شرط اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی ہے۔ جس میں وہ با آواز نماز و قرآن پڑھتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ مبادا ہماری عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑے۔ تم اس کو روک دو۔ ہاں اگر وہ اپنے گھر کے اندر چپکے عبادت کرنا چاہے تو کیا کرے۔ اور اگر با آواز قرآن پڑھنے پر اصرار کرے تو تم اس کی حفاظت کی ذمہ داری واپس لے لو۔ کیونکہ ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہم تمہارے عہد کی حفاظت کو توڑ دیں۔ ہم ابوبکر کو قراءت کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ سن کر ابن الدغنہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو میری جوار کی شرط معلوم ہے آپ اس کی پابندی کریں ورنہ میری ذمہ داری واپس کر دیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ عرب یہ سنیں کہ ایک شخص کی حفاظت کا عہد جو میں نے کیا تھا وہ توڑ ڈالا گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں تمہاری جوار کو واپس کرتا ہوں اور خدا کی جوار پر راضی ہوں۔ (۴۳)

حضرت جبیر بن مطعم (۴۴) جو اسلام لانے سے پہلے اسیران بدر کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سورہ طور پڑھتے پایا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے:

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۝ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ۝
أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ۝ (طور: ع ۲)

”کیا وہ پیدا ہوئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں پیدا کرنے والے۔ یا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو بلکہ یقین نہیں کرتے۔ کیا ان کے پاس خزانے ہیں تیرے رب کے یا وہی داروغے ہیں۔“

تو قریب تھا کہ (خوف سے) میرا دل پھٹ جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ پہلی دفعہ تھی کہ ایمان نے میرے دل میں قرار پکڑا۔

حضرت طفیل بن عمرو الدوسی (۳۵) جو ایک شریف و دانا شاعر تھے۔ اپنے اسلام لانے کا قصہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ میں مکہ میں آیا۔ رسول اللہ ﷺ وہیں تھے قبیلہ قریش کے لوگوں نے مجھ سے کہا۔ اے طفیل! تو ہمارے شہروں میں آیا ہے۔ یہ شخص (حضرت محمد) جو ہمارے درمیان ہے اس نے ہمیں تنگ کر دیا ہے اور ہماری جماعت کو پراگندہ کر دیا۔ اس کا قول جادوگروں کا سا ہے۔ جس سے وہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں اور میاں بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہماری طرح تجھ پر اور تیری قوم پر بھی جادو کر دے۔ اس لیے تو اس سے کلام نہ کرنا۔ اور نہ اس سے کچھ سننا۔ وہ مجھے یہی کہتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ میں اس سے کچھ نہ سنوں گا اور نہ کلام کروں گا نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب میں مسجد کی طرف جاتا تو اس ڈر سے کہ کہیں بے ارادہ آپ کی آواز میرے کان میں پڑ جائے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ ایک روز جو صبح کو میں مسجد کی طرف گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں آپ کے قریب کھڑا ہو گیا پس اللہ نے مجھے آپ کا بعض قول سنا ہی دیا۔ مگر میں نے ایک عمدہ کلام سنا۔ اور اپنے جی میں کہا۔ وائے بے فرزندی مادر من۔ میں دانا شاعر ہوں۔ برے بھلے میں تمیز کر سکتا ہوں۔ پھر اس کا قول سننے سے مجھے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ جو کچھ وہ بیان کرے گا اگر اچھا ہوا تو میں قبول کر لوں گا۔ اگر برا ہوا تو رد کر دوں گا۔ اس لیے میں ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دولت خانے کی طرف واپس ہوئے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ جب آپ اپنے دولت خانے میں داخل ہونے لگے تو میں نے عرض کیا۔ اے محمد! آپ کی قوم نے مجھے ایسا ایسا کہا ہے اللہ کی قسم! وہ مجھے آپ کے قول سے ڈراتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ تاکہ آپ کا قول نہ سنوں مگر اللہ نے سنا ہی دیا۔ میں نے ایک اچھا قول سنا۔ پھر میں نے التجا کی کہ اپنا دین آپ مجھ پر پیش کریں۔ اس لیے آپ نے مجھ پر اسلام پیش کیا۔ اور مجھے قرآن پڑھ کر سنایا۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی اس کی بہ نسبت نہ کوئی اچھا قول اور نہ کوئی راست امر سنا۔ پس میں مسلمان ہو گیا۔ اور میں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میری قوم میرے کہنے میں ہے۔ میں ان کی طرف جاتا ہوں۔ اور انہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں آپ میرے لیے دعا کیجئے کہ خدا مجھے ایک نشانی دے۔ جو مجھے دعوت اسلام میں ان کے مقابلہ میں میری مدد گار ہو۔ یہ سن کر آپ نے یوں دعا فرمائی: ''اے اللہ! اسے ایک نشانی عطا کر''۔ پھر میں اپنی قوم کی طرف روانہ ہوا۔ چلتے چلتے جب میں گھاٹی میں پہنچا جہاں سے میرا قبیلہ مجھے دیکھ سکتا تھا تو میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہوا۔ میں نے کہا۔ یا اللہ میری پیشانی کے سوا کسی اور جگہ نور پیدا کر دے۔

کیوں کہ میں ڈرتا ہوں۔ وہ یوں گمان کریں گے کہ یہ عبرتناک سزا ہے جوان کا دین چھوڑنے کے سبب میری پیشانی میں ظاہر ہوئی ہے۔ پس وہ نور بجائے پیشانی کے میرے کوڑے کے سرے پر نمودار ہوا۔ جب میں گھاٹی سے اپنے قبیلے کی طرف اتر رہا تھا تو وہ نور ان کو میرے کوڑے میں معلق قندیل کی طرف نظر آتا تھا۔ یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ پھر صبح ہوگئی۔ جب میں مکان میں اترا تو میرا باپ جو بہت بوڑھا تھا۔ میرے پاس آیا۔ میں نے کہا۔ ابا! مجھ سے دور رہو۔ میں تیرا نہیں اور نہ تو میرا ہے۔ وہ بولا۔ بیٹا! کیوں؟ میں نے کہا۔ میں مسلمان ہوگیا ہوں اور حضرت محمد ﷺ کے دین کا پیرو بن گیا ہوں۔ یہ سن کر میرے باپ نے کہا۔ میرا دین تیرا دین ہے۔ پس اس نے غسل کیا اور اپنے کپڑے پاک کیے۔ پھر میرے پاس آیا۔ میں نے اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہوگیا۔ پھر میری بیوی میرے پاس آئی۔ میں نے اس سے کہا مجھ سے دور رہو۔ میں تیرا نہیں، اور تو میری نہیں۔ وہ بولی، میرے ماں باپ تجھ پر قربان کیوں؟ میں نے کہا اسلام میرے اور تیرے درمیان فارق ہے۔ میں مسلمان ہوگیا ہوں اور حضرت محمد ﷺ کے دین کا پیرو بن گیا ہوں۔ وہ کہنے لگی میرا دین تیرا دین ہے۔ اور وہ مسلمان ہوگئی۔ پھر میں نے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے اس میں تاخیر کی۔ پھر میں مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! دوس مجھ پر غالب آ گئے۔ آپ ان پر بددعا کیجئے۔ اس پر آپ نے یوں دعا کی: ''یا اللہ! دوس کو ہدایت دے''۔ اور مجھ سے فرمایا کہ تو اپنی قوم میں لوٹ جا۔ اور انہیں نرمی سے دعوت اسلام دے۔ اس لیے میں لوٹ آیا۔ اور دوس کو نرمی سے اسلام کی طرف بلاتا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی۔ اور غزوہ بدر و احد و خندق ہو چکے۔ پھر میں اپنی قوم کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اور آپ خیبر میں تھے۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں دوس کے ستر یا اسی گھرانے اترے۔

پادری راڈیل صاحب لکھتے ہیں کہ عرب کے سیدھے سادھے بھیڑ بکریاں چرانے والے خانہ بدوش بدو لوگ ایسے بدل گئے جیسے کسی نے جادو کر دیا ہو۔ وہ لوگ مملکتوں کے بانی مبانی اور شہروں کے بنانے والے اور جتنے کتب خانے انہوں نے خراب کیے تھے ان سے زیادہ کتب خانوں کے جمع کرنے والے ہو گئے اور فسطاط بغداد، قرطبہ اور دلی کے شہروں کو وہ قوت ہوئی کہ عیسائی یورپ کو کپکپا دیا۔ اور قرآن کی قدر ہمیشہ ان تبدیلیوں کے اندازہ سے ہونی چاہیے۔ جو اس نے اپنے بطیب خاطر ماننے والوں کی عادات اور اعتقادات میں داخل کیں۔ بت پرستی کے مٹانے [illegible] ت اور مادیات کے [illegible] کے عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے اطفال کشی کی رسم کو نیست و نابود [illegible] نے، بہت کو تو ہما [illegible]

اور ازدواج کی تعداد کو گھٹا کر اس کی ایک حد معین کرنے میں قرآن بے شک عربوں کے لیے برکت اور قدرت حق تھا گو عیسائی مذاق پر وحی نہ ہو۔ انتہیٰ (از دیباچہ قرآن مطبوعہ ۱۸۶۱ء صفحہ ۲۴)۔

یحییٰ بن الحکم الغزال اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کا حال بیان ہو چکا ہے۔ زیادہ کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

مذکورہ بالا وجوہ اربعہ کے علاوہ علمائے کرام نے قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی اور وجہیں بھی بیان کی ہیں۔ مگر میرے خیال میں یہ چاروں وجہیں بالکل کافی ہیں۔

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کی مثالیں:

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم پہلے ایک وعدہ کر آئے ہیں اسی کے ایفاء کے لیے عنوان بالا قائم کیا گیا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے اپنے زعم فاسد میں قرآن کی بعض چھوٹی چھوٹی سورتوں کا معارضہ کیا تھا۔ ازاں جملہ ایک سورہ کوثر تھی جس کو اس لعین نے یوں سجع (۳۶) کیا تھا:

اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْجَوَاهِرْ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَهَاجِرْ۔ اِنَّ مُبْغِضَكَ رَجُلٌ فَاجِرْ۔

''ہم نے دیئے تجھ کو جواہرات۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور ہجرت کر بے شک جو دشمن رکھنے والا ہے تجھ کو۔ وہ بدکار شخص ہے۔''

مگر کوئی منصف مزاج اسے معارضہ نہیں کر سکتا۔ کہ سورت ہی کے الفاظ و ترتیب لے کر اس میں کچھ ادل بدل کر دیا جائے۔ علامہ جار اللہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے اس سورت کی وجہ اعجاز پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ امام فخر الدین رازی نے نہایت الاعجاز فی درایت الاعجاز میں یوں لکھا ہے:

انآ اعطینٰك الکوثر ۞ اس آیت میں آٹھ فائدے ہیں۔

۱۔ یہ جملہ معطی کبیر کی طرف سے عطیہ کثیرہ پر دلالت کرتا ہے۔ جب عطیہ منعم عظیم کی طرف سے ہو تو وہ نعمت عظمیٰ ہوتا ہے۔ کوثر سے مراد وہ مومنین امت ہیں جو قیامت تک پیدا ہوں گے۔ نیز اس سے مراد وہ فضائل و خواص ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو دو جہاں میں عنایت فرمائے ہیں۔ ان کی کنہ کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور من جملہ کوثر وہ نہر ہے جس کی مٹی کستوری اور جس کے سنگریزے چاندی کی ڈلیاں ہیں۔ اور جس کے کناروں پر سونے چاندی کے برتن ستاروں کی گنتی سے زیادہ ہیں۔

۲۔ اسم کی تقدیم مفید تخصیص ہے۔ یعنی ہم نے (نہ کسی غیر نے) تجھے یہ خیر کثیر عطا کی۔ جس کی کثرت کی کوئی غایت نہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ یہاں محدث عنہ کی تقدیم تخصیص

کے لیے نہیں۔ بلکہ اس واسطے ہے کہ ایسی تقدیم اثبات خبر کے واسطے زیادہ تاکید والی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اسم محدث عنہ پہلے ذکر کیا جائے تو سامع کو خبر سننے کا شوق پیدا ہوتا ہے اس لیے جب وہ خبر سنتا ہے تو اس کا ذہن اس کو یوں قبول کرتا ہے جیسا عاشق معشوق کو۔ پس وہ خبر اس کے ذہن میں باحسن وجوہ متمکن ہو جاتی ہے۔

۳۔ ضمیر متکلم بصیغہ جمع لایا گیا۔ جس سے ربوبیت کی عظمت پائی جاتی ہے۔

۴۔ جملے کے شروع میں حرف تاکید لایا گیا ہے۔ جو قسم کے قائم مقام ہے۔

۵۔ فعل کو بصیغہ ماضی لایا گیا ہے تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ کریم کی عطاء آجلہ واقع کے حکم میں ہے۔

۶۔ کوثر کے موصوف کو محذوف کر دیا گیا۔ اس لیے مذکور میں وہ فرط ابہام و شیاع نہیں جو محذوف ہے۔

۷۔ وہ صفت اختیار کی گئی جس کے معنی میں کثرت ہے۔ پھر اس کو اس کے صیغہ سے معدول کر کے لایا گیا۔

۸۔ اس صیغہ پر لام تعریف لایا گیا تاکہ یہ اپنے موصوف کو شامل اور کثرت کے معنی دینے میں کامل ہو۔ چونکہ یہ لام عہد کا نہیں اس لیے واجب ہے کہ حقیقت کا ہو۔ اور حقیقت کے بعض افراد بعض سے اولیٰ نہیں۔ پس وہ کاملہ ہوگی۔ اس میں اس طعن کا جواب بھی آ گیا کہ حضور اقدس ﷺ کا آپ کے بعد کوئی بیٹا نہیں۔ کیوں کہ آپ کے بعد بیٹے کا باقی رہنا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ بیٹا نبی بنایا جائے۔ اور یہ محال ہے کیوں کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ یا نبی نہ بنایا جائے۔ اور یہ امر وہم میں ڈالتا ہے کہ وہ ناخلف ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیر کثیر عطا فرما کر اس عیب سے محفوظ رکھا۔ اولاد کے ہونے سے یہی غرض ہوا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ عیب بھی لازم نہ آیا جو بیٹوں کے نبی نہ ہونے کی صورت میں تھا۔

فصل لربك وانحر۔ اس میں بھی آٹھ فائدے ہیں۔

۱۔ فاء تعقیب۔ یہاں دو باتوں کا سبب بنانے کے معنی کے لیے مستعار ہے۔ اول انعام کثیر کو منعم کے شکر و عبادت میں قیام کا سبب بنانا۔ دوسرے انعام کثیر کو دشمن کے قول کی پروانہ کرنے کا سبب بنانا۔ کیوں کہ اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ عاص بن وائل نے کہا۔ ان محمداً صنبور (۳۷) یہ قول جناب رسول اللہ ﷺ پر ناگوار گزرا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

۲۔ دو لاموں سے مقصود تعریض ہے عاص اور اس جیسے دوسروں کے دین سے جن کی عبادت و قربانی غیر اللہ کے واسطے تھی۔ اور نیز یہ مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے قدم صراط مستقیم پر جما دیں۔ اور اپنی عبادت کو اللہ کی ذات کریم کے لیے خالص کر دیں۔

۳۔ ان دونوں عبادتوں سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت کے دو نوع ہیں۔ ایک اعمال بدنیہ

جن میں مقدم نماز ہے۔ دوسرے اعمال مالیہ جن میں اعلیٰ اونٹوں کی قربانی ہے۔

۴۔ اس آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو نماز اور اونٹوں کی قربانی سے بڑا اختصاص تھا۔ کیوں کہ نماز آپ کی مبارک آنکھوں کے لیے ٹھنڈک بنائی گئی۔ اور اونٹوں کی قربانی میں آپ کی ہمت قوی تھی چنانچہ روایت ہے کہ آپ نے سو اونٹ قربانی دیئے۔ جن میں ابو جہل کا ایک اونٹ تھا جس کے ناک میں سونے کی نکیل تھی۔

۵۔ دوسرے لام کو اس لیے حذف کیا گیا کہ پہلا لام اس پر دلالت کر رہا ہے۔

۶۔ سجع کے حق کی رعایت کی گئی۔ اور یہ من جملہ بدائع ہے۔ جب قائل اسے طبعی طور پر لائے اور تکلف سے کام نہ لے۔

۷۔ لربک میں دو خوبیاں ہیں۔ ایک تو اس میں التفات ہے۔ دوسرے مضمر کی جگہ لفظ مظہر لایا گیا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی اور اس کے غلبہ قدرت کا اظہار ہے۔ اسی سے خلفاء نے یہ قول لیا۔ یاء مرك امیر المومنین بکذا۔

۸۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق عبادت یہ ہے کہ بندے اس کے ساتھ اپنے رب اور اپنے مالک کو خاص کریں۔ اور اس اس شخص کی خطا سے تعریض (۳۸) ہوگئی۔ جو اپنے رب کی عبادت چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کرے۔

ان شانئك هو الأبتر۔ اس میں پانچ فائدے ہیں:

۱۔ امر (فصل وانحر) کی علت میں حضور اقدس ﷺ کے شانی (دشمن) کے حال اور اس کے قول کی طرف ترک توجہ کو بر سبیل استیناف بیان کیا گیا اور استیناف کا یہ اچھا عمل ہے۔ قرآن شریف میں مواقع استیناف بکثرت ہیں۔

۲۔ یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس جملہ کو معترضہ قرار دیا جائے جو خاتمہ اغراض کے لیے حکمت کے سیاق پر لایا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ ان خیر من استا جرت القوی الامین (قصص۔ ع ۳) اور شانی سے مراد عاص بن وائل ہے۔

۳۔ عاص کو اس صفت کے ساتھ ذکر کیا اور نام کے ساتھ ذکر نہ کیا۔ تا کہ یہ متناول و شامل ہو اس شخص کو جو دین حق کی مخالفت میں عاص کی مانند ہو۔

۴۔ اس جملے کے شروع میں حرف تاکید لایا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھ عاص نے کہا جھوٹ ہے۔ اور محض تعنت و عناد کا نتیجہ ہے۔ اسی واسطے اس کو شانی کہا گیا۔

۵۔ خبر معرفہ لائی گئی ہے تا کہ عدو شانی کے لیے بتر بدرجہ کمال ثابت ہو۔ گویا کہ وہ جھود ہے۔ جس کو صنبور کہا جائے۔ پھر یہ سورت باوجود علوم مطلع وتمام مقطع کے اور باوجود نکات جلیلہ سے پُر ہونے اور محاسن کثیرہ کے جامع ہونے کے اس تصنع سے خالی ہے۔ جس سے انسان اپنے خصم کو ساکت و مغلوب کر لیتا ہے۔ انتہیٰ۔

ان تمام امور کے علاوہ اس سورت میں کی تین آیتوں میں چار پیشین گوئیاں ہیں جو پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔

آیہ یارض ابلعی مآئك کی خارق عادت فصاحت کی طرف پہلے اشارہ آ چکا ہے۔ علامہ کرمانی (۳۹) کی کتاب عجائب میں ہے کہ معاندین نے عرب وعجم کے تمام کلام ڈھونڈ مارے، مگر کوئی کلام فخامت الفاظ، حسن نظم، جودت معانی اور ایجاز میں اس کی مثل نہ پایا۔ اور اس امر پر متفق ہو گئے کہ انسانی طاقت اس آیت کی مثل لانے سے قاصر ہے۔ ابن ابی الاصبع (۴۰) کا قول ہے کہ میں نے کلام انسانی میں اس آیت کی مثل نہیں دیکھا۔ اس میں سترہ لفظ ہیں اور بیس بدائع ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

۱-۲۔ ابلعی اقلعی میں مناسبت تامہ ہے۔

۳-۴۔ ابلعی اقلعی میں استعارہ ہے۔

۵۔ ارض وسما میں طباق (۴۱) ہے۔

۶۔ یسماء میں مجاز ہے کیوں کہ حقیقت یامطر السماء ہے۔

۷۔ وغیض الماء میں اشارہ (۴۲) ہے۔ کیونکہ اس کی کئی معانی سے تعبیر کی گئی ہے۔ اس لیے کہ پانی خشک نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ آسمان کا مینہ تھم جائے۔ اور زمین پانی کے ان چشموں کو نگل جائے جو اس سے نکلتے ہیں۔ تب سطح زمین کا پانی کم ہو جائے۔

۸۔ واستوت میں صنعت ارداف ہے کیونکہ اس کی حقیقت جلست ہے۔ پس اس لفظ سے اس کے مرادف کی طرف عدول کیا گیا۔ اس واسطے کہ استواء میں اشعار ہے جلوس متمکن کا جس میں کوئی کجی نہ ہو۔ یہ معنی لفظ جلوس سے ادا نہیں ہوتے۔

۹۔ وقضی الامر میں تمثیل (۴۳) ہے۔

۱۰۔ اس آیت میں تعلیل (۴۴) ہے۔ کیوں کہ غیض الماء استواء کی علت ہے۔

۱۱۔ اس میں صحت تقسیم ہے۔ نقص کی حالت میں جو پانی کے اقسام ہیں وہ سب اس میں مذکور ہیں۔ کیوں کہ اس کی صرف یہی قسمیں ہیں۔ آسمان کے پانی کا تھم جانا، زمین سے نکلنے والے پانی کا بند ہو جانا اور سطح زمین کے پانی کا خشک ہو جانا۔

۱۲۔ اس میں احتراس (۴۵) فی الدعاء ہے۔ تا کہ یہ وہم نہ گزرے کہ غرق اپنے عموم کے سبب سے اس کو شامل ہے۔ جو مستحق ہلاک نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا عدل اس سے مانع ہے کہ غیر مستحق پر دعائے بد کرے۔

۱۳۔ اس میں حسن (۴۶) النسق ہے۔ کیوں کہ اس میں بعض جملے پر واؤ عطف کے ساتھ اس ترتیب سے معطوف ہیں جو بلاغت کا مقتضاء ہے۔ چنانچہ پہلے زمین پر سے پانی کا ناپید ہونا ذکر کیا گیا۔ جس پر کشتی والوں کا غایت مقصود (کشتی کی قید سے نجات) موقوف ہے پھر آسمان پر پانی کا تھم جانا بیان ہوا کہ جس پر یہ سب یعنی کشتی سے نکلنے کے بعد کی اذیت کا دور کرنا اور زمین پر کے پانی کا پراگندہ ہو جانا موقوف ہے پھر ان ہر دو مادوں کے بند ہونے کے بعد پانی کے دور ہو جانے کی خبر دی۔ جو یقیناً ان سے متاخر ہے۔ پھر قضائے امر کی خبر دی۔ یعنی جس کا ہلاک ہونا مقدر تھا اس کے ہلاک ہونے کی اور جس کا بچنا مقدر تھا اس کے نجات پانے کی خبر دی۔ یہ امر ماقبل سے متاخر کیا گیا۔ کیوں کہ کشتی والوں کو یہ کشتی سے نکلنے کے بعد معلوم ہوا اور ان کا نکلنا ماقبل پر موقوف تھا پھر کشتی کے استقرار کی خبر دی جو اضطراب وخوف دور ہونے کا افادہ کرتی ہے۔ پھر ظالموں پر بددعا کرنے پر ختم کیا گیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ طوفان تو روئے زمین پر تھا مگر غرق ہونا صرف مستحقین عذاب پر شامل تھا۔

۱۴۔ اس میں ائتلاف اللفظ مع المعنی ہے یعنی الفاظ معنی مقصود کے مناسب لائے گئے ہیں۔

۱۵۔ اس میں ایجاز (۴۷) ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام قصہ نہایت ہی مختصر عبارت میں بیان فرما دیا۔

۱۶۔ اس میں تسہیم (۴۸) ہے۔ کیوں کہ آیت کا اول اس کے آخر پر دلالت کرتا ہے۔

۱۷۔ اس میں تہذیب (۴۹) ہے۔ کیوں کہ اس کے مفردات صفات حسن سے متصف ہیں[1]۔ ہر لفظ کے حروف مخارج سہل ہیں۔ اور ان پر فصاحت کی رونق ہے۔ اور بشاعت وعقارت سے خالی ہیں۔

۱۸۔ اس میں حسن بیان ہے۔ کیوں کہ سامع کو اس کے معنی سمجھنے میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں اسی سے وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

۱۹۔ اس میں تمکین (۵۰) ہے۔

۲۰۔ اس میں انسجام (۵۱) ہے۔

علامہ سیوطی اتقان میں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اعتراض (۵۲) بھی ہے یعنی تین

جملے معترضہ لائے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ وغیض الماء وقضی الامر۔ واستوف علی الجودی۔ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ امر دونوں کے درمیان واقع ہوا۔ علاوہ ازیں اس میں اعتراض ہے کیوں کہ قضی الامر۔ غیض اور استوف کے درمیان واقع ہے۔ اسلیے کہ استواء غیض کے بعد حاصل ہوا۔

ایجاز کی مثال ولکم فی القصاص حیوٰۃ ہے اس سے پہلے یہ مقولہ ضرب المثل تھا۔ اقتل انفی للقتل۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس مثل کا استعمال متروک ہو گیا۔ اس آیت کی ترجیح مثل مذکور پر بوجوہ ذیل ظاہر ہے۔

۱۔ آیت میں مثل کی نسبت ایجاز ہے۔ جو ممدوح ہے۔ کیوں کہ القصاص حیوٰۃ کے حروف دس ہیں۔ اور القتل انفی للقتل کے چودہ (۱۴) ہیں۔

۲۔ قتل کی نفی حیات کو مستلزم نہیں۔ اور آیت حیات کے ثبوت پر نص ہے۔ جو مطلب اصلی ہے۔

۳۔ حیات کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے۔ جیسا کہ ولتجدنہم احرص الناس علیٰ حیوٰۃ الایۃ میں ہے۔ اور اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قصاص میں حیات متطاولہ ہے۔ مگر مثل میں یہ بات نہیں۔ کیوں کہ اس میں لام جنس کے لیے ہے۔ اسی واسطے مفسرین نے وہاں حیوٰۃ کی تفسیر بقاء سے کی ہے۔

۴۔ آیت میں تعمیم ہے اور مثل میں نہیں۔ کیوں کہ ہر قتل انفی للقتل نہیں۔ بلکہ بعض قتل (اور وہ قتل ظلما ہے) موجب قتل ہوتا ہے۔ اس کا (یعنی قتل ظلما کا) نافی ایک خاص قتل ہے۔ اور وہ قصاص ہے۔ جس میں ہمیشہ حیات رہے۔

۵۔ مثل میں لفظ قتل دوبار آیا ہے۔ اور آیت اس تکرار سے خالی ہے۔ اور تکرار سے خالی افضل ہے اس سے جس میں تکرار پائی جائے خواہ وہ تکرار مخل فصاحت نہ ہو۔

۶۔ آیت میں محذوف نکالنے کی حاجت نہیں۔ مگر مثل میں ہے۔ کیوں کہ اس میں افعل تفضیل کے بعد من اور اس کا مابعد محذوف ہے۔ اور قتل اول کے ساتھ قصاصا اور قتل ثانی کے ساتھ ظلما محذوف ہیں اور تقدیر یوں ہے۔ القتل قصاصا انفی للقتل ظلما من ترکہ۔

۷۔ آیت میں صنعت طباق ہے کیوں کہ قصاص کا حیات کی ضد ہونا مشعر ہے مگر مثل میں ایسا نہیں۔

۸۔ آیت ایک فن بدیع پر مشتمل ہے۔ اور وہ دو ضدوں میں سے ایک کا جو فنا و موت ہے دوسری کے لیے جو حیات ہے محل و مکان بنانا ہے۔ اور حیات کا موت میں پکڑنا بڑا مبالغہ ہے۔ جیسا کہ کشاف میں مذکور ہے۔ اور صاحب ایضاح نے اسے یوں تعبیر کیا ہے کہ فی کو قصاص پر داخل کر کے قصاص کو حیات کے لیے گویا منبع و معدن قرار دیا گیا ہے۔

۹۔ مثل میں پے در پے اسباب خفیہ (سکون بعد التحرک) ہیں۔ اور یہ امر کلمہ کی سلامت اور اس کے زبان پر جریان میں نقص ڈال دیتا ہے۔ جیسا کہ سواری جب ذرا سی حرکت کرے اور رک جائے۔ پھر حرکت کرے۔ پھر رک جائے تو ایسی سواری کی سوار اپنی مرضی کے موافق نہیں چلا سکتا۔ مگر آیت اس نقص سے پاک ہے۔

۱۰۔ مثل میں ظاہر تناقض ہے۔ کیوں کہ ایک شئی اپنی ہی ذات کے لیے منافی قرار دی گئی۔

۱۱۔ مثل میں قلقلہ قاف کا تکرار ہے۔ جو تنگی وشدت کا موجب ہے اور نون کا غنہ بھی ہے۔

۱۲۔ آیت حروف متلائمہ پر مشتمل ہے۔ کیوں کہ اس میں قاف سے صاد کی طرف خروج ہے۔ اور قاف حروف استعلاء سے ہے اور صاد حروف استعلاء واطباق سے ہے۔ مگر مثل میں قاف سے تاء کی طرف خروج ہے۔ جو حرف منخفض ہے۔ اور وہ قاف کے ملائم نہیں۔ اسی طرح ضاد سے حاء کی طرف خروج احسن ہے لام سے ہمزہ کی طرف خروج سے کیوں کہ کنارہ زبان اور اقصی حلق میں بعد ہے۔

۱۳۔ صاد اور حاء اور تاء کے تلفظ میں حسن صوت۔ مگر قاف اور تاء کی تکرار میں یہ خوبی نہیں۔

۱۴۔ آیت لفظ قتل سے خالی ہے۔ جو مشعر وحشت ہے بخلاف لفظ حیات کے جو طبائع کو زیادہ مقبول و مرغوب ہے۔

۱۵۔ آیت میں لفظ قصاص کے ذکر سے جو مشعر مساوات ہے۔ عدل ظاہر ہوتا ہے۔ مگر مطلق قتل میں ایسا نہیں۔

۱۶۔ آیت اثبات پر مبنی ہے۔ اور مثل نفی پر مبنی ہے۔ اور اثبات اشرف ہے۔ کیوں کہ اثبات اول ہے۔ اور نفی اس سے دوسرے درجے پر ہے۔

۱۷۔ آیت کے معنی سنتے ہی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ مگر مثل کے معنی سمجھنے کے لیے پہلے القصاص ھو الحیوۃ کے معنی سمجھنے درکار ہیں۔

۱۸۔ مثل میں فعل متعدی سے افعل تفضیل ہے۔ اور آیت اس سے خالی ہے۔

۱۹۔ صیغہ افعل اکثر اشتراک کا مقتضی ہوتا ہے۔ پس ترک قصاص قتل کا نافی نہ ہوگا۔ اور قصاص قتل کا زیادہ نافی ہوگا اور یہ درست نہیں۔ آیت اس نقص سے خالی ہے۔

۲۰۔ آیت قتل اور جرح دونوں سے روکنے والی ہے۔ کیوں کہ قصاص دونوں کے لیے ہوتا ہے۔ اور قصاص اعضاء میں بھی حیات ہے۔ کیوں کہ عضو کا قطع کرنا مصلحت حیات کو ناقص یا منغص کر دیتا ہے۔ اور بعض وقت جان تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مگر مثل میں یہ خوبی نہیں۔ کذا فی الاتقان للسیوطی۔

امثلہ مذکورہ بالا سے جو بطور مشتے نمونہ از خروارے بیان کی گئی ہیں۔ ناظرین قرآن مجید کی خارق

عادت فصاحت وبلاغت کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اللّٰہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور۔ الآیہ کی فصاحت و بلاغت کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔اور اس میں ایک سوبیس بدائع بیان کیے ہیں۔بخوف تطویل اسے یہاں درج نہیں کیا گیا۔

دیگر معجزات کا بیان

اس فصل میں جو معجزات بطریق اختصار بیان ہوتے ہیں ان سے حضور رسول اکرم ﷺ کے معجزات کی وسعت کا اندازہ بخوبی لگ سکتا ہے۔

اسراء ومعراج شریف: حضور اقدس ﷺ کے اخص خصائص اور اظہر معجزات میں سے یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسراء ومعراج کی فضیلت سے خاص کیا اور کسی دوسرے نبی کو اس فضیلت سے مشرف ومکرم نہیں فرمایا۔اور جہاں تک آپ کو پہنچایا کسی کو نہیں پہنچایا۔اور جو آیات وعجائبات آپ کو دکھائے۔وہ کسی کو نہیں دکھائے (۵۵)۔

بدیدہ آنچہ از دیدن بروں بود!
مپرس از ما ز کیفیت کہ چوں بود

بلکہ اگر تمام انبیاء کرام کے تمام فضائل یکجا جمع کیے جائیں تو ان کا مجموعہ ہمارے آقائے نامدار ﷺ کی اس ایک فضیلت (یعنی معراج اور اس میں جو انوار واسرار اور حب وقرب آپ کو حاصل ہوا) کے برابر نہ ہوگا۔

اسراء سے مراد خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک رات کو جانا ہے۔اور معراج بیت المقدس سے آسمان کے اوپر تشریف لے جانے کا نام ہے۔اسراء قرآن کریم سے ثابت ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (بنی اسرائیل:ع ۱)

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرد ہم نے برکتیں دی ہیں۔تاکہ ہم اس کو اپنے چند عجائبات اور نشانیاں دکھلائیں۔بے شک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا۔"

یہ آیت شریف اسراء کے ثبوت پر نص ہے۔اور اس کا اخیر حصہ لنریہ من ایتنا معراج شریف

کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ تا کہ وہاں سے آسمانوں پر لے جا کر عجائب ملکوت و ربوبیت دکھلائے۔ کیوں کہ آیات کا دکھانا اور غایت کرامات و معجزات کا ظہور آسمانوں پر ہے صرف ان امور پر مقصود نہیں۔ جو مسجد اقصیٰ میں ظاہر ہوئے۔ مسجد اقصیٰ تک لے جانا تو اس کا مبداء ہے اور فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحی (سورۂ نجم) میں بنا بر تحقیق منتہائے معراج کا ذکر ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اسراء و معراج شریف ہر دو جسد مبارک کے ساتھ حالت بیداری میں ایک ہی رات وقوع میں آئے۔ جمہور صحابہ و تابعین و محدثین و فقہاء و متکلمین و صوفیائے کرام کا یہی مذہب ہے۔ اور یہی قرآن مجید سے ثابت ہے کیوں کہ آیہ کریمہ سبحٰن الذی اسری بعبدہ میں لفظ عبد موجود ہے۔ اور عبد مجموعہ جسم و روح کو کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں جہاں کہیں کسی انسان کو کلمہ عبد سے تعبیر کیا ہے وہاں روح اور جسم دونوں مراد ہیں۔ مثلاً سورۂ مریم میں:

ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝

''یہ ذکر اس رحمت کا ہے جو پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔''

یہاں عبد سے یقیناً حضرت زکریا مع جسم و روح کے مراد ہیں۔ سورۂ جن میں ہے:

وَ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝

''جب اللہ کے بندے (محمد ﷺ) عبادت کے واسطے کھڑے ہوئے تو جن ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں (تا کہ قرآن شریف سنیں)۔''

اس طرح آیت زیر بحث میں عبد سے مراد جسم اقدس مع روح انور ہے۔ پس معراج جسمانی کا ثبوت اس آیت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ اور احادیث صحیحہ کثیرہ سے بھی جو حد تواتر کو پہنچنے والی ہیں۔ یہی ثابت ہوتا ہے۔ فی الواقع اگر خواب میں ہوتا تو کفار انکار نہ کرتے۔ اور بعض ضعیف مومن فتنہ میں نہ پڑتے۔ کیوں کہ خواب میں تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ہم ایک لحظہ میں مشرق میں ہیں۔ دوسرے لحظہ میں ہزاروں کوسوں پر مغرب میں ہیں۔ فلاسفہ اور دیگر عقل کے مقلد جو اعتراضات اس پر کرتے ہیں ان تمام کا جواب اسری بعبدہ (اپنے بندے کو رات کے وقت لے گیا) سے ملتا ہے۔ کیوں کہ لے جانے والا تو خدا ہے جو قادر مطلق اور جمیع نقائص سے پاک ہے۔ پس اگر وہ اپنے کامل بندے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سید ولد آدم ﷺ کو جسم اطہر کے ساتھ حالت بیداری میں رات کے ایک حصے میں خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک اور بیت المقدس سے آسمانوں کے اوپر جہاں تک چاہا لے گیا۔ تو اس میں کون سا استحالہ لازم آتا ہے۔ وما ذلك على الله بعزيز (۵۶)۔

معجزہ شق القمر قرآن کریم کی آیہ ذیل سے ثابت ہے:

شق القمر: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَ اِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ (قمر بشروع)

''پاس آ لگی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔ اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ڈال دیں اور کہیں۔ یہ جادو ہے چلا آتا۔''

پہلی آیت کا یہ مطلب ہے کہ قیامت قریب آ گئی، اور دنیا کی عمر کا قلیل حصہ باقی رہ گیا۔ کیوں کہ شق القمر جو من جملہ علامات قیامت تھا وقوع میں آ گیا۔ وانشق القمر سے مراد یہ ہے کہ شق القمر کا وقوع بالفعل حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں ہو چکا۔ اس معنی کی تائید حضرت حذیفہ کی قرأت سے ہوتی ہے۔ وقد انشق القمر۔ (اور حال یہ کہ چاند پھٹ چکا) کیوں کہ اس صورت میں یہ جملہ حال ہوگا۔ اور قیامت سے پہلے اقتراب ساعت اور وقوع انشقاق میں مقارنت کا مقتضی ہوگا۔ اور اس معنی کی تائید ما بعد سے ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس کا مقتضا یہ ہے کہ شق القمر ایک معجزہ ہے جسے کفار قریش نے دیکھا اور ٹال دیا۔ اور اس سے پہلے بھی وہ پے در پے معجزات دیکھ چکے تھے کہ اسے دیکھ کر سحر مستمر بتانے لگی۔ اسی معنی پر مفسرین کا اجماع ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں بصراحت تام یہ قصہ مذکور ہے کہ رات کے وقت کفار قریش نے حضور اقدس ﷺ سے کوئی نشان طلب کیا جو آپ ﷺ کی نبوت پر شاہد ہو۔ آپ ﷺ نے ان کو یہ معجزہ دکھلایا۔ اس معجزے کے راوی حضرت علی، ابن مسعود، حذیفہ، ابن عمر، ابن عباس، اور انس وغیرہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں سے پہلے چار صحابہ کرام نے تو بچشم خود دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے (۵۷) ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر تھا۔ یہ وہ معجزہ ہے کہ کسی دوسرے پیغمبر کے لیے وقوع میں نہیں آیا۔ اور بطریق تواتر ثابت ہے۔

سوال: کیا اہل مکہ کے سوا اور لوگوں نے بھی شق القمر دیکھا؟

جواب: اہل مکہ کے علاوہ اطراف سے آنے والے مسافروں نے بھی شق القمر کی شہادت دی۔

چنانچہ مسند (۵۸) ابو داؤد طیالسی (متوفی ۲۰۴ھ) میں بروایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند پھٹ گیا۔ کفار قریش نے دیکھ کر کہا کہ یہ ابو کبشہ (۵۹) کے بیٹے کا جادو ہے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ مسافر جو آئیں گے ان سے پوچھیں گے۔ دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔ کیوں کہ (حضرت) محمد ﷺ کا جادو تمام لوگوں پر نہیں چل سکتا۔ چنانچہ مسافر آئے اور انہوں نے کہا ''ہم نے بھی شق القمر دیکھا ہے''۔ اگر بالفرض

بعض جگہ چاند نظر نہ آیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اختلاف مطالع کے سبب بعض مقامات میں چاند کا طلوع ہونا ہی نہیں۔ اسی لیے چاند گرہن سب جگہ نظر نہیں آتا۔ اور بعض دفعہ دوسری جگہوں میں ابر یا پہاڑ وغیرہ چاند کے آگے حائل ہو جاتا ہے۔

سوال: شق القمر حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں وقوع میں آیا۔ جسے اب تیرہ سو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں تو یہ کس طرح قرب قیامت کا نشان ہو سکتا ہے۔ جواب تک نہیں آئی؟

جواب: حضور اقدس ﷺ کا وجود مبارک اور آپ کی نبوت قرب قیامت کی علامات میں سے ہے۔ یعنی اس امر کا ایک نشان ہے کہ دنیا کی عمر کا اکثر حصہ گزر چکا ہے، اور بہت تھوڑا باقی رہ گیا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ آپ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”یعنی میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی مانند ہیں کہ جس قدر وسطی (درمیانی انگلی) سبابہ (شہادت کی انگلی) سے آگے ہے۔ قیامت سے پہلے میرا مبعوث ہونا بھی اسی کی مانند ہے کہ میں پہلے آ گیا ہوں اور قیامت میرے پیچھے آ رہی ہے۔ جب آپ ﷺ کی نبوت قرب قیامت کی علامت ہوئی تو شق القمر کا بالفعل وقوع بھی جو آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ قرب قیامت کا نشان ٹھہرا۔

ردالشمس: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ صہباء (۶۰) میں نبی ﷺ کی طرف وحی آ رہی تھی۔ اور آپ ﷺ کا سر مبارک حضرت علی کی گود میں تھا اس وجہ سے حضرت علی نے نماز عصر نہ پڑھی، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اور نبی ﷺ نے نماز عصر پڑھ لی تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا، کیا تم نے نماز عصر پڑھ لی؟ حضرت علی نے عرض کیا، نہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (۶۱)۔ یا اللہ یہ تیری اطاعت میں اور تیرے رسول ﷺ کی طاعت میں تھا تو اس کے لیے آفتاب کو واپس لا۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے آفتاب کو دیکھا کہ غروب ہو گیا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ غروب ہونے کے بعد نکل آیا۔ اور اس کی شعاع پہاڑوں اور زمین پر پڑی۔

ردالشمس کی طرح حبس الشمس بھی آنحضرت ﷺ کے لیے وقوع میں آیا ہے۔ چنانچہ شب معراج کی صبح کو جب کفار قریش نے حضور ﷺ سے اپنے قافلوں کے حالات پوچھے تو آپ ﷺ نے ایک قافلہ کی نسبت فرمایا کہ وہ چارشنبہ کے دن آئے گا۔ قریش نے اس دن انتظار کیا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا اور وہ قافلہ نہ آیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ٹھہرا رکھا اور دن میں اضافہ کر دیا یہاں تک کہ وہ قافلہ آ پہنچا۔ (۶۲)

مردوں کو زندہ کرنا: امام (۶۳) بیہقی نے دلائل النبوت میں روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دعوت اسلام دی۔ اس نے جواب دیا کہ میں آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتا۔ یہاں تک کہ میری بیٹی زندہ کی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اسکی قبر دکھا۔ اس نے آپکو ﷺ اپنی بیٹی کی قبر دکھائی تو آپ ﷺ نے اس لڑکی کا نام لیکر پکارا۔ لڑکی نے قبر سے نکل کر کہا، لبیک (۶۴) و سعدیک۔ نبی ﷺ نے فرمایا کیا تو پسند کرتی ہے کہ دنیا میں تو پھر آجائے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! قسم ہے اللہ کی، میں نے اللہ کو اپنے والدین سے بہتر پایا اور اپنے لیے آخرت کو دنیا سے اچھا پایا۔

حافظ ابو نعیم (۶۵) نے کعب بن مالک کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، اور آپ کا چہرہ متغیر پایا۔ اس لیے وہ اپنی بیوی کے پاس واپس آئے اور کہنے لگے۔ میں نے نبی ﷺ کا چہرہ متغیر دیکھا ہے۔ میرا گمان ہے کہ بھوک کے سبب سے ایسا ہے۔ کیا تیرے پاس کچھ موجود ہے؟ بیوی نے کہا، اللہ کی قسم! ہمارے پاس یہ بکری اور کچھ بچا ہوا توشہ ہے۔ پس میں نے بکری کو ذبح کیا اور اس نے دانے پیس کر روٹی اور گوشت پکایا۔ پھر ہم نے ایک پیالہ میں ثرید (۶۶) بنایا۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے جابر! قوم کو جمع کر لے۔ میں ان کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ان کو میرے پاس جدا جدا جماعتیں بنا کر بھیجتے رہو۔ اس طرح وہ کھانے لگے۔ جب ایک جماعت سیر ہو جاتی تو وہ نکل جاتی اور دوسری آتی۔ یہاں تک کہ سب کھا چکے۔ اور پیالے میں جتنا پہلے تھا اتنا ہی بچ رہا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے۔ کھاؤ اور ہڈی نہ توڑو۔ پھر آپ ﷺ نے پیالے کے وسط میں ہڈیوں کو جمع کیا، ان پر اپنا مبارک ہاتھ رکھا۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ کلام پڑھا۔ جسے میں نے نہیں سنا۔ ناگاہ وہ بکری کان جھاڑتی تھی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ اپنی بکری لے جا۔ پس میں اپنی بیوی کے پاس آیا وہ بولی یہ کیا ہے؟ میں نے کہا، اللہ کی قسم یہ ہماری بکری ہے۔ جسے ہم نے ذبح کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے دعا مانگی۔ پس اللہ نے اسے زندہ کر دیا۔ یہ سن کر میری بیوی نے کہا۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

غزوہ خیبر کے بعد سلام بن مشکم یہودی کی زوجہ نے بکری کا زہر آلود گوشت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا۔ آپ اس میں سے بازو اٹھا کر کھانے لگے وہ بازو بولا مجھ میں زہر ڈالا گیا ہے۔ وہ یہودیہ طلب کی گئی۔ تو اس نے اعتراف کیا کہ میں نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے۔ یہ معجزہ مردے کے زندہ کرنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیوں کہ یہ میت کے ایک جزو کا زندہ کرنا ہے۔ حالانکہ اس کا بقیہ جو اس سے منفصل تھا مردہ ہی تھا۔

آنحضرت ﷺ کے والدین کا آپ کی خاطر زندہ کیا جانا اوران کا آپ پر ایمان لانا بھی بعض احادیث میں وارد ہے۔ علامہ سیوطی نے اس بارے میں کئی رسالے تصنیف کیے ہیں۔ اور دلائل سے اسے ثابت کیا ہے۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

حضور اقدس ﷺ کے توسل سے بھی مردے زندہ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت انس (٦٧) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک جوان نے وفات پائی۔ اس کی ماں اندھی بڑھیا تھی۔ ہم نے اس جوان کو کفنا دیا۔ اوراس کی ماں کو پرسہ دیا۔ ماں نے کہا، کیا میرا بیٹا مر گیا ہے۔ ہم نے کہا۔ ہاں۔ یہ سن کر اس نے یوں دعا مانگی۔ یا اللہ اگر تجھے معلوم ہے کہ میں نے تیری طرف اور تیرے نبی کی طرف اس امید پر ہجرت کی ہے کہ تو ہر مشکل میں میری مدد کرے گا۔ تو اس مصیبت کی مجھے تکلیف نہ دے۔ ہم وہیں بیٹھے تھے کہ اس جوان نے اپنے چہرے سے کپڑا اٹھا دیا اور کھانا کھایا۔ اور ہم نے بھی اس کے ساتھ کھایا۔

انقلاب اعیان: جن چیزوں کو رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک لگا، یا حضور کے استعمال میں آئیں، ان کی حقیقت و ماہیت بدل گئی۔ بغرض توضیح ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

ایک رات مدینہ منورہ کے لوگ ڈر گئے (گویا کوئی چور یا دشمن آتا ہے) آنحضرت ﷺ نے ابو طلحہ کا گھوڑا لیا جو سست رفتار تھا۔ اوراس پر بغیر زین کے سوار ہو کر اکیلے جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے بعد لوگ بھی سوار ہو کر اس کی طرف نکلے۔ آنحضرت ﷺ ان کو واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ڈرو نہیں، ڈرو نہیں" اور گھوڑے کی نسبت فرمایا کہ ہم نے اسے دریا کی مانند تیز رفتار پایا۔ اس دن سے وہ گھوڑا ایسا چالاک بن گیا کہ کوئی دوسرا گھوڑا اس سے آگے نہ بڑھ سکتا تھا (٦٨)۔

حضرت ام مالک کے پاس ایک چمڑے کی کپی تھی۔ جس میں وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گھی بطور ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو نہ نچوڑنا۔ یہ فرما کر آپ ﷺ نے کپی ام مالک کو دے دی۔ وہ کیا دیکھتی ہیں کہ کپی گھی سے بھری ہوئی ہے ام مالک کے لڑکے آ کر نان خورش مانگتے تو وہ کپی میں گھی بدستور پاتیں۔ غرض وہ گھی اس طرح خرچ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک روز ام مالک نے کپی کو نچوڑا تو خالی ہو گئی۔ (٦٩)

ام اوس بہزیہ نے کپی میں گھی ڈال کر بطور ہدیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور کپی میں سے گھی نکال لیا۔ اور ام اوس کے لیے دعائے برکت فرما کر کپی واپس کر دی۔ جب ام اوس نے دیکھا تو گھی سے بھری ہوئی پائی اسے خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ اس لیے وہ فریاد کرتی ہوئی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ حضور ﷺ کے ارشاد سے صحابہ کرام نے اس سے حقیقت حال بیان کر دی۔ ام اوس اس کپی میں سے آنحضرت ﷺ کی بقیہ عمر شریف اور

خلافت صدیقی و فاروقی و عثمانی میں گھی کھاتی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت علی و امیر معاویہ کے درمیان جنگ وقوع میں آئی۔(۷۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب قرشی بھی کوتاہ قد پیدا ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی اس کا یہ اثر ہوا کہ عبدالرحمٰن جب کسی قوم میں ہوتے تو قد میں سب سے بلند نظر آتے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

ایک روز آنحضرت ﷺ نماز عشاء کے لیے نکلے۔ رات اندھیری تھی اور بارش ہو رہی تھی۔ آپ نے حضرت قتادہ بن نعمان انصاری کو دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا، میں نے خیال کیا کہ نمازی کم ہوں گے اس لیے میں نے چاہا کہ جماعت میں شامل ہو جاؤں آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر حضرت قتادہ کو کھجور کی ایک ڈالی دی۔ اور فرمایا کہ یہ ڈالی دس ہاتھ تمہارے آگے اور دس ہاتھ پیچھے روشنی کرے گی۔ جب تم گھر پہنچو تو اس میں ایک سایہ شکل دیکھو گے۔ اس کو مار کر نکال دینا۔ کیوں کہ وہ شیطان ہے۔ جس طرح حضور نے فرمایا، ویسا ہی ظہور میں آیا۔(۷۲)

جنگ بدر میں حضرت عکاشہ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے۔ حضور نے ان کو ایک لکڑی عنایت فرمائی۔ جب عکاشہ نے ہاتھ میں لے کر ہلائی تو وہ ایک سفید مضبوط تلوار بن گئی جس سے وہ جنگ کرتے رہے۔ اس تلوار کا نام عون تھا۔ حضرت عکاشہ اسی کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبر کے عہد میں ایام الردۃ میں شہید ہو گئے۔(۷۳)

جنگ احد میں حضرت عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک کھجور کی شاخ عنایت فرمائی۔ وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ جس کے ساتھ وہ جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اس تلوار کو عرجون کہتے تھے۔(۷۴)

آنحضرت ﷺ نے ایک پانی مشکیزہ لیا۔ اس کا منہ باندھ کر دعا فرمائی اور صحابہ کرام کو عطا فرمایا۔ جب نماز کا وقت آیا، تو انہوں نے اسے کھولا، کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں بجائے پانی کے تازہ دودھ ہے۔ اور اس کے منہ پر جھاگ آ رہی ہے۔(۷۵)

حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کے لیے جو کھجور کے پیڑ اپنے دست مبارک سے لگائے تھے وہ ایک ہی سال میں پھل لائے۔ بانجھ بکری کے تھنوں پر آپ کا دست مبارک پھر گیا، وہ دودھ دینے لگی۔ گنجے کے سر پر دست شفا پھیرا تو اسی وقت بال اُگ آئے۔ اس قسم کی برکات کا ذکر حضور کے حلیہ شریف کے بیان میں آ چکا ہے۔

بچوں کی شہادت (گواہی): معرض بن معیقیب یمانی سے روایت ہے کہ میں نے حجتہ الوداع کیا۔ اور مکہ میں ایک گھر میں داخل ہوا۔ میں نے اس میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ آپ سے ایک عجیب امر دیکھنے میں آیا۔ اہل یمامہ میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں بچہ لایا جو اسی دن پیدا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا اے بچے! میں کون ہوں؟ وہ بولا، آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا۔ اللہ تجھے برکت دے۔ پھر اس کے بعد اس بچے نے کلام نہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہو گیا۔ ہم اسے مبارک الیمامہ (۷۵) کہا کرتے تھے۔

حضرت شمر بن عطیہ نے اپنے بعض شیوخ سے روایت کی ہے (۷۶) کہ ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں ایک لڑکا لائی جو جوان ہو گیا تھا۔ اس نے کہا، میرے اس بیٹے نے جب سے پیدا ہوا کلام نہیں کیا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکے سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

بیماروں کو شفا دینا: حضرت فدیک بن عمرو السلامانی رضی اللہ عنہ کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئی تھیں۔ اور وہ کچھ نہ دیکھ سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دم کر دیا۔ وہ ایسے بینا ہو گئے کہ اسی برس کی عمر میں سوئی میں دھاگہ ڈال سکتے تھے۔ (۷۶)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاذ بن عفراء کی بیوی کو برص کی بیماری تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اپنا عصا مبارک اس کے بدن پر پھیر دیا۔ اسی وقت مرض جاتا رہا۔

حضرت ابو سبرہ کے ہاتھ میں ایک ایسی گلٹی تھی کہ اونٹ کی مہار نہ پکڑ سکتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ایک تیر منگوایا اور گلٹی پر پھیر دیا۔ وہ فوراً جاتی رہی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے سر پر اور چہرے پر ورم ہو گیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست شفاء کپڑے پر سے ان کے چہرے اور سر پر رکھا اور دعا فرمائی۔ اسی وقت ورم جاتا رہا (۷۷) حضرت حبیب بن یساف ذکر کرتے ہیں کہ میں ایک غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ میری گردن پر ایک ضرب شدید ایسی لگی کہ میرا بازو لٹک پڑا۔ میں حضور کے پاس آیا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا اور بازو کو اس کی جگہ پر چسپاں کر دیا، وہ فوراً اچھا ہو گیا۔ پھر میں نے اسے قتل کر دیا۔ جس نے مجھے ضرب شدید لگائی تھی (۷۸)۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر داڑھ کے درد کی شکایت کی آپ نے اپنا مبارک ہاتھ ان کے رخسار کی جگہ پر رکھا جہاں درد تھا اور دعا فرمائی۔ ابھی آپ

نے دست شفا وہاں سے نہ اٹھایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔

حضرت جرہد بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ انہوں نے عرض کیا دائیں ہاتھ میں کچھ شکایت ہے جس کے سبب سے نہیں کھایا جاتا۔ حضور نے اس ہاتھ پر دم کر دیا۔ حضرت جرہد کو پھر عمر بھر یہ شکایت نہ ہوئی (۷۹)۔

عنوان بالا کے متعلق اور مثالیں حلیہ شریف میں دہان مبارک اور لعاب مبارک اور دست مبارک کے تحت میں مذکور ہو چکی ہیں۔ جن کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔

طعام قلیل کو کثیر بنا دیا: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے دن ہم خندق کھود رہے تھے۔ ایک سخت زمین ظاہر ہوئی۔ صحابہ کرام نبی ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی کہ خندق میں سخت زمین پیش آ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا میں خندق میں اترتا ہوں۔ پھر آپ کھڑے ہوئے (حالانکہ بھوک کی شدت سے آپ کے شکم پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ اور ہم نے بھی تین دن سے کچھ نہ چکھا تھا) حضور علیہ السلام نے کدال لی اور ماری۔ وہ سخت زمین ریگ رواں کا ایک ڈھیر بن گئی۔

میں نبی ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر اپنی بیوی کے پاس آیا اور اس سے کہا۔ کیا تیرے پاس کھانے کوئی چیز ہے۔ میں نے نبی ﷺ میں سخت بھوک کی علامت دیکھی ہے۔ میری بیوی نے ایک تھیلی نکالی۔ جس میں ایک صاع جو تھے۔ ہمارے ہاں گھر میں پلا ہوا ایک بکری کا بچہ تھا۔ میں نے اسے ذبح کیا۔ میری بیوی نے جو پیس لیے۔ ہم نے گوشت دیگ میں ڈال دیا۔ پھر میں نبی ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اور چپکے سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے۔ اور میری بیوی نے ایک صاع جو پیسے ہیں۔ آپ مع چند صحابہ کے تشریف لائیں۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے آواز دی، اے اہل خندق! جابر نے ضیافت تیار کی ہے، جلدی آؤ۔ پھر نبی ﷺ نے مجھے فرمایا۔ تم میرے آنے تک دیگ نہ اتارنا۔ اور خمیر کو نہ پکانا جب آپ تشریف لائے تو میری بیوی نے آپ کے سامنے خمیر نکالا۔ آپ نے اس میں اپنے دہن مبارک کا لعاب ڈال دیا اور دعائے برکت فرمائی۔ پھر ہماری دیگ کی طرف آئے اس میں بھی لعاب مبارک ڈال دیا اور دعائے برکت فرمائی پھر میری بیوی سے فرمایا۔ روٹی پکانے والی کو بلا کہ تیرے ساتھ روٹی پکائے اور تو اپنی دیگ میں سے کفگیر سے گوشت نکالنا۔ اور دیگ کو چولہے پر سے نہ اتارنا۔ راوی کا بیان ہے کہ اہل خندق جو ایک ہزار تھے۔ اللہ کی قسم! سب کھا چکے۔ یہاں تک کہ اسے باقی چھوڑ گئے۔ مگر دیگ اسی طرح جوش مار رہی تھی۔ اور خمیر اسی طرح پکایا جا رہا تھا (۸۰)۔

قصہ مذکورہ بالا میں روایت احمد و نسائی میں ہے کہ جب حضرت نے اس سخت پتھر پر بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو اس کی ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئیں۔ اللہ

کی قسم! میں اس وقت شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے دوسری کدال ماری تو دوسری تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں۔ خدا کی قسم! میں اس وقت مدائن کسریٰ کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری بار کدال ماری تو باقی تہائی بھی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں۔ خدا کی قسم! میں اس وقت یہاں سے ابواب صنعاء کو دیکھ رہا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے دن لوگوں کو بھوک لگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ان کو حکم دیں کہ جس کے پاس بچا ہوا توشہ ہے لے آئے۔ پھر آپ اس پر دعائے برکت فرمائیں آپ نے منظور فرمایا۔ اور چمڑے کا فرش طلب کیا وہ بچھا دیا گیا تو آپ نے صحابہ کرام کا بچا ہوا توشہ طلب فرمایا۔ کوئی چنے کی مٹھی لا رہا تھا۔ کوئی چھواروں کی مٹھی بھرے آرہا تھا۔ کوئی روٹی کا ٹکڑا لا رہا تھا۔ یہاں تک کہ فرش پر تھوڑا سا توشہ جمع ہو گیا۔ پس رسول اکرم ﷺ نے دعائے برکت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ اپنے برتنوں میں ڈال کر لے جاؤ۔ چنانچہ لوگ اپنے برتنوں میں لے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے لشکر میں کوئی برتن نہ چھوڑا جسے بھرا نہ ہو (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ تمام لشکر (۸۱) نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اور بچ بھی رہا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں اس امر کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور اس امر کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دو شہادتوں میں شک نہ کرنے والا کوئی بندہ اللہ سے نہ ملے گا کہ وہ بہشت سے روک دیا جائے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم ایک سو تیس شخص تھے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس طعام ہے۔ ایک شخص کے پاس ایک صاع طعام نکلا۔ وہ گوندھا گیا۔ پھر ایک مشرک دراز قد ژولیدہ مو بکریاں ہانکتا آیا۔ آپ نے اس سے ایک بکری خریدی (۸۲)۔ اسے ذبح کیا گیا۔ اور آپ کے حکم سے اس کا کلیجہ بھونا گیا۔ آپ نے اس کلیجہ کی ایک ایک بوٹی سب کو دی۔ پھر گوشت دو پیالوں میں ڈال دیا۔ سب نے سیر ہو کر کھایا اور دونوں پیالے بھرے کے بھرے بچ رہے ہم نے بچے ہوئے کھانے کو اونٹ پر رکھ لیا۔ واضح رہے کہ اس قصہ میں دو معجزے ہیں ایک تکثیر کلیجہ دوسرے تکثیر صاع و گوشت۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھوک کی شدت سے کبھی اپنے پیٹ کو زمین سے لگایا کرتا تھا۔ اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔ ایک دن میں اس راستے میں بیٹھ گیا۔ جہاں سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام گزرا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پاس سے گزرے میں نے ان سے قرآن کی آیت پوچھی تاکہ آپ میرا پیٹ بھر دیں۔ مگر انہوں نے کچھ توجہ نہ کی اور گزر گئے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ میں نے ان سے بھی ایک آیت پوچھی۔ مگر انہوں نے بھی کچھ توجہ کی اور گزر

گئے۔ اس کے بعد حضرت ابوالقاسم ﷺ پاس سے گزرے۔ تو میری حالت کو دیکھ مسکرائے اور فرمایا کہ میری پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ آپ دولت خانہ میں تشریف لے گئے تو ایک پیالہ میں کچھ دودھ دیکھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ دودھ کیسا ہے؟ جواب ملا کہ ہدیہ ہے۔ مجھ سے فرمایا کہ اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ کے پاس صدقہ آتا تو اسے اہل صفہ کے لیے بھیج دیتے اور اس میں سے خود کچھ نہ کھاتے۔ اگر ہدیہ آتا تو اہل صفہ کو بلا کر اس میں شریک کر لیتے۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ اتنے دودھ سے اہل صفہ کو کیا ہوگا۔ اس کا تو میں ہی زیادہ مستحق تھا۔ مگر ارشاد تعمیل سے چارہ نہ تھا۔ میں ان سب کو بلا لایا۔ آپ نے مجھے وہ پیالہ دیا اور فرمایا کہ ان کو پلاؤ۔ میں ایک ایک کو پلاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ سب سیر ہو گئے۔ آپ نے پیالہ لے کر اپنے دست مبارک پر رکھا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ پھر فرمایا، ابو ہریرہ میں اور تم دونوں باقی ہیں۔ میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ آپ نے سچ فرمایا۔ آپ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ اور پیو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر فرمایا اور پیو۔ میں نے پھر پیا۔ اسی طرح آپ فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے عرض کیا کہ اب پیٹ میں گنجائش نہیں۔ بعد ازاں باقی آپ نے پی لیا (۸۳)۔

حضرت (۸۴) جابر ذکر کرتے ہیں کہ ایک بدوی نے آنحضرت ﷺ سے طعام کا سوال کیا۔ حضور نے اسے آدھا وسق جو عنایت فرمائے۔ وہ اور اس کی بیوی اور اس کے مہمان ان کو کھاتے رہے (اور وہ کم نہ ہوئے) یہاں تک کہ ایک روز اس نے ان کو ماپ لیا (تو وہ کم ہونے لگے) اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ان کو نہ ماپتا تو عمر بھر کھاتے رہتے۔ اور وہ کم نہ ہوتے۔

حضرت (۸۵) انس بن مالک کا بیان ہے کہ ابوطلحہ (والد انس) نے ام سلیم (والدہ انس) سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ میں بھوک کی شدت سے ضعف کے آثار دیکھے ہیں۔ کیا گھر میں کچھ ہے۔ ام سلیم نے جو کی چند روٹیاں کپڑے میں لپیٹ کر میرے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجیں۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ مع اصحاب مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ام سلیم کے گھر چلو۔ میں گھر میں پہلے پہنچ گیا۔ اور ابوطلحہ سے صورت حال بیان کر دی۔ ابوطلحہ نے راستے میں رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا۔ جب حضور گھر میں داخل ہوئے تو ام سلیم سے فرمایا کہ ماحضر لے آؤ۔ آپ ﷺ کے ارشاد سے روٹیوں کے ٹکڑے کر کے ان میں کچھ گھی ڈال دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور اصحاب میں سے دس کو طلب کیا۔ وہ سیر ہو گئے تو پھر اور دس کو طلب کیا۔ اسی طرح ستر یا اسی اصحاب نے سیر ہو کر کھایا۔

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میں چند کھجوریں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا۔ میں نے

عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ان میں دعائے برکت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے دست مبارک میں لے کر دعائے برکت فرمائی۔ اور فرمایا کہ لو۔ ان کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو۔ جس وقت ان میں سے کچھ لینا چاہو تو ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرنا اور توشہ دان کو نہ جھاڑنا۔ ہم نے ان میں سے اتنے اتنے وسق (۸۶) راہِ خدا میں دے دیئے۔ خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے رہے۔ وہ توشہ دان میری کمر سے جدا نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمان کی شہادت کا دن آیا تو وہ گم ہو گیا (۸۷)۔

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَّلِيْ هَمَّانِ بَيْنَهُمْ هَمُّ الْجِرَابِ وَهَمُّ الشَّيْخِ عُثْمَانَا۔

''لوگوں کو ایک غم ہے اور مجھے دو غمیں توشہ دان کے گم ہونے کا غم اور حضرت عثمان کے شہید ہونے کا غم۔''

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ میرے والد احد کے دن شہید ہو گئے۔ اور چھ لڑکیاں اور بہت سا قرض چھوڑ گئے۔ جب کھجوروں کے توڑنے کا وقت آیا میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے۔ میرے باپ احد کے دن شہید ہو گئے اور بہت سے قرض چھوڑ گئے میں چاہتا ہوں کہ قرض خواہ آپ کی زیارت کریں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جاؤ اور ہر ایک قسم کی کھجوروں کا الگ الگ ڈھیر لگا دو۔ میں نے تعمیل ارشاد کی اور آپ کو بلانے آیا جب قرض خواہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو مجھے اور تنگ کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین بار پھرے پھر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ قرض خواہوں کو بلاؤ۔ آپ ﷺ ماپ کر ان کو دیتے رہے یہاں تک کہ میرے باپ کی امانت اللہ نے ادا کر دی۔ میں اسی پر راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کی امانت ادا کر دے۔ خواہ میری بہنوں کے لیے ایک کھجور بھی نہ بچے۔ مگر اللہ کی قسم وہ تمام ڈھیر سالم رہے۔ میں نے اس ڈھیر کو دیکھا جس پر رسول اللہ ﷺ تشریف رکھتے تھے۔ اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی تھی (۸۸)۔

تکثیر تعام کی طرح حضور ﷺ کی دعا و برکت سے قلیل پانی کا کثیر ہو جانا بھی بہت سی احادیث میں آیا ہے۔ اس قسم کا تکثیر طعام اور تکثیر آب جناب سید کائنات علیہ الوف التحیہ والصلوٰۃ کے مربی اور ولی نعم ہونے کا اثر ہے۔ کیوں کہ جس طرح حضور انور ﷺ بحسب روحانیت قلوب وارواح کے مربی و مکمل ہیں۔ عالم جسمانیت میں ابدان واشباہ کے پرورش فرمانے والے بھی ہیں (۸۹)۔

شکر فیض تو چمن چوں کندائے ابر بہار ۔۔۔ کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردہ تست

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز میں صفا و مروہ کے درمیان بازار میں سے گزر رہا تھا۔ وہاں میں نے ایک سبزی بیچنے والے کو دیکھا کہ سبزی پر پانی چھڑک

رہا ہے اور یوں کہہ رہا ہے۔

یَا بَرْکَۃَ النَّبِیِّ تَعَالِیْ وَ اَنْزِلِیْ ثُمَّ لَا تَرْتَحِلِیْ۔

''اے نبی کی برکت آ اور میرے مکان میں اتر۔ پھر کوچ نہ کر۔''

اجابتِ دعا: حضور اقدس ﷺ کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ جو دعا فرماتے وہ بارگاہِ رب العزت میں قبول ہوتی۔ یہ باب نہایت وسیع ہے۔ نظر بر اختصار صرف چند مثالیں درج کی جاتی ہیں (۹۰)۔

حضرت انس بن مالک کی ماں نے حضور کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! انس آپ ﷺ کا ادنیٰ خادم ہے۔ اس کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ پس آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی ''یا اللہ! تو اس کا مال و اولاد زیادہ کر۔ اور جو نعمت تو نے اسے دی ہے اس میں برکت دے''۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ تو اس کی عمر زیادہ کر اور بہشت میں میرا رفیق بنا۔ یہ دعا ایسی مقبول ہوئی کہ حضرت انس کے باغ میں کھجوروں کے درخت سال میں دو دفعہ پھل دیتے۔ ان کی اولاد سو سے زیادہ تھی۔ ایک کم سو برس کی عمر پائی۔ اخیر عمر میں فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ حسب دعائے جناب مصطفیٰ ﷺ میں بہشت میں آپ کا رفیق بھی ہوں گا۔

اسی طرح حضور علیہ السلام نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ اللہ تجھے برکت دے۔ اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمٰن کو تجارت میں اس قدر نفع دیا کہ جب ۳۱ھ میں انہوں نے وفات پائی تو ان کے ترکہ کا سونا کلہاڑیوں سے کھودا گیا۔ یہاں تک کہ کثرت کار سے ہاتھ زخمی ہو گئے اور ان کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو اسی ہزار دینار ملے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ایک ہزار گھوڑے اور پچاس ہزار دینار فی سبیل اللہ خیرات کر دیئے جائیں۔ یہ تمام علاوہ ان صدقات کے تھا جو انہوں نے اپنی زندگی میں کیے۔ چنانچہ ایک روز تیس غلام آزاد کیے۔ ایک مرتبہ سات سو اونٹوں کا رواں مع مال و اسباب تصدق کر دیا۔ ایک دفعہ اپنا آدھا مال راہِ خدا میں دے دیا۔ پھر چالیس ہزار دینار، پھر پانچ سو گھوڑے، پھر پانچ سو اونٹ تصدق کیے۔

جنگ احد میں حضرت سعد بن ابی وقاص جناب رسول اکرم ﷺ کے آگے بیٹھے ہوئے تیر چلا رہے تھے۔ اور یوں کہہ رہے تھے۔ ''یا اللہ! یہ تیرا تیر ہے۔ اس سے تو اپنے دشمن کو ہلاک کر''۔ اور حضور فرما رہے تھے۔ ''یا اللہ اس کا نشانہ درست کر دے اور اس کی دعا قبول کر لے''۔ آپ ﷺ کی دعا سے حضرت سعد مستجاب الدعوات بن گئے جو دعا کرتے قبول ہوتی اور جو تیر پھینکتے وہ کبھی خطا نہ جاتا۔

اسی طرح حضور ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ! اسلام کو عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام (ابو

جہل) کے ساتھ عزت دے۔ یہ دعا حضرت عمر کے حق میں قبول ہوئی۔ وہ ایمان لائے اور اس دن سے اسلام کو عزت و غلبہ حاصل ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس کے حق میں حضور ﷺ نے دعا کی تھی کہ "یا اللہ اس کو دین میں فقیہ بنا دے"۔ اس دعاء کی برکت سے حضرت ابن عباس رئیس المفسرین اور حبر الامت بن گئے۔

ایک روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری اس دعا کے تمام ہونے تک اپنا کپڑا اچھائے رکھے گا، وہ میری احادیث میں سے کبھی کچھ نہ بھولے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک کملی کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا۔ میں نے کملی ہی بچھادی۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی دعا تمام کی۔ پھر میں نے اپنی کملی لپیٹ کر اپنے سینے سے لگا دی۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے کہ میں آپ کی احادیث کو آج تک نہیں بھولا۔ (۹۱)

جب حضرت طفیل بن عمرو دوسی آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر اسلام لائے تو انہوں نے یوں عرض کیا۔ "یا رسول اللہ ﷺ! میری قوم اطاعت کرتی ہے۔ میں اس کے پاس جاتا ہوں اور اس کو دعوت اسلام دیتا ہوں آپ ﷺ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی نشانی عطا کرے، جو ان کے بر خلاف میری معاون ہو"۔ حضور نے دعا فرمائی کہ "یا اللہ! اس کے لیے ایک نشانی پیدا کر دے"۔ یہ سن کر میں اپنی قوم کی طرف آیا۔ جب میں گھاٹی کدار میں پہنچا تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان ایک چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہوا۔ میں نے دعا کی۔ یا اللہ! اس نور کو میری پیشانی کے سوا کسی اور جگہ پیدا کر دے۔ کیوں میں ڈرتا ہوں کہ میری قوم اس کو میری پیشانی میں مثلہ خیال کرے گی۔ پس وہ نور میرے چابک کے سرے پر لٹکتی ہوئی قندیل کی طرح ہو گیا۔ پھر میں نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی مگر وہ ایمان نہ لائے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قبیلہ دوس نے میری اطاعت سے انکار کر دیا ہے۔ آپ ان پر بد دعا فرمائیں۔ آپ نے بجائے بد دعا کے دعائے ہدایت فرمائی۔ اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو نرمی سے دعوت اسلام دو۔ میں تعمیل ارشاد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لے آئے۔ پھر میں اپنی قوم کے ستر یا اسی اشخاص کے ساتھ جو ایمان لائے تھے خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مگر وہ قبول نہیں کرتیں۔ آپ ﷺ دعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر دعا فرمائی۔ اور وہ ایمان لائی۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔

حضرت نابغہ (نابغہ بنی جعدہ) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعر سنایا۔ آپ نے

پسند فرمایا اور میرے حق میں یوں دعا فرمائی۔ ''اللہ تیرا دانت نہ گرائے'' حضرت نابغہ کی عمر سو سال سے زائد ہوگئی۔ مگر آپ کا کوئی دانت نہ گرا۔

حضرت ثابت بن زید نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میرا ایک پاؤں لنگڑا ہے۔ زمین پر نہیں لگتا۔ حضور ﷺ نے میرے حق میں دعا فرمائی۔ وہ پاؤں اچھا ہو گیا۔ اور دوسرے کی طرح زمین پر برابر لگنے لگا۔

حضرت عروۃ البارقی کے لیے حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! اس کے سودے میں برکت دے۔ اس کے بعد حضرت عروہ جو چیز خریدتے خواہ وہ مٹی ہو اس میں نفع ہی ہوتا۔

ہجرت کے وقت جب حضور ﷺ غارِ ثور سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو سراقہ بن مالک گھوڑے پر سوار آپ ﷺ کے تعاقب میں بالکل قریب آ گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! ہمیں تو آلیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غم نہ کر۔ کیوں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے جب دو تین نیزے کا فاصلہ رہ گیا تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! تو جس طرح چاہے ہم کو بچا۔ اس پر سراقہ کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ یہ دیکھ کر سراقہ نے عرض کیا۔ یا محمد ﷺ! میں جانتا ہوں کہ یہ آپ ﷺ کا کام ہے۔ آپ ﷺ اس مصیبت سے میری نجات کے لیے دعا فرمائیں۔ اللہ کی قسم! میں کسی کو تعاقب میں آپ ﷺ تک نہ آنے دوں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی دعا سے سراقہ نے نجات پائی۔ اور وہ واپس چلا گیا۔ راستے میں جس سے ملتا یہ کہہ کر موڑ دیتا کہ میں نے بہت ڈھونڈا حضرت ادھر نہیں ہیں۔

حضور کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ میں طاعون و وباء سب سے زیادہ رہا کرتی تھی۔ آپ ﷺ کی دعا سے ایسی دور ہوئی کہ آج تک وہ مبارک شہر وباء و طاعون سے محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا۔

آنحضرت ﷺ نے ابولہب کے بیٹے عتیبہ پر بددعا فرمائی۔ چنانچہ اس کو ایک شیر نے پھاڑ ڈالا جیسا کہ آگے مفصل بیان ہوگا۔

جب قریش نے ایمان لانے سے انکار کر دیا تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔ یا اللہ! ان پر حضرت یوسف کے سات سالوں کی طرح سات سالا قحط لا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ قریش نے مردار اور ہڈیاں کھائیں۔ ابوسفیان نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ یا محمد! آپ کی قوم ہلاک ہوگئی۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ قحط دور ہو جائے۔ پس آپ نے دعا فرمائی اور وہ مصیبت دور ہو گئی۔ (۹۴)

حضور ﷺ نے کسریٰ پرویز کو جو دعوت اسلام کا خط لکھا تھا۔ اس نے اسے پڑھ کر پھاڑ دیا۔ جب آپ نے یہ سنا تو فرمایا کہ اس کا ملک پارہ پارہ ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ فارس سے اکاسرہ کی

سلطنت ہمیشہ کے لیے جاتی رہی۔

حکیم بن ابی العاص نے حضور کے ساتھ استہزاء کرنے کے لیے اپنا منہ ٹیڑھا کرلیا۔ حضور نے فرمایا اسی طرح رہے۔ چنانچہ وہ کج دہان ہی رہا۔ یہاں تک کہ مرگیا۔

جناب سرورِ کائنات علیہ الوف التحیۃ والصلوٰۃ نے محلم بن جثامہ کو ایک سریہ میں بھیجا تھا۔ جس پر عامر بن الاضبط کو امیر بنایا تھا۔ جب وہ ایک وادی کے درمیان پہنچے تو محلم نے عامر کو ایک معاملے کے سبب جو دونوں میں تھا دھوکے سے قتل کردیا۔ جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ محلم کو زمین قبول نہ کرے۔ اس دعا کے سات دن بعد محلم مرگیا۔ جب اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے اس کو پھینک دیا۔ اسی طرح کئی دفعہ کیا گیا۔ مگر زمین نے قبول نہ کیا۔ آخر کار اس کو ایک غار میں پھینک دیا گیا۔ اور پتھروں کی ایک دیوار اس پر بنادی گئی۔

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قحط پڑا۔ جمعہ کے دن حضور ﷺ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے ایک بادیہ نشین عرب آپ ﷺ کے پاس آیا۔ اور یوں عرض کرنے لگا۔ ''یارسول اللہ ﷺ! ہمارے مال ضائع ہوگئے اور بال بچے بھوکے مر رہے ہیں۔ آپ ﷺ ہمارے حق میں دعا فرمائیں''۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اس وقت آسمان پر کوئی بادل نظر نہ آتا تھا (۹۳)۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آپ ﷺ نے ہاتھ نہ چھوڑے تھے کہ پہاڑوں کی مثل بادل اٹھا۔ پھر آپ ﷺ منبر سے نہ اترے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ بارش کا پانی آپ ﷺ کی ریش مبارک پر سے نیچے گر رہا ہے۔ اس طرح جمعہ آئندہ تک بارش ہوتی رہی۔ پھر وہی بادہ نشین عرب آیا اور عرض کرنے لگا ''یارسول اللہ ﷺ! ہمارے مکانات گر گئے''۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ ''یا اللہ! ہمارے گرد مینہ برسا اور ہمارے مکانات سے دور رکھ''۔ پس جس طرف آپ ﷺ اشارہ فرماتے بادل دور ہو جاتا۔ یہاں تک کہ مدینہ گول گڑھے کی مانند ہوگیا اور وادی قنات (۹۴) میں ایک مہینہ تک پانی جاری رہا۔ جس طرف سے کوئی آتا باران کثیر کی خبر لاتا۔

جب مسلمان غزوہ تبوک (۹۵) کے لیے نکلے تو گرمی کی شدت تھی۔ ایک پڑاؤ پر پیاس کی شدت سے یہ نوبت پہنچی کہ اونٹ ذبح کرتے۔ اس کی لید نچوڑ کر پانی پی لیتے اور بقیہ اپنے جگر پر باندھتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ دعا فرمایئے۔ چنانچہ حضور انور ﷺ کی دعا سے پانی برسا۔ اور مسلمانوں نے اپنے برتن بھر لیے۔ پھر جو دیکھا تو یہ بارش حدود لشکر سے متجاوز نہ تھی۔

آنحضرت ﷺ نے ایک نابینا کو اپنی ذات شریف سے توسل کا طریق بتایا اس نے ایسا ہی کیا اور بینا ہوگیا۔ جیسا کہ آگے بالتفصیل آئے گا۔ ہم اس عنوان کو ایک مشہور واقعہ پر ختم کرتے ہیں جس کی

کیفیت ذیل میں درج ہے۔

نجران کے نصاریٰ کے ساتھ مباہلہ: نجران مکہ مشرفہ سے جانب یمن سات منزل کے فاصلہ پر ایک بڑا شہر ہے۔ جو نجران بن زید بن یشجب بن یعرب کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر ملک عرب میں عیسائی مذہب کا مرکز تھا۔ اور ۷۳ گاؤں اس سے متعلق تھے۔ جناب سرورِ دو عالم ﷺ کے وصال سے ایک سال پیشتر یہاں کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ میں آیا۔ جب وہ عصر کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو ان کی نماز کا وقت آ پہنچا۔ مسجد میں انہوں نے شرق رو ہو کر نماز ادا کی۔ صحابہ کرام منع کرنے لگے۔ مگر حضور اقدس ﷺ نے تالیف قلوب اور توقع اسلام کو مدنظر رکھ کر ان سے تعرض کرنے سے منع فرمایا۔ اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے جن میں سے چوبیس ان کے اشراف میں سے تھے اور ان چوبیس میں سے تین مرجع کل تھے۔ عبدالمسیح جن کا لقب عاقب تھا۔ اور سید جس کا نام ایہم اور بقول بعض شرجیل تھا۔ اور ابو حارثہ بن علقمہ جو ان کا اسقف (بڑا پادری) تھا۔ حضور ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دی۔ مگر وہ روبراہ نہ ہوئے (۱)۔ بلکہ مباحثہ کرنے لگے۔ اور آخر کار کہنے لگے کہ اگر عیسیٰ خدا کا بیٹا نہیں تو بتاؤ ان کا باپ کون تھا؟ اس کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۫ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ (آل عمران: ع ٦)

"بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک جیسی مثال آدم کی۔ بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا ہو جا۔ وہ ہو گیا۔ حق بات ہے تیرے رب کی طرف سے۔ پس تو مت رہ شک میں پھر جو جھگڑا کرے تجھ سے اس بات میں بعد اس کے کہ پہنچ چکا تجھ کو علم تو کہہ آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو۔ پھر دعا کریں اور لعنت ڈالیں اللہ کی جھوٹوں پر۔"

ان آیات کا خلاصہ و مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم کا نہ باپ نہ تھا نہ ماں۔ اگر حضرت عیسیٰ کا باپ نہ ہو تو کیا عجب ہے۔ اگر نصاریٰ اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہ ہوں تو ان کے ساتھ قسم کرو کہ یہ بھی ایک صورت فیصلہ کی ہے۔ کہ دونوں اپنی جان سے اور اولاد سے حاضر ہوں، اور دعا کریں کہ جو کوئی ہم میں سے جھوٹا ہے اس پر لعنت اور عذاب پڑے۔

اہلِ اسلام اس طرح کے فیصلے کو مباہلہ کہتے ہیں۔اور یہ کیا خوب فیصلے کا ڈھنگ ہے کہ صرف عادل حقیقی جو بے رو ورعایت اور بغیر بھول چوک کے فیصلہ کرنے والا ہے فیصلہ کر دے۔اس ارشادِ الٰہی کے مطابق حضور اقدس ﷺ نے ان علمائے نصاریٰ سے مباہلہ کے لیے کہا۔انہوں نے مہلت مانگی۔ دوسرے روز صبح کو حضور اقدس ﷺ نے حضرت امام حسن اور امام حسین کو جو خورد سال تھے۔ہاتھ میں پکڑا۔آپ ﷺ کے پیچھے حضرت فاطمۃ الزہرا اور ان کے پیچھے حضرت علی المرتضیٰ مقام مباہلہ کو روانہ ہوئے۔آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تم آمین کہنا۔پنجتن پاک کو دیکھ کر ابو حارثہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''میں (۹۶) وہ صورتیں دیکھتا ہوں کہ اگر وہ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو بے شک ان کی دعا سے ٹل جائے گا۔اس لیے تم مباہلہ نہ کرو۔ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔اور روئے زمین پر قیامت تک کوئی عیسائی نہ رہے گا۔اللہ کی قسم! تمہیں اس کی نبوت معلوم ہو چکی ہے۔اور وہ تمہارے صاحب (عیسیٰ) کے بارے میں قول فیصل لایا ہے۔اللہ کی قسم! جس قوم نے پیغمبر سے مباہلہ کیا وہ ہلاک ہو گئی''۔ یہ سن کر عیسائی ڈر گئے اور مباہلہ کی جرأت نہ کر سکے۔بلکہ صلح کر لی اور جزیہ دینا قبول کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندر اور سور بن جاتے۔اور یہ جنگل ان پر آگ برساتا۔اللہ نجران اور اس کے باشندوں کو تباہ کر دیتا۔یہاں تک کہ کوئی پرندہ بھی درخت پر باقی نہ رہتا (۹۷)۔

نصاریٰ کا اس طرح مباہلہ سے گریز صاف بتا رہا ہے کہ اعدائے اسلام بھی حضور اقدس ﷺ کی دعا کی اجابت کے قائل تھے۔اس مباہلہ سے ایک اور بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر دین اسلام خدا کی طرف سے نہ ہوتا، اور حضور نبی ﷺ برحق نہ ہوتے تو ہرگز اپنے دعویٰ پر خدا کے حضور جھوٹے پر لعنت اور غضب الٰہی نازل ہونے کی بددعا کرنے کا حوصلہ اور جرأت نہ کر سکتے۔کیا کوئی اپنی چالاکی سے خدا کو بھی دھوکا دے سکتا ہے؟ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو پھر عیسائی علماء کیوں دعا مانگنے کی جرأت نہ کر سکے۔

انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری ہونا: حضرت سالم بن (۹۸) الجعد حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی۔نبی ﷺ کے پاس ایک چھاگل تھی آپ ﷺ نے اس سے وضو فرمایا تو لوگ پانی کے لیے آپ ﷺ کی طرف دوڑے۔آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی چھاگل کے پانی کے سوا ہمارے پاس نہ وضو کرنے کو پانی ہے نہ پینے کو۔آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک چھاگل پر رکھا۔پس آپ ﷺ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی نکلنے لگا۔ہم نے لیا اور وضو کیا۔میں نے حضرت جابر سے پوچھا تم اس دن کتنے تھے۔حضرت جابر نے جواب دیا کہ ہم ڈیڑھ ہزار تھے۔اگر

ایک لاکھ ہوتے تو تب بھی وہ پانی کفایت کرتا۔

یہ معجزہ حضور ﷺ سے متعدد دفعہ مختلف جگہوں میں ایک جماعت کثیرہ کے سامنے ظہور میں آیا۔ اور اس کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ ہیں۔ انس بن مالک، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، ابو یعلی انصاری، زید بن الحارث الصدائی، اور ابو عمرہ انصاری رضی اللہ عنہم ہیں۔ پس یہ قطعی الثبوت ہے۔ نظر بر اختصار یہاں صرف ایک روایت پر کفایت کی گئی ہے۔ یہ معجزہ بھی شق القمر کی طرح حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

حیوانات کی اطاعت اور کلام: جس طرح وہ انسان جس کے نام پر قرعہ سعادت پڑا ہوا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی شریعت کے مطیع و مسخر ہیں۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے حیوانات کو بطریق اعجاز وخرق عادت حضور ﷺ کا مطیع و مسخر بنایا۔ ازاں جملہ چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

اونٹ کی شکایت اور سجدہ: حضرت انس (۹۹) بن مالک سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک کے ہاں ایک اونٹ تھا۔ جس سے آب کشی کیا کرتے تھے۔ وہ سرکش ہو گیا۔ اور اپنی پیٹھ پر پانی نہ اٹھاتا تھا۔ اونٹ کے مالک حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کرنے لگے کہ ہمارے ہاں ایک اونٹ ہے۔ جس سے ہم آب کشی کیا کرتے تھے۔ وہ سرکش ہو گیا ہے اپنی پیٹھ پر پانی نہیں اٹھاتا۔ ہماری کھجوریں اور کھیتی سوکھ رہی ہے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اٹھو! وہ اٹھے اور آپ ﷺ ان کے ساتھ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ وہ اونٹ اس باغ کے ایک گوشہ میں تھا۔ آپ ﷺ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ اصحاب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! یہ اونٹ کاٹنے والے کتے کی مانند ہو گیا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہیں آپ ﷺ کو تکلیف پہنچے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مجھے اس سے کچھ ڈر نہیں۔ جب اونٹ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ کی طرف آیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے آگے سجدہ میں گر پڑا۔ آپ نے اس کی پیشانی کے بال پکڑ لیے۔ اور وہ ایسا مطیع ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے اس کو کام پر لگا دیا۔ آپ ﷺ کے اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ حیوان لایعقل آپ ﷺ کو سجدہ کرتا ہے، اور ہم عقل والے ہیں۔ اس لیے ہم اس کی نسبت آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کو سزاوار نہیں کہ دوسرے انسان کو سجدہ کرے۔ اگر ایک انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیوں کہ خاوند کا عورت پر بڑا حق ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ سب سے پسندیدہ شے جس کو رسول اللہ ﷺ قضائے

حاجت کے لیے اوٹ بنایا کرتے تھے۔ کوئی بلند چیز یا درختان خرما کا مجمع تھا۔ ایک دفعہ آپ انصار میں سے ایک شخص کے باغ میں داخل ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس باغ میں ایک اونٹ ہے۔ اس اونٹ نے جب نبی ﷺ کو دیکھا تو رو پڑا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آئے اور اس کے پس گوش پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا وہ چپ ہو گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ انصار میں سے ایک ناجوان نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تو اس چوپایہ کے بارے میں جس کا اللہ نے تجھے مالک بنایا ہے، اللہ سے نہیں ڈرتا۔ اس نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے۔ اور کثرت استعمال سے اسے تکلیف دیتا ہے۔

بکری کی اطاعت اور سجدہ:

حضرت انس (۱۰۰) بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ انصار کے باغ میں داخل ہوئے۔ اور آپ کے ہمراہ حضرت ابو بکر و عمر اور انصار کے چند اشخاص تھے۔ اس باغ میں ایک بکری تھی، اس نے رسول اللہ ﷺ کے آگے سجدہ کیا۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا یارسول اللہ! اس بکری کی نسبت ہم آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت کو جائز نہیں کہ ایک دوسرے کو سجدہ کرے۔ اگر ایک کا دوسرے کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

ام معبد کی بکری (۱۰۱) حالات ہجرت میں آچکا ہے۔ دودھ نہ دیتی تھی۔ حضور علیہ السلام کی دعا سے اس نے دودھ دیا۔

بھیڑیئے کی شہادت اور طاعت:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ کی طرف آیا۔ اس نے بکریوں میں سے ایک بکری پکڑ لی۔ چرواہے نے بھیڑیئے کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ بکری اس سے چھڑا لی۔ پس بھیڑیا ایک ریت کے ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اور کتے کی طرح اپنے چوتڑوں پر بیٹھ گیا اور اپنی دم کو اپنے پیروں کے درمیان کر لیا۔ اور بولا میں نے رزق کا قصد کیا۔ جو اللہ نے مجھے دیا۔ اور میں نے اسے لے لیا۔ پھر تو نے اسے مجھ سے چھین لیا۔ چرواہے نے کہا خدا کی قسم! میں نے آج کی طرح کسی دن بھیڑیئے کو کلام کرتے نہیں دیکھا۔ بھیڑیئے نے کہا اس سے عجیب تر ایک شخص (حضرت محمد ﷺ) کا حال ہے جو نخلستان میں ذوحرہ کے درمیان یعنی مدینہ میں ہے تمہیں خبر دیتا ہے اس کی جو گزر چکا اور جو تمہارے بعد ہونے والا ہے۔ (اور لوگ اس امی لقب نبی کا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے) حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے کہ چرواہا یہودی تھا اس نے جناب پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی خبر دی اور مسلمان ہو گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس طرح کے امور قیامت کی نشانیوں میں

سے ہیں قریب ہے کہ ایک شخص اپنے گھر سے نکلے گا اور واپس نہ آئے گا۔ یہاں تک کہ اس کے ہر دو نعل اور اس کا تازیانہ بتائے گا۔ کہ اس کی غیر حاضری میں اس کے اہل خانہ نے کیا عمل کیا ہے (۱۰۲)۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک چرواہا (۱۰۳) حرہ میں بکریاں چرا رہا تھا۔ ناگاہ ایک بھیڑیا اس کی بکریوں میں سے ایک بکری کو پکڑنے آیا۔ چرواہا بکری اور بھیڑیے کے درمیان حائل ہو گیا۔ بھیڑیا اپنی دم پر کتے کی طرح بیٹھ گیا۔ پھر چرواہے سے بولا کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا کہ میرے رزق کے درمیان جو اللہ نے میرے قابو میں کر دیا ہے حائل ہوتا ہے۔ چرواہے نے کہا تعجب ہے کہ بھیڑیا انسان کی طرح کلام کرتا ہے۔ بھیڑیے نے کہا۔ دیکھ! میں تجھے اس سے بھی عجیب بات بتاتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ ذو حرہ (۱۰۴) (سنگلاخ زمینوں) کے درمیان (مدینہ میں) لوگوں سے گذشتہ امتوں کے حال بیان فرما رہے ہیں۔ (اور وہ اس امی لقب نبی کا یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے) پس چرواہے نے بکریاں ہانک لیں۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں آیا۔ اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھیڑیے کا قصہ بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سچ ہے۔ دیکھو! درندوں سے انسان کا کلام کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ درندے انسان سے کلام کریں گے۔ اور انسان سے اس کے جوتے کا تسمہ اور اس کے کوڑے کا سرا کلام کرے گا۔ اور انسان کو اس کی ران خبر دے گی۔ جو اس کی بیوی نے اس کی غیر حاضری میں کیا (۱۰۵)۔

حضرت حمزہ بن اسید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے جنازے میں نکلے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بھیڑیا راستے میں پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ تم سے اپنا حصہ طلب کرتا ہے اس کے لیے کچھ مقرر کرو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا ہر اونٹ پر ہر سال ایک بکری۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ یہ تو بہت ہے۔ آپ نے بھیڑیے کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہاں سے جلدی چل دو۔ بھیڑیا یہ سن کر چلا گیا (۱۰۶)۔

شیر کی اطاعت: حضور اقدس ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے کہ میں سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوا۔ وہ کشتی ٹوٹ گئی پس میں اس کے ایک تختے پر چڑھ بیٹھا اور ایک بن میں جا نکلا جس میں شیر تھے۔ ناگاہ ایک شیر آیا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو میں نے کہا۔ اے ابو الحارث (۱۰۷)! میں رسول اللہ ﷺ کا آزاد کردہ غلام سفینہ ہوں۔ یہ سن کر شیر دم ہلاتا ہوا آیا۔ یہاں تک کہ میرے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پھر میرے ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ مجھے راستے پر ڈال دیا۔ پھر اس نے کچھ دیر ہلکی آواز نکالی۔ میں سمجھا کہ یہ مجھے وداع کر رہا ہے۔ (۱۰۸)

جب ہجرت کے وقت حضور اقدس ﷺ کوہ ثور کے غار میں تھے۔ اس غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا۔ اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ کفار تعاقب میں وہاں پہنچے۔ اس عجیب دربانی و پاسبانی کو دیکھ کر واپس ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر حضرت اس میں داخل ہوتے تو مکڑی جالا نہ بنتی اور کبوتری انڈے نہ دیتی امثلہ مذکورہ بالا کے علاوہ ہرنی کا قصہ اور سوسمار کی حدیث مشہور ہے۔

نباتات کا کلام وطاعت اور سلام وشہادت:

جس طرح حیوانات حضور اقدس ﷺ کے امر کے مطیع تھے۔ اسی طرح نباتات بھی آپ کے فرمانبردار تھے۔ چنانچہ درختوں کا آپ کی خدمت اقدس میں آنا اور سلام کرنا، اور آپ کی رسالت پر شہادت دینا احادیث کثیرہ سے ثابت ہے جن میں سے صرف دو تین مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ ﷺ سے روایت (۱۰۹) ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میری طرف وحی بھیجی گئی تو جس پتھر اور درخت پر میرا گزر ہوتا تھا وہ کہتا تھا ''السلام علیک یا رسول اللہ''۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ایک بادیہ نشین عرب آپ کے سامنے آیا۔ جب وہ نزدیک ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو خدا کی وحدانیت اور محمد کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے کہا، آپ جو کچھ فرماتے ہیں اس پر کون شہادت دیتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، یہ درخت! پس آپ نے اسے بلایا حالانکہ وہ وادی کے کنارے پر تھا۔ وہ زمین کو چیرتا ہوا سامنے آ کھڑا ہوا۔ آپ نے تین بار اس سے شہادت طلب کی۔ اور اس نے تینوں بار شہادت دی۔ کہ واقع میں ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ پھر درخت اپنی جگہ پر چلا گیا (۱۱۰)۔

حضرت ابن عباس سے روایت (۱۱۱) ہے کہ بنی عامر بن صعصعہ میں سے ایک بادہ نشین عرب نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا اور کہنے لگا۔ میں کس چیز سے پہچانوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا بتا! اگر میں اس درخت خرما کی شاخ کو بلالوں تو کیا تو میری رسالت کی گواہی دے گا؟ اس نے عرض کی ہاں۔ پس آپ نے اس شاخ کو بلایا۔ وہ درخت سے اترنے لگی یہاں تک کہ زمین پر گری اور پھدکنے لگی۔ حافظ ابونعیم کی روایت میں ہے کہ وہ آپ کی طرف اس حال میں آئی کہ سجدہ کر رہی تھی، اور اپنا سر اٹھا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ آپ کے پاس پہنچ گئی۔ اور آپ کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنی جگہ پر واپس چلی جا۔ پس وہ اپنی جگہ واپس چلی گئی۔ یہ دیکھ کر اس اعرابی نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور ایمان لے آیا۔

حضرت جابر (۱۱۲) فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیر کی۔ یہاں تک کہ ہم ایک فراخ وادی میں اترے۔ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے کوئی چیز

نہ دیکھی۔ جس کے ساتھ پردہ کرلیں۔ ناگاہ آپ نے اس وادی کے ایک کنارے دو درخت دیکھے۔ آپ نے ان دو میں سے ایک کے پاس قدم رنجہ فرمایا۔ اور اس کی ایک شاخ کو پکڑ کر یوں ارشاد فرمایا۔ اللہ کے اذن سے میری فرمانبرداری کر۔ اس درخت نے آپ کی اس طرح فرمانبرداری کی، جیسے کہ نکیل والا اونٹ شتربان کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ دوسرے درخت کے پاس آئے اور اس کی شاخ کو پکڑ کر فرمایا۔ اللہ کے اذان سے تم مجھ پر مل جاؤ۔ پس وہ درخت باہم مل گئے۔ (حضرت جابر کہتے ہیں) میں اپنے دل میں اس امر عجیب کی نسبت حیرت سے سوچنے لگا۔ میں نے جو نظر اٹھائی، کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ میری طرف آرہے ہیں۔ اور وہ درخت جدا جدا ہو گئے اور ہر ایک اپنی اصلی حالت میں اپنے تنے پر قائم ہے۔

جمادات کی اطاعت اور تسبیح وسلام: جس طرح نباتات حضور اقدس ﷺ کے زیر فرمان تھے اسی طرح جمادات بھی آپ کے مطیع تھے۔ چنانچہ شجر کا آپ کو سلام کرنا، اور آپ کی رسالت پر شہادت دینا پہلے آچکا ہے۔ سخت پتھروں کا آپ کے لیے نرم ہو جانا اور صخرۂ بیت المقدس کا خمیر کی مانند ہونا اس کتاب میں آگے آئے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھا ایک روز ہم اس کے بعض نواح میں نکلے۔ جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا تھا وہ کہتا تھا۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔

حضرت ابوذر (۱۱۳) کا بیان ہے کہ ایک روز میں دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ نبی ﷺ تشریف فرما نہ تھے۔ میں نے خادم سے دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ حضرت عائشہ کے گھر میں ہیں۔ میں وہاں آپ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کوئی آدمی آپ کے پاس نہ تھا۔ مجھے اس وقت یہ گمان ہوتا تھا کہ آپ وحی کی حالت میں ہیں۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا، تجھے کیا چیز یہاں لائی؟ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول کی محبت۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹھ جا۔ میں آپ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ نہ میں آپ سے کچھ پوچھتا تھا۔ اور نہ آپ مجھ سے کچھ فرماتے تھے۔ میں تھوڑی دیر ٹھہرا کہ اتنے میں حضرت ابوبکر جلدی جلدی چلتے ہوئے آئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا تجھے کیا چیز یہاں لائی؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول کی محبت۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جا۔ وہ ایک بلند جگہ پر نبی ﷺ کے مقابل بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عمر آئے۔ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ویسا ہی فرمایا۔ حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ پھر اسی طرح حضرت عثمان آئے اور حضرت عمر کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سات یا نو یا اس کے

قریب سنگریزے لیے۔ان سنگریزوں نے آپ کے مبارک ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ میں ان میں شہد کی مکھی کی مانند آواز سنی (پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا اور وہ چپ ہو گئے) پھر آپ نے وہ سنگریزے مجھے چھوڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیے۔ان سنگریزوں نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند ان کی آواز سنی) پھر آپ نے وہ کنکر حضرت ابوبکر سے لے کر زمین پر رکھ دیے۔وہ چپ ہو گئے، اور ویسے ہی سنگریزے بن گئے۔ پھر آپ نے حضرت عمر کو دیے۔ان کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح پڑھی جیسا کہ حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں پڑھی تھی (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند ان کی آواز سنی) پھر آپ نے زمین پر رکھ دیے۔وہ چپ ہو گئے۔ پھر آپ نے حضرت عثمان کو دیے۔ان کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح پڑھی۔جیسا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ہاتھ میں پڑھی تھی (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند آواز سنی) پھر آپ (۱۱۴) نے لے کر ان کو زمین پر رکھ دیا۔وہ چپ ہو گئے۔ (پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نبوت (۱۱۵) کی خلافت ہے)۔

حضرت امام محمد (۱۱۶) باقر فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ بیمار ہوئے۔حضرت جبرئیل ایک خوان لائے۔جس میں (بہشت کے) انار اور انگور تھے۔جب آپ نے تناول فرمانے کے لیے ان میں سے کچھ اٹھایا تو اس میں سے سبحان اللہ کی آواز آئی۔

یہ خارق عادت (تسبیح الطعام) بہت دفعہ آپ کے اصحاب کرام سے بھی ظہور میں آیا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "ہم البتہ بے شک طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے جس حال میں کہ وہ کھایا جاتا تھا۔

حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ سے روایت (۱۱۷) ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا۔اے ابوالفضل! کل تم اور تمہارے (۱۱۸) بیٹے اپنے مکان سے نہ جائیں۔یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آؤں۔کیوں کہ مجھے تم سے ایک کام ہے انہوں نے آپ کا انتظار کیا۔یہاں تک کہ آپ چاشت کے بعد تشریف لائے۔آپ نے فرمایا السلام علیکم انہوں نے جواب دیا۔وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،آپ نے فرمایا۔تم نے کیوں کر صبح کی۔انہوں نے عرض کی۔بحمداللہ ہم نے بخیریت صبح کی۔پس آپ نے ان سے فرمایا،نزدیک ہو جاؤ۔وہ ایک دوسرے کے نزدیک ہو گئے۔یہاں تک کہ جب وہ آپ کے متصل ہو گئے تو آپ نے اپنی چادر مبارک سے ان کو ڈھانپ لیا اور یوں دعاء فرمائی۔"اے میرے پروردگار یہ میرا چچا اور میرے باپ کا بھائی ہے۔اور یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان کو دوزخ کی آگ سے یوں چھپا لینا جیسا کہ میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپا لیا ہے"۔اس پر گھر کی چوکھٹ اور

دیواروں نے تین بار آمین کہی۔

حضرت انس بن مالک سے روایت (۱۱۹) ہے کہ نبی ﷺ کوہ احد پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ پہاڑ ہلا۔ آپ نے اسے اپنے پائے مبارک سے ٹھوکر لگا کر فرمایا تو ساکن رہ۔ کیوں کہ تجھ پر نبی اور صدیق اور شہید ہیں۔

حضرت عثمان سے روایت (۱۲۰) ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوہ ثبیر پر تھے۔ اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر تھے اور میں تھا۔ وہ پہاڑ ہلا۔ یہاں تک کہ اس کے پتھر نیچے دامن کوہ میں گر پڑے۔ آپ نے پائے مبارک سے ٹھوکر لگا کر فرمایا۔ اے ثبیر ساکن رہ۔ کیوں کہ تجھ پر نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جس وقت نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر کوہِ حرا پر تھے۔ وہ پہاڑ ہلا۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ اے حراء! ساکن رہ کیوں کہ تجھ پر نہیں ہیں (۱۲۱) مگر نبی یا صدیق یا شہید۔ ایک روایت میں سعد بن ابی وقاص کا ذکر ہے۔ اور حضرت علی کا ذکر نہیں اور ایک روایت میں سوائے ابوعبیدہ کے تمام عشرہ (۱۲۲) مبشرہ کا ذکر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب ہجرت کے وقت قریش نے جناب رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں اپنے آدمی بھیجے تو کوہ ثبیر نے کہا۔ یا رسول اللہ! اترئیے۔ کیوں کہ مجھے خوف ہے کہ وہ آپ کو میری پشت پر قتل کر دیں اور مجھے اللہ تعالیٰ عذاب دے۔ پس حراء نے کہا۔ یا رسول اللہ میری طرف آئیے۔ (۱۲۳)

حضرت جابر (۱۲۴) سے روایت ہے کہ جس وقت نبی ﷺ خطبہ پڑھا کرتے تھے مسجد کے ستونوں میں ایک درخت خرما کے خشک تنے سے پشت مبارک لگا لیا کرتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر بنایا گیا۔ اور آپ اس پر رونق افروز ہوئے تو اس تنے نے جس کے پاس خطبہ پڑھا جایا کرتا تھا۔ فریاد کی، قریب تھا کہ وہ پارہ پارہ ہو جائے۔ پس نبی ﷺ منبر سے اترے آئے۔ یہاں تک کہ اس نے آرام و قرار پایا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس لیے رویا کہ جو ذکر یہ سنا کرتا تھا وہ اب اس سے جدا ہو گیا۔ اس ستون کو نالہ کرنے کے سبب حنانہ بولتے ہیں۔ نالہ حنانہ کی حدیث متواتر ہے۔ اس لیے اس میں کسی طرح کے شک کی گنجائش نہیں۔

فتح مکہ کے روز حضور اقدس ﷺ پہلے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور مہاجرین و انصار آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں تھے۔ آپ نے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر طواف کیا۔ اس وقت بیت اللہ شریف کے گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بت تھے۔ جو رانگ کے ساتھ پتھروں میں نصب کیے ہوئے تھے۔ حضور کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی۔ اس سے آپ جس کی طرف اشارہ فرماتے اور یہ پڑھتے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًاO (بنی اسرائیل: ع ۵)

''آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ۔ بے شک جھوٹ نکل بھاگنے والا ہے۔''

وہ منہ کے بل گر پڑتا۔ اس طرح آپ نے بیت اللہ شریف کو بتوں سے پاک کر دیا۔

بدر کے دن جب لڑائی سخت ہوگئی تو حضور اقدس ﷺ نے سنگریزوں کی ایک مٹھی لی اور قریش کی طرف منہ کر کے فرمایا: شاھت الوجوہ. (ان کے چہرے بدشکل ہو گئے) پھر ان کی طرف پھینک دی۔ کفار کو شکست ہوئی۔ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (انفال: ع ۲)

''اور نہیں پھینکا تو نے جس وقت کے پھینکا تو نے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔''

اسی طرح حنین کے دن جب حضور ﷺ کے ساتھ صف چند صحابہ رہ گئے تو آپ نے اپنے خچر سے اتر کر مشت خاک لی اور شاھت الوجوہ کہہ کر کفار کی طرف پھینک دی۔ کوئی (۱۲۵) کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں وہ مٹی نہ پڑی ہو۔ پس وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔

مغیبات پر مطلع ہونا: حضور اقدس ﷺ کے معجزات میں سے آپ کا مغیبات پر مطلع ہونا اور غیوب ماضیہ اور مستقبلہ کی خبر دینا بھی ہے۔ علم غیب بالذات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ جو کچھ اس قبیل سے حضور کی زبان مبارک سے ظاہر ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی وحی والہام سے ہوا۔ جیسا کہ آیات ذیل سے ظاہر ہے:

۱- وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (بقرہ۔ ع ۱۷)

۲- ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ۔ (آل عمران۔ ع ۵)

۳- وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ (آل عمران۔ ع ۱۸)

۴- وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاO (نساء۔ ع ۱۷)

۵- تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا۔ (ہود۔ ع ۴)

۶- ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَO (یوسف۔ ع ۱۱)

۷- فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰیO (نجم۔ع۱)

۸- عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًاO اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍO
(جن۔ع۲)

۱- اور اسی طرح ہم نے تم کو بہتر امت بنایا، تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ۔

۲- یہ غیب کی خبروں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔

۳- نہیں ہے اللہ کہ خبردار کرے تم کو غیب پر۔ لیکن اللہ پسند کرتا ہے اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہے۔

۴- اور خدا نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور سکھایا تجھ کو جو کچھ کہ تو نہ جانتا تھا۔ اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے۔

۵- یہ بعض خبریں ہیں غیب کی جن کو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ ان کو جانتا نہ تھا تو اور نہ تیری قوم اس سے پہلے۔

۶- یہ غیب کی خبروں سے ہے۔ جسے ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ اور تو ان کے پاس نہ تھا جس وقت انہوں نے اپنا کام مقرر کیا اور مکر کرتے تھے۔

۷- پس اللہ نے وحی پہنچائی اپنے بندے کی طرف جو پہنچائی۔

۸- وہ غیب کا جاننے والا۔ پس مطلع نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو مگر وہ پیغمبر جس کو اس نے پسند کرلیا۔

اس مضمون کی اور آیتیں بھی ہیں۔ ان سب کی تفسیر کے لیے ایک علٰیحدہ کتاب درکار ہے۔ یہاں صرف آیت (۱۴۶) کے حصہ اخیر کی نسبت کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔ علامہ اسماعیل حقی قدس سرہ اپنی تفسیر روح البیان میں بعض ارباب کا قول یوں نقل فرماتے ہیں۔

و معنی شهادة الرسول علیهم اطّلاعه علٰی رتبه کل متدین بدینه و حقیقة الّتی هو علیها من دینه و حجابه الّذی هو به محجوب عن کمال دینه فهو یعرف ذنوبهم و حقیقة ایمانهم و اعمالهم و حسناتهم و سیّاتهم و اخلاصهم و نفاقهم و غیر ذٰلك بنور الحق۔

''ان پر رسول کے گواہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضور مطلع ہیں اپنے دین کے ہر متدین کے رتبے پر۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت پر اور اس حجاب پر کہ جس کے سبب سے وہ

کمالِ دین سے محجوب ہے۔ پس حضور ﷺ ان کے گناہوں کو اور ان کے ایمان کی حقیقت اور ان کے اعمال کو اور ان کی نیکیوں کو اور ان کے اخلاص و نفاق وغیرہ کو نورِ نبوت سے پہچانتے ہیں۔"

اسی طرح مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں ویکون الرسول علیکم شہیدا یعنی و رسول شما بر شما گواہ۔ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست۔ و حجاب کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است۔ پس او ئے شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و اخلاق و نفاق شمارا"۔

حالتِ خواب میں بھی آنحضرت ﷺ اپنی امت کے حالات سے آگاہ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ مُلاحسن کشمیری کو یوں تحریر فرماتے ہیں۔ حدیث تنام عینای ولا ینام قلبی کہ تحریر یافتہ اشارت بدوام آگاہی نیست۔ بلکہ اخبار است از عدم غفلت از جریان احوال خویش و امت خویش۔ (۱۲۷)

عالمِ برزخ میں بھی آنحضرت ﷺ اپنی امت کے احوال سے آگاہ رہتے ہیں چنانچہ علامہ قسطلانی آدابِ زیارت میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

و ینبغی ان یقف عند محاذاۃ اربعۃ اذرع ویلازم الادب والخشوع والتواضع غاضر البصر فی مقام الھیبۃ کما کان یفعل فی حال حیاتہٖ اذ لا فرق بین موتہٖ و حیاتہ فی مشاھدتہٖ لا متہٖ و معرفتہٖ باحوالھم و نیاتھم و عزائمھم و خواطر ھم ذلک عندہٗ جلی لا خفآء بہٖ۔ فان قلت ھذہ الصفات مختصۃ باللّٰہ تعالٰی فالجواب ان من انتقل الٰی عالم البرزخ من المؤمنین یعلم احوال الاحیاء غالبًا و قد وقع کثیر من ذلک کما ھو مستور فی مظنۃ ذلک من الکتب و قد روٰی ابن المبارک عن سعید بن المسیّب قال لیس من یوم الا و تعرض علی النبی ﷺ اعمال امتہ غدوۃً فیعر فھم بسیما ھم و اعمالھم فلذٰلک یشھد علیھم۔ (مواہب لدنیہ)

"چاہیے کہ زیارت کرنے والا قبر شریف سے چار ہاتھ پر سامنے کھڑا ہوئے۔ اور ادب و خشوع و تواضع کو لازم پکڑے اور مقام ہیبت میں آنکھیں بند کرے جیسا کہ حضور کی حیات شریف کی حالت میں کیا جاتا تھا کیوں کہ اپنی امت کے مشاہدے اور ان کے احوال و نیات و عزائم و خواطر کی معرفت میں حضور کی موت و حیات یکساں ہے۔ اور یہ آپ کے

نزدیک ظاہر ہے اس میں کوئی پوشیدگی نہیں اگر اعتراض کیا جائے۔ کہ یہ صفات تو اللہ تعالیٰ سے مختص ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ (کامل) مومنوں میں سے جو شخص عالم برزخ میں چلا جاتا ہے وہ زندہ کے حالات سے غالباً جانتا ہے۔ ایسا بہت وقوع میں آیا ہے۔ جیسا کہ اس کے متعلق کتابوں میں مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے بروایت سعید بن مسیّب نقل کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں کہ صبح وشام امت کے اعمال آنحضرت ﷺ پر پیش نہ کیے جاتے ہوں۔ لہٰذا آپ ان اعمال کو اور خود ان کو ان کے چہرے سے پہچانتے ہیں۔ اسی واسطے آپ ان پر گواہی دیں گے۔"

مواہب لدنیہ کی طرح مدخل ابن حاج میں بھی زیارت سید الاولین والاخرین میں یہی مضمون مذکور ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے:

فاذازارهٗ صلی اللّٰه علیه وسلّم فان قدر ان لا یجلس فهو بهٖ اولٰی فان عجز فلهٗ ان یجلس بالادب والاحترام والتعظیم وقد لا یحتاج الزائر فی طلب حوائجهٖ و مغفرة ذنوبهٖ ان یذکرها بلسانهٖ بل یحضر ذلك فی قلبه وهو حاضر بین یدیه ﷺ لانّه علیه الصّلوٰةوالسّلام اعلم منه بحوائجهٖ ومصالحهٖ وارحم بهٖ منه لنفسهٖ واشفق علیه من اقاربه وقد قال علیه الصّلوٰة والسّلام انما مثلی و مثلکم کمثل الفراش تقعون فی النّاروانا اخذبحجزکم عنهااوکما قال وهذا فی حقهٖ ﷺ فی کل وقت وا وان اعنی فی التوسّل بهٖ و طلب الحوائج بجاههٖ عندربّهٖ عزّوجلّ ومن لم یقدرله زیارته ﷺ بجسمهٖ فلینوها کل وقت بقلبهٖ ولیحضر قلبه انه حاضر بین یدیه متشفعاً الٰی من منّ بهٖ علیه (مدخل لا بن الحلج۔ جزء اوّل۔ زیارة سیّد الاوّلین والاٰخرین ﷺ)۔

"جس وقت زائر آنحضرت ﷺ کی زیارت کرے۔ اگر وہ طاقت رکھتا ہو کہ نہ بیٹھے تو اس کے لیے نہ بیٹھنا اولیٰ ہے۔ اگر وہ کھڑا رہنے سے عاجز ہو تو اسے ادب واحترام اور تعظیم سے بیٹھنا جائز ہے۔ زائر کے لیے اپنی حاجتیں اور گناہوں کی معافی طلب کرنے میں یہ ضروری نہیں کہ ان کو اپنی زبان سے ذکر کرے۔ بلکہ ان کو آنحضرت ﷺ کے حضور میں دل میں حاضر کر لے۔ کیوں کہ حضور علیہ السلام کو زائر کی حاجات وضروریات کا علم خود زائر سے زیادہ ہے۔ اور حضور اس پر خود اس کی نسبت زیادہ رحم والے اور اس کے اقارب سے زیادہ

شفقت والے ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ "میرا حال اور تمہارا حال پروانوں کے حال کی طرح ہے کہ تم آگ میں گرتے ہو اور میں تم کو کمر سے پکڑ کر آگ سے بچانے والا ہوں"۔ اور یہ آنحضرت ﷺ کے حق میں ہر وقت اور ہو لحظہ میں ہے یعنی حضور سے توسل کرنے میں اور آپ کے جاہ کے وسیلہ سے حاجتیں مانگنے میں اللہ عزوجل سے۔ اور جس شخص کے لیے بذات خود آنحضرت ﷺ کی زیارت کا مقدور نہ ہو اسے چاہیے کہ ہر وقت اپنے دل میں زیارت کی نیت کرے اور یہ سمجھے کہ میں حضور کے سامنے حاضر ہوں اور حضور کو بارگاہِ الٰہی میں شفیع لا رہا ہوں۔ جس نے آپ کو بھیج کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔"

علامہ سیوطی عالم برزخ میں آنحضرت ﷺ کے اشغال میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

النظر فی اعمال امتہٖ والاستغفار لھم مَن السیّاٰت والدعاء بکشف البلاء عنھم والتردّد فی اقطار الارض لحلول البرکۃ فیھا و حضور جنازۃ من مات من صالح امتہٖ فان ھذہ الامور من جملۃ اشغالہ فی البرزخ کما وردت بذلک الاحادیث والاثار۔

"اپنی امت کے اعمال کو دیکھنا اور ان کے گناہوں کی بخشش طلب کرنا، اور ان سے بلا دور کرنے کی دعا کرنا اور اقطار زمین میں حلول برکت کے لیے تشریف لے جانا اپنی امت کے صالحین میں سے کسی کے جنازے میں حاضر ہونا۔ بے شک یہ امور برزخ میں حضور کے اشغال میں سے ہیں۔ جیسا کہ احادیث و آثار میں وارد ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو علم ما کان و ما یکون عطا فرمایا۔ چنانچہ صحیح (۱۲۸) بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں (وعظ کے لیے) کھڑے ہوئے۔ اس میں آپ نے جو کچھ قیامت تک واقع ہونے والا ہے سب بیان فرما دیا۔ اسے یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھلا دیا جس نے بھلا دیا۔ اس واقعہ کا میرے یاروں کو بھی علم ہے جو کچھ آپ نے خبر دی اس میں ایسی چیز واقع ہوتی ہے جس کو میں بھول گیا ہوں۔ جب اس کو دیکھتا ہوں تو یاد کر لیتا ہوں جس طرح ایک شخص دوسرے شخص کا چہرہ (بطریق اجمال) یاد رکھتا ہے جب کہ وہ غائب ہو جاتا ہے پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو اسے (بہ تفصیل و تشخیص) پہچان لیتا ہے۔

ابو زید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز فجر پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ آپ ﷺ منبر سے اتر آئے اور نماز پڑھی، پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ اتر آئے اور نماز

پڑھی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا آپ ﷺ نے ہم کو جو کچھ واقع ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے سب کی خبر دی۔ ہم میں سے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہے وہ زیادہ عالم ہے۔

حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا تو میں نے اِسکے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا اور قریب ہے کہ میری امت کی سلطنت ان تمام مقامات پر پہنچے اور مجھے دو خزانے سرخ و سفید دیئے گئے۔ الحدیث۔ (۱۲۹)

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مدینہ کے قلعوں میں سے ایک پر کھڑے ہوئے۔ پھر فرمایا۔ کیا تم دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے گھروں کے بیچ بارش کی طرح گر رہے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عائش سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کو نہایت اچھی صورت میں دیکھا۔ اس نے پوچھا کہ فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا تو زیادہ دانا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ پس پروردگار نے اپنا ہاتھ میرے دو شانوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے دو پستانوں کے درمیان پائی اور جان لیا۔ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا۔ اور آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

و کذلك نری ابراهیم ملکوت السموت والارض ولیکون من الموقنین O

''اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو سلطنت آسمان اور زمین کی تاکہ اس کو یقین آئے۔''

اس حدیث کو دارمی نے بطریق ارسال روایت کیا ہے۔ اسی کی مانند ترمذی میں ہے (۱۳۰)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (اپنے دولت خانے سے) نکلے۔ اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو اچھی کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ دو کتابیں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! مگر یہ کہ آپ ہمیں بتا دیں۔ جو آپ کے ہاتھ میں تھی اس کی نسبت فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے، اس میں بہشتیوں کے نام اور ان کے آباء و قبائل کے نام ہیں۔ پھر اخیر میں ان کا مجموعہ دیا گیا۔ ان میں نہ کبھی زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی پھر جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی اس کی نسبت فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے اس میں دوزخیوں کے نام ہیں۔ پھر اخیر میں مجموعہ دیا گیا ہے۔ ان میں کبھی نہ زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر اس امر سے فراغت ہو چکی ہو تو عمل کس واسطے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اپنے عملوں کو درست کرو اور قرب الٰہی ڈھونڈو کیوں کہ جو بہشتی ہے اس کا خاتمہ بہشتیوں کے عمل

پر ہوگا خواہ وہ عمر بھر کیسا ہی عمل کرتا رہے اور جو دوزخی ہے اس کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوگا خواہ وہ عمر بھر کیسا ہی کرتا رہے پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا اور ان دو کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فارغ ہو گیا ہے۔ ایک گروہ بہشت میں اور ایک گروہ دوزخ میں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے (۱۳۱)۔

امام احمد و طبرانی نے بروایت ابوذر نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سے آئے۔ اس حال میں کہ آسمان پر پرندہ جو اپنا بازو ہلاتا ہے اس کے متعلق بھی اپنے علم کا آپ نے ہم سے ذکر فرما دیا (۱۳۲)۔

طبرانی میں بروایت ابن عمر مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے رکھا دنیا کو۔ میں دنیا کی طرف اور اس میں قیامت تک ہونے والے حوادث کی طرف یوں دیکھتا تھا جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں (۱۳۳)۔

طبرانی میں حضرت حذیفہ بن اسید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کل رات اس حجرہ کے پاس میری امت اول سے آخر تک مجھ پر پیش کی گئی۔ آپ سے عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ پیش کیے گئے آپ پر وہ جو پیدا ہو چکے ہیں۔ کیوں کہ وہ موجود ہیں مگر وہ کیوں کر پیش کیے گئے جو پیدا نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے آب و گل میں ان کی صورتیں بنائی گئیں یہاں تک کہ میں ان میں سے ہر ایک کو اس سے بھی زیادہ پہچانتا ہوں جتنا کہ تم اپنے ساتھی کو پہچانتے ہو (۱۳۴)۔

مسند فردوس میں ہے کہ میرے لیے آب و گل میں میری امت کی شکل بنائی گئی اور مجھے تمام اسماء کا علم حضرت آدم کی طرح دیا گیا (۱۳۵)۔

جب حضور ﷺ کے علم کی وسعت کا یہ حال ہے تو انس و جن و ملک میں سے کس کو یارا ہے، کہ اس کا احاطہ کر سکے۔ لہٰذا یہاں جو کچھ بیان ہوتا ہے اسے سمندروں میں سے ایک ایک قطرہ تصور کرنا چاہیے۔

صاحب قصیدہ بردہ شریف یوں فرماتے ہیں:

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

"کیوں کہ دنیا اور آخرت آپ کی بخشش سے ہے، اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم میں سے ہے۔"

اس بیت کی شرح میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری زبدہ شرح بردہ میں یوں فرماتے ہیں:

توضيحه ان المراد بعلم اللوح ما اثبت فيه من النقوش القدسية والصور الغيبية و بعلم القلم ما اثبت فيه كما شاء والاضافة لا دنى ملابسة و كون

علمها من علومه صلّی اللّٰه علیه وسلم لان علومه تتنوع الی الکلیات والجزئیات و حقائق و دقائق و دوارف و معارف تتعلق بالذات والصفات و علمها انما یکون سطرا من سطور علمهٖ و نهرًا من بحور علمهٖ ثم مع هذا هو من برکة وجودهٖ صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلّم۔

''توضیح اس کی یہ ہے کہ لوح کے علم سے مراد نقوش قدسیہ اور صورِ غیبیہ ہیں۔ جو اس میں منقوش ہیں۔ اور قلم علم سے مراد وہ ہے جو اللہ نے جس طرح چاہا اس میں ودیعت رکھا۔ ان دونوں کی طرف سے علم کی اضافت ادنیٰ علاقہ کے باعث ہے۔ اور ان دونوں کا علم آنحضرت ﷺ کے علوم کا ایک جزو ہے اس لیے کہ حضرت کے علم کئی قسم کے ہیں علم کلیات علم جزئیات حقائق اشیاء علم اسرار اور وہ علوم و معارف جو ذات و صفات باری تعالیٰ سے متعلق ہیں یہ اور لوح و قلم کے علوم تو علوم محمدیہ کی سطروں میں سے ایک سطر اور ان کی دریاؤں میں سے ایک نہر ہیں بایں ہمہ علم لوح و قلم آنحضرت ﷺ ہی کے وجود کی برکت سے ہے (اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو نہ لوح و قلم ہوتے نہ ان کا علم)۔''

استشکل جعل علم اللوح والقلم بعض علومهٖ صلی اللّٰه علیه وسلّم بان من جماته علم اللوح والقلم الامور الخمسة المذکورة فی اخر سوة لقمان مع ان النبی علیه الصلٰوة والسلام لا یعلمها لا ن اللّٰه قد استاثر بعلمها فلا یتّم التبعیض المذکور واجیب بعد تسلیم ان هذه الامور الخمسة مما کتب القلم فی اللوح والا لا طلع علیه من شانه ان یطلع علی اللوح کبعض الملٰئکة المقربین و علٰی تسلیم انها مما کتب القسلم فی اللحوح فالمراد ان بعض علومهٖ صلی اللّٰه علیه وسلّم علی اللوح والقلم الذی یطلع علیه المخلوق فخرجت هذه الامور الخمسة علٰی انهٗ صلی اللّٰه علیه وسلم لم یخرج من الدنیا الا بعد ان اعلم اللّٰه تعالٰی بهذه الامور فان قیل اذا کان علم اللوح والقلم بعض علومهٖ صلی اللّٰه علیه وسلم فما البعض الاخر اجیب بان البعض الا خرهو ما اخبره الله عنه من احوال الاخرة لان القلم انما کتب فی اللوح ما هو کائن الٰی یوم القیامة۔

''ناظم نے علم لوح و قلم کو حضرت کے علوم کا ایک جزو قرار دیا ہے اس میں یہ اشکال پیش آتا

ہے کہ امورِ خمسہ جو آخر سورۂ لقمان میں مذکور ہیں۔ علم لوح و قلم سے ہیں حالانکہ حضرت ان کو نہیں جانتے تھے۔ کیوں کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ لہٰذا جزئیت مذکورہ درست نہیں رہتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ امورِ خمسہ مذکورہ قلم نے لوح محفوظ میں لکھے ہیں اگر ایسا ہوتا تو بعض مقرب فرشتے جن کی شان یہ ہے کہ وہ لوح پر مطلع ہوتے ہیں۔ ان امور پر مطلع ہوتے۔ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ امورِ خمسہ کو قلم نے لوح میں لکھا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت کے علوم کا جز وہ علم لوح و قلم ہے جس پر مخلوق مطلع ہے پس یہ امورِ خمسہ نکل گئے۔ علاوہ ازیں حضرت اس دنیا سے تشریف نہیں لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان امور کا علم دے دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب علم لوح و قلم حضرت کے علوم کا ایک جز ٹھہرا تو دوسرا جز کون سا ہے؟ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ دوسرا جز وہ احوالِ آخرت ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے حضرت کو خبر دی ہے۔ کیوں کہ قلم نے تو لوح میں فقط وہ لکھا ہے جو روزِ قیامت تک ہونے والا ہے۔"

علامہ شیخ محی الدین محمد بن مصطفیٰ معروف بہ شیخ زادہ جنہوں نے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا ہے اسی بیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

والعلم فی هذا البیت اما بمعناه او بمعنی المعلوم ای بمعلو ماتك المعلومات الحاصلة منها ولعل الله اطلعه علی جمیع ما فی اللوح وذاده یضًا لا ان اللوح والقلم متناهیان فما فیها متناه و یجوزا احاطة المتناهی بالمتناهی هذا علی قدر فهمك اما من اکتحلت عین بصیرة بالنور الا لٰهی فلیشا هد بالذوق ان علم اللوح والقلم جزء من علومه کما هی جزء من علم الله سبحانه لانّه علیه السّلام عند الانسلاخ من البشریة کما لا یسمع ولا یصبر ولا یبطش ولا ینطق الا به جلت قدرته و عمت نعمته کذلك لا یعلم الا بعلمه الذی لا یحیطون بشیء منه الا بما شاء کما اشارة الیه بقوله وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔

"اس بیت میں علم یا تو اپنے معنی میں ہے یا معلوم کے معنی میں ہے یعنی آنحضرت ﷺ کے معلومات وہ معلومات ہیں جو دونوں سے حاصل ہوئے ہیں اور شاید اللہ نے حضرت کو اس تمام پر مطلع کر دیا ہے جو لوح میں ہے اور اس زیادہ کا بھی علم دیا ہے کیوں کہ لوح و قلم

متناہی ہیں۔پس جو کچھ ان دونوں میں ہے وہ متناہی ہے اور متناہی کا احاطہ متناہی سے جائز ہے۔اس قدر بات تیری سمجھ کے مطابق ہے۔لیکن وہ شخص جس کی بصیرت کی آنکھ میں نورِ الٰہی کا سرمہ پڑا ہوا ہے۔وہ ذوق سے مشاہدہ کرتا ہے کہ علوم لوح وقلم حضرت کے علوم کا جزو ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہ کے علم کا جزو ہیں۔کیوں کہ حضور علیہ السلام بشریت سے انسلاخ کے وقت جیسا کہ نہیں سنتے نہیں دیکھتے نہیں پکڑتے اور نہیں بولتے مگر ساتھ اللہ کے اسی طرح حضور نہیں جانتے مگر ساتھ اس علم کے جس میں سے کسی چیز کو نہیں گھیرتے ملائک وانبیاء وغیرہ مگر جو وہ چاہے۔جیسا کہ اس نے اپنے ارشاد (و علمك مالم تكن تعلم) میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔''

بیان بالا سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آنحضرت ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی ہے۔کیوں کہ دونوں میں بلحاظ کیفیت وکمیت بڑا فرق ہے اللہ تعالیٰ کا علم بغیر ذرائع ووسائل ذاتی قدیم۔حضور علیہ السلام کا علم عطائی حادث ہے اسی طرح کمیت میں بھی فرق بین ہے کیوں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا علم اللہ تعالیٰ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے۔چنانچہ صحیح بخاری (تفسیر کہف) میں قصہ حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السلام میں ہے۔

قال و جاء عصفور فوقع علٰى حرف السفينة فنقر فى البحر نقرة فقال له الخضر ما علمى و علمك من علم الله الامثل ما نقض هذا العصفور من هذا البحر۔

''فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایک چڑیا کشتی کے کنارے آبیٹھی۔اس نے اپنی چونچ سمندر میں ڈبوئی۔حضرت خضر نے موسیٰ سے فرمایا کہ میرا علم اور آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں جتنا (پانی) اس چڑیا نے سمندر میں سے اپنی چونچ میں لے لیا۔''

شیخ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں آیہ ولا يحيطون بشیء من علمه الا بما شاء کے تحت میں یوں لکھتے ہیں:

قال شيخنا العلامة ابقاه الله بالسلامة فى الرسالة الرحمانية فى بيان الكلمة الفرقانية علم الاولياء من علم الانبياء بمنزلة قطرة من سبعة البحر و علم الانبياء من علم نبيّنا محمد عليه الصّلوٰة والسّلام بهذه المنزلة و علم نبيّنا من علم الحق سبحانه بهذه المنزلة۔

''ہمارے استاد علامہ نے اللہ ان کو سلامت رکھے الرسالۃ الرحمانیہ فی بیان الکلمۃ

الفرقانیہ میں فرمایا کہ اولیاء کا علم انبیاء کے علم کے مقابلے میں بمنزلہ ایک قطرہ کے ہے سات سمندروں میں سے اور انبیاء کا علم ہمارے نبی محمد علیہ السلام کے علم کے ساتھ یہی نسبت رکھتا ہے اور ہمارے نبی کا علم حق سبحانہ کے علم کے ساتھ یہی نسبت رکھتا ہے۔"

صاحب قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں:

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

وَوَاقِفُوْنَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمِ مِنْ نُّقْطَةِ الْعِلْمِ اَوْمِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ

ترجمہ منظوم

ہیں رسول اللہ کے فیضان سے سیراب سب وہ کسی کے حق میں شبنم ہیں کسی کے حق میں یم

اس کی پیشی میں کھڑے ہیں اپنی اپنی حد پہ سب ہے کوئی نقطۂ علم کوئی اعرابِ حکم

ان شعروں کی تشریح و مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی روح پاک کو پیدا کیا پھر اسے خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا وہ روح پاک عالم ارواح میں دیگر انبیائے علیہم السلام کی روحوں کو تعلیم دیا کرتی تھی۔ ہر ایک روح نے حسب قابلیت و استعداد حضور علیہ السلام کی روح سے استفادہ علم کیا۔ کسی نے حضور کے علم کے بحر زخار سے بقدر ایک چلو کے لیا اور کسی نے حضور کے فیضان کی لگاتار بارشوں سے بقدر ایک قطرہ یا گھونٹ کے لیا۔ علوم و معارف جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حضور اقدس ﷺ کی روح اقدس سے حاصل کیے ان کی غایت و نہایت حضور کے علم کا دفتر کا فقط ایک نقطہ یا آپ کے معارف کے دفتر کا محض ایک اعراب ہے۔

جو شخص حضور انور ﷺ کے علم غیب کا مطلقاً انکار کرتا ہے اسے آیہ ذیل اور اس کا شان نزول مطالعہ کرنا چاہیے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ (توبہ: ع ۸)

"اور البتہ اگر تو ان سے پوچھے تو البتہ وہ کہیں گے سوائے اس کے نہیں کہ ہم بول چال کرتے تھے اور کھیلتے تھے تو کہہ دے کیا تم اللہ سے اور اس کے کلام کے رسول سے ٹھٹھا کرتے ہو۔ بہانے مت بناؤ تحقیق تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔"

علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر در منثور (جزء ثالث ۲۵۴ ص) میں فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم و ابو الشیخ نقل کرتے ہیں کہ امام مجاہد نے اللہ تعالیٰ کے قول ولئن سالتھم

لیقولن انما کنا نخوض و نلعب کا شانِ نزول یہ بیان کیا ہے۔

قال رجل من المنافقین یحدثنا محمد ان ناقة فلان بواد کذا و کذا فی یوم کذا و کذا وما یدریه الغیب۔

''منافقین میں سے ایک شخص نے کہا کہ محمد (ﷺ) ہمیں بتاتے ہیں کہ فلاں شخص کی اونٹنی فلاں دن فلاں وادی میں تھی۔ وہ غیب کیا جانیں۔''

مطلب یہ کہ ایک شخص کی اونٹنی گم ہوگئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ فلاں وادی میں ہے۔ ایک منافق بولا۔ وہ غیب کی خبریں کیا جانیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین جو بطریق استہزاء کہتے ہیں کہ حضرت غیب کی خبر کیا جانیں اور اس کے لیے بہانے بناتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ اس استہزاء کے سبب تم کافر ہو گئے۔ یہ قصہ غزوۂ تبوک میں پیش آیا تھا۔ جسے ہم بروایت ابن اسحاق و واقدی پہلے نقل کر آئے ہیں۔

اخبار بالمغیبات کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں دوسرے وہ جو احادیث میں وارد ہیں۔ قسم اول کا ذکر اعجاز القرآن میں ہو چکا۔ قسم دوم کی چند مثالیں یہ ہیں:

کفار اپنی امت کے غلبہ کی خبر دینا۔ حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت فرما دینا کہ اس سال کے بعد تو مجھے نہ پائے گا۔ حضرت عدی بن حاتم کو راستے کے امن کی خبر دینا اور فرما دینا کہ اگر تیری زندگی دراز ہوئی تو دیکھ لے گا کہ ایک عورت حیرہ سے تنہا سفر کر کے خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ صحیفہ قریش جسے انہوں نے بحفاظت تمام خانہ کعبہ کی چھت میں رکھا تھا اسی کی نسبت تین سال کے بعد بتا دینا کہ اللہ کے نام کے سوا باقی کو دیمک چاٹ گئی ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کی نسبت فرمانا کہ اہل بیت میں سے میری وفات کے بعد وہ سب سے پہلے میرے پاس پہنچے گی۔ ام المومنین حضرت زینب کی نسبت یوں فرمانا کہ میری وفات کے بعد میرے ازواج میں سب سے پہلے جو مجھ سے ملے گی وہ دراز دست (لمبے ہاتھ والی) ہے۔ ابی بن خلف کی نسبت خبر دینا کہ یہ میرے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ اصحمہ نجاشی کی موت کی خبر دینا جس دن اس نے حبشہ میں وفات پائی۔ شب معراج کی صبح کو قریش کے قافلوں کی خبر دینا جو تجارت کے لیے شام کو گئے گئے ہوئے تھے۔

غارِ ثور سے، نکلنے کے بعد مدینہ کے راستے میں سراقہ بن مالک سے فرمانا کہ تو کسریٰ کے کنگن پہنایا جائے گا۔ سلسلہ خلافت اور خلفائے ثلاثہ حضرت عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر دینا، واقعہ جمل و صفین کی خبر دینا، وباءِ عمواس کی خبر دینا، حضرت امام حسن کے دو گروہ اسلام میں ذریعہ صلح ہونے کی خبر دینا، امام حسین کی شہادت کی خبر دینا، حضرت امیر معاویہ کی ولایت کی خبر دینا، حضرت عمار بن یاسر سے

فرما دینا کہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے حالات کی خبر دینا، حجاج ظالم اور مختار کذاب کی خبر دینا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی نسبت فرمانا کہ یہ بیت اللہ شریف کو بچائے گا، یہاں تک کہ شہید ہو جائے گا۔ خوارج اور رافضہ وقدریہ مرجیہ وزنادقہ کی خبر دینا، امت کے تہتر فرقے ہونے اور ان میں سے ایک کے ناجی ہونے کی خبر دینا، غزوۂ احد میں خبر دینا کہ حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ بدر کے دن میدانِ جنگ میں کفار قریش کے مرنے کی جگہوں کا الگ تھلگ نشان دینا کہ یہاں فلاں کافر مرے گا اور وہاں فلاں، جنگ بدر کے خاتمہ پر اپنے چچا عباس سے بتا دینا کہ تم اپنی بیوی ام الفضل کے پاس مکہ میں مال چھوڑ آئے ہو حالانکہ عباس وام الفضل کے سوا کسی اور کو اس مال کا علم نہ تھا۔ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی کے وقت مدینہ منورہ کے قریب فرما دینا کہ یہ تیز ہوا ایک بڑے منافق (رفاعہ بن زید بن التابوت) کی موت کے لیے چلی ہے۔ حضرت اقرع بن شفق العکی سے حالت بیماری میں فرما دینا تو اس بیماری میں نہیں مرے گا، بلکہ ملک شام میں ہجرت کرے گا اور وہیں وفات پائے گا اور رملہ میں دفن ہوگا۔ فتح مکہ کی تیاریوں کے وقت حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کی خبر دینا جو اس نے اہل مکہ کو ان کی تیاریوں سے مطلع کرنے کے لیے لکھا تھا اور حضرت علی وغیرہ سے بتا دینا کہ اس حلیہ کی ایک عورت اس خط کو لے جا رہی ہے اور تم اسے فلاں جگہ جا پکڑو گے۔ وفد عبدالقیس کے آنے کی خبر دینا، غزوۂ موتہ جو مدینہ منورہ سے ایک مہینہ کی مسافت پر ملک شام میں ہو رہا تھا اس کی نسبت خبر دینا کہ حضرت زید و جعفر و ابن رواحہ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور آخر حضرت خالد نے فتح پائی۔ مقام تبوک میں جو شام و مدینہ کے درمیان ہے فرما دینا کہ آج مدینہ میں حضرت معاویہ لیثی نے انتقال فرمایا اور وہیں ان کی نماز پڑھنا، کسریٰ و قیصر کے ہلاک ہونے اور فارس و روم کے فتح ہونے کی خبر دینا، لبید بن عاصم یہودی کے جادو کی خبر دینا، مومنین و منافقین کے اسرار کی خبر دینا، حضرت اویس قرنی کی خبر دینا، بنائے بغداد و بصرہ و کوفہ کی خبر دینا، امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی کی بشارت دینا وغیرہ وغیرہ یہ تمام امور اسی طرح وقوع میں آئے جس طرح حضور نے خبر دی تھی۔

قیامت کی نشانیاں جو آپ ﷺ نے بیان فرمائیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اور وہ تین قسم کی ہیں۔ پہلی دو قسموں کو آثارِ صغریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تیسری کو آثارِ کبریٰ کہتے ہیں۔

اول: وہ آثار جو وقوع میں آ چکے۔ مثلاً حضور اقدس ﷺ کی وفات شریف، تمام صحابہ کرام کا اس دنیا سے رحلت فرمانا، حضرت عثمان غنی کا شہید ہونا، تاتاریوں کا فتنہ، حجاز کی آگ، جھوٹے دجالوں کا دعوائے رسالت کے ساتھ نکلنا، بیت المقدس اور مدائن کا فتح ہو جانا، سلطنت عرب کا زائل ہو جانا تین خسوف کا وقوع (ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک جزیرۂ عرب میں) قتل اور فتنوں اور

زلزلوں کی کثرت، مسخ و قذف، ریح احمر، انقطاع طریق حج کعبتہ اللہ سے حجر اسود کا اٹھ جانا، کثرت موت وغیرہ۔

دوم: وہ آثار جو ظہور میں آچکے ہیں اور زیادہ ہو رہے ہیں حتیٰ کہ قسم سوم سے مل جائیں گے۔ مثلاً عابدوں کا جاہل ہونا، قاریوں کا فاسق ہونا، چاندوں کا اتنا بڑا نظر آنا کہ کہا جائے یہ دوسری رات کا چاند ہے۔ بارش کا زیادہ ہونا اور روئیدگی کا کم ہونا، قاریوں کی کثرت اور فقہاء کی قلت، امیروں کی کثرت اور امینوں کی قلت فاسقوں کا سردار قبیلہ اور فاجروں کا حاکم بازار بننا۔ مومن کا اپنے قبیلہ میں نقد سے (۱۳۶) سے زیادہ ذلیل ہونا۔ تجارت کی کثرت، عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ شریک تجارت ہونا، قطع رحم کرنا، کاتبوں کی کثرت اور علماء کی قلت، جھوٹی گواہی کا ظاہر ہونا، امانت کو غنیمت سمجھنا، زکوٰۃ کو تاوان خیال کرنا، علم دین کو دنیا کی خاطر سیکھنا، عقوق والدین کی کثرت، بڑوں کی عزت نہ ہونا، چھوٹوں پر رحم نہ کیا جانا، اولادِ زنا کی کثرت، اونچے محلوں پر فخر کرنا، مسجدوں میں دنیا کی باتیں کرنا، نماز پڑھانے کے لیے مسجدوں میں اماموں کا نہ ملنا، بغیر شروط ارکان نمازیں پڑھنا حتیٰ کہ پچاس میں سے ایک نماز کا بھی قابل قبول نہ ہونا، مسجدوں کی آرائش کرنا، مسجدوں کو راستے بنانا، قریبی لڑکی سے اس کی مفلسی کے سبب نکاح نہ کرنا، اور کسی دنیتہ الاصل سے اس کی دولت مندی کے سبب نکاح کر لینا، ناحق مال لینا، حلال درہم کا نہ پایا جانا، سائل کا محروم رہنا، اسلام کا غریب ہونا، لوگوں میں کینہ و بغض ہونا، عمریں کم ہونا، درختوں کے پھلوں کا کم ہونا، جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا جاننا، مال حاصل کرنے کے لیے لوگوں کی منافقانہ مدح کرنا، خطباء کا جھوٹ بولنا، حکام کا ظلم کرنا نجومیوں کو سچا جاننا، قضا و قدر کو حق نہ جاننا، مرد کا عورت یا دوسرے مرد سے لواطت کرنا، جہاد نہ کرنا، مالداروں کی تعظیم کرنا، کبیرہ گناہوں کو حلال جاننا، سود اور رشوت کھانا، قرآن کو مزامیر بنانا، درندوں کے چمڑوں کے فرش بنانا، ریشم پہننا، جہالت و زنا و شراب نوشی کی کثرت، خائن کو امین اور امین کو خائن سمجھنا، گانے والی لونڈیوں کا رکھنا، آلات لہو کا حلال سمجھنا، حدود شرعیہ کا جاری نہ ہونا، عہد توڑنا، عورتوں کا مردوں سے اور مردوں کا عورتوں سے مشابہت پیدا کرنا، اخیر امت کا اول امت کو برا کہنا، مردوں کا عمامے چھوڑ کر عجمیوں کی طرح تاج پہننا، قرآن کو تجارت بنانا، مال میں سے اللہ کا حق ادا نہ کرنا، جوا کھیلنا، باجے بجانا، کم تولنا، جاہلوں کو حاکم بنانا، مسجدیں بنانے پر فخر کرنا، مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت یہاں تک کہ ایک مرد پچاس عورتوں کا متکفل ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔

سوم: آثارِ کبریٰ جن کے بعد ہی قیامت آجائے گی۔ یہ آثار یکے بعد دیگرے پے در پے ظاہر ہوں گے

جیسے سلک مروارید سے موتی گرتے ہیں۔ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے شروع ہو کر نفخ صور پر ختم ہو جائیں گے۔ ان کا بیان جو آنحضرت ﷺ کی حدیثوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کا خلاصہ حسب معلومات نیچے درج کیا جاتا ہے:

جب آثار صغریٰ سب ظاہر ہو چکیں گے تو اس وقت نصاریٰ کا غلبہ ہوگا۔ ایک مدت کے بعد خالد بن یزید بن ابی سفیان اموی کی اولاد سے ایک شخص سفیان نام جانب دمشق سے ظاہر ہوگا جس کی ننھیال قبیلہ قلب ہوگا وہ اہل بیت کو بری طرح قتل کرے گا۔ شام و مصر کے اطراف میں اس کا حکم جاری ہوگا۔ اسی اثناء میں شاہ روم کی عیسائیوں کے ایک فرقہ سے جنگ اور دوسرے سے صلح ہوگی۔ لڑنے والا فرقہ قسطنطنیہ پر قبضہ کرلے گا۔ شاہ روم ملک شام میں آجائے گا اور دوسرے فرقہ کی مدد سے ایک خونریز لڑائی کے بعد فتح پائے گا۔ دشمن کی شکست کے بعد فرقہ موافق میں سے ایک شخص بول اٹھے گا کہ یہ فتح صلیب کی برکت سے ہوئی ہے اسلامی لشکر میں سے ایک شخص اسے مار پیٹ کرے گا اور کہے گا نہیں۔ بلکہ اسلام کی برکت سے ایسا ہوا ہے۔ الغرض دونوں اپنی اپنی قوم کو مدد کے لیے پکاریں گے اور خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس میں بادشاہ اسلام شہید ہو جائے گا اور دونوں عیسائی فریق باہم صلح کرلیں گے۔ اسی طرح شام میں عیسائی راج ہو جائے گا۔ بقیۃ السیف مسلمان مدینہ منورہ چلے آئیں گے۔ اور عیسائیوں کی حکومت مدینہ منورہ کے قریب خیبر تک پھیل جائے گی۔ اس وقت اہل اسلام کو امام مہدی علیہ السلام کی تلاش ہوگی۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام: حضرت امام مدینہ سے مکہ تشریف لے آئیں گے۔ اہل مکہ کی ایک جماعت حجر اسود و مقام ابراہیم کے درمیان آپ سے بیعت کرے گی حالانکہ آپ اس منصب امامت پر راضی نہ ہوں گے۔ آپ کا اسم گرامی محمد، باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ آپ حضرت فاطمۃ الزہرا کی اولاد سے ہوں گے۔ آپ کی عمر مبارک اس وقت چالیس سال ہوگی۔

ان حالات میں ماوراء النہر سے ایک شخص حارث حراث نام اہل اسلام کی مدد کے لیے ایک لشکر بھیجے گا جس کا مقدمہ منصور کے زیر کمان ہوگا۔ یہ لشکر راستہ میں بہت سے عیسائیوں اور بددینوں کا صفایا کرے گا۔ ظالم سفیانی جس کا اوپر ذکر ہوا اپنا لشکر امام مہدی کے مقابلہ کے لیے بھیجے گا جو شکست کھائے گا اس کے بعد خود سفیان لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لیے آئے گا اور مقام بیداء میں مکہ و مدینہ کے درمیان لشکر سمیت زمین میں دھنس جائے گا۔ صرف ایک شخص بچے گا جو امام مہدی کو اس واقعہ کی خبر دے گا۔ حضرت امام کی اس کرامت کی خبر دور دور پہنچ جائے گی۔ شام کے ابدال اور عراق کے اوتاد آپ کے دست مبارک پر بیعت کریں گے۔ فوج مدینہ کے علاوہ باقی عرب و یمن کے لوگ بکثرت آپ کے لشکر

میں داخل ہو جائیں گے۔

افواجِ اسلام کی خبر سن کر نصاریٰ بھی ممالک روم وغیرہ سے لشکرِ جرار لے کر شام میں جمع ہو جائیں گے۔ لشکرِ کفار میں اسی جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے تلے بارہ ہزار سوار ہوں گے۔ امام مہدی مکہ سے بغرض زیارت مدینہ منورہ جائیں گے اور وہاں سے ملک شام پہنچیں گے۔ حلب یا دمشق کے نواح میں لشکر کفار سے مقابلہ ہو گا۔ حضرت امام کے لشکر کا تہائی حصہ بھاگ جائے گا جن کی موت کفر پر ہو گی اور ایک تہائی شہادت سے مشرف ہو گا اور باقی تہائی فتح پائے گا۔ دوسرے روز امام موصوف نصاریٰ کے مقابلہ کے لیے نکلیں گے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت عہد کرے گی کہ بغیر فتح پائے یا شہید ہوئے میدان سے واپس نہ آئیں گے۔ یہ سب کے سب شہید ہو جائیں گے۔ اگلے روز پھر ایک جماعت یہی عہد کرے گی اور جام شہادت نوش کرے گی۔ اسی طرح تیسرے دن بھی وقوع میں آئے گا۔ چوتھے روز بقیہ اہل اسلام کفار پر فتح پائیں گے۔ مگر اس سے کسی کو خوشی نہ ہو گی کیوں کہ اس لڑائی میں بہت سے خاندان ایسے ہوں گے جن میں فیصدی ایک بچا ہو گا۔ اس کے بعد امام موصوف نظم و نسق میں مشغول ہوں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ پھر ایک سخت لڑائی کے بعد قسطنطنیہ فتح ہو جائے گا۔

دجّال لعین: جب اہل اسلام غنائم قسطنطنیہ تقسیم کر رہے ہوں گے تو شیطان آواز دے گا کہ دجال تمہارے اہل و اولاد میں آ گیا ہے۔ یہ سنتے ہی غنائم چھوڑ کر دجال کی طرف متوجہ ہوں گے اور دس سوار بطور طلیعہ خبر لانے کے لیے بھیجیں گے ان کی نسبت حضور رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کے نام، ان کے باپوں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتا ہوں اور وہ اس وقت روئے زمین پر بہترین سواروں میں سے ہوں گے۔ یہ افواہ غلط ثابت ہو گی۔ لشکر اسلام جب قسطنطنیہ سے روانہ ہو کر شام پہنچے گا تو جنگ عظیم سے ساتویں سال شام و عراق کے درمیان ایک راستہ سے دجال ظاہر ہو گا۔ اس کے ظہور سے پہلے دو سال قحط رہے گا۔ تیسرے سال دوران قحط ہی میں اس کا ظہور ہو گا۔

دجال کی ایک آنکھ اور ایک ابرو بالکل نہ ہو گی بلکہ وہ جگہ ہموار ہو گی۔ ممسوح العین ہونے کے سبب سے اسے مسیح الدجال کہتے ہیں۔ وہ ایک بڑے گدھے پر سوار ہو گا اور اس کی پیشانی کے درمیان ک اف ر (کافر) لکھا ہو گا صرف جسے اہل ایمان کاتب پڑھ لیں گے۔ وہ روئے زمین پر پھرے گا اور لوگوں کو اپنی الوہیت کی دعوت دے گا۔ اور وہ اسی غرض کے لیے اپنے سرایا مختلف اطراف میں بھیجے گا۔ اس کے ساتھ ایک باغ ہو گا جسے وہ جنت کہے گا۔ ایک آگ ہو گی جسے دوزخ بتائے گا۔ موافقین کو وہ اپنی بہشت میں اور مخالفین کو اپنی دوزخ میں ڈالے گا۔ مگر حقیقت میں وہ بہشت دوزخ کی خاصیت رکھتی ہو گی اور دوزخ باغ بہشت کی مانند ہو گی۔ اس کے پاس اشیائے خوردنی کا بڑا ذخیرہ ہو گا۔ اس میں سے جسے چاہے

دے گا۔ لوگوں کو آزمائش کے لیے اس سے خارق عادت امور ظاہر ہوں گے۔ جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے ان کے لیے آسمان کو حکم دے گا تو مینہ برسنے لگ جائے گا۔ زمین کو حکم دے گا تو گھاس اور زراعت بکثرت اگائے گی۔ جو انکار کریں گے ان سے مینہ اور زراعت و نباتات کو روک دے گا۔ ایک ویرانے میں پہنچے گا تو زمین سے کہے گا کہ اپنے خزانے نکال دے۔ چنانچہ اس ویرانے کے خزانے اس کے پیچھے چلیں گے۔ بعض آدمیوں سے کہے گا کہ میں تمہارے مردہ ماں باپ کو زندہ کر دیتا ہوں اگر تم میری خدائی پر ایمان لاؤ۔ پھر وہ شیطان کو حکم دے گا کہ زمین میں سے ان کے ماں باپ کے ہم شکل ہو کر نکلو۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کریں گے۔ اسی طرح اس کے لشکری ایک مومن کو پیش کریں گے وہ دیکھتے ہی کہہ دے گا لوگو! یہ تو دجال ہے جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے کر دیا ہے۔ یہ سن کر دجال حکم دے گا کہ اس کو لٹا کر اس کا سر توڑ دو۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔ پھر دجال اس سے پوچھے گا کیا تو مجھ پر ایمان نہیں لاتا؟ مومن جواب دے گا کہ تو جھوٹا مسیح ہے۔

پھر دجال کے حکم سے سر سے پاؤں تک اس کے دو ٹکڑے کیے جائیں گے۔ دجال دونوں ٹکڑوں کے درمیان چلے گا اور کہے گا اٹھ۔ وہ اٹھ بیٹھے گا۔ دجال کہے گا کیا تو مجھ پر ایمان لاتا ہے؟ مومن جواب دے گا۔ اب تو مجھے خوب یقین ہو گیا کہ تو جھوٹا دجال ہے۔ اور کہے گا۔ اے لوگو! میرے بعد یہ کسی اور سے ایسا نہ کر سکے گا۔ بعد ازاں دجال اسے ذبح کرنا چاہے گا مگر نہ کر سکے گا۔ اور اسے اپنی دوزخ میں پھینک دے گا مگر وہ اس مومن کے لیے جنت ہو جائے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ مومن اللہ کے نزدیک بڑا شہید ہو گا۔ الغرض دجال مختلف مقامات پر جائے گا۔ شام سے اصفہان میں پہنچے گا وہاں ستر ہزار یہودی اس کے پیرو بن جائیں گے۔ پھرتا پھرتا سر حد یمن پر پہنچ جائے گا۔ وہاں سے مکہ معظمہ کا قصد کرے گا مگر فرشتوں کی محافظت کے سبب اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ پھر مدینہ منورہ میں پہنچے گا۔ اس وقت مدینہ طیبہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو دو فرشتے محافظ ہوں گے اس لیے شہر کے اندر داخل نہ ہو سکے گا۔ یہاں سے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہوا شام کی طرف روانہ ہو گا۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام: قبل اس کے دجال دمشق میں پہنچے، امام مہدی علیہ السلام وہاں پہنچ کر جنگ کی تیاری کر چکے ہوں گے۔ اسی اثنا میں اچانک اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کو آسمان سے بھیجے گا۔ آپ دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے زرد رنگ کا جوڑا زیب تن کیے ہوئے نہایت نورانی شکل میں دمشق کے مشرقی جانب سفید منارہ پر اتریں گے اور اس امت کی تکریم و تعظیم کی جہت سے حضرت امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ پھر لشکر اسلام لشکر دجال پر حملہ کرے گا، گھمسان کا معرکہ ہو گا۔ اس وقت دم عیسیٰ کی یہ خاصیت ہو گی کہ جہاں تک آپ کی نظر کی

رسائی ہوگی وہاں تک آپ کا سانس بھی پہنچے گا۔ اور جس کافر تک وہ پہنچے گا ہلاک ہو جائے گا۔ اور دجال بھاگ جائے گا مگر حضرت مسیح علیہ السلام اس کو بیت المقدس کے قریب موضع لد کے دروازے میں جالیں گے اور نیزہ سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔ لشکر اسلام لشکر دجال کے قتل و غارت میں مشغول ہو جائے گا۔ لشکر دجال میں جو یہود ہوں گے ان کو کوئی چیز پناہ نہ دے گی یہاں تک کہ رات کے وقت اگر کوئی یہودی پتھر یا درخت کی آڑ میں چھپا ہوگا تو وہ پتھر یا درخت بول اٹھے گا کہ یہاں یہودی ہے اس کو قتل کر دو۔

زمین پر دجال کا فتنہ چالیس دن رہے گا جن میں سے ایک دن ایک سال ایک دن ایک مہینے اور ایک دن ایک ہفتہ کے مانند ہوگا۔ باقی دن معمولی دنوں کے مانند ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا، کیا اس میں ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ ایک سال کی نمازیں اس دن میں تخمینہ سے ادا کرنی ہوں گی۔

دجال کے فتنہ کے رفع ہونے بعد حضرت مسیح علیہ السلام اصلاحات میں مشغول ہوں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے اور کفار سے، جزیہ قبول نہ کیا جائے گا۔ سوائے قبول اسلام اور قتل کے دوسرا حکم نہ ہوگا سب کافر مسلمان ہو جائیں گے۔ امام مہدی علیہ السلام کی خلافت ۷ یا ۸ یا ۹ سال کی ہوگی، اس کے بعد آپ کا وصال ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائیں گے۔

اس کے بعد لوگ امن و امان کی زندگی بسر کرتے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ حضرت

یاجوج و ماجوج: عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجے گا کہ میں ایسے بندے نکالنے والا ہوں کہ کسی میں ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت و قدرت نہیں ہے۔ تم میرے خالص بندوں کو کوہِ طور کی طرف لے جاؤ۔ آپ قلعہ طور میں پناہ گزیں ہو کر سامان حرب و رسد کے مہیا کرنے میں مشغول ہوں گے۔ اس وقت یاجوج و ماجوج نکل پڑیں گے یہ لوگ یافث بن نوح کی اولاد سے ہیں۔ ان کا ملک قطب شمالی کی طرف ہفت اقلیم سے باہر بتایا جاتا ہے۔ اس کے جانب شمال سمندر ہے جو سال بھر منجمد رہتا ہے۔ مشرق و مغرب میں دیواروں کی مثل دو پہاڑ ہیں ان کے درمیان کی ایک گھاٹی سے نکل کر وہ اس طرف کے لوگوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ سکندر ذوالقرنین نے ان کو ایک آہنی دیوار کے ذریعہ سے بند کر دیا تھا۔ جس کی بلندی ان دونوں پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچتی ہے اور موٹائی ساٹھ گز ہے۔ وہ دن بھر اس دیوار کے توڑنے میں لگے رہتے ہیں مگر رات کو قدرت الٰہی سے دیوار ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ جب ان کے نکلنے کا وقت آئے گا تو وہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ لوگ ٹڈی دل کی طرح ہر طرف پھیل جائیں گے اور بے دریغ قتل و غارت کریں گے۔ ان کی کثرت کا یہ حال ہے کہ ان کی پہلی جماعت بحیرہ طبریہ میں (جو دس میل لمبا ہے) پہنچے گی تو اس کا تمام پانی پی جائے گی اور دیکھ کر کہے گی کہ یہاں کبھی پانی تھا؟ پھر وہ قتل و غارت کرتے

ہوئے قدس کے پہاڑ خمر میں پہنچیں گے تو کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کا تو صفایا کر دیا۔ چلو آسمان والوں کو بھی مار ڈالیں۔ پھر وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے جن کو اللہ تعالیٰ خون آلود کر کے لوٹا دے گا۔ وہ دیکھ کر خوش ہو گے کہ اب تو ہمارے سوا کوئی نہیں رہا۔ محصورین (حضرت عیسیٰ اور آپ کے اصحاب) میں قحط کا یہ عالم ہوگا کہ گائے کا کلہ سو سو دینار سے بھی زیادہ قیمتی ہوگا۔ پس محصورین دعا کریں گے اس پر اللہ تعالیٰ ان میں مرض نغف بھیجے گا یہ ایک دانہ ہوتا ہے جو اونٹ اور بھیڑ اور بکری کی گردنوں میں نکلتا ہے اور طاعون کی طرح ہلاک کر دیتا ہے۔ اس مرض میں یاجوج و ماجوج یکبارگی ہلاک ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب میدان کی طرف آئیں گے اور زمین میں ایک بالشت بھر جگہ ایسی نہ پائیں گے جو ان کی چربی و گندگی سے پر نہ ہو۔ پھر آپ مع اصحاب دست بدعا ہوں گے اللہ تعالیٰ ایسے پرندے بھیجے گا کہ جن کی گردنیں شتران بختی کی مانند لمبی ہوں گی۔ وہ پرندے ان کی لاشوں کو وہاں پھینک دیں گے جہاں اللہ تعالیٰ چاہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک عالمگیر بارش بھیجے گا جس سے زمین بالکل صاف ہو جائے گی۔ اس بارش کی برکت سے زمین کی پیداوار میں بڑی ترقی ہوگی یہاں تک کہ ایک انار ایک جماعت کے لیے کافی ہوگا۔ حیوانات کا دودھ اس کثرت سے ہوگا کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک قبیلہ کے لیے کافی ہوگا۔ اور ایک بکری کا دودھ ایک کنبہ کے لیے کافی ہوگا۔ قوم یاجوج و ماجوج کی کمانیں، ترکش اور تیر مومنوں کے لیے سات سال ایندھن کا کام دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام دنیا میں چالیس سال رہیں گے۔ آپ کا نکاح ہوگا اور اولاد پیدا ہوگی۔ پھر آپ انتقال فرمائیں گے اور حضور اکرم ﷺ کے روضہ مطہرہ میں دفن ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قبیلہ قحطان میں سے ایک شخص ججاہ نام یمن کے رہنے والے آپ کے خلیفہ ہوں گے اور امورِ خلافت کو عدل و انصاف کے ساتھ سر انجام دیں گے۔ ججاہ کے بعد چند اور بادشاہ ہوں گے جن کے عہد میں رسوم کفر و جہل شائع ہو جائیں گی اور علم کم ہو جائے گا۔ اسی اثنا میں ایک مکان مشرق میں اور مغرب میں زمین میں دھنس جائے گا۔ جن میں منکرین تقدیر ہلاک ہو جائیں گے۔

دخان (دھواں): اس کے بعد ایک بڑا دھواں آسمان سے نمودار ہوگا جو چالیس روز رہے گا۔ اس سے مسلمان زکام میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کافروں اور منافقوں پر بیہوشی طاری ہو جائے گی۔ بعض ایک دن بعض دو دن اور بعض تین دن کے بعد ہوش میں آئیں گے۔

آفتاب کا مغرب سے نکلنا: اس کے بعد ماہ ذی الحجہ میں یوم نحر کے بعد رات اس قدر لمبی ہو جائے گی کہ بچے چلا اٹھیں گے، مسافر تنگ دل اور مویشی چراگاہ کے لیے بے قرار ہوں گے۔ یہاں تک کہ لوگ بے چینی کی وجہ سے نالہ و زاری کریں گے اور توبہ توبہ

پکاریں گے۔ آخر تین چار رات کی مقدار اس رات کے دراز ہونے کے بعد اضطراب کی حالت میں آفتاب مغرب سے چاند گرہن کی مانند تھوڑی سی روشنی کے ساتھ نکلے گا۔ اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور اس دن آفتاب اتنا بلند ہو کر غروب ہو گا جتنا کہ چاشت کے وقت ہوتا ہے۔ پھر حسب معمول مشرق کی طرف سے نکلتا رہے گا۔

دابۃ الارض: دوسرے روز لوگ اسی کا ذکر کر رہے ہوں گے کہ کوہِ صفا زلزلہ سے پھٹ جائے گا، اور اس سے ایک عجیب شکل کا جانور نکلے گا جسے دابۃ الارض کہتے ہیں وہ چہرے میں آدمی سے، گردن میں اونٹ سے، دم میں بیل سے، سرین میں ہرن سے، سینگوں میں بارہ سنگے سے، ہاتھوں میں بندر سے، اور کانوں میں ہاتھی سے، مشابہ ہو گا۔ پہلے یمن میں پھر نجد میں ظاہر ہو کر غائب ہو جائے گا۔ پھر دوبارہ مکہ مشرفہ میں ظاہر ہو گا اس کے ہاتھ میں حضرت موسیٰ کا عصا اور دوسرے میں حضرت سلیمان کو انگوٹھی ہو گی۔ وہ ایسی تیزی سے شہروں کا دورہ کرے گا کہ کوئی بھاگنے والا اس سے نہ بچ سکے گا۔ وہ اہل ایمان کی پیشانی پر عصائے موسیٰ سے ایک نورانی خط کھینچ دے گا جس سے تمام چہرہ نورانی ہو جائے گا اور کفار کی ناک یا گردن پر خاتم سلیمان سے مہر کر دے گا جس سے ان کا چہرہ سیاہ اور بے رونق ہو جائے گا۔

خانہ کعبہ کا گرایا جانا: اس کے بعد ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی جس کے سبب سے ہر صاحب ایمان کی بغل میں درد پیدا ہو گا۔ افضل فاضل سے، فاضل ناقص سے، اور ناقص فاسق سے پہلے مرنے شروع ہو جائیں گے، یہاں تک کہ کوئی اہل ایمان باقی نہ رہے گا۔ بعد ازاں کفار حبشہ کا غلبہ ہو گا اور ان کی سلطنت قائم ہو گی۔ وہ خانہ کعبہ کو ڈھا دیں گے۔ حج موقوف ہو جائے گا۔ قرآن مجید دلوں زبانوں اور کاغذوں سے اٹھ جائے گا۔ خدا ترسی اور خوف آخرت دلوں سے اٹھ جائے گا۔ شرم وحیا نہ رہے گی۔ آدمی گدھوں اور کتوں کی مانند دوستوں کے سامنے جماع کریں گے حکام کا ظلم اور رعایا کی ایک دوسرے پر دست درازی رفتہ رفتہ بڑھ جائے گی۔ جس سے شہر و قصبات ویران ہو جائیں گے۔ قحط دوبا کا ظہور ہو گا۔

ایک بڑی آگ: اس وقت ملک شام میں کچھ ارزانی ہو گی۔ دیگر ممالک کے لوگ اہل وعیال سمیت شام کا روانہ ہوں گے۔ اسی اثنا میں ایک بڑی آگ جنوب کی طرف سے نمودار ہو گی وہ ان کا تعاقب کرے گی۔ یہاں تک کہ وہ شام پہنچ جائیں گے پھر وہ آگ غائب ہو جائے گی۔

نفخ صور: اس کے بعد چار پانچ سال عیش وعشرت کے ساتھ غفلت میں، زندگی بسر کریں گے۔ بت پرستی عام ہو گی۔ کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہو گا۔ یکا یک جمعہ کے روز جو یوم عاشورہ بھی ہو گا

صبح کے وقت اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ صور کی آواز کے صدمہ سے تمام جہان فنا ہو جائے گا۔ زمین و آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ چاند، سورج اور تمام ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ دریا خوشک ہو جائیں گے۔ آگ بجھ جائے گی۔ سوائے ذات باری تعالیٰ کے کوئی باقی نہ رہے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ لمن الملک الیوم (آج سلطنت کس کی ہے)۔ پھر خود ہی جواب دے گا۔ للہ الواحد القہار (اس ایک اللہ کی جو قہار ہے) ایک مدت کے بعد بار دیگر نئے آسمان اور نئی زمین پیدا ہو گی۔ پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام دوبارہ صور پھونکیں گے۔ اس کی آواز سے سب مردوں کے جسم دوبارہ وہی بن جائیں گے اور زندہ ہو کر قبروں سے اٹھیں گے۔ اسی کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کے واقعات جو قرآن مجید و احادیث شریفہ میں مذکور ہیں۔ مثلاً مردوں کا ان ہی اجساد کے ساتھ زندہ ہو کر اٹھنا، آفتاب کا زمین کے قریب آ جانا، حساب اعمال ہونا، ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کا نیک و بد اعمال کی گواہی دینا، نیکوں کو نامہ اعمال کا سامنے کی طرف سے دائیں ہاتھ میں ملنا اور بدوں کو پشت کی طرف سے بائیں ہاتھ میں ملنا، اعمال کا ترازوں میں تلنا، پل صراط سے گزرنا، مومنوں کا اپنے مرتبہ کے موافق کسی کا بجلی کی طرح، کسی کا دوڑتے گھوڑے کی طرح، کسی کا اڑتے پرندے کی طرح، کسی کا معمولی چال سے پل صراط عبور کر جانا اور منافقین و کافر کا کٹ کٹ کر دوزخ میں گرنا، حوض کوثر کے لذیذ و سرد پانی کے پینے سے مومنوں کی سب کلفتوں کا دور ہو جانا اور جنت میں داخل ہونا وغیرہ۔ ان سب کے لیے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے یہاں بطور نمونہ ذیل میں دو تین پیشین گوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حجاز کی آگ: صحیحین (۱۲۷) میں بروایت سعید بن المسیب مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہو گی یہاں تک کہ ایک آگ حجاز کی زمین سے نکلے گی جو بصریٰ (۱۲۸) میں اونٹوں کی گردنیں روشن کرے گی۔

مذکورہ بالا پیشین گوئی کے مطابق وہ آگ سرزمین حجاز میں ظاہر ہوئی۔ اس کے ظہور سے پہلے کئی زلزلے آئے جو اس کا پیش خیمہ تھے۔ چنانچہ ماہ جمادی الاولیٰ ۶۵۴ھ کی اخیر تاریخ کا مدینہ منورہ میں کئی دفعہ زلزلہ آیا مگر چونکہ خفیف تھا اس لیے بعض لوگوں کو محسوس نہ ہوا۔ سہ شنبہ کے روز سخت زلزلہ آیا۔ جسے عام و خاص سب نے محسوس کیا۔ شب چہار شنبہ ۳ جمادی الاخریٰ کو رات کے اخیر تہائی حصہ میں مدینہ میں ایسا سخت زلزلہ آیا کہ لوگ ڈر گئے اور اس کی ہیبت سے دل کانپ گئے۔ زلزلے کا یہ سلسلہ جمعہ کے دن تک رہا۔ اس کی آواز بجلی سے بڑھ کر تھی، زمین کانپتی تھی اور دیواریں ہل رہی تھیں۔ یہاں تک کہ صرف دن کے وقت اٹھارہ دفعہ حرکت ہوئی۔ جمعہ کو چاشت کے وقت زلزلہ بند ہو گیا دوپہر کے وقت مدینہ منورہ سے تقریباً ایک منزل جانب شرق یہ آگ نمودار ہوئی اس کے ظاہر ہونے کی جگہ سے آسمان کی

طرف بکثرت دھواں اٹھا جس نے افق کو گھیر لیا۔ جب تاریکی چھا گئی اور رات آ گئی تو آگ کے شعلے تیز ہو گئے۔ یہ آگ ایک ایسے شہر کی مانند معلوم ہوتی تھی جس کے گرد ایک فصیل ہو اور اس پر کنگرے اور برج مینار ہوں۔ غرض اس آگ کو دیکھ کر اہل مدینہ ڈر گئے (۱۳۹) چنانچہ قاضی سنان حسینی کا بیان ہے کہ میں ''امیر مدینہ عزیز الدین منیف بن شیمہ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ عذاب نے ہم کو گھیر لیا ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کر۔ یہ سن کر اس نے اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے اور لوگوں کے اموال ان کو واپس کر دیئے پھر وہ اپنے قلعہ سے نکل کر حرم شریف میں آیا۔ اس نے اور تمام اہل مدینہ حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں نے جمعہ اور ہفتہ کی رات حرم شریف میں گزار دی اور باغات میں کوئی ایسا نہ رہا جو حرم شریف میں نہ آیا ہو۔ لوگ رات کو گریہ وزاری اور تضرع کرتے تھے اور حجرہ شریف کے گرد ننگے سر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے گڑگڑا کر دعا مانگ رہے تھے اور نبی الرحمۃ ﷺ سے پناہ طلب کر رہے تھے''۔

قطب قسطلانی جو اس وقت مکہ میں مقیم تھے، ان کا بیان ہے کہ یہ آگ بڑھتی ہوئی حرہ اور وادی شظات کے متصل آ پہنچی۔ اور وادی شظات میں سے جس کی ایک طرف وادی حمزہ رضی اللہ عنہ ہے گزر کر حرم نبی ﷺ کے مقابل ٹھہر گئی۔ اس آگ کے شعلے ایسے تیز تھے کہ شجر و حجر جو اس کے راستے میں آتا اسے پارہ پارہ کر دیتی اور پگھلا دیتی۔ غرض اس رحمۃ اللعالمین ﷺ کی تربت شریف کی برکت سے یہ آگ حرم شریف سے خارج ہی رہی اور وہاں سے پیچھے ہٹ کر اپنا رخ جانب شمال کر لیا۔ اور ۵۲ دن تک روشن رہی۔

یہ آگ مکہ، ینبع اور تیماء سے دکھائی دیتی تھی اور شہر بصریٰ کے لوگوں کو اس کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں نظر آ گئیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ مؤرخین کا قول ہے کہ یہ آگ چار فرسنگ لمبی اور چار میل چوڑی اور ڈیڑھ قامت عمیق وادی میں چلتی تھی۔ اس کی حرارت سے پتھر رانگ کی مانند پگھل جاتا تھا۔ اس طرح وادی کے اخیر میں حرہ کے منتہا کے نزدیک پگھلے ہوئے پتھر جمع ہوتے گئے اور آخر کار وادی شظات کے وسط میں کوہ وعیرہ کی طرف ایک سد بن گئی۔ اس سد کے آثار ہنوز باقی ہیں۔ اور اہل مدینہ اسے حبس کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں اس آگ کا ظہور ایسا مشہور ہے کہ مؤرخین کے نزدیک حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔ کذا فی الوفا للسمھودی۔

امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ) جو اس زمانے میں موجود تھے۔ اس آگ کی نسبت شرح صحیح مسلم (مطبوعہ انصاری۔ جلد ثانی۔ کتاب الفتن ص ۳۹۴) میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

وقد خرجت فی زماننا نار بالمدینة سنه اربع خمسین و ستمائة و کانت ناراً عظیمة جد اخرجت من جنب المدینة الشرقی وراء الحرة تواتر العلم بها عند جمیع اهل الشام و سائر البلدان واخبرنی من حضرها من

اهل المدینة۔

''اور بتحقیق ہمارے زمانے میں ۶۵۴ھ میں مدینہ میں ایک آگ نکلی اور نہایت بڑی آگ جو مدینہ کے شرقی جانب سے حرہ کے پیچھے نکلی۔شام اور باقی شہروں کے تمام باشندوں کو بطریق تواتر اس کا علم ہوا۔اور مجھے اہل مدینہ میں سے ایک شخص نے خبر دی جس نے اس آگ کو دیکھا۔''

علامہ تاج الدین سبکی (متوفی ۷۷۱ھ) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (جزء خامس ص ۱۱۲) میں لکھتے ہیں کہ جب ماہ جمادی الاخریٰ ۶۵۶ھ کی پانچویں تاریخ ہوئی تو مدینۃ النبی میں اس آگ کا ظہور ہوا اور اس سے پہلے کی دو راتوں میں ایک بڑی آواز ظاہر ہوئی۔پھر ایک بڑا زلزلہ آیا پھر قریظہ کے قریب حرہ میں آگ ظاہر ہوئی۔اہل مدینہ اپنے گھروں سے اسے دیکھتے تھے۔اس آگ کی روئیں پانی کی طرح جاری ہوئیں اور پہاڑ آگ بن کر رواں ہوئے۔یہ آگ حاجیوں کے راستہ عراق کی طرف روانہ ہوئی پھر ٹھہر گئی اور زمین کو کھانے لگی۔رات کے اخیر حصہ سے چاشت کے وقت تک اس میں سے ایک بڑی آواز آتی تھی۔لوگوں نے نبی ﷺ سے مدد طلب کی اور گناہ ترک کر دیئے۔یہ آگ ایک مہینہ سے زیادہ روشن رہی۔یہ وہی آگ ہے جس کی خبر جناب مصطفےٰ صلوٰت اللہ علیہ نے دی تھی۔کیوں کہ آپ نے فرمایا تھا کہ ''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ سرزمین حجاز سے ایک آگ نکلے گی جس سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی''۔ایک شخص سے جو رات کے وقت بصریٰ میں تھا روایت ہے کہ اس کو اس آگ کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں نظر آ گئیں۔

تاتاریوں کا فتنہ اور حادثہ بغداد:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔میری امت کے لوگ ایک پست زمین میں جس کا نام بصرہ ہوگا ایک دریا کے نزدیک اتریں گے جس کو دجلہ کہتے ہیں۔اس دریا پر ایک پل ہوگا۔بصرہ کے باشندے بکثرت ہوں گے اور وہ شہر مسلمانوں کے بڑے شہروں میں سے ہوگا۔جب آخر زمانہ آئے گا تو قنطوراء کے بیٹے آئیں گے جن کے چہرے فراخ اور آنکھیں چھوٹی ہوں گی یہاں تک کہ وہ اس دریا کے کنارے پر اتریں گے۔اس وقت بصرہ کے باشندے تین گروہ ہو جائیں گے۔اور ایک گروہ بیلوں کی دموں (۱۴۰) اور بیابان میں پناہ لے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔اور ایک گروہ اپنی جانوں کے لیے طالب امان ہوگا اور ہلاک ہو جائے گا۔اور ایک گروہ اپنی اولاد کو پس پشت ڈال دے گا اور ان سے لڑے گا۔وہی حقیقی شہید ہوں گے۔اس حدیث کو ابو داؤد (۱۴۱) نے روایت کیا ہے (۱۴۲)۔

اس حدیث میں قنطوراء سے مراد تاتاری لوگ یعنی ترک ہیں کیوں کہ قنطوراء حضرت ابراہیم علیٰ نبینا

علیہ الصلوٰۃ کی ایک لونڈی کا نام ہے جس کی نسل سے یہ لوگ ہیں۔ان کے چہروں کے کشادہ اور آنکھوں کے چھوٹا ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔البتہ حدیث میں بصرہ کا لفظ ہے مگر اس سے مراد شہر بغداد ہے۔ کیوں کہ دریائے درجلہ اور پُل بغداد میں ہیں نہ بصرہ میں۔ون ۹ زترک لڑائی کے لیے اس کیفیت سے جو حدیث میں مذکور ہے بصرہ میں نہیں آئے بلکہ بغداد میں آئے ہیں جیسا کہ مشہور ومعروف ہے۔حدیث میں بصرہ کا ذکر اس لیے ہے کہ بغداد کی نسبت بصرہ قدیم شہر ہے جس کے مضافات میں سے وہ گاؤں اور مواضع تھے جن میں شہر بغداد بنا۔علاوہ ازیں بغداد کے نزدیک ایک گاؤں کا نام (۱۴۳) بھی بصرہ ہے۔

یہ پیشین گوئی ماہ محرم ۶۵۶ھ میں پوری ہوئی جب کہ چنگیز خان تاتاری کے پوتے ہلاکو نے شہر بغداد پر لشکر کشی کی۔اس کی مختصر کیفیت (۱۴۴) یہ ہے کہ اس وقت بغداد میں خاندان عباسیہ کا آخری خلیفہ معتصم باللہ مسند خلافت پر متمکن تھا۔اس کا وزیر مویدالدین محمد بن علی العلقمی فاضل وادیب مگر رافضی تھا اور اس کے دل میں اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے کینہ وبغض تھا۔وزیر مذکور شہزادہ ابوبکر اور امیر کبیر رکن الدین دویدار کا بھی دشمن تھا۔ کیوں کہ یہ دونوں اہل سنت تھے اور انہوں نے یہ سن کر کہ کرخ (۱۴۵) کے رافضیوں نے اہل سنت سے تعرض کیا ہے کرخ کو لوٹ لیا تھا اور روافض کو سخت سزائیں دی تھیں۔ابن علقمی چونکہ بظاہر ان کے خلاف کچھ نہ کرسکتا تھا اس لیے اس نے پوشیدہ طور پر بذریعہ کتابت تاتاریوں کو عراق پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ ہلاکو کے دربار مین حکیم نصیرالدین طوسی رافضی تھا جس نے ابن علقمی کی ترغیب کو اور سہارا دیا اور آخر کار ہلاکو کو بغداد پر چڑھائی کے لیے آمادہ کر دیا۔چنانچہ ہلاکو بڑی تیاری کے ساتھ بغداد پر چڑھ آیا۔لشکر بغداد بسر کردگی رکن الدین دویدار مقابلہ کے لیے بڑھا اور بغداد سے دو منزل کے فاسلہ پر ہلاکو کے مقدمہ لشکر سے جس کا سردار تایجو تھا،مٹھ بھیڑ ہوئی۔بغدادیوں کو شکست ہوئی، کچھ تہ تیغ ہوئے، کچھ پانی میں ڈوب گئے اور باقی بھاگ گئے۔تایجو آگے بڑھا اور دریائے دجلہ کے مغربی کنارہ پر اترا۔ہلاکو نے مشرق سے حملہ کیا اور بغداد کو گھیر لیا۔اس وقت ابن علقمی نے خلیفہ کا صلح کو مشورہ دیا اور کہا کہ میں صلح کی شرائط ٹھہرانے جاتا ہوں۔چنانچہ وہ گیا اور واپس آکر خلیفہ معتصم سے کہنے لگا۔اے امیرالمومنین! ہلاکو کی دلی خواہش ہے کہ اپنی بیٹی کا نکاح آپ کے بیٹے ابوبکر سے کردے اور آپ کو منصب خلافت پر قائم رکھے۔مگر وہ صرف آپ سے اتنا چاہتا ہے کہ آپ اس کی اطاعت تسلیم کرلیں پھر وہ اپنا لشکر لے کر واپس چلا جائے گا۔لہٰذا آپ اس پر عمل کریں کیوں کہ اس طرح مسلمان خونریزی سے بچ جائیں گے۔ یہ سن کر خلیفہ مع ارکان واعیان سلطنت طالب امن وامان ہو کر نکلا۔وہاں پہنچا تو وہ ایک خیمہ میں اتارا گیا۔پھر وزیر مذکور شہر میں آیا اور علماء و فقہاء سے کہا کہ آپ شہزادہ کے عقد میں شامل ہوں۔ چنانچہ وہ بغداد سے نکلے اور قتل کیے گئے۔اسی

طرح عقد کے بہانہ سے ایک کے بعد دوسرا گروہ بلایا گیا اور قتل کیا گیا۔ پھر خلیفہ کے حاشیہ نشین طلب ہوئے اور قتل کیے گئے۔ پھر خلیفہ کی سب اولاد قتل ہوئی۔

خلیفہ کی نسبت کہا گیا ہے کہ کافر ہلاکو نے اسے رات کے وقت بلایا اور کئی باتیں دریافت کیں۔ پھر اس کے قتل کا حکم دیا۔ ہلاکو ظالم سے کہا گیا کہ اگر خلیفہ کا خون گرایا جائے گا تو دنیا تاریک ہو جائے گی اور تیرا ملک تباہ ہو جائے گا۔ کیوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا کی اولاد میں سے ہے اور دنیا میں خلیفۃ اللہ ہے۔ اس پر وہ سنگدل حکیم نصیر الدین طوسی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ وہ مار ڈالا جائے مگر اس کا خون نہ گرایا جائے۔ چنانچہ بتاریخ ۲۸۔ محرم ۶۵۶ھ اس بے چارے کو ایک بوری میں بند کر کے ہتھوڑوں سے مار ڈالا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اسے لاتوں سے مار ڈالا گیا۔ اور اس کے امیروں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا گیا۔ پھر شہر بغداد میں خونریزی شروع ہوئی۔ اکثر باشندے شہید ہوئے تیس دن سے کچھ اوپر قتل جاری رہا۔ کہا گیا ہے کہ مقتولین کی کل تعداد اٹھارہ لاکھ تھی۔

اس کے بعد امان دی گئی جو لوگ چھپے ہوئے تھے ان میں سے اکثر تو زمین کے نیچے ہی طرح طرح کی مصیبتوں سے مر گئے۔ جو زندہ نکل آئے انہوں نے بڑی دقتیں اٹھائیں۔ پھر گھروں کو کھود کر بے شمار دفینے نکالے گئے۔ پھر نصاریٰ بلائے گئے تاکہ علانیہ شراب خوری کریں اور سور کا گوشت کھائیں اور مسلمان بھی ان کے ساتھ شریک ہوں۔ ستم گار ہلاکو سوار ہو کر قصر خلافت تک آیا اور حرم کی بے آبروئی کی۔ وہ محل ایک عیسائی کو دیا گیا۔ مسجدوں میں شراب بہادی گئی اور مسلمانوں کو علانیہ اذان دینے سے منع کیا گیا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ سب کچھ صرف بغداد میں ہوا۔ بغداد کے علاوہ اور جگہ بھی تاتاریوں نے بہت کچھ کیا۔ اسی واسطے کہا گیا کہ تاتاریوں کے فتنہ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی فتنہ وقوع میں نہیں آیا ہے۔ خلیفہ مستعصم باللہ کے ساتھ خاندان عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ بلکہ یوں سمجھو کہ عرب کی سلطنت روئے زمین سے اٹھ گئی جو قرب قیامت کے آثار میں سے ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ (متوفی ۶۹۱ھ) نے جو حادثہ بغداد کے وقت زندہ تھے مستعصم باللہ کا ایک نہایت دردناک مرثیہ لکھا ہے۔ جس میں سے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ آسماں را حق بود گر خون ببارد بر زمیں ۔۔۔ زآستان بگذشت مارا خون دل از آستیں

"آسمان پر واجب ہے کہ امیر المومنین مستعصم کی سلطنت کی تباہی پر زمین پر خون برسائے۔"

۲۔ اے محمد گر قیامت را برآری سر ز خاک ۔۔۔ سر برآور ویں قیامت درمیان خلق بیں

"اے محمد (ﷺ) اگر آپ قیامت کو تربت شریف سے نکلیں گے تو ابھی نکل کر خلقت

میں یہ قیامت دیکھ لیجئے۔"

۳۔ ناز نیناں حرم را خون حلق نازنین ۔ زآستان بگذشت ما را خون دل از آستیں

"محل کے ناز پروروں کا خون ڈیوڑھی سے بہ گیا۔ اور ہمارے دل کا خون آستین سے ٹپک نکلا۔"

۴۔ زین ہار از دور گیتی و انقلاب روزگار ۔ در خیال کس نہ گشتی کانچناں گردد چنیں

"زمانے کی گردش اور دنیا کے انقلاب سے پناہ مانگنی چاہیے۔ یہ بات کسی کے خیال میں نہ آتی تھی کہ یوں سے یوں ہو جائے۔"

۵۔ دیدہ بردارا اے کہ دیدی شوکت بیت الحرم ۔ قیصران روم سر بر خاک و خاقاں بر زمیں

"اے مخاطب تو نے بیت الحرام کی سی شان و شوکت دیکھی ہے۔ جہاں روم کے قیصر خاک پر سر گڑتے تھے اور چین کے خاقان زمین پر بیٹھے تھے۔"

۶۔ خون فرزندان عم مصطفٰے شد ریختہ ۔ ہم برآں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبیں

"ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ کہ حضرت مصطفٰے کے بنی عم کا خون اس خاک پر بہایا گیا ہے۔ جہاں بڑے بڑے بادشاہ ماتھا رگڑتے تھے۔"

۷۔ دجلہ خونابست زیں پس گر نہد سر در نشیب ۔ خاک نخلستان بطحارا کند باخوں عجیں

"دریائے دجلہ کا پانی خون ہو گیا ہے۔ اگر پستی کی طرف بہے گا تو نخلستانِ بطحا کی خاک کو خون سے رنگین کر دے گا۔"

کعبہ شریف کی حجابت: ہم پہلے فتح مکہ میں اس کے متعلق حضرت عثمان بن طلحہ کی روایت نقل کر آئے ہیں جس میں تین پیشین گوئیاں ہیں۔ ایک یہ کہ ہجرت سے پہلے حضور اقدس ﷺ نے عثمان بن طلحہ سے فرمایا تھا کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی۔ سو اسی کے مطابق فتح مکہ کے روز وقوع میں آیا۔ دوسری یہ کہ آپ نے قریش کی نسبت فرمایا تھا کہ وہ اس دن بجائے ہلاک و ذلیل ہونے کے زندگی و عزت پائیں گے۔ اسی کے مطابق فتح مکہ کے دن واقع ہوا۔ قریش نے اسلام میں داخل ہو کر دارین میں حیات طیبہ حاصل کی اور عزت پائی۔ واقع میں وہ اس سے پہلے ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ان بتوں کے آگے سر جھکاتے تھے جنہیں خود انہیں کے ہاتھوں نے تراشا تھا۔ فتح کے دن وہ اس ذلت سے نکل گئے اور ان کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا شرف حاصل ہوا۔ تیسری یہ کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان بن طلحہ کو کنجی دیتے وقت فرمایا کہ یہ کنجی ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی۔ ظالم کے سوا کوئی اسے تم سے نہ چھینے گا۔ چنانچہ آج تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال ہو چکے

ہیں کہ خانہ کعبہ کی کنجی حضرت عثمان بن طلحہ کے خاندان میں رہی۔ اب ابن سعود نجدی نے جو سلوک اس خاندان سے کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ نجدی مذکور حسب ارشاد رسول اللہ ﷺ ظالم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل سے اس فتنہ نجدیہ کا جلدی خاتمہ کر دے۔ آمین ثم آمین۔

محاسن ظاہری و باطنی: حضور اقدس ﷺ کے اوصاف جمیلہ و اخلاق جلیلہ من جملہ دلائل و ثبوت ہیں۔ چنانچہ آپ کی طلاقت آپ کا حسن منظر اور آپ کا اعتدال صورت ایسا تھا کہ اپنوں کا تو کیا ذکر بیگانے بھی جب روئے مبارک کو دیکھتے تو بے ساختہ پکار اٹھتے۔ ہذا الوجہ لیس بوجہ کذاب (یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے) ان شمائل کے ساتھ آپ کے حسن اخلاق و آداب پر غور کریں۔ آپ امی تھے، آپ کی ولادت ایسے شہر میں ہوئی جہاں کوئی ذریعہ تعلیم نہ تھا۔ نہ آپ نے کبھی وطن کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں جا کر علم حاصل کیا بلکہ امیوں ہی میں یتیمی کی حالت میں نشو و نما پائی علوم و معارف سے قطع نظر یہ مکارم اخلاق اور محاسن آداب آپ نے بجز وحی الٰہی کہاں سے سیکھے۔

الغرض جو شخص بنظر انصاف آپ کی صورت، آپ کی سیرت، آپ کے افعال اور آپ کے احوال کا مطالعہ کرتا ہے اسے آپ کی نبوت کی صحت میں ذرا بھی شک نہیں رہتا۔ کیوں کہ جو اوصاف آپ میں مجتمع تھے۔ وہ آپ سے پہلے یا آپ کے زمانہ میں کبھی کسی میں جمع نہیں ہوئے اور نہ قیامت تک ہوں گے۔

نصاریٰ کا اعتراض: معجزوں کا اکثر ذکر قرآن میں پایا جاتا ہے مگر کوئی آیت ایسی نظر نہیں آتی جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت محمد صاحب نے معجزے دکھائے ہیں۔ بلکہ بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن میں معجزے نہ دکھانے کا سبب درج ہے اور بعض ایسی بھی ہیں جن میں وہ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ میں معجزے دکھانے کو نہیں بھیجا گیا۔ سورہ عنکبوت میں یوں مرقوم ہے:

وَقَالُوا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (عنکبوت: ع ۵)

''کہتے ہیں کہ اگر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی اس پر نازل نہ ہوگی تو ہم ایمان نہ لائیں گے۔ پس (اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں خدا کے پاس ہیں میں تو ایک نصیحت کرنے والا ہوں۔''

پھر سورہ بنی اسرائیل میں لکھا ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (پ ۱۵، آیت ۵۹)

''کوئی چیز ہمیں مانع نہیں ہوئی کہ تجھے معجزوں کے ساتھ بھیجیں۔ مگر یہ کہ اگلے پیغمبروں کو جو ہم نے معجزے دے کے بھیجا تھا تو انہیں لوگوں نے جھٹلایا۔''

اس مضمون کو طویل کرنا ضروری نہیں۔ اس لیے کہ قرآن کا ہر بے تعصب پڑھنے والا اس قول کی تصدیق کرے گا کہ اکثر محمدی (مسلمان) مصنف معجزوں کا ذکر کر کے محمد صاحب سے منسوب کرتے ہیں۔ مگر یہ بات خود محمد صاحب کی باتوں کے خلاف ہے۔ کہ بالکل قابل اعتبار نہیں۔

(خطوط بنام جوانانِ ہند، پنجاب ریلجس بک سوسائٹی لودھانہ امریکن مشن پریس ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۴۳۔ ۲۲۔ ۲۲)

عیسائی لوگ مسلمانوں پر اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں مگر انہیں اپنے گھر کی بھی خبر نہیں۔

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی نسبت جو کچھ اناجیل اربعہ میں آیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ متی باب ۱۲۔ آیہ ۳۸۔ ۳۹ میں ہے کہ بعض فقیہوں اور فریسیوں نے مسیح سے ایک نشان طلب کیا۔ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

> ''اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں۔ پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں دکھایا نہ جائے گا۔ کیوں کہ جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہے ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا''۔

اسی طرح متی باب ۱۶۔ آیہ ۱۔ ۴ میں ہے کہ فریسیوں اور صدوقیوں نے آزمائش کے لیے حضرت مسیح سے آسمانی نشان طلب کیا۔ مگر یہاں بھی آپ نے وہی جواب دیا کہ یونس نبی کے نشان کے سوا اور کوئی نشان انہیں نہ دکھایا جائے گا۔ اگر بنظر غور دیکھیں تو یہ جواب بھی قابل اعتبار نہیں۔ کیوں کہ سوال تو آسمانی نشان کا تھا اور جواب میں زمینی نشان کا وعدہ ہوا۔ سوال از آسماں جواب از ریسماں۔ باوجود اس کے اسی انجیل میں مسیح علیہ السلام سے بہت سے معجزات منسوب کیے گئے ہیں۔ چنانچہ پانچ روٹیوں سے چار ہزار آدمیوں کا پیٹ بھرا (باب ۱۴۔ آیہ ۱۵۔ ۲۱)۔ اور دریا پر اپنے پاؤں سے چلے (باب ۱۴۔ آیہ ۲۵) پھر سات روٹیوں سے چار ہزار کو کھلایا (باب ۱۵۔ آیہ ۳۸) دو اندھوں کو بینا کیا (باب ۲۰ آیہ ۳۰۔ ۳۴) پھر انجیر کے درخت کو سکھا دیا (باب ۲۱ آیہ ۱۹) وغیرہ۔ اسی طرح جب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کے اختیار کی بابت پوچھا (باب ۲۱۔ آیہ ۲۳۔ ۲۴) تب بھی آپ نے کچھ صاف جواب نہ دیا۔

۲۔ مرقس باب ۸۔ آیہ ۱۱۔ ۱۳) میں ہے کہ فریسیوں نے مسیح کے امتحان کے لیے آسمان سے کوئی نشان چاہا۔ اس نے اپنے دل سے آہ کھینچ کر کہا:

> ''اس زمانے کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا''۔

یہاں یونس کے نشان کا کوئی ذکر نہیں۔ بایں ہمہ اس انجیل میں بھی اندھے کو اچھا کرنا، چار ہزار کو سات روٹیوں سے سیر کرنا، کوڑھی کو اچھا کرنا وغیرہ معجزات حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔

۳۔ لوقا باب ۱۱۔ آیہ ۱۴۔ ۱۶ و ۳۰ میں ہے کہ مسیح نے ایک دیو کو نکالا مگر دیکھنے والوں نے اس معجزے کو تسلیم نہ کیا بلکہ آزمائش کے لیے ایک آسمانی نشان مانگا۔ آپ نے یونس نبی کے نشان کا وعدہ فرمایا۔ اس انجیل میں اور بھی بہت سے معجزات آپ سے منسوب کیے گئے ہیں۔ مسیح نے ہیرودیس کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ حالانکہ ہیرودیس آپ کے معجزات دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ آپ سے اس نے بہتیری باتیں پوچھیں پر آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔

۴۔ یوحنا باب ۶۔ آیہ ۳۰ میں ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح سے کہا "پس تو کون سا نشان دکھاتا ہے تاکہ ہم دیکھ کر تجھ پر ایمان لائیں"۔ یہاں بھی حضرت عیسیٰ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ بلکہ یونس نبی کے نشان کا بھی وعدہ نہ فرمایا باایں ہمہ اس انجیل میں بھی بہت سے معجزے حضرت مسیح سے منسوب ہیں۔

اب ہم اس اعتراض کے تحقیقی جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس قدر معجزات دکھائے کہ کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں دکھائے۔ اور وہ ایسے متواتر و مشہور طریقوں سے ثابت ہیں کہ دنیا کے کسی اور مذہب میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ (جیسا کہ اس کتاب کے ناظرین پر روشن ہے) مگر کفار قریش کے مکابرہ کا یہ عالم تھا کہ وہ معجزات گویا ان کے نزدیک معجزے ہی نہ تھے۔ اس لیے سرکشی و عناد کے سبب انہوں نے اور نشانیاں طلب کیں جو عطا نہ کی گئیں۔ جن دو آیتوں سے معترض نے استدلال کیا ہے۔ ان میں ایسی نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ مذکور ہے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ (بنی اسرائیل: ع ٦)

"ہم کو نہیں روکا نشانیاں بھیجنے سے کسی شے نے مگر یہ کہ جھٹلایا ان کو اگلوں نے اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی سوجھانے کو پھر اس کا حق نہ مانا۔ اور ہم نہیں بھیجتے نشانیاں مگر ڈرانے کو۔"

اس آیت کا خلاصہ تفسیر یہ ہے کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ قریش جو باوجود معجزات کثیرہ دیکھنے کے اور نشانیاں (مثلاً کوہ صفا کا سونا ہو جانا۔ مکہ کے پہاڑوں کا دور کیا جانا تاکہ زمین قابل اور زراعت ہو جائے اور نہروں کا جاری ہونا تاکہ باغات لگ جائیں) طلب کرتے ہیں۔ ان نشانیوں کے دینے سے ہمیں اس امر نے روکا ہے کہ اس قسم کی نشانیاں ہم نے پہلی امتوں کو طلب کرنے پر عطا کیں مگر وہ ایمان نہ لائے اور ہلاک ہوئے۔ چنانچہ قوم ثمود نے جن کی ہلاکت کے آثار بوجہ قرب دیار یہ قریش آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام سے نشانی طلب کی اور ہم نے ان کی دعا سے پتھر سے اونٹنی نکالی۔ مگر اس قوم نے اس سے انکار ہی نہیں کیا۔ بلکہ اس کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ اس لیے وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ ہماری عادت یوں ہی جاری ہے کہ ہم کسی قوم کے سوال پر ایسی آیات کو صرف عذاب استیصال

سے ڈرانے کے لیے بطور پیش خیمہ بھیجا کرتے ہیں۔ اگر وہ قوم ان آیات پر ایمان نہ لائے تو ہم ضرور ان پر عذاب استیصال نازل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کفار قریش کے سوال پر وہ نشانیاں ہمارے حبیب کی دعا سے عطا کی جائیں تو یہ بھی انہیں (۱۴۶) کی طرح تکذیب کریں گے اور عذاب استیصال کے مستوجب ہوں گے۔ مگر ہم نے بمقتضائے حکمت (۱۴۷) اس امت کو عذاب استیصال سے محفوظ رکھا ہے۔ لہٰذا ہم نے وہ نشانیاں ان کو عطا نہیں کیں

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

(عنکبوت: ع ۵)

''اور کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر کچھ نشانیاں اس کے رب سے۔ تو کہہ نشانیاں تو ہیں اختیار میں اللہ کی۔ اور میں تو سنا دینے والا ہوں کھول کر۔ کیا ان کو بس نہیں کہ ہم نے تجھ پر اتاری کتاب کہ ان پر پڑھی جاتی ہے۔ بے شک اس میں بڑی رحمت ہے اور سمجھانا اس لوگوں کو جو مانتے ہیں۔''

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار قریش باوجود ملاحظہ آیات سرکشی وعناد کے سبب سے ہمارے حبیب پاک کی نسبت کہتے ہیں کہ ان پر ایسی نشانیاں کیوں نہیں اتریں جیسا کہ ناقہ صالح اور عصائے موسیٰ اور مائدہ عیسیٰ ہیں۔ اے ہمارے حبیب! ان کفار سے کہہ دیجئے کہ ایسی نشانیاں اللہ کی قدرت وحکم میں ہیں۔ وہ ان کو حسب مقتضائے حکمت نازل کرتا ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ ان آیات کے ساتھ جو مجھے ملی ہیں کفار کو ڈراؤں۔ نہ یہ کہ وہ نشانیاں لاؤں جو وہ عناد وتعنت سے طلب کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کفار کی تردید میں جو ایسی نشانیاں طلب کرتے ہیں یوں فرماتا ہے۔ کیا ان کو ایک نشانی کافی نہیں جو تمام نشانیوں سے مستغنی کر دینے والی ہے یعنی قرآن کریم جو ہم نے تجھ پر اتارا ہے۔ وہ ایک زندہ معجزہ ہے، ہر مکان وزمان میں ان پر پڑھا جاتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ان کے ساتھ رہے گا۔ اس میں بڑی رحمت اور تذکرہ ہے ایمان والوں کے لیے نہ ان کے لیے جو عناد رکھتے ہیں۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ آیاتِ بالا سے معجزات کی نفی نہیں پائی جاتی بلکہ ان میں باوجود کثرت معجزات ان خاص نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ بیان ہوئی ہے کہ کفار نے محض عناد سے طلب کیں۔ لہٰذا عیسائیوں کا یہ کہنا کہ قرآن میں کوئی آیت نظر نہیں آتی جس سے ثابت ہو کہ آنحضرت ﷺ نے معجزے دکھائے بصرف عناد پر مبنی ہے۔ وہ اپنے منہ سے بڑا بول بولتے ہیں (یہوداہ، ۱۶)

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ (کہف: ع ۱)

''کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ جو کہتے ہیں۔''

باب: ۸

آنحضرت ﷺ کے فضائل وخصائص کا بیان

حضور علیہ السلام کے فضائل وکمالات کا احاطہ طاقت بشری سے خارج ہے۔ علمائے ظاہر وباطن سب یہاں عاجز ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ صالح بن مبارک بخاری خلیفہ مجاز حضرت خواجۂ خواجگان سید بہاء الدین نقشبندی رضی اللہ عنہ انیس الطالبین ص ۹ میں لکھتے ہیں:

اجماع اہل تصوف است کہ صدیقیت نزدیک ترین مقامے ومرتبہ ایست بہ نبوت وسخن سلطان العارفین ابو یزید بسطانی است قدس سرہ کہ آخر نہایت صدیقیان اول احوال انبیاء است و از کلمات قدسیہ وایشانست کہ نہایت مقام عامۂ مومناں بدایت مقام اولیاست ونہایت مقام اولیاء بدایت مقام شہیدان است ونہایت مقام شہیداں بدایت مقام صدیقان است ونہایت مقام صدیقاں بدایت مقام انبیاء است ونہایت مقام انبیاء بدایت مقام رسل است ونہایت مقام رسل بدایت مقام اولوالعزم است ونہایت مقام اولوالعزم بدایت مقام مصطفےٰ است ﷺ ومقام مصطفےٰ رانہایت پیدا نیست جز حق جل و علا کسے نہایت مقام وے راندانددر روز ازل مقام ارواح وبروز میثاق ہم بریں مراتب بود کہ ذکر کردہ شد ودر روز قیامت ہم بریں مراتب باشد۔

"صوفیہ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نبوت کے سب سے نزدیک مقام ومرتبہ صدیقیت ہے۔ اور سلطان العارفین ابو یزید بسطانی قدس سرہ کا قول ہے کہ صدیقوں کے مقام کی نہایت نبیوں کے مقام کی ابتداء ہے اور ان کے کلمات قدسیہ میں سے ہے کہ عامہ مومنین کے مقام کی غایت اولیاء کے مقام کی ابتداء ہے اور اولیاء کے مقام کی غایت شہیدوں کے مقام کی ابتدا ہے اور شہیدوں کے مقام کی غایت صدیقوں کے مقام کی ابتداء ہے اور صدیقوں کے مقام کی غایت نبیوں کے مقام کی ابتدا ہے اور نبیوں کے مقام کی غایت رسولوں کے مقام کی ابتدا ہے اور رسول کے مقام کی غایت اولوالعزم کے مقام کی ابتدا ہے اور اولوالعزم کے مقام کی غایب حضرت مصطفےٰ کے مقام کی ابتدا ہے ﷺ اور حضرت مصطفےٰ کے مقام کی کوئی انتہاء نہیں اور حق جل وعلا کے سوا اور کوئی آپ کے مقام کی انتہا نہیں جانتا روز اول میں میثاق کے دن روحوں کا مقام ان ہی مراتب پر تھا جو مذکور ہوئے اور قیامت کے دن بھی ان ہی مراتب پر ہوگا۔"

شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ (متوفی روز عاشورہ ۴۲۵ھ) یوں فرماتے ہیں:

''سہ چیز را غایت ندانستم۔ غایت درجات مصطفےٰ ﷺ ندانستم۔ و غایت کید نفس ندانستم۔ و غایت معرفت ندانستم''۔ (نفحات الانس)

''مجھے ان تین چیزوں کی غایت و حد معلوم نہ ہوئی۔ حضرت مصطفیٰ ﷺ کے درجات۔ مکر نفس۔ معرفت۔''

امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۹۴ھ) اپنے قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

دَعْ مَاادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِىْ نَبِيِّهِمِ ‏ وَاحْكُمْ بِمَاشِئْتَ مَدْحًافِيْهِ وَاحْتَكِمِ

فَانْسُبْ اِلٰى ذَاتِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ شَرَفٍ ‏ وَانْسُبْ اِلٰى قَدْرِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ عِظَمِ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ ‏ حَدٌّ فَيُعْرِبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

چھوڑ کر دعویٰ وہ جس کے ہیں نصاریٰ مدعی
چاہو جو مانو اسے زیبا ہے اللہ کی قسم
جو شرف چاہو کرو منسوب اس کی ذات سے
کوئی عظمت کیوں نہ ہو ہے منزلت سے اس کی کم
حد نہیں رکھتی فضیلت کچھ رسول اللہ ﷺ کی
لب کشائی کیا کریں اہل عرب اہل عجم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوت میں یوں فرماتے ہیں:

ہر رتبہ کہ بود در امکاں بروست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام

يَاصَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَاسَيِّدَالْبَشَرْ ‏ مِنْ وَّجْهِكَ الْمُنِيْرِلَقَدْنُوِّرَالْقَمَرْ

لَايُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَاكَانَ حَقُّهٗ ‏ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

''اے صاحب الجمال، اے سید البشر آپ کے روشن چہرہ سے چاند روشن ہے آپ کی ثنا کما حقہ ممکن نہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ خدا کے بعد آپ ﷺ ہی بزرگ ہیں۔''

جو معجزات و کمالات و فضائل دیگر انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین میں جدا جدا موجود تھے ان سب کے نظائر یا ان سے بھی بڑھ کر حضور انور بابی ہو وامی کی ذات شریف میں مجتمع تھے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ‏ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بغرض توضیح صرف چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

انبیائے سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ
۱۔ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام آپ کو اللہ نے تمام چیزوں کے ناموں کا علم دیا۔ آپ کو فرشتوں نے سجدہ کیا۔	سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ آپکو ﷺ اللہ تعالیٰ نے اسماء کے علاوہ مسمیات کا بھی علم دیا۔ جیسا کہ حدیث طبرانی و مسند فردوس کے حوالہ سے پہلے آچکا ہے۔ آپ ﷺ پر اللہ اور اللہ کے فرشتے درود بھیجتے رہتے ہیں اور مومنین بھی سلام و درود بھیجتے ہیں۔ یہ شرف اتم و اکمل ہے۔ کیونکہ سجدہ تو ایک دفعہ ہوکر منقطع ہوگیا اور درود سلام ہمیشہ کیلئے جاری ہے اور اعم بھی۔ کیونکہ سجدہ تو صرف فرشتوں سے ظہور میں آیا اور درود میں اللہ اور فرشتے اور مومنین شامل ہیں۔ علاوہ ازیں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اِسلیے سجدے کا حکم دیا تھا کہ نور محمدی حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھا۔
۲۔ حضرت ادریس علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھایا۔	آپ کو اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں آسمانوں کے اوپر مقام قاب قوسین تک اٹھایا۔
۳۔ حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو غرق ہونے سے نجات دی۔	آپ کے وجود کی برکت سے آپ ﷺ کی امت عذاب استیصال سے محفوظ رہی۔ وما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم (۱) اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح کو بھی آپ ﷺ ہی کے نور کی برکت سے غرق ہونے سے بچایا۔ کیوں کہ اِس وقت نور محمدی ﷺ حضرت (۲) سام کی پیشانی میں تھا۔
۴۔ ہود علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ آپ کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی۔	آپ ﷺ نے فرمایا کہ بادِ صبا سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد مغربی ہوا سے ہلاک کی گئی۔
۵۔ حضرت صالح علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے پتھر میں سے اونٹنی نکالی۔ آپ ﷺ فصاحت میں یگانہ روزگار تھے۔	اونٹ نے آپ ﷺ کی اطاعت سے کلام کیا۔ فصاحت میں کوئی آپ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ (۳)

۶۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔	آپ ہی کے نور کی برکت سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ آپ ﷺ کی ولادت شریف پر فارس کی آگ جو ہزار برس سے نہ بجھی تھی، گل ہوگئی شب معراج میں کرۂ نار سے آپ ﷺ کا گزر ہوا اور کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ آپ ﷺ کی امت میں بھی ایسے بزرگ گزرے ہیں کہ آگ میں ڈالے گئے اور سلامت رہے۔ چنانچہ ابو مسلم (۴) خولانی و ذویب بن کلیب۔
آپ کو مقام خلت عطا ہوا۔ اسی واسطے آپ کو خلیل اللہ کہتے ہیں۔	آپ ﷺ کو نہ صرف درجہ خلت عطا ہوا بلکہ اس سے بڑھکر درجہ محبت عطا ہوا اسی واسطے آپ ﷺ کو حبیب اللہ کہتے ہیں (۵)۔
آپ نے اپنی قوم کے بت خانے کے بت توڑے۔	آپ نے خانہ کعبہ کے گرداور اوپر جو تین سو ساٹھ بت نصب تھے محض ایک لکڑی کے اشارے سے یکے بعد دیگر گرا دیئے۔
آپ نے خانہ کعبہ بنایا۔	آپ نے بھی خانہ کعبہ بنایا۔ حجر اسود کو اس کی [illegible] رکھ دیا۔ تا کہ آپ کی امت کے لوگ طواف وہاں سے شروع کر[illegible]
۷۔ حضرت اسمٰعیل علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ آپ کو والد بزرگوار ذبح کرنے لگے تو آپ نے صبر کیا۔	اس کی نظیر آنحضرت ﷺ کا شق صدر ہے جو وقوع میں آیا۔ حالانکہ ذبح اسمٰعیل وقوع میں نہ آیا بلکہ ان کی جگہ دنبہ ذبح کیا گیا۔
۸۔ حضرت یعقوب علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ آپکو جب برادرانِ یوسف نے خبر دی کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے تو آپ نے بھیڑیئے کو بلا کر پوچھا۔ بھیڑیا بولا میں نے یوسف کو نہیں کھایا۔ (خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۱۸۲)	آپ سے بھی بھیڑیئے نے کلام کیا جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔

آپ فراقِ یوسف میں مبتلا ہوئے اور صبر کیا۔ یہاں تک کہ غم کے مارے آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اور قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتے۔	آپ اپنے صاحبزادے ابراہیم کی دائمی مفارقت میں مبتلا ہوئے۔ مگر آپ نے صبر کیا حالانکہ اس وقت اور کوئی صاحبزادہ آپ کا نہ تھا۔
۹۔ حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ آپکو اللہ تعالیٰ نے بڑا حسن و جمال عطا فرمایا۔	آپکو ایسا حسن عطا ہوا کہ کسی کو نہیں ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو تو نصف حسن ملا تھا مگر آپ ﷺ کو تمام ملا۔
آپ خوابوں کی تعبیر بیان کرتے تھے مگر قرآن مجید میں صرف تین خوابوں کی تعبیر آپ سے وارد ہے۔	آپ سے تعبیر رویا کی کثیر مثالیں احادیث میں مذکور ہیں۔
آپ اپنے والدین اور وطن کے فراق میں مبتلا ہوئے۔	آپ نے اہل اور رشتہ داروں اور دوستوں اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت کی۔
۱۰۔ حضرت ایوب علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ آپ صابر تھے۔	صبر میں آپ کے احوال حد نظر سے خارج ہیں۔
۱۱۔ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ آپ کو ید بیضا عطا ہوا۔	آپکی پشت مبارک پر مہر نبوت تھی۔ علاوہ ازیں آپ سراپا نور تھے۔ اگر آپ نے نقاب بشریت نہ اوڑھا ہوتا تو کوئی آپکے جمال کی تاب نہ لاتا۔
آپ نے عصا مار کر پتھر سے پانی جاری کر دیا۔	آپ نے اپنی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری کر دیا۔ یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ پتھر سے پانی کا نکلنا متعارف ہے مگر خون و گوشت میں سے متعارف نہیں۔
آپ کو عصا عطا ہوا جو اژدہا بن جاتا تھا۔	ستون حنانہ جو کھجور کا ایک خشک تنا تھا آپ کے فراق میں رویا اور اس سے اس بچہ کی سی آواز نکلی جو ماں کے فراق میں رو رہا ہو۔

آپ نے کوہِ طور پر اپنے رب سے کلام کیا۔

آپ نے عرش پر مقام قاب قوسین میں اپنے رب سے کلام کیا۔ اور دیدارِ الٰہی سے بھی بہرہ ور ہوئے اور حالت تمکین میں رہے۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمے

(عزت بخاری)

آپ نے عصائے بحیرہ قلزم کو دو پارہ کر دیا۔

آپ نے انگشت شہادت سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ معجزۂ کلیم تو زمین پر تھا اور یہ آسمان پر۔ وہاں عصا کا سہارا تھا اور یہاں صرف انگلی کا اشارہ۔

۱۲۔ حضرت یوشع علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ آپ کیلئے آفتاب ٹھہرایا گیا۔

آپ کے لیے بھی آفتاب غروب ہونے سے روکا گیا۔

آپ نے حضرت موسیٰ کے بعد جبارین سے جہاد کیا۔

آپ نے بدر کے دن جبارین سے جہاد کیا اور ان پر فتح پائی۔ آپ وفات شریف تک جہاد کرتے رہے اور جہاد قیامت تک آپکی امت میں جاری رہیگا۔

۱۳۔ حضرت داؤد علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ آپ کے ساتھ پہاڑ تسبیح پڑھتے تھے۔

آپ کے دست مبارک میں سنگریزوں نے تسبیح پڑھی بلکہ آپ نے دوسروں کے ہاتھ میں بھی کنکروں سے تسبیح پڑھوادی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے طعام میں سے تسبیح کی آواز آیا کرتی تھی کیونکہ پہاڑ تو خشوع وخضوع سے متصف ہیں مگر طعام سے تسبیح معہود نہیں۔

پرندے آپ کے مسخر کر دیئے گئے۔

پرندوں کے علاوہ حیوانات (اونٹ بھیڑیئے شیر وغیرہ) آپکے مسخر و مطیع کر دیئے گئے۔

آپ کے ہاتھ میں لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔

آپکے لئے شب معراج میں صخرۂ بیت المقدس خمیر کی مانند ہو گیا تھا۔ پس آپ نے اس سے اپنا براق باندھا۔ (دلائل حافظ ابونعیم اصفہانی)

آپ نہایت خوش آواز تھے۔

آپ بھی نہایت خوش آواز تھے۔ چنانچہ ترمذی نے حدیث انس میں نقل کیا ہے و کان نبیکم احسنهم وجها و احسنهم صوتا۔

۱۴۔ حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ السلام۔ آپ کو ملک عظیم عطا ہوا۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ نبوت کیساتھ ملک لیں یا عبودیت۔ آپ نے عبودیت کو پسند فرمایا۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے خزائن الارض کی کنجیاں آپکو عطا فرمائیں۔ اور آپکو اختیار دیا کہ جس کو چاہیں عطا کریں۔

آپکے تخت کو جہاں چاہتے ہوا اڑا لیجاتی۔ صبح سے زوال تک ایک مہینہ کی مسافت اور زوال سے شام تک ایک مہینے کی مسافت طے کرتے تھے۔	آپ کو شب معراج میں براق عطا ہوا بلکہ بجلی سے بھی تیز رفتار تھا۔
جن بقہر وغلبہ آپکے مطیع تھے۔	جن بطوع ورغبت آپ پر ایمان لائے۔
آپ پرندوں کی بولی سمجھتے تھے۔	آپ اونٹ بھیڑیے وغیرہ حیوانات کا کلام سمجھتے تھے، آپ سے پتھر نے کلام کیا جسے آپ نے سمجھ لیا۔
۱۵۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام۔	آپ نے مردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کیا۔
آپ مردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کر دیتے تھے۔	جب خیبر فتح ہوا تو وہاں کی ایک یہودی عورت نے آپ کو زہر آلود بکری کا گوشت بطور ہدیہ بھیجا۔ آپ نے بکری کا بازو لیا اور میں سے کچھ کھایا۔ وہ بازو بولا کہ مجھ میں زہر ڈالا گیا ہے۔ یہ مردے کو زندہ کرنے سے بڑھکر ہے کیونکہ یہ میت کے ایک جزو کا زندہ ہونا ہے۔ حالانکہ اس کا بقیہ جو اس سے الگ تھا مردہ ہی تھا۔
آپ نے مٹی سے پرندہ بنا دیا۔	غزوۂ بدر میں حضرت عکاشہ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آپ نے انکو ایک خشک لکڑی دیدی۔ جب انہوں نے اپنے ہاتھ میں لیکر ہلائی تو وہ سفید مضبوط لمبی تلوار بن گئی۔
آپ نے گہوارہ میں لوگوں سے کلام کیا۔	آپ نے ولادت شریف کے بعد کلام کیا۔
آپ بڑے زاہد تھے۔	آپ کا زہد سب سے زیادہ تھا۔

خصائص سید المرسلین (ﷺ): فضائل ومعجزات مذکورہ بالا تو وہ ہیں جو آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان مشترک ہیں۔ ان کے علاوہ اور فضائل ومعجزات وغیرہ ہیں جو آنحضرت ﷺ سے مخصوص ہیں۔ ان کو آپ کے خصائص کہتے ہیں۔ یہ خصائص بھی بکثرت اور حد وحصر سے خارج ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سال بڑی محنت سے احادیث و آثار کتب تفسیر وشرح حدیث وفقہ واصول وتصوف میں حضور علیہ السلام کے خصائص کا تتبع کیا۔ اور خصائص کبریٰ اور انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب تصنیف فرمائیں جن میں [illegible]

زائد خصائص مذکور ہیں۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء قطب شعرانی نے کشف الغمہ میں اپنے استاد علامہ سیوطی کے خط سے یہی خصائص نقل کیے ہیں:

یہ خصائص چار قسم کے ہیں۔ اول۔ وہ واجبات جو آنحضرت ﷺ سے مختص ہیں۔ مثلاً نماز تہجد۔ دوم: وہ احکام جو آنحضرت ﷺ ہی پر حرام ہیں، دوسروں پر نہیں۔ مثلاً تحریم زکوٰۃ۔ سوم: وہ مباحات جو حضور علیہ السلام سے مختص ہیں۔ مثلاً نماز بعد عصر۔ چہارم: وہ فضائل و کرامات جو حضور انور بابی ہوامی سے مخصوص ہیں۔ اس مختصر میں صرف چہارم میں سے بعض خصائص ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو سب نبیوں سے پہلے پیدا کیا اور سب سے اخیر میں معبوث فرمایا۔

۲۔ عالم ارواح ہی میں آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور اسی عالم میں دیگر انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحوں نے آپ کے روح انور سے استفاضہ کیا۔

۳۔ عالم ارواح میں دیگر انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحوں سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا کہ اگر وہ حضور انور کے زمانے کو پائیں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔

۴۔ یوم الست میں سب سے پہلے حضور علیہ السلام نے بلیٰ کہا تھا۔

۵۔ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام اور تمام مخلوقات حضور انور ہی کے لیے پیدا کیے گئے۔

۶۔ حضور کا اسم مبارک عرش کے پایہ پر اور ہر ایک آسمان اور بہشت کے درختوں اور محلات پر اور حوروں کے سینوں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان لکھا گیا ہے۔

۷۔ کتب الہامیہ سابقہ تورات وانجیل وغیرہ میں آپ کی بشارت درج ہے۔

۸۔ حضور انور بنی آدم کے بہترین قرون قرناً بعد قرن سے اور بہترین قبائل و خاندان سے ہیں۔ یعنی برگزیدہ ترین برگزیدگاں اور بہترین بہتراں اور مہترین مہتراں ہیں۔

۹۔ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام سے لے کر حضور کے والد ماجد تک اور حضرت حواء سے لے کر حضور کی والدہ ماجدہ تک حضور کا نسب شریف سفاح (زنا) سے پاک وصاف رہا ہے۔

۱۰۔ حضور انور کی ولادت شریف کے وقت بت اوندھے ہو کر گر پڑے۔ اور جنوں نے اشعار پڑھے۔

۱۱۔ حضور ختنہ کیے ہوئے، ناف بریدہ اور آلودگی سے پاک وصاف پیدا ہوئے۔

۱۲۔ پیدائش کے وقت آپ حالت سجدہ میں تھے اور ہر دو انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے۔

۱۳۔ آپ کے ساتھ پیدائش کے وقت ایسا نور نکلا کہ اس میں آپ کی والدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا نے ملک شام کے محل دیکھ لیے۔

۱۴۔ فرشتے حضور انور ﷺ کے گھوارے کو ہلایا کرتے تھے۔ آپ نے گھوارے میں کلام کیا۔ چنانچہ آپ چاند سے باتیں کیا کرتے۔ جس وقت آپ اس کی طرف انگشت مبارک سے اشارہ فرماتے وہ آپ کی طرف جھک آتا۔

۱۵۔ بعثت سے پہلے گرمی کے وقت اکثر بادل آپ پر سایہ کرتا تھا اور درخت کا سایہ آپ کی طرف آ جاتا تھا۔

۱۶۔ حضور انور کا سینہ مبارک چار دفعہ شق کیا گیا۔ یعنی حالت رضاعت میں، دس برس کی عمر شریف میں، غار حرا میں ابتدائے وحی کے وقت شب معراج میں جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

۱۷۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور علیہ السلام کے ہر عضو کا ذکر کیا ہے جس سے حق جل وعلا کی کمال محبت وعنایت پائی جاتی ہے۔

قلب مبارک:	مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی۔ (نجم۔ع۱)
	نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ۔ (شعراء۔ع۱۱)
زبان مبارک:	وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی۔ (نجم۔شروع)
	فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ۔ (دخان۔ع۳)
چشم مبارک:	مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ (نجم۔ع۱)
چہرہ مبارک:	قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ۔ (بقرہ۔ع۱۷)
ہاتھ اور گردن مبارک:	وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ۔ (بنی اسرائیل:ع۳)
سینہ اور پشت مبارک:	اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (الانشراح۔شروع)

۱۸۔ حضور علیہ السلام کا اسم مبارک (محمد) اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اسم مبارک (محمود) سے مشتق ہے۔

۱۹۔ حضور انور کے اسمائے مبارکہ میں سے تقریباً ستر نام وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

۲۰۔ حضور اقدس ﷺ کا ایک اسم مبارک احمد ہے۔ آپ سے پہلے جب سے دنیا پیدا ہوئی کسی کا یہ نام نہ تھا تاکہ اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے کہ کتب سابقہ الہامیہ میں جو احمد کا ذکر ہے وہ آپ ہی ہیں۔

۲۱۔ آپ کو آپ کا پروردگار بہشت کے طعام وشراب سے کھلاتا پلاتا تھا۔

۲۲۔ حضور انور اپنے پیچھے سے ایسا دیکھتے جیسا کہ سامنے سے دیکھتے۔ رات کو اندھیرے میں ایسا دیکھتے جیسا کہ دن کے وقت اور روشنی میں دیکھتے۔

۲۳- حضور انور ﷺ کے دہن مبارک کا لعاب آب شور کو میٹھا بنا دیتا اور شیر خوار بچوں کے لیے دودھ کا کام دیتا۔

۲۴- جب آپ کسی پتھر پر چلتے تو اس پر آپ کے پائے مبارک کا نشان ہو جاتا۔ چنانچہ مقام ابراہیم میں ہے اور سنگ مکہ میں آپ کی کہنیوں کا نشان مشہور ہے۔

۲۵- حضور اقدس ﷺ کی بغل شریف پاک وصاف اور خوشبودار تھی۔ اس میں کسی قسم کی بوئے ناخوش نہ تھی۔

۲۶- آپ کی آواز مبارک اتنی دور تک پہنچتی کہ کسی دوسرے کی نہ پہنچتی۔ چنانچہ جب آپ خطبہ دیا کرتے تھے تو نوجوان لڑکیاں اپنے گھروں میں سن لیا کرتی تھیں۔

۲۷- آپ کی قوت سامعہ سب سے بڑھ کر تھی یہاں تک کہ اکثر اژدحام ملائک کے سبب سے آسمان میں جو آواز پیدا ہوتی ہے آپ وہ بھی سن لیتے تھے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام ابھی سدرۃ المنتہیٰ میں ہوتے کہ آپ ان کے بازوؤں کی آواز سن لیتے تھے اور جب وہ وہاں سے آپ کی طرف وحی کے لیے اترنے لگتے تو آپ ان کی خوشبو سونگھ لیتے۔ آسمان کے دروازں کے کھلنے کی آواز بھی آپ سن لیا کرتے تھے۔

۲۸- خواب میں آپ کی چشم مبارک سو جاتی مگر دل مبارک بیدار رہتا۔ بعض کہتے ہیں کہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی یہی حال تھا۔

۲۹- آپ نے کبھی جمائی اور انگڑائی نہیں لی اور نہ کبھی آپ کو احتلام ہوا دیگر انبیائے کرام بھی اس فضیلت میں مشترک ہیں۔

۳۰- حضور انور کا پسینہ مبارک کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

۳۱- حضور میانہ قد مائل بہ درازی تھے۔ مگر جب دوسروں کے ساتھ چلتے یا بیٹھتے تو سب سے بلند نظر آتے تاکہ باطن کی طرح ظاہری صورت میں بھی کوئی آپ سے بڑا معلوم نہ ہو۔

۳۲- حضور اقدس ﷺ کا سایہ نہ تھا کیوں کہ آپ نور ہی نور تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

۳۳- آپ کے بدن شریف پر مکھی نہ بیٹھتی اور کپڑوں میں جوں نہ پڑتی۔

۳۴- جب آپ چلتے تو فرشتے (بغرض حفاظت) آپ کے پیچھے ہوتے اسی واسطے آپ نے اصحاب کرام سے فرمایا کہ تم میرے آگے چلو اور میری پیٹھ فرشتوں کے واسطے چھوڑ دو۔

۳۵- حضور انور کا خون اور تمام فضلات پاک تھے بلکہ آپ کے بول کا پینا شفاء تھا۔

۳۶- حضور کے براز کو زمین نگل جایا کرتی تھی اور وہاں سے کستوری کی خوشبو آیا کرتی تھی۔

۳۷۔ آپ جس گنجے کے سر پر اپنا دست شفاء پھیرتے اسی وقت بال اگ آتے اور جس درخت کو لگاتے وہ اسی سال پھل دیتا۔
۳۸۔ آپ جس سر پر اپنا دست مبارک رکھتے۔آپ کی دست مبارک کی جگہ کے بال سیاہ ہی رہا کرتے کبھی سفید نہ ہوتے۔
۳۹۔ آپ رات کے وقت دولت خانے میں تبسم فرماتے تو گھر روشن ہوجاتا۔
۴۰۔ حضور اقدس ﷺ کے بدن مبارک سے خوشبو آتی تھی۔جس راستے سے آپ گزرتے۔اس میں بوئے خوش رہتی جس سے پتا چلتا کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں۔
۴۱۔ جس چوپائے پر آپ سوار ہوتے وہ بول و براز نہ کرتا جب تک کہ آپ سوار رہتے۔
۴۲۔ آپ کی بعثت پر کاہنوں کی خبریں منقطع ہوگئیں اور شہاب ثاقب کے ساتھ آسمانوں کی حفاظت کر دی گئی اور شیاطین تمام آسمانوں سے روک دیئے گئے۔
۴۳۔ حضور اقدس کا قرین وموکل (جن) اسلام لے آیا۔
۴۴۔ شب معراج حضور کے لیے براق مع زین ولگام آیا۔
۴۵۔ حضور انور ﷺ شب معراج میں جسد مبارک کے ساتھ حالت بیداری میں آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے

محرمے جز خدا نبود آنجا
بلکہ جائے کہ جا نبود آنجا

اور آپ نے اپنے پروردگار جل شانہ کو آنکھوں سے دیکھا اور اس کے ساتھ کلام کیا۔اسی رات آپ بیت المقدس میں نماز میں دیگر انبیاء کرام اور فرشتوں کے امام بنے۔
۴۶۔ بعض غزوات میں فرشتے آپ کے ساتھ ہوکر دشمنوں سے لڑے۔
۴۷۔ ہم پہ واجب ہے کہ حضور اقدس پر درود و سلام بھیجیں۔پہلی امتوں پر واجب نہ تھا کہ اپنے پیغمبروں پر درود بھیجیں۔
۴۸۔ قرآن کریم اور دیگر کتب الہامیہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوائے حضور اقدس ﷺ کے اور کسی پیغمبر پر درود وارد نہیں۔
۴۹۔ حضور اقدس کو اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب عطا فرمائی جو تحریف سے محفوظ اور بلحاظ لفظ و معنی معجزہ ہے۔حالانکہ آپ امی تھے،لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اور نہ عالموں کی صحبت میں رہے تھے۔
۵۰۔ حضور انور کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں۔چنانچہ آپ کا ارشاد مبارک ہے۔انما انا قاسم واللہ یعطی (میں تو بانٹنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے)ان خزانوں میں سے جو کچھ کسی کو ملتا

ہے وہ آپ ہی کے دست مبارک سے ملتا ہے۔ کیوں کہ آپ حضرت باری تعالیٰ کے خلیفہ و نائب کل ہیں۔ جو کچھ چاہتے ہیں باذن الٰہی عطا فرماتے ہیں۔

۵۱- اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس کو جوامع کلم عطا فرمائے ہیں۔ یعنی آپ کے کلام شریف میں فصاحت و بلاغت اور غوامض معانی اور بدائع حکم اور محاسن عبارات بلفظ موجز لطیف سب پائے جاتے ہیں۔

۵۲- اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر شے کا علم دیا یہاں تک کہ روح اور ان امورِ خمسہ کا علم بھی عنایت فرمایا جو سورۂ لقمان کے اخیر میں مذکور ہیں (۶)۔

۵۳- حضور علیہ السلام سارے جہان (انس و جن ملائک) کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۵۴- حضور انور سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۵۵- حضور علیہ السلام کے رعب کا یہ حال تھا کہ دشمن خواہ ایک ماہ کی مسافت پر ہوتا آپ اس پر رعب سے فتح پاتے اور وہ مغلوب ہو جاتا۔ یہ تخصیص بہ نسبت دیگر انبیائے کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ و سلام کے ہے۔ سلاطین و جبابرہ کا معاملہ خارج از مبحث ہے۔

۵۶- حضور اقدس ﷺ کے لیے (اور آپ کی امت کے لیے) غنائم حلال کر دی گئیں۔ آپ سے پہلے کسی پر حلال نہ تھیں۔

۵۷- حضور ﷺ کے لیے (اور آپ کی امت کے لیے) تمام روئے زمین سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنا دی گئی۔ جہاں نماز کا وقت آ جائے اور پانی نہ ملے تیمم کر کے وہیں نماز پڑھ لی جائے۔ دوسری امتوں کے لیے پانی کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ طہارت نہ تھی اور نماز بھی معین جگہ کنیسہ وغیرہ کے سوا اور جگہ جائز نہ تھی۔

۵۸- چاند کا ٹکڑے ہونا، شجر و حجر کا سلام کرنا اور رسالت کی شہادت دینا، حنانہ کا رونا، اور انگلیوں سے چشمے کی طرح پانی جاری ہونا۔ یہ سب معجزات آپ کو عطا ہوئے۔

۵۹- حضور علیہ السلام خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہ آئے گا۔

۶۰- حضور کی شریعت تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں کی ناسخ ہے اور قیامت تک رہے گی۔

۶۱- حضور کو اللہ تعالیٰ نے کنایہ سے خطاب فرمایا۔ بخلاف دیگر انبیا کے کہ انہیں ان کے نام خطاب کیا ہے۔ دیکھو آیات ذیل:

۱- وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ O (پ۱: ع۴)

۲- وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى O (پ۱۶: طٰہٰ، ع۷)

۳- قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۝ (پارہ ۱۲، ہود، ع ۴)

۴- وَنَادٰى نُوحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (پ ۱۲، ہود ع ۴)

۵- يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۔ (پ ۱۲۔ ہود۔ ع ۷)

۶- وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۝ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (پ ۱، بقرہ، ع ۱۵)

۷- قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ڮ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (پ ۹، اعراف، ع ۱۷)

۸- فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (پ ۲۰۔ قصص۔ ع ۲)

۹- اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۝ (مائدہ۔ ع ۱۵)

۱۰- قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (پ ۷، مائدہ، ع ۱۵)

۱۱- يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۝ (پ ۲۳۔ ص۔ ع ۲)

۱۲- وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ (پ ۲۳۔ ص۔ ع ۳)

۱۳- يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اِسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ (پ ۱۶۔ مریم۔ ع ۱)

۱۴- كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۝ (آلِ عمران۔ ع ۴)

۱۵- يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۝ (مریم۔ ع ۱)

۱۶- وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ (انبیاء۔ ع ۶)

مگر ہمارے آقائے نامدار بابی ہو وامی کو اللہ تعالیٰ یوں خطاب فرماتا ہے:

۱- يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال۔ ع ۸)

۲- يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۝ (مائدہ۔ ع ۱۰)

۳- يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ (مزمل شروع)

۴- يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ (مدثر شروع)

جہاں اللہ تعالیٰ نے حضور کے نام مبارک کی تصریح فرمائی ہے وہاں ساتھ ہی رسالت یا کوئی اور وصف بیان فرمایا ہے۔ دیکھو آیات ذیل:

۱۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ○ (پ۴۔ آلِ عمران۔ ع۱۵)

۲۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ○ (پ۲۶۔ فتح۔ ع۴)

۳۔ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ○ (پ۲۲۔ احزاب۔ ع۵)

۴۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ○ (پ۲۶۔ محمد۔ ع۱)

جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل وحبیب کا یکجا ذکر کیا ہے وہاں اپنے خلیل کا نام لیا ہے اور اپنے حبیب کو نبوت کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ یوں ارشاد ہوا ہے:

۵۔ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (پ۳۔ آلِ عمران۔ رکوع۷)

۶۲۔ حضور کو نام مبارک کے ساتھ خطاب کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ حالانکہ دوسری امتیں اپنے نبیوں کو نام کے ساتھ خطاب کیا کرتی تھیں۔ دیکھو آیاتِ ذیل:

۱۔ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ۔ (پ۹۔ اعراف۔ ع۱۶)

۲۔ وَاِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ۔ (پ۷۔ مائدہ۔ رکوع۱۵)

۳۔ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ (پ۱۲۔ ہود ع۵)

۴۔ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ○

مگر ہمارے آقائے نامدار بابی ہو وامی کی نسبت یوں ارشاد باری ہوتا ہے:

''مت مقرر کرو پکارنا پیغمبر کا درمیان اپنے جیسا پکارنا بعض تمہارے کا ہے بعض کو۔''

۶۳۔ حضور کا نام مبارک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں طاعت ومعصیت فرائض واحکام، وعدہ وعید اور انعام واکرام کا ذکر کرتے وقت اپنے پاک نام کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ دیکھو آیاتِ ذیل:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ (پ۱۸۔ نور۔ ع۹)

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۝

(پ۵،نساء،ع۸)

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ (پ۹،انفال،ع۳)

۳۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (پ۱۰،توبہ،ع۹)

۴۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۝ (پ۱۸۔نور۔ع۹)

۵۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۝

(پ۹۔انفال۔ع۳)

۶۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خٰلِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (پ۴۔نساء۔ع۲)

۷۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ (پ۲۲۔احزاب۔ع۷)

۸۔ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (پ۱۰،توبہ شروع)

۹۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ۔ (پ۱۰،توبہ،ع۱)

۱۰۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (پ۱۰،توبہ،ع۲)

۱۱۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝ (پ۱۰،توبہ،ع۸)

۱۲۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ (پ۶،مائدہ،ع۵)

۱۳۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ○ (پ۱۰۔ توبہ ع۴)

۱۴۔ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ (پ۹، انفال، شروع)

۱۵۔ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ○ (پ۹، انفال، ع۲)

۱۶۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ○ (نساء۔ ع۵)

۱۷۔ وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَی اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ○ (پ۱۰، توبہ، ع۱۰)

۱۸۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ۔ (پ۱۰، شروع)

۱۹۔ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (پ۱۰، توبہ، ع۱۰)

۲۰۔ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِیُؤْذَنَ لَھُمْ وَقَعَدَ الَّذِیْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ○ (پ۱۰، توبہ، ع۱۲)

۲۱۔ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ۔ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ۔ (احزاب، ع۵)

۶۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا ذکر بلند کیا ہے۔ چنانچہ اذان اور خطبے اور تشہد میں اللہ عزوجل کے ساتھ آپ کا ذکر بھی ہے۔

۶۵۔ حضور علیہ السلام پر آپ کی امت پیش کی گئی اور جو کچھ آپ کی امت میں قیامت تک ہونے والا ہے وہ سب آپ پر پیش کیا گیا بلکہ باقی امتیں بھی آپ پر پیش کی گئیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کا نام بتایا گیا۔

۶۶۔ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور محبت و خلت اور کلام و رویت کے جامع ہیں۔

۶۷۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پہلے نبیوں کو ان کے مانگنے کے بعد عطا فرمایا وہ آپ کو بن مانگے عنایت فرمایا۔ دیکھو امثلہ ذیل:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے سوال کیا:

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ○ (شعرا۔ ع۵)

''اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن جی اٹھیں۔''

حضور سرورِ انبیاء ﷺ اور آپ کی امت کے بارے میں خدا تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ (تحریم۔ ع۲)

''جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبی کو اور ان کو جو ایمان لائے ہیں اس کے ساتھ۔''

یہاں سوال سے پہلے بشارت ہے۔

(ب) حضرت ابراہیم علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔ (ابراہیم: ع ۶)

''مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچا۔''

حضور سرورِ انبیاء ﷺ کے حق میں بن مانگے خدا فرماتا ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا۝ (احزاب، ع ۴)

''اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے گھر والو۔ اور ستھرا کرے تم کو ستھرا کرنا۔''

یہ ابلغ ہے اس سے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے حق میں ہوا۔ کیوں کہ دعائے خلیل تو فقط عبادت اصنام کی نفی کے لیے تھی اور یہ ہر گناہ و نقص کو عام ہے۔ وہ تو اپنے بیٹوں کے حق میں خاص تھی اور یہ عام ہے ہر ایک کو کہ شامل ہے اس کو بیت حضور نبی ﷺ کا یعنی آپ کے ازواج مطہرات اور اولاد وغیرہ۔

(ج) حضرت خلیل اللہ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیْمِ۝ (شعراء، ع ۵)

''مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں کر۔''

حضور سرورِ انبیاء ﷺ کے حق میں بن مانگے خدا فرماتا ہے:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۝ (کوثر) ۱

''ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا۔''

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۝ (ضحیٰ)

''اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب۔ پھر تو راضی ہو جائے گا۔''

(د) حضرت خلیل اللہ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ۝ (الشعراء، ع ۵)

''آئندہ امتوں میں قیامت تک میرا ذکر جمیل قائم رکھ۔''

حضور سرورِ انبیاء ﷺ کو خدا تعالیٰ نے بن مانگے اس سے بڑھ کر عطا فرمایا۔ چنانچہ سورۂ الم نشرح میں وارد ہے:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ۝ (الم نشرح) ''اور ہم نے تیرا نام بلند کیا۔''

لہٰذا حضور از عرش تا فرش مشہور ہیں اور نماز و خطبہ و اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ آپ کا نام مبارک مذکور ہے اور عرش پر، قصور بہشت پر، حوروں کے سینوں پر، درختان بہشت کے پتوں اور فرشتوں کی چشم و ابرو پر آپ کا اسم شریف لکھا ہوا ہے۔ اور آپ سے پہلے جس قدر انبیاء گزرے ہیں، وہ سب آپ کے ثنا خواں رہے ہیں اور قیامت کو ثنا خواں ہوں گے۔

(ہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ○ (طٰہٰ۔ ع۲)

''اے میرے پروردگار میرا سینہ میرے واسطے روشن کر دے۔''

حضور سرورِ انبیاء ﷺ کے لیے بن مانگے یوں ارشاد ہوتا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ○ (الم نشرح شروع)

''کیا ہم نے تیرے واسطے تیرا سینہ روشن نہیں کیا۔''

(و) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے کتاب کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا پھر دس راتیں اور زیادہ کی گئیں۔ بعد ازاں کتاب توراۃ عطا ہوئی۔

مگر حضور سرورِ انبیاء ﷺ پر بغیر کسی وعدہ سابق کے نزول قرآن شروع ہوا۔ چنانچہ باری تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔ (قصص، ع۹)

''اور تو توقع نہ رکھتا تھا کہ اتاری جائے تجھ پر کتاب مگر فضل ہو کر تیرے رب کی طرف سے۔''

۶۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی رسالت پر قسم کھائی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہے:

یٰسٓ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ○ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ○ (یٰسین، شروع)

''یٰسٓ۔ قسم ہے قرآن محکم کی۔ تحقیق تو البتہ پیغمبروں سے ہے۔''

۶۹۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی زندگی اور آپ کے شہر کی اور آپ کے زمانے کی قسم کھائی ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ○ (حجر، ع۵)

''تیری زندگی کی قسم! وہ (قوم لوط) البتہ اپنی مستی میں سرگرداں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے کسی اور پیغمبر کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔

ب۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ○ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ○ (سورۂ بلد)

''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی حالانکہ تو اترنے والا ہے اس شہر میں''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے شہر یعنی مکہ معظمہ کی قسم کھائی ہے جسے پہلے

ہی سے شرف ذاتی حاصل تھا مگر حضور انور کے نزول سے اور شرف حاصل ہو گیا۔ مدارج النبوۃ میں یوں لکھا ہے:

"در مواہب لدنیہ میگوید کہ روایت کردہ شدہ است از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہ گفت مر آنحضرت را ﷺ بابی انت وامی یا رسول اللہ! بتحقیق رسیدہ است فضیلت تو نزد خدا بمرتبہ کہ سوگند خورد بخاک پائے تو وگفت لا اقسم بھذا البلد۔ یعنی سوگند خوردن بہ بلد کہ عبارت است از زمین کہ بے سپر میکند آنرا پائے آنحضرت ﷺ سوگند بخاک پائے حضرت رسالت است ونظر بحقیقت معنی صاف وپاک است کہ غبارے براں نمے نشیند"۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ (عصر)

"قسم ہے زمانہ کی! بتحقیق انسان ٹوٹے میں ہے۔"

۷۰۔ حضور علیہ السلام سے وحی کی تمام قسموں کے ساتھ کلام کیا گیا۔

۷۱۔ حضور کا رؤیا وحی ہے یہی حال تمام پیغمبروں کا ہے۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۷۲۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ پر حضرت اسرافیل علیہ السلام نازل ہوئے جو آپ سے پہلے کسی اور نبی پر نازل نہیں ہوئے۔

۷۳۔ حضور بہترین اولاد آدم ہیں۔

"آپ کے پچھلے اگلے گناہ (بالفرض والتقدیر) معاف کیے گئے ہیں۔"

۷۴۔ آپ کے سبب آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کیے گئے۔ یعنی اگر آپ سے کسی (ترک اولیٰ جسے بلحاظ آپ کے منصب جلیل کے گناہ سے تعبیر کیا جائے) کا صدور تصور کیا جائے تو اس کی معافی کی بشارت خدا نے دے دی ہے۔ حالانکہ ایسا تصور میں نہیں آ سکتا۔ کیوں کہ آپ سے بھی کوئی گناہ (خواہ ترک اولیٰ ہی ہو) صادر نہیں ہوا۔ کسی دوسرے پیغمبر کو خدا تعالیٰ نے حیات دنیوی میں ایسی مغفرت کی بشارت نہیں دی۔

۷۵۔ حضور انور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم الخلق ہیں۔ اس لیے دیگر انبیاء ومرسلین اور ملائک سے افضل ہیں۔

۷۶۔ اجتہاد میں حضور سے خطاء (برتقدیر تسلیم وقوع) جائز نہیں۔

۷۷۔ قبر میں میت سے حضور کی نسبت سوال ہوتا ہے۔

۷۸۔ حضور کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام کیا گیا۔

۷۹۔ حضور کی ازواج مطہرات کے اشخاص واجسام کا اظہار خواہ چادروں میں پوشیدہ ہوں (باستثنائے

ضرورت) جائز نہ تھا۔ اسی طرح ان پر شہادت وغیرہ کے لیے منہ ہاتھ کا ننگا کرنا حرام تھا۔

۸۰۔ حضور کی صاحب زادیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما آپ کے صاحب زادے کہلاتے ہیں۔

۸۱۔ حضور کی صاحب زادیوں پر تزوج حرام تھا۔ یعنی اگر آپ کی کوئی صاحب زادی کسی مرد کے نکاح میں ہوتو اس مرد پر حرام تھا کہ کسی دوسری عورت سے بھی نکاح کرے۔

۸۲۔ جس محراب کی طرف حضور نے نماز پڑھی۔ اس میں کسی کو اجتہاد و تحری سے دائیں بائیں ہونا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کرے اور اصرار کرے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اسی طرح تھیں تو وہ کافر ہو گیا اور اگر یہ تاویل کرے کہ یہ محراب جواب ہے، وہ نہیں جو حضور کے زمانہ میں تھی۔ بلکہ اس میں تغیر آ گیا ہے تو وہ کافر نہیں ہوتا۔

۸۳۔ جس نے حضور کو خواب میں دیکھا اس نے بے شک آپ ہی کو دیکھا۔ کیوں کہ شیطان آپ کی صورت شریف کی طرح نہیں بن سکتا۔ اس بات پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ جس صورت سے کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے آپ ہی کو دیکھا۔ تفاوت آئینے کے حال میں ہے۔ جس کا آئینہ خیال زیادہ صاف اور اسلام کے نور سے زیادہ منور ہے اس کا دیکھنا درست تر اور کامل تر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان کسی نبی کی صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔

۸۴۔ حضور کا اسم شریف یعنی محمد کسی کا نام رکھنا مبارک اور دنیا اور آخرت میں نافع ہے۔ مگر ابو القاسم کنیت رکھنے میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسم و کنیت کے درمیان جمع کرنے سے منع کیا ہے۔ اور افراد یعنی اسم و کنیت میں سے ایک کا رکھنا جائز بتایا ہے۔ تفصیل مطولات میں دیکھنی چاہیے۔

۸۵۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اپنی انگوٹھی پر محمد رسول اللہ نقش کرائے جیسا کہ حضور انور کی انگوٹھی پر تھا۔

۸۶۔ حضور کی حدیث شریف کے پڑھنے کے لیے غسل و وضو کرنا اور خوشبو ملنا مستحب ہے۔ اور یہ بھی مستحب ہے کہ حدیث شریف کے پڑھنے میں آواز دھیمی کی جائے۔ جیسا کہ حضور کی حیات شریف میں جس وقت آپ کلام کرتے، حکم الٰہی تھا کہ آپ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔ آپ کے وصال شریف کے بعد آپ کا کلام مروی و ماثور عزت و رفعت میں مثل اس کلام کے ہے جو آپ کی زبان مبارک سے سنا جاتا تھا۔ لہٰذا کلام ماثور کی قراءت کے وقت بھی وہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اور یہ بھی مستحب ہے کہ حدیث شریف اونچی جگہ پر پڑھی جائے۔ اور پڑھتے وقت کسی کی تعظیم کے لیے خواہ کیسا ہی ذی شان ہو کھڑا نہ ہو۔ کیوں کہ یہ خلاف ادب ہے۔

۸۷۔ حضور کی حدیث شریف کے قاریوں کے چہرے تازہ و شاد ماں رہیں گے۔

۸۸۔ جس شخص نے بحالت ایمان ایک لمحہ یا ایک نظر حضور اقدس ﷺ کو دیکھ لیا اسے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ طویل صحبت شرط نہیں۔ ہاں تابعی ہونے کے لیئے یہ شرط ہے کہ وہ صحابی کی صحبت میں دیر تک رہا ہو۔

۸۹۔ حضور کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔ لہٰذا شہادت و روایت میں ان میں سے کسی کی عدالت سے بحث نہ کی جائے جیسا کہ دیگر راویوں میں کی جاتی ہے۔ کیوں کہ صحابہ کرام کی تعدیل ظواہر کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

۹۰۔ نمازی تشہد میں حضور ﷺ سے یوں خطاب کرتا ہے۔ السلام علیک ایھا النبی (آپ پر سلام اے نبی) اور آپ کے سوا کسی اور مخلوق کو اس طرح خطاب نہیں کرتا۔ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو انہیں الفاظ سے خطاب کیا تھا۔ فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ نمازی کو چاہیے کہ تشہد میں شب معراج کے واقعہ کی حکایت واخبار کا ارادہ نہ کرے بلکہ انشاء کا قصد کرے کہ گویا وہ اپنی طرف سے اپنے نبی پر سلام بھیجتا ہے۔ اگر حکایت واخبار کی نیت ہوگی تو وہ سلام نمازی کا نہ ہوگا۔ اور تشہد جو واجب ہے ادا نہ ہوگا لہٰذا نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ نمازی کو چاہیے کہ اپنے قلب میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے جسم کریم کو حاضر کر کے کہے۔ السلام علیک ایھا النبی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

> "ونیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومنان وقرۃ العین عابدان است در جمیع احوال واوقات خصوصاً در حالت عبادت وآخرآں کہ بوجود نورانیت وانکشاف دریں محل بیشتر وقوی تر است۔ و بعضے از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات۔ پس آنحضرت در ذات مصلیان موجود وحاضر است۔ پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب واسرار معرفت متنور وفائض گردد"۔

امام عبدالوہاب شعرانی میزان کبریٰ (باب صفۃ الصلوٰۃ) میں لکھتے ہیں کہ میں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شارع علیہ السلام نے نمازی کو التحیات میں رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا اس لیے امر کیا ہے کہ غافلوں کو آگاہ کر دے کہ تم جو اللہ عزوجل کے سامنے بیٹھے ہو۔ اس دربار میں تمہارے نبی موجود ہیں۔ کیوں کہ آپ بارگاہِ الٰہی سے کبھی جدا نہیں ہوتے اس واسطے نمازی آپ کو سلام کے ساتھ روبرو خطاب کرتے ہیں۔

۹۱۔ جس مومن کو حضور انور پکاریں۔ اس پر آپ کو جواب دینا واجب ہے۔ خواہ وہ نماز میں ہو۔

حضرت ابوسعید بن معلّیٰ کا بیان ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے پکارا۔ میں نہ آیا۔ نماز سے فارغ ہو کر حاضر خدمت ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا:

اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۝ (انفال۔ ع ۳)

''قبول کرو خدا اور رسولؐ کا پکارنا۔ جب وہ پکارے تمہیں اس چیز کے لیے جو تم کو زندہ کرے۔'' (صحیح بخاری، تفسیر سورہ انفال)

اگر کوئی مومن آپ کو جواب نہ دے تو بالاتفاق گنہگار ہے۔ اس کی نماز کے بارے میں اختلاف ہے کہ باطل ہو جاتی ہے یا نہیں۔

۹۲۔ حضور پر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں جیسا کہ آپ کے غیر پر ہے۔ حدیث صحیحین میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ''جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا۔ وہ آگ میں اپنا ٹھکانا بنا لے''۔ ایسے شخص کی روایت خواہ وہ توبہ کرے ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ بعض کے نزدیک رسول اللہ ﷺ پر عمداً جھوٹ باندھنا کفر ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ سخت گناہِ عظیم و کبیرہ ہے۔

۹۳۔ حضور انور ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجروں کے باہر سے آپ کو پکارنا حرام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (حجرات، ع ۱)

''البتہ وہ لوگ جو پکارتے ہیں تجھ کو حجروں کے باہر سے ان میں اکثر عقل نہیں رکھتے اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو ان کی طرف نکلتا تو یہ البتہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

۹۴۔ حضور علیہ السلام سے بلند آواز سے کلام کرنا حرام ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

۹۵۔ آنحضرت ﷺ معصوم ہیں۔ گناہِ صغیرہ اور کبیرہ سے عمداً اور سہواً قبل از نبوت اور بعد نبوت۔ یہی مذہب مختار ہے۔

۹۶۔ حضور انور پر جنون اور لمبی بے ہوشی طاری نہیں ہوئی۔ کیوں کہ یہ من جملہ نقائص ہیں۔ علامہ سبکی نے کہا کہ پیغمبروں پر نابینائی وارد نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ نقص ہے۔ کوئی پیغمبر نابینا نہیں ہوا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت جو کہا گیا ہے کہ وہ نابینا تھے۔ سو وہ ثابت نہیں (بر تقدیر ثبوت وہ نابینائی مضر نہیں) کیوں کہ وہ تحقیق نبوت کے بعد طاری ہوئی) رہے حضرت یعقوب علیہ السلام سو ان کی آنکھوں پر پردہ آ گیا تھا۔ اور وہ پردہ دور ہو گیا۔ مشہور یہ ہے کہ کوئی پیغمبر اصم (بہرا) نہ تھا۔

۹۷۔ حضور کی برأت وتنزیہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی، بخلاف دیگر انبیائے کرام کے کہ اپنے مکذبین کی تردید خود کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قوم نوح نے جب ان سے کہا:

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝

''تحقیق ہم تجھے صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔''

ان کی نفی خود حضرت نوح علیہ السلام نے کی، جب ان سے کہا:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ (اعراف، ع ۸)

''اے میری قوم مجھ میں گمراہی نہیں ولیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔''

قوم ہود نے ان سے کہا:

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝

''تحقیق ہم تجھ کو بیوقوفی میں دیکھتے ہیں اور تجھے جھوٹوں پر گمان کرتے ہیں۔''

اس پر ہود علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ (اعراف، ع ۹)

''اے میری قوم مجھ میں بیوقوفی نہیں ولیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔''

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا۝

''تحقیق میں تجھے اے موسیٰ جادو کیا ہوا گمان کرتا ہوں۔''

اس پر حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا:

وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا۝ (بنی اسرائیل، ع ۱۲)

''اور تحقیق میں تجھے اے فرعون ہلاک کیا گیا گمان کرتا ہوں۔''

قوم شعیب نے ان سے کہا:

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ۝ (ہود، ع ۸)

''تحقیق البتہ ہم تجھ کو اپنے درمیان کمزور دیکھتے ہیں۔ اگر تیری برادری نہ ہوتی تو البتہ ہم تجھ کو سنگسار کردیتے اور تو ہم پر قدرت والا نہیں۔''

حضرت شعیب علیہ السلام اس کا جواب یوں دیتے ہیں:

يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا۔ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ۝ (ہود۔ ع ۸)

''اے میری قوم! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ عزیز ہے اور تم نے اس کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈالا ہوا ہے۔ تحقیق میرا پروردگار گھیرنے والا ہے اس چیز کو کہ تم کرتے ہو۔''

کفار نے ہمارے آقائے نامدار ﷺ کی نسبت جو طعن و تنقیص کی حق سبحانہ تعالیٰ نے بذات خود اس کی تردید فرما دی جس سے حضور علیہ السلام کی شان محبوبیت عیاں ہے۔ چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

کفار کا اعتراض	باری تعالیٰ عز اسمہ کا جواب
يَاَيُّهَا الَّذِىْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (حجر۔ع ۱)	مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (قلم۔ع ۱)
ترجمہ: اے وہ شخص کہ اتارا گیا اس پر قرآن تو البتہ دیوانہ ہے۔	ترجمہ: نہیں تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ۔
اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ (صافات۔ع ۲)	بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (صافات۔ع ۲)
ترجمہ: کیا ہم چھوڑ دینے والے ہیں اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کے واسطے۔	ترجمہ: بلکہ وہ لایا ہے حق اور سچا کیا ہے پیغمبروں کو۔
	وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِىْ لَهٗ ۝ (یٰس۔ع ۵)
	ترجمہ: اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا۔ اور اس کے لائق نہیں۔
اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل۔ع ۵)	اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل۔ع ۵)
ترجمہ: نہیں پیروی کرتے تم مگر ایک مرد مسحور (جادو مارا) کی۔	ترجمہ: دیکھ کیونکہ بیان کیں انہوں نے تیرے واسطے مثالیں۔ پس وہ گمراہ ہو گئے۔ پس نہیں پا سکتے کوئی راہ (طعن کی)۔
لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (انفال۔ع ۴)	قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ع ۱)

ترجمہ: اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسا۔ یہ کچھ نہیں مگر قصے کہانیاں پہلوں کی۔	ترجمہ: کہہ دے اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن۔ تو نہ لائینگے ایسا خواہ مدد کریں ایک کی ایک۔
اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ۝ (یونس۔ع ۴)	قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝ (یونس:ع ۴)
ترجمہ: یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو باندھ لیا ہے۔	ترجمہ: کہہ دے تم لے آؤ ایک سورت ایسی اور پکار جس کو پکار سکو اللہ کے سوا۔ اگر ہو تم سچے۔
لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَةً وَّاحِدَةً ۝ (فرقان:ع ۳)	كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلۡنٰهُ تَرۡتِيۡلًا ۝ (فرقان:ع ۳)
ترجمہ: آپ پر قرآن ایک دفعہ کیوں نازل نہیں کیا گیا۔	ترجمہ: اسی طرح اتارا ہم نے تاکہ ثابت رکھیں ہم اس کے ساتھ تیرے دل کو۔ اور آہستہ آہستہ پڑھا ہم نے اس کو آہستہ پڑھنا (یعنی ہر بات کے وقت اس کا جواب آتا رہے تو پیغمبروں کا دل ثابت رہے۔ (موضح)۔
لَسۡتَ مُرۡسَلًا ۝ (رعد۔ آخری آیت)	قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًۢا بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ۔ (رعد۔ اخیر آیت) يٰسٓ ۝ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝ (یٰسین: شروع)
ترجمہ: تو رسول نہیں۔	ترجمہ: کہہ دے کافی ہے اللہ گواہی دینے والا درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور وہ شخص کہ اسکے پاس ہے علم کتاب کا۔ ترجمہ: یٰسین۔ قسم ہے قرآن محکم کی۔ تحقیق تو البتہ رسولوں میں سے ہے۔
اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ۝ (بنی اسرائیل: ع ۱۱)	قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِى الۡاَرۡضِ مَلٰۤٮِٕكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَٮِٕنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَـكًا رَّسُوۡلًا ۝ (بنی اسرائیل: ع ۱۱)

ترجمہ: کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟

ترجمہ: کہہ دے اگر ہوتے زمین میں فرشتے چلا کرتے آرام سے۔ تو البتہ ہم اتارتے ان پر آسمان سے فرشتے کو پیغمبر بنا کر۔ مطلب یہ کہ تجانس موجب توانس اور تخالف موجب تباین ہے۔ اس لیے فرشتوں کیلئے مبعوث ہونا چاہیے۔ اور اہل ارض کیلئے بشر رسول چاہیے۔

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ (فرقان:ع۱)

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ O

(فرقان:ع۲)

ترجمہ: کیا ہوا ہے اس پیغمبر کو کہ کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں۔

ترجمہ: اور نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے پیغمبر مگر تحقیق وہ البتہ کھاتے تھے کھانا اور چلتے تھے بازاروں میں۔

لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ O

(زخرف:ع۳)

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ O (زخرف۔ع۳)

ترجمہ: کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ایک مرد پر ان دو بستیوں سے۔

ترجمہ: کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے پروردگار کی رحمت کو۔ ہم نے بانٹی ہے اِنکے درمیان کی روزی حیات دنیا میں۔ اور ہم نے بلند کیا ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں۔ تا کہ پکڑیں اِنکے بعض کو محکوم۔ اور تیرے پروردگار کی رحمت بہتر ہے اس چیز سے کہ وہ جمع کرتے ہیں۔

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ O

(سبا:ع۱)

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ O (سبا۔ع۱)

ترجمہ: کیا ہم راہ بتا دیں تم کو اس شخص کی طرف جو خبر دیتا ہے تم کو کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے نہایت ریزہ ریزہ ہونا تحقیق البتہ نئی پیدائش میں ہو گے۔

ترجمہ: کیا باندھ لیا ہے اس نے اللہ پر جھوٹ یا اس کو جنون ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے عذاب اور دور کی گمراہی ہیں۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ o (الکوثر)

ترجمہ: تحقیق تیرا دشمن وہی ہے بے نسل۔

ایک روز آنحضرت ﷺ مسجد حرام سے نکل رہے تھے کہ باب بنی سہم میں عاص بن وائل سہمی آپ سے ملا اور کلام کیا۔ جب وہ مسجد میں داخل ہوا تو شقیائے قریش نے پوچھا کہ تم کس سے باتیں کر رہے تھے۔ عاص بولا اسی ابتر (بے نسل) سے حضور کا صاحبزادہ جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن مبارک سے تھا انتقال کر چکا تھا۔ اِسلیے عاص نے حضور کو یہ طعن دیا کہ زندگی تک انکا نام ہے پیچھے کون نام لیگا۔ (مدارج النبوۃ)۔

چنانچہ عاص مذکور کا نام نابود ہو گیا۔ مگر حضور انور ﷺ باقی ہو وا ہی کا نام قیامت تک روشن ہے۔ اور آپ ﷺ کی ذریت قیامت تک رہے گی۔

وَالضُّحٰى o وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى o مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى o (الضحیٰ)

ترجمہ: حضرت کو کوئی دن وحی نہ آئی۔ دل مکدر رہا۔ تہجد کو نہ اٹھے۔ کافروں نے کہا اس کو چھوڑ دیا اِسکے رب نے۔ (موضح قرآن)۔

ترجمہ: قسم ہے دن چڑھے کی اور رات کی جب ڈھانپ لے نہیں چھوڑ دیا تجھکو تیرے رب نے اور ناخوش رکھا۔

موضح قرآن میں ہے پہلے فرمائی دھوپ روشن کی اور رات اندھیری کی۔ یعنی ظاہر میں بھی اللہ تعالیٰ کی دو قدرتیں ہیں۔ باطن میں بھی کبھی اجالا ہے کبھی اندھیرا۔ دوں اللہ کے ہیں اللہ سے دور کبھی نہیں بندہ۔

هُوَ اُذُنٌ o (توبہ۔ ع ۸)

قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ o

ترجمہ: وہ ہر کسی کی بات سن کر لگ جانے والا ہے۔

ترجمہ: کہہ دے وہ اچھا سننے والا ہے تمہارے واسطے ایمان لاتا ہے اور پھر باور کرنیوالا ہے مومنوں کی بات، اور رحمت ہے واسطے ان (منافقوں) کے جنہوں نے اظہار ایمان کیا تم میں سے۔

ترجمہ: منافقوں نے آنحضرت ﷺ کی حرم محترم عائشہ صدیقہؓ پر بہتان لگایا تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

ترجمہ: خود اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہ کی برأت آسمان سے نازل فرمائی۔ (دیکھو سورۂ نور، ع ۲)

۹۸۔ جو شخص حضور ﷺ کو سب وشتم کرے یا کسی وجہ سے صراحۃً یا کنایۃً آپ ﷺ کی تنقیص شان کرے۔ اس کا قتل کرنا بالاتفاق واجب ہے۔ مگر اس میں اختلاف ہے۔ کہ یہ قتل کرنا بطریق حد ہے کہ بالفعل مار ڈالنا چاہیے۔ اور توبہ نہ کرانی چاہیے۔ یا بطریق روت ہے کہ اس سے توبہ طلب کی جائے۔ اگر توبہ کرے تو بخش دینا چاہیے۔ اس مسئلے میں مختار قول اول ہے۔ کہ حکم اس صورت میں ہے کہ اہانت کرنے والا مسلمان ہو۔ اگر کافر ہو اور اسلام لائے تو درگزر کرنا چاہیے۔

۹۹۔ اگر حضور ﷺ بنفس نفیس جہاد کے لیے نکلیں تو ہر مسلمان پر واجب تھا کہ آپ کے ساتھ نکلے۔ اور اگر کوئی ظالم آپ ﷺ کے قتل کا قصد کرے تو جو مسلمان حاضر ہو اس پر واجب تھا کہ آپ ﷺ کی حفاظت میں اپنی جان سے دریغ نہ کرے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ○ (توبہ۔ ع ۱۵)

''نہ چاہیے مدینے والوں کو اور جو ان کے گرداگرد اعراب ہیں کہ رہ جائیں رسول اللہ کے ساتھ سے اور نہ یہ کہ اپنی جان کو چاہیں زیادہ ان کی جان سے۔''

۱۰۰۔ حضور علیہ السلام جس شخص کے لیے حکم کی تخصیص چاہتے کر دیتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت خزیمہ انصاری کے لیے یہ تخصیص فرمائی کہ ان کی شہادت، حکم دو شہادت کا رکھتی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت ام عطیہ انصاریہ کو نیاحت کی رخصت دی۔ اور حضرت اسماء بنت عمیس کو رخصت دی کہ وہ اپنے خاوند حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت پر صرف تین دن سوگواری کرے۔ بعد ازاں جو چاہے کرے۔ اور حضرت ابو بردہ بن نیار کو اجازت دی کہ تمہارے واسطے قربانی میں ایک سال سے کم کا بزغالہ کافی ہے۔ اور آپ نے ایک فقیر سے ایک عورت کا نکاح کر دیا۔ اور اس کا مہر یہ مقرر فرمایا کہ فقیر کو جتنا قرآن یاد تھا وہ اس عورت کو پڑھا دے۔

۱۰۱۔ حضور ﷺ کو تپ اس شدت سے چڑھتا تھا جیسا کہ دو آدمیوں کو چڑھتا ہے۔ تاکہ ثواب دو چند ملے۔

۱۰۲۔ مرضِ موت میں حضور انور ﷺ کی عیادت کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام تین دن حاضر خدمت ہوتے رہے۔

۱۰۳۔ جب ملک الموت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اذن طلب کیا آپ ﷺ سے پہلے اس نے کسی نبی سے اذن طلب نہیں کیا۔

۱۰۴۔ حضور کے جنازہ شریف کی نماز مسلمانوں نے گروہ با گروہ الگ الگ بغیر امامت کے پڑھی۔ آپ ﷺ کے غلام شقران نے جسد مبارک کے نیچے لحد میں قطیفہ نجرانیہ بچھا دی جو آپ ﷺ اوڑھا کرتے تھے۔ نماز بے جماعت اور قطیفہ کا بچھانا آپ کے خصائص سے ہے۔

۱۰۵۔ آپ ﷺ کے جسم مقدس کو مٹی نہیں کھاتی۔ تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۱۰۶۔ حضور ﷺ انور نے بطور میراث کچھ نہیں چھوڑا۔ جو کچھ آپ ﷺ نے چھوڑا وہ صدقہ وقف تھا۔ اور اس کا مصرف وہی تھا جو آپ ﷺ کی حیات شریف میں تھا۔ جیسا کہ پہلے مذکور ا ہوا۔

۱۰۷۔ حضور اقدس ﷺ اپنے مرقد شریف میں حیات حقیقیہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۱۰۸۔ حضور اقدس ﷺ کا مرقد منور کعبہ مکرمہ اور عرشِ معلیٰ سے بھی افضل ہے۔

۱۰۹۔ آپ ﷺ کے مرقد منور پر ایک فرشتہ مؤکل ہے۔ جو آپ ﷺ کی امت کے درود آپ ﷺ کو پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ امام احمد ونسائی کی روایت میں ہے۔ جس وقت کوئی شخص آپ ﷺ پر درود بھیجتا ہے وہ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ یا محمد ﷺ! اس وقت فلاں بن فلاں آپ ﷺ پر درود بھیجتا ہے۔ حاکم کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو زمین میں گشت کرتے ہیں۔ وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

۱۱۰۔ حضور اقدس ﷺ پر ہر روز صبح وشام آپ ﷺ کی امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ نیک اعمال پر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں۔ اور برے اعمال کے لیے بخشش طلب فرماتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن مسیّب سے روایت کی کہ کوئی روز ایسا نہیں، مگر یہ کہ صبح وشام امت کے اعمال نبی ﷺ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ پس آپ ﷺ ان کی پیشانیوں سے اور ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں۔

۱۱۱۔ آنحضرت ﷺ سب سے پہلے قبر مبارک سے نکلیں گے۔ آپ ﷺ کا حشر اس حالت میں ہوگا کہ آپ ﷺ براق پر سوار ہوں گے۔ اور ستر ہزار فرشتے ہم رکاب ہوں گے۔ حضرت کعب احبار کی روایت میں ہے کہ ''ہر روز صبح کو ستر ہزار فرشتے آسمان سے اتر کر حضور انور ﷺ کی قبر

مبارک کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے بازو ہلاتے ہیں۔(اور آپ پر درود بھیجتے ہیں) اسی طرح شام کے وقت وہ آسمان پر چلے جاتے ہیں۔اور ستر ہزار اور حاضر ہو جاتے ہیں۔یہاں تک کہ جب آپ ﷺ قبر شریف سے نکلیں گے تو ستر ہزار فرشتے آپ ﷺ کے ساتھ ہوں گے۔موقف میں آپ ﷺ کو بہشت کے حلوں کی نہایت نفیس خلعت عطا ہوگی۔

۱۱۲- آپ ﷺ کے منبر منیف اور قبر مبارک کے مابین بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

۱۱۳- حضور انور ﷺ کو قیامت کے دن مقام محمود عطا ہوگا۔جس سے مراد بقول مشہور مقام شفاعت ہے۔

۱۱۴- قیامت کے دن اہل موقف طول وقوف کے سبب سے گھبرا جائیں گے اور بغرض شفاعت دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس یکے بعد دیگرے جائیں گے۔اور آخر کار حضور خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔آپ ﷺ کو اہل موقف میں فصل قضاء کے لیے شفاعت عظمیٰ عطا ہوگی۔اور ایک جماعت کے حق میں بغیر حساب جنت میں داخل کیے جانے کے لیے اور دوسری جماعت کے رفع درجات کے لیے شفاعت کی اجازت ہو جائے گی۔اس طرح ستر ہزار بہشت میں بے حساب داخل ہوں گے اور ستر ہزار کے ساتھ اور بہت سے بے حساب بہشت میں جائیں گے۔اور اس کے علاوہ آپ ﷺ کو اپنی امت کے لیے اور کئی قسم کی شفاعت کی اجازت حاصل ہوگی۔

۱۱۵- قیامت کے دن حضور اقدس ﷺ سے تبلیغ پر شاہد طلب نہ کیا جائے گا۔حالانکہ باقی انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے طلب کیا جائے گا۔اور آپ ﷺ تمام انبیائے کرام کے لیے تبلیغ کی شہادت دیں گے۔

۱۱۶- حضور انور ﷺ کو حوضِ کوثر عطا ہوگا۔

۱۱۷- حضور ﷺ کا منبر منیف آپ ﷺ کے حوض پر ہوگا۔

۱۱۸- قیامت کے دن حضور ﷺ کی امت سے پہلے سب پیغمبروں کی امتوں سے زیادہ ہوگی۔کل اہل بہشت کی دو تہائی آپ ﷺ ہی کی امت ہوگی۔

۱۱۹- قیامت کے دن ہر کا ایک نسب وسبب منقطع ہوگا۔(یعنی سودمند نہ ہوگا) مگر حضور ﷺ کا نسب وسبب منقطع نہ ہوگا۔اسی واسطے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔

۱۲۰- قیامت کے دن لوائے حمد حضور ﷺ کے دست مبارک میں ہوگا۔اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام اس جھنڈے تلے ہوں گے۔

۱۲۱- حضور علیہ السلام (امت سمیت) سب سے پہلے پُل صراط سے گزریں گے۔

۱۲۲۔ حضور ﷺ سب سے پہلے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ خازن جنت پوچھے گا کہ کون ہیں؟ آپ ﷺ فرمائیں گے کہ میں محمد ﷺ ہوں۔ وہ عرض کرے گا کہ میں اٹھ کر کھولتا ہوں۔ میں آپ ﷺ سے پہلے کسی کے لیے نہیں اٹھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد کسی کے لیے اٹھوں گا۔ پھر آپ ﷺ سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

۱۲۳۔ آپ ﷺ کو وسیلہ عطا ہوگا۔ جو جنت میں اعلیٰ درجہ ہے۔

۱۲۴۔ جنت میں حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام کی کنیت ان کی تمام اولاد میں سے سوائے حضور کے کسی اور کے نام پر نہ ہوگی۔ چنانچہ ان کو ابو محمد ﷺ کہا جائے گا۔

۱۲۵۔ جنت میں سوائے حضور علیہ السلام کی کتاب (قرآن کریم) کے کوئی اور کتاب نہ پڑھی جائے گی۔ اور نہ سوائے حضور ﷺ کی زبان کے کسی اور زبان میں کوئی تکلم کرے گا۔

❀❀❀❀

باب: ۹

آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات اور اولادِ کرام کا بیان

حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کی فضیلت قرآن کریم سے ثابت ہے چنانچہ سورۂ احزاب میں باری تعالیٰ عزاسمہ ارشاد فرماتا ہے:

۱- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا۝

''اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگانی اور اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ فائدہ دوں اور خوش اسلوبی سے تمہیں رخصت کر دوں۔''

۲- وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۝

''اور اگر تم خدا اور رسول ﷺ اور سرائے آخرت کو چاہتی ہو تو تم میں (ا) سے نیکو کاروں کے لیے خدا نے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔''

۳- یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ- وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا۝

''اے نبی ﷺ کی بیویو! تم میں سے جو صریح بے حیائی کا کام کرے گی۔ اس کو دوہری سزا دی جائے گی۔ اور یہ خدا پر آسان ہے۔''

۴- وَ مَنْ یَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَیْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِیْمًا۝

''اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے فرمانبرداری اور نیک عمل کرے گی ہم اس کو دوہرا ثواب دیں گے اور اس کے لیے ہم نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔''

۵- یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ

الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝

''اے نبی ﷺ کی بیویو! تم عام عورتوں کی مثل نہیں ہو۔ اگر تم پرہیزگاری رکھو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو۔ جس سے وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے لالچ کرے اور تم نیک بات کہا کرو۔''

۶- وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۝

''اور تم اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔ اور قدیم جاہلیت کے سے بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ اور خدا کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو۔ اے اہل بیت نبی ﷺ! خدا تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور کردے اور تم کو خوب پاک کردے۔''

۷- وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا۝

''اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں اور دانائی کی باتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو یاد کرو۔ بے شک اللہ لطف کرنے والا خبردار ہے۔''

آیات مذکورہ بالا سے متعلق امور ذیل میں قابل غور ہیں:

(آیہ ۱، ۲) ہجرت کے نویں سال آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کیا۔ جب ۲۹ دن گزرنے پر مہینہ پورا ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیہ تخییر لائے اس وقت ازواج مطہرات نو تھیں۔ یعنی حضرات عائشہؓ وحفصہؓ وام حبیبہؓ بنت ابی سفیان وسودہؓ بنت زمعہ وام سلمہؓ بنت ابی امیہ وصفیہؓ بن حیی بن اخطب ومیمونہؓ بنت حارث ہلالیہ وزینبؓ بن جحش اسدیہ وجویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہن۔ ان سب نے زینت دنیا پر اللہ اور رسول ﷺ کو اختیار کیا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ نہ دنیا چاہتی تھیں اور نہ ان کے دلوں میں دنیا کی زینت کی کچھ ہوس تھی۔ کیوں کہ اگر ہوتی تو آنحضرت ﷺ ان سے مفارقت کر کے کچھ دے دلا کر انہیں رخصت فرما دیتے۔ مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ پس معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رضائے خدا اور رسول ﷺ کی طلبگار تھیں۔ اور حسن آخرت کی متمنی تھیں اس عمل نیک پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو انہیں نو پر مقصود کر دیا اور فرمایا۔

لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ

اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ۔

''اس کے بعد تیرے واسطے اور عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ تو ان کی بجائے اوروں کو بیویاں بنالے اگرچہ ان کا حسن تجھ کو اچھا لگے۔ مگر وہ جن کا مالک ہو گیا تیرا دایاں ہاتھ۔''

یعنی چونکہ انہوں نے آپ کو اختیار کیا ہے اس لیے آپ بھی ان پر دوسری عورتوں کو اختیار نہ کریں۔

(آیہ ۳،۴) اسی نیک عمل پر جزائے مذکورہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو یہ شرف بخشا کہ خود ان سے خطاب کیا۔ اور ان کو اپنے حبیب پاک ﷺ کی طرف نسبت دے کر فرمایا۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے اگر کوئی ناشائستہ حرکت کرے گی تو دیگر عورتوں کی نسبت اسے دگنا عذاب ہوگا۔ اور اگر نیک عمل کرے گی تو اسے دوسری عورتوں سے دگنا ثواب ملے گا۔ موضح قرآن میں ہے۔ یہ بڑے درجے کا لازمہ ہے۔ نیکی کا ثواب دونا اور برائی کا عذاب دونا، پیغمبر کو بھی فرمایا:

اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ۔ (بنی اسرائیل۔ع ۸)

''اس وقت البتہ ہم تجھے چکھاتے دگنا عذاب زندگی کا اور دگنا عذاب موت کا۔'' (انتہیٰ)

اس سے ازواج مطہرات کا مقربات درگاہِ الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حر کی حد رقیق کی حد سے دگنی ہے۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام کو ان امور پر عتاب ہوتا ہے جن پر دوسروں لوگوں کو نہیں ہوتا۔ یہاں سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ازواج مطہرات باقی تمام عورتوں سے بہتر تھیں۔ کیونکہ ان کا عذاب وثواب باقی تمام عورتوں کے عذاب وثواب سے دگنا ہے۔ یہاں ازواج مطہرات کے لیے بھی بشارت ہے کہ ان سے کوئی کھلی ناشائستہ حرکت سرزد نہ ہوگی۔ کیونکہ آیہ (۳۰) سورۂ احزاب از قبیل لئن اشرکت لیحبطن عملك (۲) ہے بایں ہمہ جو لوگ ازواج مطہرات کے حق میں دریدہ دہنی کرتے ہیں وہ اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کی ازواج کو ناشائستہ حرکات سے محفوظ رکھا ہے۔ اور اجر مضاعف کے علاوہ ان کے لیے آخرت میں رزق کریم تیار کر رکھا ہے۔ اس سے ان کا بہشتی ہونا ظاہر ہے۔

(آیہ ۵)۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ازواج مطہرات کے لیے تضعیف ثواب وعذاب کی وجہ بیان فرمادی کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔ تم میں وہ وصف ہے جو اوروں میں نہیں۔ یعنی تم تحریم نکاح اور احترام و تعظیم کے لحاظ سے مومنوں کی مائیں ہو (وازوجہ امھتھم) اور زوجات سید المرسلین ہو۔ پھر فرمایا۔ کہ اگر تم حکم الٰہی اور رضائے رسول کی مخالفت سے ڈرتی ہو تو پس پردہ سے مردوں کے ساتھ نرمی سے کلام نہ کرو۔ کیوں کہ ایسا کرنا اگرچہ فاجر سے فاجر مومن میں کسی شہوت وطمع کا باعث نہیں ہوسکتا مگر

منافق میں ہو سکتا ہے۔ اور تم ایسی نیک بات کیا کرو جو تہمت و اطماع سے پاک ہو۔ یعنی سنجیدگی و خشونت سے کلام کیا کرو اور ناز و کرشمہ سے بات نہ کیا کرو۔

(آیت ۶) اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔ کیوں کہ تمہارا تبرز یعنی باہر نکلنا کرشمہ آمیز کلام سے زیادہ طمع دلانے والا ہے۔ اور تم جاہلیت اولیٰ کی عورتوں کی طرح چلنے میں تبخیر نہ کرو کیوں کہ تبخیر تو تبرز سے بھی اشد ہے۔ اور تم نماز و زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ اور تمام اوامر و نواہی میں خدا اور رسول کی اطاعت کیا کرو۔ کیوں کہ اے اہل بیت نبی! اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی دور کر دے اور پاک و صاف بنائے جیسا کہ پاک صاف بنانے کا حق ہے۔

(آیت ۷) اور تمہارے گھروں میں جو آیات تلاوت کی جاتی ہیں تم ان کو یاد کرو تاکہ خود عمل کرو اور دوسروں کو بھی بتاؤ۔

آیت (۶) میں جسے آیہ تطہیر کہتے ہیں اس بات کا ثبوت ہے کہ ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت ہیں۔ اسی واسطے ازواج کے ساتھ مطہرات استعمال کیا جاتا ہے۔ آیہ (۱) سے آیت (۷) تک ان ہی سے خطاب کیا اور ان ہی کا ذکر ہے۔ اور ان ہی کے لیے اوامر و نواہی بیان ہوئے ہیں۔ مگر شیعہ کہتے ہیں کہ آیات سابقہ و لاحقہ کے احکام تو ازواج کے لیے ہیں۔ درمیان صف آیت (۶) میں ان سے خطاب نہیں بلکہ فقط حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم مخاطب ہیں۔ ان کا یہ قول محض ہٹ دھرمی ہے۔ ان چاروں کا آیات میں ذکر تک نہیں۔ باعتبار موارد آیات سابقہ و لاحقہ کسی اجنبی کے ساتھ فصل موجب فساد بلاغت ہے۔ زوجہ کا مرد کے اہل بیت میں ہونا نص قرآن سے ثابت ہے۔ دیکھو آیاتِ ذیل:

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ○ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ○ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ○ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ○ (ھود ع ۷)

''فرشتے (ابراہیم سے) بولے ڈرو مت۔ ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور ان کی بیوی (سارہ) کھڑی تھی۔ وہ ہنس پڑی۔ ہم نے اس کو اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔ وہ کہنے لگی۔ ہائے میری خرابی! کیا میرے اولاد ہوگی۔ حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بوڑھا ہے۔ بے شک یہ عجیب بات ہے۔ فرشتے بولے۔ کیا تو خدا کے امر سے تعجب کرتی ہے۔ اے اہل بیت نبی! تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔

وہ بے شک تعریف کیا گیا اور بزرگ ہے۔"

ان آیتوں میں فرشتوں نے حضرت سارہ کو بیٹا اور پوتا پیدا ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضرت سارہ اس پر تعجب کرتی ہیں۔ فرشتے حضرت سارہ کو لفظ اہل بیت سے خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جائے تعجب نہیں۔ تم پر خدا کی رحمت اور برکتیں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ مزید بحث کے لیے تحفۂ شیعہ مؤلفہ خاکسار دیکھو۔

ازواج مطہرات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ گیارہ پر سب کا اتفاق ہے۔ جن میں سے چھ (حضرت خدیجہ، عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، ام سلمہ، سودہ رضی اللہ عنہن) قبیلہ قریش سے اور چار (حضرت زینب بن جحش، میمونہ، زینب بنت خزیمہ، جویریہ رضی اللہ عنہن) عربیات غیر قریش خلفائے قریش سے ہیں۔ اور ایک (حضرت صفیہ) غیر عربیہ بنی اسرائیل سے ہے۔ ذیل میں بہ ترتیب تزوج ان سب کا حال بطریق اختصار لکھا جاتا ہے۔ (۳)

حضرت خدیجہؓ بنت خویلد: ان کا سلسلہ نسب قصی میں آنحضرت ﷺ کے خاندان سے جا ملتا ہے۔ حضور کی بعثت سے پہلے طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان کی پہلی شادی ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی۔ جن سے دو لڑکے ہند و ہالہ نام پیدا ہوئے۔ یہ دونوں صحابی ہیں۔ حضرت ہند کی روایت سے آنحضرت ﷺ کا حلیہ شریف منقول ہے۔

ابو ہالہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی جن میں سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ یہ اسلام لائیں اور اپنے چچیرے بھائی صیفی بن امیہ بن عائذ مخزومی سے شادی کی۔ ان سے ایک لڑکا محمد بن صیفی پیدا ہوا۔ جس کی اولاد کو حضرت خدیجہؓ کے تعلق کے سبب سے بنو طاہرہ کہتے ہیں۔

عتیق کے انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی تمام اولاد سوائے ابراہیم کے اسی نیک نہاد بیوی کے بطن مبارک سے تھی۔ تفصیل آگے آئے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

حضرت خدیجہؓ سب پہلے آنحضرت ﷺ پر ایمان لائیں نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں۔ ان کی زندگی میں حضور علیہ السلام نے دوسری شادی نہیں کی۔ انہوں نے اپنے مال سے رسول اللہ ﷺ کو مدد دی۔ ایک روز حراء میں حضور اقدس کے لیے کھانا لا رہی تھیں۔ حضرت جبرئیل نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خدیجہؓ جب آئیں تو آپ ان کو ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام پہنچا دیں اور بہشت میں ایک موتیوں کے محل کی بشارت دیں۔

ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہؓ و عائشہؓ باقی سب سے افضل تھیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے ہجرت سے تین سال پہلے ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اور کوہ حجون میں دفن ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو قبر میں اتارا۔ ان پر نماز نہ پڑھی گئی۔ کیوں اس وقت تک نماز جنازہ فرض نہ ہوئی تھی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ: ان کا سلسلہ نسب کعب بن لوی بن غالب میں آنحضرت ﷺ سے ملتا ہے قدیم الاسلام تھیں۔ پہلے اپنے والد کے چچیرے بھائی سکران بن عمرو بن شمس کے نکاح میں تھیں۔ حضرت سکران بھی قدیم الاسلام تھے۔ دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔ جب مکہ میں واپس آئے تو حضرت سکران نے وفات پائی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا۔ جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے جنگ جلولاء (آخر ۱۶ھ) میں شہادت پائی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے انتقال سے آنحضرت ﷺ کو نہایت پریشانی ہوئی۔ کیوں کہ گھر بار بال بچوں کا انتظام ان ہی سے متعلق تھا۔ یہ دیکھ کر خولہ بنت حکیم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ نکاح کر لیجئے۔ فرمایا کس سے؟ خولہ نے حضرت عائشہؓ وسودہ کا نام لیا۔ آپ نے دونوں سے خواستگاری کی اجازت دے دی خولہ حضرت سودہ کے پاس گئیں اور کہا کہ خدا نے تم پر کیسی خیر و برکت نازل فرمائی ہے۔ سودہ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ خولہ نہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آپ کے پاس بغرض خواستگاری بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے منظور ہے۔ مگر میرے باپ سے بھی دریافت کر لو۔ چنانچہ وہ ان کے والد کے پاس گئیں۔ اور جاہلیت کے طریق پر سلام کیا۔ یعنی انعم صباحا کہا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ خولہ نے اپنا نام بتایا۔ پھر نکاح کا پیغام سنایا۔ انہوں نے کہا کہ محمد شریف کفو ہیں۔ مگر سودہ سے بھی دریافت کر لو۔ خولہ نے کہا کہ وہ راضی ہیں۔ یہ سن کر زمعہ نے کہا کہ نکاح کے لیے آجائیں۔ اس طرح باپ نے نبوت کے دسویں سال سودہ کا نکاح حضور علیہ السلام سے کر دیا۔ سودہ کا بھائی عبداللہ بن زمعہ آیا۔ یہ معلوم کر کے کہ بہن کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہو چکا ہے اس نے اپنے سر پر خاک ڈال لی۔ عبداللہ مذکور جب اسلام لائے تو ان کو اپنے اس فعل پر افسوس ہوا کرتا تھا۔

حضرت سودہ طبیعت کی فیاض تھیں۔ ایک روز حضرت عمر فاروق نے ایک درہم کی تھیلی آپ کی خدمت میں بھیجی۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لانے والوں نے جواب دیا کہ درہم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ درہم کھجوروں کی طرح تھیلی میں بھیجے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت تمام درہم تقسیم کر دیئے۔

آنحضرت ﷺ نے بروایت ابو ہریرہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا۔ کہ یہ حج اسلام ہے جو گردن سے ساقط ہو گیا۔ اس کے بعد تم بوریا کو غنیمت سمجھنا (یعنی گھر سے نہ نکلنا) آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے بعد تمام ازواج مطہرات سوائے

سودہؓ اور زینبؓ بنت جحش کے حج کو جایا کرتی تھیں۔ اور وہ دونوں فرماتی تھیں کہ خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی وصیت سننے کے بعد ہم چوپایہ پر سوار نہ ہوں گی۔

حضرت سودہ سے کتب متداولہ میں پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ایک صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔ انہوں نے خلافت فاروقی کی آخری زمانہ میں انتقال فرمایا۔ بعض سال وفات ۵۴ھ یا ۵۵ھ بتاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر صدیقؓ:

ان کا نسب مرہ بن کعب میں آنحضرت ﷺ کے خاندان سے ملتا ہے۔ بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔ اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے ام عبداللہ کنیت رکھتی تھیں۔

چھ برس کی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں۔ پہلے جبیر بن مطعم کے صاحب زادے سے منسوب تھیں۔ خولہ بنت حکیم آنحضرت ﷺ کے ایماء سے ام رومان (والدہ عائشہ صدیقہؓ) کے پاس گئیں اور نکاح کا پیغام سنایا۔ ام رومان نے رضامندی ظاہر کی۔ حضرت ابوبکر گھر آئے تو ان سے تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ عائشہ تو رسول اللہ ﷺ کے بھائی کی بیٹی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے کہلا بھیجا کہ تم اسلام میں میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں یہ نکاح جائز ہے۔ حضرت ابو بکر نے ام رومان سے کہا کہ "مطعم بن عدی اپنے پوتے کیت لیے خواستگاری کر چکا ہے۔ واللہ! ابو بکر نے کبھی وعدہ کے خلاف نہیں کیا"۔ اس لیے وہ مطعم کے پاس گئے اور اس سے تذکرہ کیا۔ مطعم نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیوی نے حضرت صدیق اکبر سے کہا کہ اگر ہم نے اس لڑکے کا نکاح تمہارے ہاں کر دیا تو شاید تم اس کو صابی بنالو گے۔ اور اپنے دین میں داخل کر لو گے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر وہاں سے اٹھ آئے اور خولہ کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ نکاح کے لیے تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے۔ اور حضرت ابوبکر نے (ماہ شوال ۱۰ نبوت میں) حضرت عائشہؓ کا نکاح کر دیا۔ اور ہجرت سے پہلے سال ماہ شوال میں مدینہ منورہ میں نو سال کی عمر میں آپ کی رسم عروسی ادا کی گئی۔

آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے وقت حضرت عائشہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کی تھی۔ انہوں نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں ۵۷ ہجری میں انتقال فرمایا اور حسب وصیت رات کے وقت جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے جو مروان بن الحکم کی طرف سے اس وقت حاکم مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی۔

آنحضرت ﷺ کو ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ محبت تھی۔ ان کو دوسری ازواج پر کئی باتوں میں فضیلت تھی۔ چنانچہ ان کے سوا کسی اور زوجہ کے والدین مہاجر نہ تھے۔ ان کی براءت اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمائی۔ حضرت جبرئیل ان کی صورت ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر آنحضرت ﷺ کے پاس لائے اور عرض کیا کہ ان سے شادی کر لیجئے۔ ان کے سوا کسی اور زوجہ نے حضرت جبرئیلؑ کو نہیں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ اور یہ ایک برتن میں غسل فرمایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کرتے اور یہ سامنے لیٹی ہوتیں۔ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی اور آپ اور یہ ایک لحاف میں ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ کا وصال شریف ان ہی کی گود میں اور ان ہی کی نوبت میں ہوا۔ اور آنحضرت ﷺ ان ہی کے حجرے میں دفن ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ عالمہ فصیحہ تھیں۔ حضرت موسیٰ بن طلحہ ذکر کرتے ہیں کہ میں نے عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں پایا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ صحابہ کرام کو کوئی ایسا مشکل مسئلہ پیش نہیں آیا جس کا حل انہوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس نہ پایا ہو۔ محمود بن لبید کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو بہت سی حدیثیں یاد تھیں۔ مگر حضرت عائشہ وام سلمہ ان میں ممتاز تھیں۔ حضرت عائشہؓ حضرت عمرؓ وعثمانؓ کے عہد میں فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ انتقال فرما گئیں رحمہا اللہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے اکابر حضرت عمرؓ وحضرت عثمانؓ حضور کے بعد حضرت صدیقہؓ کی خدمت میں کسی کو بھیج کر حدیثیں پوچھا کرتے تھے۔

آپ کثیرۃ الحدیث تھیں۔ دو ہزار دو سو دس حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ جن میں سے ۱۷۴ پر شیخین کا اتفاق ہے۔ اور ۵۴ میں امام بخاری اور ۶۸ میں امام مسلم منفرد ہیں۔

آپ وقائع و اشعارِ عرب سے خوف واقف تھیں۔ حضرت عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو قرآن وفرائض وحلال وحرام وفقہ وشعر وحدیث غریب ونسب کا عالم نہیں پایا۔

آپ زاہدہ اور سخی تھیں۔ ام الدرداء روایت کرتی ہیں کہ ایک روز حضرت عائشہؓ روزہ دار تھیں۔ ان کے پاس ایک لاکھ درہم آئے۔ انہوں نے وہ سب تقسیم کر دیئے میں نے کہا، کیا آپ یوں نہ کہہ سکتی تھیں کہ ایک درہم بچا لیتیں۔ جس سے گوشت خرید کر روزہ افطار کرتیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تو مجھے یاد دلا دیتی تو میں ایسا ہی کر لیتی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر فاروقؓ: بعثت سے پانچ برس پہلے جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے پیدا ہوئیں۔ پہلے خنیس بن حذیفہ سہمی کے نکاح

میں تھیں۔ان ہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔حضرت خنیس نے غزوہ بدر میں کئی زخم کھائے۔غزوہ کے بعد ان ہی زخموں کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔

حضرت خنیسؓ کی شہادت کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو اپنی بیٹی کے نکاح کی فکر ہوئی فتح بدر کے دن حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔اس لیے حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں حفصہؓ کا نکاح تم سے کر دیتا ہوں۔انہوں نے جواب دیا کہ میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔پھر چند روز کے بعد کہہ دیا کہ میرا ارادہ ان ایام میں نکاح کرنے کا نہیں ہے۔بعد ازاں حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ذکر کیا۔مگر وہ چپ ہو رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔اس پر حضرت عمر کو رنج ہوا۔اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے خواستگاری کی۔اور شعبان ۳ھ میں نکاح ہو گیا۔نکاح کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا کہ میری بے التفاتی کی وجہ صرف یہ تھی جو مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کا ذکر کیا تھا میں حضور کا راز افشاء کرنا نہ چاہتا تھا۔اگر حضورؐ حفصہؓ سے نکاح نہ کرتے تو میں قبول کر لیتا۔

حضرت حفصہؓ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے صرف پانچ بخاری میں ہیں۔انہوں نے شعبان ۴۵ھ میں حضرت معاویہ کے عہد میں انتقال فرمایا۔مروان بن الحکم نے جو مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھائی۔اور بنو حزم کے گھر سے مغیرہ کے گھر تک جنازہ کو کندھا دیا۔اور مغیرہ کے گھر سے قبر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرف حاصل کیا۔

حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ: ہند نام۔ام سلمہ کنیت تھی۔باپ کا نام حذیفہ اور بقول بعض سہیل تھا۔ماں کا نام عاتکہ بنت عامر کنانیہ تھا۔پہلے اپنے چچا زاد بھائی ابو سلمہ (عبداللہ) بن الاسد بن مغیرہ کے نکاح میں تھیں جو آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ام سلمہ و ابو سلمہ دونوں قدیم الاسلام تھے دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔چنانچہ ان کے بیٹے سلمہ حبشہ ہی میں پیدا ہوئے۔پھر مکہ میں آئے اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ام سلمہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔مدینہ ہی میں ان کے ہاں عمر اور درہ و زینب پیدا ہوئیں۔

حضرت ابو سلمہ بدر و احد میں شریک ہوئے۔احد میں زخمی ہو گئے۔ایک ماہ کے بعد زخم اچھا ہو گیا۔پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک سریہ میں بھیج دیا۔ایک ماہ کے بعد واپس آئے تو زخم پھر پھوٹ آیا۔اور ۸ جمادی الاخری ۴ھ میں وفات ہوئی۔وفات کے بعد حضرت ام سلمہؓ حاملہ تھیں۔وضع حمل کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے خواستگاری کی تو ام سلمہ نے انکار کر دیا۔پھر رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔تو مرحبا کہہ کر یہ عذر پیش کیے۔

۱۔ میں سخت غیور عورت ہوں۔

۲۔ صاحب عیال ہوں۔

۳۔ میرے اولیاء میں سے کوئی یہاں نہیں کہ میرا نکاح کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ میری عمر زیادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان عذروں کا تسلی بخش جواب دیا اور نکاح ہو گیا۔

جب حدیبیہ میں صلح نامہ لکھا جا چکا تا آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اب اٹھو قربانیاں دو اور سر منڈاؤ۔ چونکہ صحابہ کرام کو بے نیل مرام واپسی سے رنج و ملال تھا۔ انہوں نے تعمیل ارشاد میں تامل کیا۔ حضور ﷺ خفا ہو کر حضرت ام سلمہ کے خیمہ میں تشریف لے آئے۔ اور امتثال امر میں توقف کی شکایت کی۔ ام سلمہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ان کو معذور رکھیں۔ ان پر ایک امر عظیم گزرا ہے ان کا خیال تو فتح مکہ تھا۔ ان کو یقین تھا کہ وہ مکہ میں عمرہ بجا لائیں گے۔ باوجود فقدان مطلوب آپ نے قریش سے صلح کر لی۔ اوران کی نہ سنی۔ اگر خاطر اشراف اس پر ہے کہ وہ نحر و حلق کریں تو آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ اور خود نحر و حلق فرمائیں۔ یہ دیکھ کر ان کو بجز اتباع چارہ نہ ہو گا چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا اور حضرت ام سلمہ کی تدبیر سے وہ مشکل حال ہو گئی۔ اور یہ ان کی دانش مندی اور صواب رائے کی واضح دلیل ہے۔

حضرت ام سلمہ سے کتب متداولہ میں ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے تیرہ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ اور تین کے ساتھ امام بخاری اور تیرہ کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں باقی دیگر کتب میں ہیں۔

ازواج مطہرات میں سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے ۸۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے سنہ وفات میں سخت اختلاف ہے واقدی کا قول ہے کہ شوال ۵۹ ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ امام بخاری تاریخ کبیر میں ۵۹ ھ لکھتے ہیں۔ بقول ابن حبان امام حسین کی شہادت کی خبر آنے کے بعد آخر ۶۱ ھ میں وفات پائی۔ ابراہیم حربی ۶۲ ھ بتاتے ہیں۔ مگر صحیح مسلم میں ہے کہ حرث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اوران سے اس لشکر کی بابت پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا۔ یہ سوال اس وقت کیا گیا جب یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو لشکر اسلام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعہ حرہ پیش آیا تھا۔ جو ۶۳ ھ میں تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہؓ واقعہ حرہ تک زندہ تھیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا: اصلی نام رملہ اور کنیت ام حبیبہ تھی۔ آپ حضرت ابو سفیان کی دختر بلند اور حضرت معاویہ کی بہن تھیں۔ پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔

دونوں نے اسلام لاکر حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔ وہیں ان کی لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی۔ عبداللہ عیسائی ہو کر حبشہ ہی میں مر گیا۔ آنحضرت ﷺ نے ام حبیبہ کی حالت دغربت کو مدنظر رکھتے ہوئے نجاشی کی معرفت نکاح کا پیغام دیا جسے انہوں نے بخوشی قبول کیا۔ چنانچہ نجاشی نے ۷ھ میں ان کا نکاح حضور علیہ السلام سے کر دیا جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ جب نکاح کے تمام رسوم ادا ہو گئے تو نجاشی نے ان کو شرجیل بن حسنہ کے ساتھ حضور کی خدمت اقدس میں روانہ کر دیا۔

حضرت ام حبیبہ کی روایت سے کتب متداولہ میں ۶۵ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ اور ایک کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں باقی دیگر کتب میں ہیں۔ آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ۴۴ھ میں ہوا اور وہیں دفن ہوئیں۔

ان کی پہلی شادی حضرت زید بن حارثہ سے ہوئی تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش اسدیہ: حضرت زید قبیلہ قضاعہ میں سے تھے۔ لڑکپن میں گرفتار ہو کر مکہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ہاتھ بطور غلام فروخت ہوئے۔ حضرت خدیجہ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا۔ حضور نے نبوت سے پہلے ان کو آزاد کر کے متبنیٰ بنا لیا۔ اس لیے لوگ ان کو زید بن محمد کہا کرتے تھے۔ حضرت زید سابقین الی الاسلام میں سے تھے۔ ان پر رسول اللہ ﷺ کی خاص توجہ تھی۔ آپ اہم امور میں ان سے کام لیتے۔ اور لشکر کی قیادت تک ان کے سپرد کر دیتے۔ اسی وجہ سے حضور نے ان کا نکاح اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحب زادی زینب بنت جحش سے کر دینا چاہا۔ مگر زینب اور ان کا بھائی راضی نہ ہوئے۔ اس پر یہ آیت اتری:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۝ (احزاب، ع۵)

"کسی مسلمان مرد یا عورت کو لائق نہیں جس وقت خدا اور اس کا رسول کوئی کام مقرر کر دے۔ کہ ان کو اپنے کام میں اختیار ہو۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے۔ وہ صریح گمراہ ہو گیا۔"

پس حضرت زینبؓ نکاح پر راضی ہو گئیں اور نکاح ہو گیا۔

حضرت زیدؓ اگرچہ عربی الاصل تھے مگر قریش نہ تھے۔ قریش کی لڑکیوں خصوصاً اولاد عبدالمطلب کے لیے اشراف قریش میں کفو تلاش کیے جایا کرتے تھے۔ اس لیے کچھ عرصہ طبعی طور پر حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کی حرکات عادیہ کو کبر و تعاظم پر محمول کرنے لگے۔ اور حضرت زینبؓ بھی ان سے متکدر رہنے لگیں۔ چنانچہ حضرت زید نے رسول اللہ ﷺ سے ان کی شکایت کی۔ حضور نے فرمایا کہ اس طرح

کی باتوں پر طلاق نہیں دیا کرتے۔ اس امر کی طرف آیہ ذیل میں اشارہ ہے:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ

(احزاب۔ع ۵)

''اور جس وقت تو کہہ رہا تھا اس شخص سے جس پر اللہ نے اور تو نے انعام کیا ہے کہ اپنی بیوی کو اپنے لئے تھام رکھ اور خدا سے ڈر۔ اور تو اپنے جی میں چھپاتا تھا اس چیز کو جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا۔ اور اللہ زیادہ لائق ہے اس کا کہ تو اس سے ڈرے۔''

بایں ہمہ اگر زید ان کو طلاق دیتے تو ایسی سیدہ شریفہ کے لیے رسول اللہ ﷺ جیسا کفو اور کون ہو سکتا تھا؟ اس لیے حضور انور کی خاطر اشرف میں آتا تھا کہ بصورت طلاق زینب کی تطییب خاطر اس کے حقوق کی رعایت کے لیے ان سے نکاح کر لینا ضروری ہوگا۔ مگر آپ اسے ظاہر نہ کر سکتے تھے کیوں کہ جاہلیت میں متبنّٰی کو بمنزلہ ولد حقیقی سمجھتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے کہ متبنّٰی کی مطلقہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

آخر کار حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی۔ عدت گزرنے پر رسول اللہ ﷺ نے زید ہی کو نکاح کا پیغام دینے کے لیے زینب کے پاس بھیجا۔ حضرت زینب نے جواب دیا کہ میں استخارہ کر لوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ؕ (احزاب، ع ۵)

''پس جب زید نے اس سے حاجت پوری کر لی۔ ہم نے اس کو تجھ سے بیاہ دیا تا کہ مومنوں پر ان کے لیے پالکوں کی بیویوں کی تنگی نہ ہو اور جب وہ ان سے حاجت پوری کر لیں اور امرِ الٰہی ہو کر رہتا ہے۔''

اس طرح حضرت زینب کا نکاح (۴ھ یا ۵ھ میں) ۳۵ برس کی عمر میں ہو گیا۔ حضرت زینبؓ فخر کیا کرتی تھیں۔ کہ دیگر ازواج مطہرات کا نکاح تو ان کے باپ یا بھائی یا اہل نے کر دیا۔ مگر میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کر دیا۔ اس نکاح میں یہ حکمت بھی تھی کہ پسر خواندہ کی مطلقہ کا حکم معلوم ہو گیا۔

جب یہ نکاح ہو گیا تو مخالفوں نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام کر دیا۔ مگر خود اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اس پر یہ آیتیں اتریں:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

(احزاب، ع ۵)

"محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ لیکن خدا کے پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں۔"

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۝ (احزاب: ع۱)

"اور تمہارے پالکوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا یہ تمہارے مونہوں کی بات ہے۔"

پس حضرت زید جو زید بن محمدؓ کہلاتے تھے اِس کے بعد زید بن حارثہؓ کہلانے لگے۔

حضرت زینب آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن ہونے کے علاوہ جمال میں بھی ممتاز تھیں۔ اس لیئے ازواج مطہرات میں سے وہ حضرت عائشہؓ صدیقہ کے ساتھ ہمسری کا دم بھرتی تھیں۔ چنانچہ خود حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں:

كَانَتْ تُسَامِيْنِي ۝ "وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں۔"

آپ نہایت راست گو اور پارسا تھیں۔ جب حضرت عائشہ پر بہتان لگایا گیا تو آنحضرت ﷺ نے آپ سے حضرت عائشہ کی نسبت پوچھا۔ آپ نے صاف کہہ دیا۔

وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَيْرًا ۝

"واللہ! مجھ کو عائشہ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔"

اس راستی سے متاثر ہو کر حضرت عائشہ نے فرمایا۔ کہ میں نے کوئی عورت زینب سے دین میں بہتر، خدا سے زیادہ ڈرنے والی، زیادہ سچ بولنے والی اور زیادہ صلہ رحم اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کچھ مال مہاجرین میں تقسیم فرما رہے تھے حضرت زینب اس معاملہ میں کچھ بول اُٹھیں۔ حضرت عمر فاروق کو ناگوار گزرا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ عمر! ان کو جانے دو یہ اواہ یعنی خاشع متضرع ہیں۔

حضرت زینب زاہدہ اور طبیعت کی فیاض تھیں۔ اپنے ہاتھ سے معاش پیدا کرتیں اور خدا کی راہ میں لٹا دیتیں۔ حضرت عمر فاروق نے ان کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم مقرر کیا تھا۔ جو انہوں نے صرف ایک سال لیا۔ اور اپنے حاجت مند رشتہ داروں میں تقسیم کر کے دعا مانگی کہ خدایا! یہ عطیہ مجھے اگلے سال نہ ملے۔ حضرت فاروق کو یہ خبر لگی تو انہوں نے حضرت زینب کے لیے ایک ہزار اور بھیجا۔ مگر حضرت زینب نے اسے بھی تقسیم کر دیا۔ آپ کی دعا قبول ہو گئی۔ اور آیندہ سال وفات پائی۔

ایک روز آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا:

اَسْرَعُكُنَّ لِحَاقًا بِيْ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا ۝

"تم میں سے مجھ سے جلدی ملنے والی وہ ہے جس کا ہاتھ تم سب سے لمبا ہے۔"

ازواج مطہرات اس ارشاد کو حقیقت پر محمول کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں

کہ حضور علیہ السلام کے وصال شریف کے بعد جب ہم کسی ایک حجرے میں جمع ہوتیں۔ تو ہم دیوار پر اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ ہمارا یہی خیال رہا یہاں تک کہ حضرت زینب نے جو کوتاہ قد تھیں ہم سب سے پہلے انتقال فرمایا۔ اس وقت ہماری سمجھ میں آیا کہ ارشاد مذکور میں ہاتھ کا لمبا ہونا فیاضی کی طرف اشارہ تھا۔

جب حضرت زینب کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی ایک کفن بھیجیں گے۔ دونوں میں سے ایک کو خیرات کر دینا۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ حضرت زینبؓ نے مدینہ منورہ میں ۲۰ھ میں پچاس یا ترپین برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمر فاروق کی یہ آرزو تھی کہ خود حضرت زینب کو قبر میں اتاریں۔ اس لیے ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ ان کو قبر میں کون اتارے جواب آیا کہ جو حیات میں ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ ہلالیہ: آپ مساکین کو کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں اس لیے ام المساکین کی کنیت سے مشہور تھیں۔ پہلے حضرت عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ حضرت عبداللہ نے جنگ احد (۳ھ) میں وفات پائی۔ اسی سال آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ اور صرف دو تین مہینے حضور کی خدمت میں رہنے پائی تھیں کہ تیس سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد یہی ایک بی بی تھیں جنھوں نے آنحضرت ﷺ کی حیات شریف میں انتقال فرمایا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث ہلالیہ: ان کی بہن ام الفضل لبابہ کبریٰ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے نکاح میں تھیں۔ حضرت میمونہ پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی کے نکاح میں تھیں۔ مسعود نے طلاق دے دی۔ تو ابورہم بن عبدالعزیٰ نے ان سے شادی کر لی۔ ابورہم کے انتقال کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح مقام سرف میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کر دیا۔ سرف ہی میں ۵۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ جب جنازہ اٹھانے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں۔ ان کے جنازے کو زیادہ حرکت نہ دو۔ آہستہ لے چلو۔ ان کی روایت سے ۷۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے سات پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

حضرت جویریہ خزاعیہ مصطلقیہ: حضرت جویریہ کا والد حارث بن ابی ضرار تھا جو قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا۔ یہ پہلے مسافع بن صفوان مصطلقی کے

نکاح میں تھیں جوغزوہ مریسیع (۵ھ) میں قتل ہوا۔اس غزوہ میں بہت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔چنانچہ حضرت جویریہ حضرت ثاقب بن مقیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں۔مگر انہوں نے حضرت ثابت سے نو اوقیہ سونے پر کتابت کر لی۔پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں عرض کی۔''یا رسول اللہ ﷺ! میں حارث کی بیٹی جویریہ ہوں۔میرا حال آپ ﷺ سے پوشیدہ نہیں۔میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی ہوں۔میں نے ان سے نو اوقیہ سونے پر کتابت کر لی ہے۔یہ رقم میرے مقدور سے زائد ہے۔مگر میں نے آپؐ کی فیاضی کی امید پر منظور کر لی ہے۔اور اب اسی کا سوال کرنے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں''۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا تم اس سے بہتر چیز نہیں چاہتی ہو؟ انہوں نے پوچھا وہ چیز کیا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تمہارا زر کتابت ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں حضرت جویریہ نے یہ عرض کیا مجھے منظور ہے۔آنحضرت ﷺ نے حضرت ثابت کو بلایا۔وہ بھی راضی ہو گئے۔چنانچہ حضور انور ﷺ نے نو اوقیہ سونا ادا کر دیا اور حضرت جویریہ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔

جب لوگوں کو اس نکاح کی خبر لگی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے رشتہ مصاہرت کی رعایت سے بنی مصطلق کے باقی تمام لونڈی غلاموں کو آزاد کر دیا۔حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ارشاد ہے کہ ''ہم نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے لیے جویریہ سے بڑھ کر باعث برکت ہو۔کیونکہ ان کے سبب سے بنی مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد ہو گئے''۔

جب حضرت جویریہ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں تو ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ان کا نام برہ تھا۔حضور انور ﷺ نے بدل کر جویریہ رکھا۔ربیع الاول ۵۰ھ میں انتقال فرما گئیں اور مدینہ منورہ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ان کی روایت سے سات حدیثیں منقول ہیں۔جن میں سے دو بخاری میں اور دو مسلم اور باقی دیگر کتب میں ہیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اسرائیلیہ: باپ کا نام حیی بن اخطب تھا۔جو بنو نضیر کا سردار تھا۔ماں کا نام ضرر تھا جو بنو قریظہ کے سردار سموال کی بیٹی تھی۔حضرت صفیہ کی پہلی شادی سلام بن مشکم قریظی سے ہوئی۔طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔جب غزوۂ خیبر (۷ھ) میں آنحضرت ﷺ نے بنو ابی الحقیق کا قلعہ قموص فتح کیا۔کنانہ قتل ہوا۔حضرت صفیہ کا باپ اور بھائی کام آئے خود بھی گرفتار ہوئیں۔جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبی نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ ایک لونڈی لے لو۔چنانچہ انہوں نے صفیہ کو لے لیا۔ایک صحابی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی۔''یا رسول

اللہ ﷺ آپ ﷺ نے صفیہ جو رئیسہ قریظہ و نضیر تھی دحیہ کو عطا فرما دی۔ وہ تو آپ ﷺ ہی کے لائق ہے"۔ اس پر حضور ﷺ نے دحیہؓ کو دوسری لونڈی عطا کر دی اور خود صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ جب خیبر سے روانہ ہو کر صہبا میں پہنچے تو رسم عروسی ادا کی گئی اور لوگوں سے ماحضر جمع کر کے دعوت ولیمہ دی گئی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے تقریباً آٹھ سال کی عمر میں ۵۰ھ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ان کی روایت سے دس حدیثیں منقول ہیں۔ جن میں صرف ایک متفق علیہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کی اولادِ کرام

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ حضور علیہ السلام کی تمام اولاد سوائے ابراہیم کے حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن مبارک سے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے تھی۔ صاحب زادیاں بالاتفاق چار تھیں۔ چاروں نے زمانہ اسلام پایا۔ اور شرف ہجرت حاصل کیا مگر صاحب زادوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ قاسم و ابراہیم پر اتفاق ہے بقول زبیر بن بکار (متوفی ۲۵۶ھ) صاحب زادے تین تھے۔ قاسم، عبدالرحمٰن (جن کو طیب وطاہر بھی کہتے تھے) ابراہیم رضی اللہ عنہ۔ اکثر اہل نسب کی یہی رائے ہے۔

حضرت قاسمؓ: آنحضرت ﷺ کی اولاد کرام میں حضرت قاسم بعثت سے پہلے پیدا ہوئے اور قبل بعثت ہی سب سے پہلے انتقال فرما گئے۔ ابن سعد نے بروایت محمد بن جبیر مطعم نقل کیا ہے کہ دو سال زندہ رہے۔ بقول مجاہد سات دن اور بقول مفضل بن غسان غلابی تیرہ مہینے زندہ رہے۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔

آنخضرت ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر ہے۔

حضرت زینبؓ: صاحب زادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ بعثت سے دس سال پہلے جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک تیس سال کی تھی پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بقیط بن ربیع سے ہوئی۔ ابوالعاص حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بہن ہالہ کے بطن سے تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے کہنے سے ان کا نکاح بعثت سے پہلے حضرت زینب سے کر دیا تھا۔ جب حضور انور ﷺ کو منصب رسالت عطا ہوا تو حضرت خدیجہ اور آپ ﷺ کی صاحب زادیاں آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔ مگر ابوالعاص شرک پر قائم رہا۔ اسی طرح حضور اقدس ﷺ نے بعثت سے پہلے اپنی صاحب زادی رقیہ کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے اور ام کلثوم کا نکاح عتیبہ بن ابی لہب سے کر دیا تھا۔

جب آنحضرت ﷺ نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو قریش نے آپس میں کہا کہ محمد (ﷺ) کی بیٹیاں چھوڑ دو۔ اور ان کو اس طرح تکلیف پہنچاؤ۔ چنانچہ وہ ابوالعاص سے کہنے لگے کہ تو زینب کو طلاق دے دے۔ ہم تیرا نکاح قریش کی جس لڑکی سے تو چاہے کرا دیتے ہیں۔ ابوالعاص نے انکار کیا۔ مگر ابولہب کے بیٹوں نے حضرت رقیہ وام کلثوم کو ہم بستری سے پیشتر طلاق دے دی۔

اگرچہ اسلام نے حضرت زینب وابوالعاص میں تفریق کر دی تھی۔ مگر مسلمانوں کے ضعف کے سبب سے عمل درآمد نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ ہجرت وقوع میں آئی۔ جب قریش جنگ بدر کے لیے آئے تو ابوالعاص بھی ان کے ساتھ آئے اور گرفتار ہو گئے۔ حضرت زینب نے ان کے بھائی عمرو کے ہاتھ مکہ سے ان کا فدیہ بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے حضرت زینب کو پہنا کر پہلے پہل ابوالعاص کے ہاں بھیجا تھا۔ جب حضور علیہ السلام نے اس ہار کو دیکھا تو آپ ﷺ پر نہایت رقت طاری ہوئی۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا زمانہ یاد آ گیا۔ حضور ﷺ کے ارشاد سے صحابہ نے فدیہ واپس کر دیا اور ابوالعاص کو بھی چھوڑ دیا آنحضرت ﷺ نے ابوالعاص سے وعدہ کر لیا کہ مکہ جا کر حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔

جب ابوالعاص مکہ روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ اور ایک انصاری کو بھیجا کہ حضرت زینب کو بطن یاجج سے مدینہ لے آئیں۔ ابوالعاص نے مکہ میں پہنچ کر ایفائے وعدہ کیا۔ اور حضرت زینب سے کہہ دیا کہ تم اپنے والد کے ہاں چلی جاؤ۔ حضرت زینب نے چپکے چپکے سفر کی تیاری کر لی۔ ابوالعاص کے بھائی کنانہ نے ان کو اونٹ پر سوار کر لیا۔ اور تیر و کمان لے کر دن کے وقت روانہ ہوا۔ قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا اور ذوطویٰ میں جا گھیرا۔ ہبار بن اسود جو بعد میں ایمان لایا آگے بڑھا۔ اس نے حضرت زینب کو نیزہ سے ڈرا کر اونٹ سے گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں۔ حمل ساقط ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کنانہ نے ترکش میں سے تیر نکال کر زمین پر رکھ لیے اور کہنے لگا۔ ''جو شخص میرے نزدیک آئے گا وہ تیر سے بچ کر نہ جائے گا''۔ یہ سن کر لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ ابوسفیان نے کہا۔ ''ٹھہرو ہماری بات سن لو''۔ اس پر کنانہ رک گیا۔ ابوسفیان بولا۔ ''ہمیں محمد ﷺ کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں وہ تمہیں معلوم ہیں۔ اب اگر تم دن دہاڑے ان کی لڑکی کو لے جاؤ گے تو لوگ اسے ہماری کمزوری پر محمول کریں گے۔ ہمیں زینب کو روکنے کی ضرورت نہیں۔ جب شور ہنگامہ کم ہو جائے گا تو رات کو اسے چوری چھپے لے جانا''۔ کنانہ نے اس رائے کو تسلیم کیا اور چند روز کے بعد ایک رات حضرت زینب کو اونٹ پر سوار کر کے لے آیا۔ اور زید اور انصاری کے حوالہ کر دی۔ وہ دونوں ان کو مدینہ لے آئے۔

جمادی الاولیٰ ۶ ھ میں ابوالعاص ایک قافلہ قریش کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام کو گئے۔ ان

کے پاس قریش کا بہت سا مال تھا۔ مقام عیص کے نواح میں ان کو آنحضرت ﷺ کا ایک سریہ ملا۔ جو حضور ﷺ نے بسرکردگی حضرت زید بن حارثہ بھیجا تھا۔ اس سریہ نے ابو العاص کا تمام مال لے لیا۔ ابو العاص ہمراہیوں سمیت گرفتار ہو گئے۔ حضرت زینب نے ابو العاص کو پناہ دی۔ صبح کو جب آنحضرت ﷺ نماز فجر سے فارغ ہوئے تو حضرت زینب نے پکار کر کہا کہ میں نے ابو العاص کو پناہ دی ہے۔ مسلمانوں میں سے ایک ادنیٰ شخص پناہ دے سکتا ہے۔ اس لیے ہم نے بھی اس کو پناہ دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم نہ تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سفارش پر ابو العاص کا تمام مال واپس کر دیا گیا۔ ابو العاص نے مکہ پہنچ کر وہ مال قریش کے حوالہ کر دیا۔ پھر کہا، اے گروہ قریش! کیا تم میں سے کسی کا مال میرے ذمہ باقی ہے؟ سب بولے کہ نہیں۔ خدا تجھے جزائے خیر دے بعد ازاں ابو العاص نے کلمہ شہادت پڑھ کر کہا۔ ''اللہ کی قسم! حضرت ﷺ کے پاس اسلام لانے سے مجھے یہی امر مانع ہوا کہ تم گمان کرتے کہ میں نے صرف تمہارے مال ہضم کر جانے کے لیے ایک حیلہ کیا ہے، اس کے بعد ابو العاص نے محرم ۷ھ میں مدینہ میں آ کر اظہارِ اسلام کیا۔ اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب کو نکاح اول یا نکاح جدید کے ساتھ ان کے حوالہ کر دیا۔

حضرت زینب نے ۸ھ میں انتقال فرمایا۔ ام ایمن سودہ بنت زمعہ اور ام سلمہ نے غسل دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ اور ابو العاص نے قبر میں اتارا۔

حضرت زینب کی اولاد، ایک لڑکا علی نام اور ایک لڑکی امامہ تھی۔ حضرت علی نے اپنی والدہ ماجدہ کی زندگی میں چھوٹی عمر میں قریب بلوغ کے وفات پائی۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ بعض اہل نسب نے ذکر کیا ہے کہ وہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کو امامہ سے بڑی محبت تھی۔ نماز میں بھی ان کو اپنے کندھے پر رکھ لیتے۔ جب رکوع ادا کرتے تو اتار دیتے۔ اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کر لیتے۔ ایک دفعہ نجاشی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک حلہ بھیجا۔ جس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی۔ انگوٹھی کا نگینہ حبشی تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے وہ انگوٹھی امامہ کو عطا فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک روز کسی نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔ جس میں ایک زرّین ہار تھا۔ ازواج مطہرات سب ایک مکان میں جمع تھیں۔ امامہ مکان کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں۔ حضور نے ہم سب سے پوچھا کہ یہ ہار کیسا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اس سے خوبصورت و عجیب ہار ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ ازواج مطہرات سمجھیں کہ عائشہ کو ملے گا۔ مگر حضورؐ نے امامہ کو بلایا اور اپنے دست مبارک

سے وہ ہاران کے گلے میں ڈال دیا۔

حضرت ابو العاص حضرت زبیر بن العوام سے امامہ کے نکاح کر دینے کی وصیت کر گئے تھے۔
حضرت فاطمہ زہرا نے مرتے وقت حضرت علی المرتضیٰ سے وصیت کی کہ میرے بعد امامہ سے نکاح کر لینا۔ اس لیے حضرت زہرا کے بعد حضرت زبیر نے امامہ کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ سے کر دیا۔ چنانچہ حضرت علی نے حضرت مغیرہ بن نوفل سے وصیت کی کہ میرے بعد تم امامہ سے نکاح کر لینا۔ چنانچہ حضرت مغیرہ نے حضرت علی کی شہادت کے بعد امامہ سے نکاح کر لیا اور ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام یحییٰ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ امامہ کی کوئی اولاد نہیں۔ حضرت امامہ نے حضرت مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا: حضرت رقیہ اور ام کلثوم دونوں کی شادی ابولہب کے بیٹوں سے ہوئی تھی، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو ابولہب لعین نے اپنے بیٹوں سے کہا۔ ''اگر تم محمد ﷺ کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میری نشست برخاست حرام ہے''۔ عتبہ اور عتیبہ دونوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ آنحضرت ﷺ نے رقیہ کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

نکاح کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت رقیہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی ان کے ہاں وہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ نے اپنی ماں کے بعد ۴ھ میں چھ برس کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت عثمان حبشہ سے مکہ میں آئے۔ اور مکہ سے دونوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ایام بدر میں حضرت رقیہ بیمار تھیں۔ اس لیے حضرت عثمان ان کی تیمار داری کے لیے غزوہ بدر میں شامل نہ ہوئے۔ جس روز حضرت زید بن حارثہ فتح کی بشارت لے کر مدینہ میں آئے، اسی روز حضرت رقیہ نے بیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آنحضرت ﷺ غزوہ بدر کے سبب جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا: کنیت کے ساتھ ہی مشہور ہیں۔ پہلے عتیبہ بن ابی لہب کے نکاح میں تھیں۔ جب عتیبہ نے ان کو اپنے باپ کے کہنے سے طلاق دی۔ رسول اللہ ﷺ سے گستاخی سے پیش آیا۔ حضور کی قمیض پھاڑ دی۔ تو حضور کی زبان مبارک سے نکلا۔ ''یا اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو اس پر مسلط کر دے''۔ کچھ مدت بعد ابولہب اور عتیبہ بغرض تجارت ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک راہب کے صومعہ کے پاس اترے۔ راہب نے کہا کہ یہاں درندے بہت ہیں۔ ابولہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تمہیں میری عمر اور میرا حق معلوم ہے؟ وہ بولے کہ ہاں۔ ابولہب نے کہا کہ محمد ﷺ نے میرے بیٹے پر بد دعا کی ہے۔ تم اپنی متاع صومعہ پر جمع کر دو۔ اور عتیبہ کے لیے اس کے اوپر بستر کر دو۔ اور خود اس کے گرداگرد سو جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

رات کو ایک شیر آیا۔ اس نے سب کو سونگھا۔ پھر متاع پر کود کر عتیبہ کو پھاڑ ڈالا۔ اہل قافلہ نے ہر چند کو تلاش کیا مگر نہ ملا۔

حضرت رقیہ کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان غنی سے ہوا۔ اور شعبان ۹ھ میں انتقال ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا: فاطمہ نام، زہرا اور بتول لقب ہیں۔ جمال و کمال کے سبب سے زہراء کہلاتی تھیں اور ماسوا سے انقطاع کی وجہ سے بتول تھیں۔ بعثت کے پہلے سال یا بعثت سے ایک سال پہلے یا پانچ سال پہلے بنا بر اختلاف روایات پیدا ہوئیں۔

ہجرت کے دوسرے سال آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ سے کر دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی سے پوچھا کہ ادائے مہر کے واسطے تمہارے پاس کچھ ہے؟ حضرت علی نے جواب دیا کہ ایک گھوڑا اور زرہ ہے۔ فرمایا کہ گھوڑا جہاد کے لیے ضروری ہے۔ زرہ کو فروخت کر ڈالو۔ چنانچہ وہ زرہ حضرت عثمان غنی نے ۴۸۰ درہم کو خریدی حضرت علی نے قیمت لا کر حضور ﷺ کے آگے ڈال دی۔ حضور نے اس میں سے کچھ بلال کو دیا کہ خوشبو خرید لائیں اور باقی جہیز وغیرہ کے لیے ام سلیم کے حوالہ کیا۔ اس طرح عقد ہو گیا۔ جہیز میں یہ چیزیں تھیں (۴) ایک لحاف، ایک چمڑے کا تکیہ جس میں درخت خرما کی چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں، ایک مشک، دو گھڑے۔ اسی سال ماہ ذوالحجہ میں رسم عروسی ادا کی گئی۔ حضرت علی مرتضیٰ نے ادائے رسم کے لیے مکان کرایہ پر لیا۔ پھر حضرت حارث بن نعمان نے دے دیا۔ (۵)

آنحضرت ﷺ کو اپنے اہل میں فاطمہ سب سے پیاری تھیں۔ جب سفر پر جایا کرتے تو اخیر میں فاطمہ سے مل کر جاتے۔ جب واپس آتے تو سب سے پہلے فاطمہ سے ملتے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے ''فاطمہ میرا پارہ گوشت ہے۔ جس نے فاطمہ کا ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا''۔ فاطمہ ہی کی نسبت حضور کا ارشاد ہے۔

خیرُ نِساء هٰذه الامة سیدة نسآء العٰالمین سیدة نسآء اهل الجنة سیدة النساء المؤمنین افضل النساء الجنة۔

''صاحب زادیوں میں صرف حضرت فاطمہ زہراء سے حضور علیہ السلام ، سلسلہ نسل جاری ہے۔ اور قیامت تک رہے گا۔''

حضرت فاطمہ کو گھر کا تمام کام کرنا پڑتا تھا۔ ایک روز خبر لگی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لونڈی غلام آئے ہیں۔ اس لیے وہ ایک خادمہ کی درخواست کرنے کے لیے حضور اقدس ﷺ کے دولت خانہ میں آئیں۔ آخر کار بارگاہِ رسالت سے جو جواب ملا۔ اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

خانگی معاملات میں بعض دفعہ حضرت علی و فاطمہ میں رنجش ہو جایا کرتی تھی تو حضور علیہ السلام دونوں میں مصالحت کروا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر کہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ کے دولت خانہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت علی کو وہاں نہ پایا۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ زہراء سے (محاورہ عرب کے موافق) پوچھا کہ میرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں میں کچھ ان بن ہو گئی ہے۔ وہ ناراض ہو کر نکل گئے ہیں اور میرے ہاں قیلولہ نہیں فرمایا۔ حضور ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ دیکھو تو کہاں ہیں؟ اس نے آ کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ حضور مسجد میں تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہیں۔ چادر پہلو سے گری ہوئی ہے۔ اور خاک آلود ہو رہے ہیں۔ حضور ﷺ خاک جھاڑنے لگے اور فرمایا۔ اے ابو تراب! اُٹھ بیٹھ۔ اس حدیث کے راوی حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کو اس نام سے پیارا کوئی نام نہ تھا۔ (صحیحین)

فتح مکہ کے بعد حضرت علی نے ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا۔ حضرت زہرا نے سنا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگیں۔ "آپ ﷺ کی قوم کہتی ہے کہ آپ اپنی صاحب زادیوں کے لیے ناراض نہیں ہوتے۔ یہ دیکھیے کہ علی ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرنے لگے ہیں"۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا۔ "اما بعد میں نے ابو العاص سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اس نے مجھ سے بات کہی اور سچ کر دکھائی۔ مجھ سے وعدہ کیا اور پورا کیا۔ فاطمہ میرا گوشت پارہ ہے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ اسے تکلیف پہنچے۔ اللہ کی قسم! رسول خدا ﷺ کی لڑکی اور دشمن خدا کی لڑکی ایک شخص کے ہاں جمع نہ ہوں گی"۔ یہ سن کر حضرت علی نے خواستگاری چھوڑ دی۔

آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے بعد حضرت فاطمہ کبھی ہنستی نہ دیکھی گئیں۔ اور وصال شریف کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان ۱۱ھ میں انتقال فرما گئیں حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ حضرت علی و عباس و فضل نے قبر میں اتارا۔

حضرت زہراء کی اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ امام حسن و امام حسین جو اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ محسن و رقیہ جو بچپن میں انتقال کر گئے۔ ام کلثوم جن کی شادی حضرت عمر فاروقؓ سے ہوئی۔ زینب جن کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا۔ ان میں سے سوائے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کسی سے نسل نہیں رہی۔

حضرت عبداللہ: حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی اولاد میں یہ سب سے چھوٹے ہیں۔ بعثت کے بعد پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی انتقال فرما گئے۔ طیب و طاہر ان ہی کے لقب ہیں۔

حضرت ابراہیم: آنحضرت ﷺ کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ ذی الحجہ ۸ ھ میں مقام عالیہ میں جہاں ان کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہ رہا کرتی تھیں پیدا ہوئے۔ اسی سبب سے عالیہ کو مشربہ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے۔ ابو رافع کی بیوی سلمی نے جو آنحضرت ﷺ یا آپ ﷺ کی پھوپھی صفیہ کی لونڈی تھیں۔ دایہ گری کی خدمت انجام دی۔ جب ابو رافع کو ایک غلام عطا فرمایا۔ ساتویں دن عقیقہ دیا اور سر کے بالوں کے برابر چاندی خیرات کی اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے نام پر ابراہیم نام رکھا۔

دودھ پلانے کے لیۓ آنحضرت ﷺ نے ابراہیم کو ام سیف کے حوالہ کیا۔ ام سیف کا شوہر ابو سیف لوہار تھا۔ حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ابراہیم کو دیکھنے کے لیۓ عوالی مدینہ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہوا کرتے۔ حضور ابراہیم کو گود میں لے کر چوما کرتے گھر دھوئیں سے پُر ہوا کرتا۔ بعض دفعہ میں پیشتر پہنچ کر ابو سیف کو اطلاع کر دیتا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ دھواں نہ کرو۔ یہ سن کر ابو سیف اپنا کام بند کر دیتے۔

حضرت ابراہیم نے ام سیف ہی کے ہاں انتقال فرمایا۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی کہ ابراہیم حالت نزع میں ہے۔ اس وقت عبدالرحمٰن بن عوف آپ ﷺ کے پاس تھے۔ حضور ﷺ ان کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ نزع کی حالت ہے۔ گود میں اٹھالیا، آنکھوں میں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عبدالرحمٰن نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ ایسا کرتے ہیں! فرمایا، ابن عوف! یہ رحمت و شفقت (میت پر) ہے پھر فرمایا، "ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔ آنکھیں اشک بار ہیں۔ دل غمگین ہے ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب قاضی ہو"۔

چھوٹی سی چار پائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ بقیع میں آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے متصل دفن ہوئے فضل و اسامہ نے قبر میں اتارا۔ رسول اللہ ﷺ قبر کے کنارے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ کے ارشاد سے ایک انصاری پانی کی مشک لایا اور قبر پر چھڑک دیا۔ اور شناخت کے لیۓ ایک نشان قائم کیا گیا۔ جیسا حضرت عثمان کی قبر پر کیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم کی عمر حسب روایت صحاح ۱۷ یا ۱۸ ماہ تھی۔

عرب جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا یا کوئی حادثہ عظیم وقوع میں آتا ہے تو سورج یا چاند میں گہن لگ جاتا ہے۔ اتفاق سے حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج میں گہن لگ گیا تھا۔ اس لیئے لوگ کہنے لگے کہ یہ ابراہیم کی موت کے سبب سے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورج یا چاند خدا تعالیٰ کے دو نشان ہیں۔ کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔

اعتراض: یہود ونصاریٰ اوران کے کاسہ لیس آنحضرت ﷺ کی کثرت ازدواج پر طعن کرتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کی شان میں دریدہ دہنی کرتے ہیں۔

جواب: اس اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں یوں دیا ہے:
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔ (رعد۔ ع ٦)

''اور البتہ بے شک ہم نے تجھ سے پہلے پیغمبر بھیجے۔ اور ان کو عورتیں اور اولاد دی۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ سے خطاب فرماتا ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں ہم نے ان کو عورتیں دیں جیسا کہ تجھ کو دیں۔ اس کی تفصیل بائبل میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں تین بیویاں تھی (پیدائش باب ۱۱۔ آیہ ۲۹۔ باب ۱۶۔ آیہ ۳۔ باب ۲۵۔ آیہ اول) حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں (پیدائش باب ۲۹ باب ۳۰، آیہ ۴، ۹) ان چار میں سے راحیل کی نسبت لکھا ہے:

''راحیل خوبصورت اور خوشنما تھی۔ یعقوب (نکاح سے پہلے) راحیل پر عاشق تھا''۔
(پیدائش باب ۲۹۔ آیہ ۱۷۔ ۱۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں (خروج باب ۲۔ آیہ ۲۱۔ اعداد باب ۱۲۔ آیہ اول) حضرت جدعون نبی کی بہت سی بیویاں تھیں۔ جن سے ستر لڑکے پیدا ہوئے (اقضاۃ باب ۸۔ آیہ ۳۰) حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں بہت سی بیویاں تھیں (اول سموئیل باب ۱۸۔ آیہ ۲۷۔ باب ۲۵۔ آیہ ۴۲۔ ۴۳۔ دوم سموئیل باب ۳۔ آیہ ۲ تا ۵۔ باب ۵۔ آیہ ۱۳) حضرت حضرت داؤد علیہ السلام نے حالت پیری میں ابی ساج سونمی سے نکاح کیا تاکہ وہ گرم رہیں (اول سلاطین باب اول) حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں بہت عورتیں تھیں۔ چنانچہ اول سلاطین (باب ۱۱۔ آیہ ۳۔ ۴) میں یوں ہے:

''اس سات سو جوروان بیگمات تھیں اور تین سو حرمیں۔ اور اس کی جوروؤں نے اس کے دل کو پھیرا۔ کیوں کہ ایسا ہوا کہ جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی جوروؤں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا''۔

پس ثابت ہوا کہ ایک سے زائد زوجہ کا ہونا نبوت کے منافی نہیں۔ بائبل میں جو پیغمبروں کی نسبت دریدہ دہنی کی گئی ہے ہم اسے غلط سمجھتے ہیں اور پیغمبروں کو معصوم جانتے ہیں۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا النِّسَآءُ وَالطِّیْبُ وَجُعِلَ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ۔

''دنیا سے میرے لیے عورتیں اور خوشبو محبوب بنائی گئی اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں

بنائی گئی۔''

اس حدیث کے معنی میں دو قول بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ جب ازواج زیادہ موجب ابتلاء و تکلیف اور بمقتضائے بشریت آنحضرت ﷺ کے ادائے رسالت سے غافل ہو جانے کا اندیشہ ہے مگر اس کے باوجود حضور ﷺ اس سے کبھی غافل نہ رہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جب نساء میں حضور ﷺ کے لیے مشقت زیادہ اور اجرم عظیم ہے۔ دوسرے یہ کہ جب نساء اس واسطے ہوا کہ حضور ﷺ کے خلوات اپنی ازواج کے ساتھ ہوں۔ اور مشرکین جو آپ کو ساحر و شاعر ہونے کی تہمت لگاتے تھے وہ جاتی رہے۔ بس عورتوں کا محبوب بنایا جانا آپ ﷺ کے حق میں لطف ربانی ہے۔ بہر صورت یہ جب آپ ﷺ کے لیے باعث فضیلت ہے۔

اس حدیث کے اخیر میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ محبت آنحضرت ﷺ کے لیئے اپنے پروردگار کے ساتھ کمال مناجات سے مانع نہیں۔ بلکہ حضور ﷺ باوجود اس محبت کے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے متوجہ ہیں کہ اس کی مناجات میں آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی رہتی ہیں۔ اور ماسوا میں آپ ﷺ کے لیئے ٹھنڈک نہیں۔ پس حضور ﷺ کی محبت حقیقت میں صرف اپنے خالق تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ حب نساء جب حقوق عبودیت کے ادا میں مخل نہ ہو بلکہ انقطاع الی اللہ کے لیے ہو تو وہ از قبیل کمال ہے۔ ورنہ از قبیل نقصان ہے۔

شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو چار سے زیادہ ازواج کی اجازت دی گئی۔ اس میں بھید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بواطن شریعت و ظواہر شریعت اور وہ امور جن کے ذکر سے حیا آتی ہے اور وہ جن کے ذکر سے شرم نہیں آتی یہ سب بطریق نقل امت تک پہنچ جائیں چونکہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ شرمیلے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے چار سے زائد عورتیں جائز کر دیں جو شرع میں سے نقل کریں حضرت کے افعال آنکھوں دیکھے اور اقوال کانوں سنے جن کو حضور ﷺ مردوں کے سامنے بیان کرنے سے حیاء کرتے تھے۔ تاکہ اس طرح نقل شریعت کامل ہو جائے۔ حضور ﷺ کی ازواج کی تعداد کثیر ہو گئی تاکہ اس طرح اقوال و افعال کے نقل کرنے والے زیادہ ہو جائیں۔ ازواج مطہرات ہی سے غسل و حیض و عدت وغیرہ کے مسائل معلوم ہوئے۔ یہ کثرت ازواج حضور ﷺ کی طرف سے معاذ اللہ شہوت کی غرض سے نہ تھی اور نہ آپ وطی کو والعیاذ باللہ لذت بشریہ کے لیے پسند فرماتے تھے۔ عورتیں آپ ﷺ کے لیے صرف اس واسطے محبوب بنائی گئیں کہ وہ آپ ﷺ سے ایسے مسائل نقل کریں جن کے زبان پر لانے سے حضور شرم و حیا کرتے تھے۔ پس آپ ﷺ بدیں وجہ ازواج سے محبت رکھتے تھے کہ ان میں شریعت کے ایسے مسائل نقل کرنے پر اعانت

تھی۔ازواج مطہرات نے وہ مسائل نقل کیے جو کسی اور نے نہیں کیے۔چنانچہ انہوں نے حضور انور ﷺ کے منام اور حالت خلوت میں جو نبوت کی آیات بینات دیکھیں اور عبادت میں آپ ﷺ کا جو اجتہاد دیکھا اور وہ امور دیکھے کہ ہر ایک عاقل شہادت دیتا ہے کہ وہ صرف پیغمبر میں ہوتے ہیں اور ازواج مطہرات کے سوا اور کوئی ان کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ یہ سب ازواج مطہرات سے مروی ہیں۔اس طرح حضور ﷺ کی کثرت ازواج سے نفع عظیم حاصل ہوا(٦)۔

❀❀❀❀

باب: ۱۰

اُمت پر آنحضرت ﷺ کے حقوق کا بیان

۱۔ ایمان واتباع: آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا فرض ہے۔ آپ ﷺ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اس کی تصدیق فرض ہے۔ ایمان بالرسول کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔

وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَعِیْرًاO (فتح۔ع۲)

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لایا۔ پس تحقیق ہم نے کافروں کیلئے آگ تیار کی ہے۔''

اس آیت میں بتادیا گیا ہے کہ جو شخص ایمان باللہ اور ایمان بالرسول ﷺ کا جامع نہ ہو وہ کافر ہے۔

حضور علیہ السلام کی اطاعت واجب ہے۔ آپ کے اوامر کا امتثال اور آپ کے نواہی سے اجتناب لازم ہے۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِO (حشر۔ع۱)

''اور جو کچھ رسول ﷺ تم کو دے تم اسے لے لو اور جس سے تم کو منع فرمائے اس سے تم باز رہو اور اللہ سے ڈرو۔ تحقیق اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔''

حضور اقدس ﷺ کی سیرت و سنت کا اقتداء واتباع واجب ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌO (آل عمران۔ع۴)

''کہہ دیجیے اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم کو دوست رکھے گا اور تم کو تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًاO (احزاب۔ع۱)

''بے شک تمہارے واسطے رسول اللہ ﷺ میں اچھی پیروی تھی اس شخص کے لیئے جو ثواب خدا اور روزِ آخر کی توقع رکھتا تھا اور جس نے اللہ کو بہت یاد کیا۔''

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (احزاب، ع ۱)

''نبی مومنوں کے لیئے ان کی جانوں سے سزاوار تر ہیں۔ اور ازواج پیغمبر ان کی مائیں ہیں۔''

اس آیت سے ظاہر ہے کہ دین و دنیا کے ہر امر میں آنحضرت ﷺ مومنوں کو اپنی جانوں سے زیادہ پیارے ہیں۔ اگر حضور ﷺ کسی امر کی طرف بلائیں اور ان کے نفوس کسی دوسرے امر کی طرف بلائیں تو حضور ﷺ کی فرمانبرداری لازم ہے۔ کیوں کہ حضور ﷺ جس امر کی طرف بلاتے ہیں اس میں ان کی نجات ہے۔ اور ان کے نفوس جس امر کی طرف بلاتے ہیں اس میں ان کی تباہی ہے۔ اس لیئے واجب ہے کہ حضور علیہ السلام مومنوں کو اپنی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں۔ وہ اپنی جانیں حضور ﷺ پر فدا کر دیں۔ اور جس چیز کی طرف آپ ﷺ بلائیں اس کا اتباع کریں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''جو شخص یہ نہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ ہی میری جان کے مالک ہیں اور یہ نہ سمجھا کہ تمام حالات میں رسول اللہ ﷺ کی ولایت (حکم و تصرف) نافذ ہے اس نے کسی حال میں آپ کی سنت کی حلاوت نہیں چکھی۔ کیوں کہ آپ اولیٰ بالمومنین ہیں''۔

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور سرورِ انام ﷺ کا اتباع کیسے بے چون و چرا کیا کرتے تھے۔

۱۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے چند گھنٹے پیشتر اپنی صاحب زادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے کفن میں کتنے کپڑے تھے۔ حضور کی وفات شریف کس دن ہوئی۔ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی آرزو تھی کہ کفن و یوم وفات میں بھی حضور علیہ السلام کی موافقت نصیب (۱) ہو۔ حیات میں تو حضور انور ﷺ کا اتباع تھا ہی۔ وہ ممات میں بھی آپ ہی کا اتباع چاہتے تھے۔ اللہ اللہ یہ شوق اتباع! کیوں نہ ہو۔ صدیق اکبر تھے۔ رضی اللہ عنہ۔

۲۔ حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ جس امر پر رسول اکرم ﷺ عمل کیا کرتے تھے۔ میں اسے کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اگر میں آپ کے حال سے کسی امر کو چھوڑ دوں تو مجھے ڈر ہے کہ میں سنت سے منحرف (۲) ہو جاؤں گا۔

۳۔ زید کے باپ اسلم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اور (اس کی طرف نگاہ کر کے) فرمایا۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو

میں تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ (بخاری کتاب المناسک)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی۔ آپ نے اس کو نکال پھینک دیا اور فرمایا۔ "کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ آگ کی انگاری اپنے ہاتھ میں ڈالے"؟ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد اس شخص سے کہا گیا کہ تو اپنی انگوٹھی اٹھالے اور (بیچ کر) اس سے فائدہ اٹھا۔ اس نے جواب دیا نہیں اللہ کی قسم! میں اسے کبھی نہ لوں گا۔ حالانکہ رسول خدا ﷺ نے اسے پھینک دیا ہے۔ (مشکوۃ بحوالہ صحیح مسلم باب الخاتم)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا گزر ایک جماعت پر ہوا جن کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی تھی۔ انہوں نے آپ کو بلایا۔ آپ نے کھانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ نبی ﷺ دنیا سے رحلت فرما گئے اور جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔ (مشکوۃ بحوالہ صحیح بخاری۔ باب فضل الفقراء)

۶۔ رسول اللہ ﷺ کے لیئے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہ کی جاتی تھی۔ (بخاری کتاب الاطعمہ) ابن سعد نے بروایت ابو اسحاق روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بن چھانے آٹے کی روٹی کھاتے دیکھا ہے۔ اس لیئے میرے واسطے آٹا نہ چھانا جایا کرے۔ (طبقات ابن سعد جزء اول۔ قسم ثانی۔ ص ۱۰۹)

۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا کہ اپنی اونٹنی ایک مکان کے گرد پھرا رہے ہیں۔ اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں نہیں جانتا مگر اتنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ اس لیے میں نے بھی کیا (امام احمد و بزار) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابر صحابہ امور عادیہ میں بھی حضور رسالت مآب ﷺ کا اقتداء کیا کرتے تھے۔

۸۔ مسجد نبوی سے ملحق حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ کا مکان تھا۔ جس کا پرنالہ بارش میں آنے جانے والے نمازیوں پر گرا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اکھاڑ دیا۔ حضرت عباس ؓ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اللہ کی قسم اس پرنالے کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے میری گردن پر سوار ہو کر لگایا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق ؓ نے جواب دیا کہ آپ میری گردن پر سوار ہو کر اس کو پھر اسی جگہ لگا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (۳)۔

۲۔ محبت و عشق: رسول اللہ ﷺ کی محبت واجب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ O (توبہ۔ع ۴)

"کہہ دیجیے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا قبیلہ و کنبہ اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو۔ اور گھر جو تم پسند رکھتے ہو۔ تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہیں تو تم انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمان لاگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اس آیت سے ثابت ہے کہ ہر مسلمان پر اللہ اور رسول کی محبت واجب ہے۔ کیوں کہ اس میں بتا دیا گیا ہے کہ تم کو اللہ اور رسول کی محبت کا دعویٰ ہے اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو۔ پس اگر تم غیر کی محبت کو اللہ اور رسول کی محبت پر ترجیح دیتے ہو تو تم اپنے دعوے میں صادق نہیں ہو۔ اگر تم اس طرح محبت غیر سے اپنے دعوے کی تکذیب کرتے رہو گے تو خدا کے قہر سے ڈرو۔ آیت کے اخیر حصے سے ظاہر ہے کہ جس کو اللہ و رسول کی محبت نہیں وہ فاسق ہے۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن (کامل) نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں کی نسبت زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری کتاب الایمان)

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیسی محبت تھی۔

۱۔ ایک روز حضرت عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ بے شک آپ سوائے میری جان کے جو میرے دو پہلوؤں میں ہے۔ میرے نزدیک ہر شے سے زیادہ محبوب ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "تم میں سے کوئی ہرگز مومن (کامل) نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے جواب میں عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ بے شک آپ میرے نزدیک میری جان سے جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا۔ "الان یا عمر" یعنی اے عمر اب تمہارا ایمان کامل ہو گیا۔ (صحیح بخاری)

۲۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنے صاحب زادے [1] سے اپنی تین حالتیں بیان کیں۔ دوسری حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کوئی شخص میرے نزدیک رسول اللہ سے زیادہ محبوب اور میری آنکھوں میں آپ سے

زیادہ جلالت و ہیبت والا نہ تھا۔ میں آپ کی ہیبت کے سبب سے آپ کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا"۔ (صحیح مسلم)

۳۔ جب فتح مکہ کے دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد ابو قحافہ ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے۔ اس پر حضرت صدیقؓ نے عرض کیا:

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے۔ اس (ابو قحافہ) کے اسلام کی نسبت (آپ کے چچا) ابوطالب کا اسلام (اگر وہ اسلام لاتے) میری آنکھوں کو زیادہ ٹھنڈا کرنے والا ہوتا۔ اس واسطے کہ ابوطالب کا اسلام آپ کی آنکھ کو (بہت سے امور کی نسبت) زیادہ ٹھنڈا کرنے والا تھا"۔ (۴)

۴۔ حضرت ثمامہ بن آثال یمامیؓ جو اہل یمامہ کے سردار تھے۔ ایمان لا کر کہنے لگے:

"اے محمد! خدا کی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ آج وہی چہرہ مجھے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب یہی دین میرے نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے"۔
(صحیح بخاری باب وفد بنی حنیفہ)

۵۔ حضرت ہند بنت عتبہؓ (زوجہ ابوسیفان بن حرب) جو حضرت امیر حمزہؓ کا کلیجہ چبا گئی تھیں، ایمان لا کر کہنے لگیں۔

یارسول اللہ! روئے زمین پر کوئی اہل خیمہ میری نگاہ میں آپ کے اہل خیمہ سے زیادہ مبغوض نہ تھے۔ لیکن آج سے میری نگاہ میں روئے زمین پر کوئی اہل خیمہ آپ کے اہل خیمہ سے زیادہ محبوب نہیں رہے"۔ (صحیح بخاری۔ باب ذکر ہند بنت عتبہ)

۶۔ حضرت صفوان بن امیہؓ کا بیان ہے کہ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے مال عطا فرمایا۔ حالانکہ آپ میری نظر میں مبغوض ترین خلق تھے۔ آپ مجھے عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ میری نظر میں محبوب ترین خلق ہو گئے۔ (جامع ترمذی۔ باب ماجاء فی اعطاء المؤلفۃ قلوبہم)

۷۔ فتح مکہ میں حضرت عباسؓ، ابوسفیان بن حرب کو جو اب تک ایمان نہ لائے تھے اپنے پیچھے خچر پر سوار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا۔ اگر اجازت ہو تو اس دشمن خدا کی گردن اڑا دوں۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں نے ابوسفیان

کو پناہ دی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اصرار کیا تو حضرت عباسؓ نے کہا۔ اے ابن خطاب اگر ابو سفیان قبیلہ بنو عدی میں سے ہوتے تو آپ ایسا نہ کہتے۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے کہا۔ اے عباس جس دن آپ اسلام لائے، آپ کا اسلام میرے نزدیک خطاب کے اسلام سے (اگر وہ اسلام لاتا) زیادہ محبوب تھا۔ کیوں کہ آپ کا اسلام رسول اللہ ﷺ کے نزدیک زیادہ محبوب تھا۔ (۵)

۸- جنگ احد میں ایک عفیفہ کے باپ بھائی اور شوہر شہید ہو گئے۔ اسے یہ خبر لگی تو کچھ پروا نہ کی۔ اور پوچھا کہ بتاؤ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ جب اسے بتا دیا کہ حضور ﷺ بحمد اللہ بخیر ہیں۔ تا بولی کہ مجھے دکھا دو۔ حضور ﷺ کو دیکھ کر کہنے لگی:

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ۔

''تیرے ہوتے ہر ایک مصیبت ہیچ ہے۔'' (سیرت ابن ہشام)

بڑھ کر اس نے رخ اقدس کو جو دیکھا تو کہا — تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم
میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا — اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

۹- حضرت عبدالرحمٰن بن سعدؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا پاؤں سن ہو گیا۔ ان سے یہ سن کر ایک شخص نے کہا کہ آپ کے نزدیک جو سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے اسے یاد کیجئے۔ یہ سن کر آپ نے کہا۔ یا محمد ﷺ (٦) (اور آپ کا پاؤں اچھا ہو گیا)۔

۱۰- حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو ان کی بیوی نے کہا۔ واحسرتا (ہائے غم) یہ سن کر حضرت بلال نے کہا:

واطر باه غدًا نلقى الاحبة محمدًا و حزبهٗ۔

''وائے خوشی! میں کل دوستوں یعنی محمد ﷺ اور آپ کے اصحابؓ سے ملوں گا۔''

۱۱- جب ۷ھ میں قبیلہ اشعریین میں سے حضرت موسیٰؓ وغیرہ مدینہ شریف کو آئے تو زیارت سے مشرف ہونے سے پہلے پکار پکار کر یوں کہنے لگے:

غدًا نلقى الاحبة محمدًا و حزبه۔

''ہم کل دوستوں یعنی محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے دوستوں سے ملیں گے۔'' (۷)

۱۲- جنگ احد کے بعد قبیلہ عضل و قارہ کے چند اشخاص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہنے لگے کہ آپ ﷺ اپنے چند اصحابؓ کو ہمارے ساتھ روانہ کر دیں۔ تا کہ وہ ہم کو اسلام کی تعلیم دیا کریں۔ آپ ﷺ نے مرثد بن ابی مرثدؓ، خالد بن بکیرؓ، عاصم بن ثابتؓ، خبیب بن عدیؓ، زید بن دثنہؓ اور عبداللہ بن طارقؓ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ جب وہ آب رجیع پر پہنچے تو انہوں نے

بے وفائی کی۔ اور قبیلہ ہذیل کو بلالیا اور ہذیل کے ساتھ مسلح ہو کر ان اصحاب کو گھیر لیا۔ اور کہا کہ خدا کی قسم ہم تم کو قتل کرنا نہیں چاہتے۔ ہم تمہارے عوض میں اہل مکہ سے کچھ لینا چاہتے ہیں۔ حضرت مرثد و خالد و عاصم رضی اللہ عنہم نے اپنے تئیں دشمنوں کے حوالے نہ کیا اور مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ باقی تینوں کے ہاتھ انہوں نے جکڑ لیے۔ جب ظہران میں پہنچے تو عبداللہ بن طارق نے اپنا ہاتھ نکال لیا۔ اور تلوار ہاتھ میں لی۔ دشمن پیچھے ہٹ گئے اور دور سے پتھر پھینکتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہؓ شہید ہو گئے۔ باقی دو کو انہوں نے قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔ چنانچہ حضرت زیدؓ کو صفوان بن امیہ نے خریدا۔ تا کہ ان کو اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے قتل کر دے۔ صفوان نے حضرت زیدؓ کو اپنے غلام نسطاس کے ساتھ تنعیم میں بھیج دیا۔ حضرت زید کو قتل کرنے کے لیے حد حرم سے باہر لے گئے تو ابو سفیان نے (جو اب تک اسلام نہ لائے تھے) ان سے یوں کہا:

''اے زید! میں تم کو خدائی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اس وقت ہمارے پاس بجائے تمہارے محمد ﷺ ہوں جن کو ہم قتل کر دیں اور تم آرام سے اپنے اہل میں بیٹھو''؟

حضرت زید نے جواب دیا:

''اللہ کی قسم! میں پسند نہیں کرتا کہ محمد ﷺ اس وقت جس مکان میں تشریف رکھتے ہیں ان کو ایک کانٹا لگنے کی تکلیف بھی ہو اور میں آرام سے اپنے اہل میں بیٹھا رہوں''۔

یہ سن کر ابو سفیان نے کہا:

''میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ دوسروں سے ایسی محبت رکھتا ہو جیسا کہ محمد ﷺ کے اصحاب محمد سے رکھتے ہیں''۔

اس کے غلام نسطاس نے حضرت زیدؓ کو شہید کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام بروایت ابن اسحاق)

علاماتِ حُبِّ صادق

آنحضرت ﷺ کے محبِّ صادق میں علامات پائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص حب احمد مجتبیٰ ﷺ کا دعویٰ کرے اور اس میں یہ علامات نہ پائی جائیں تو وہ حب میں صادق و کامل نہیں:

۱۔ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال و آثار کا اقتداء آپ کی سنت پر عمل، آپ کے اوامر کا امتثال، اور آپ کی نواہی سے اجتناب اور آپ کے آداب سے آراستہ ہونا۔

۲۔ آنحضرت ﷺ کا ذکر کثرت سے کرنا، مثلاً درود شریف کثرت سے پڑھنا، حدیث شریف پڑھنا،

مولود شریف کا پڑھنا یا مجالس میلاد شریف میں شامل ہونا۔

۳- آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کا نہایت اشتیاق پیدا ہونا، جیسا کہ حضرت بلالؓ و ابو موسیٰؓ وغیرہ کو تھا۔

۴- آنحضرت ﷺ کی تعظیم وتوقیر کرنا (تفصیل آگے آئی گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

۵- آنحضرت ﷺ جن سے محبت رکھتے تھے (اہل بیت عظام وصحابہ کرام (مہاجرین وانصار) ان سے محبت رکھنا، اور جو شخص ان بزرگواروں سے عداوت رکھے، اس سے عداوت رکھنا، اور جو ان کو سب وشتم کرے، اس کو برا جاننا۔

صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ مباحات میں بھی جو اشیاء حضور کو محبوب و پسندیدہ تھیں وہی صحابہ کرام کو بھی محبوب تھیں۔ جیسا کہ واقعات ذیل سے ظاہر ہے:

حضرت عبید بن جریجؒ سے روایت ہے کہ اس نے حضرت عمرؓ سے کہا میں نے دیکھا کہ تم بیل کے دباغت کیے ہوئے چمڑے کا بے بال جوتا پہنتے ہو۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایسا جوتا پہنا کرتے تھے جس میں بال نہ ہوں۔ اور اسی میں وضو کیا کرتے تھے۔ اس لیے میں دوست رکھتا ہوں کہ ایسا جوتا پہنو۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے کیلئے بلایا جو اس نے تیار کیا تھا۔ میں بھی حضور علیہ السلام کے ساتھ گیا۔ جو کی روٹی اور شوربہ حضور کے آگے لایا گیا۔ جس میں کدو اور خشک کیا ہوا نمکین گوشت تھا۔ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ پیالے کے اطراف سے کدو کی قاشیں تلاش کرتے تھے اسلیے میں اس دن کے بعد کدو ہمیشہ پسند کرتا رہا (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ کتاب الاطعمہ) امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے سامنے اس روایت کا ذکر آیا کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کدو کو پسند فرماتے تھے ایک شخص نے کہا۔ انا ماُ احبّہ (میں اس کو پسند نہیں کرتا) یہ سن کر امام موصوف نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا:

جدّد الایمان والّا لا قتلنّک۔

"تجدید ایمان کر ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔" (مرقاۃ جزء ثانی ص ۷۷)

ایک روز حضرات حسن بن علیؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت سلمیٰؓ (خادمہ رسول اللہ ﷺ) کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے واسطے وہ کھانا تیار کرو جسے رسول اللہ ﷺ پسند فرمایا کرتے اور خوش ہو کر کھایا کرتے تھے۔ اس نے (امام حسن سے) کہا: بیٹا! آج تم اسے پسند نہ کرو گے۔ حضرت امامؓ نے کہا تم ہمارے واسطے وہی تیار کر دو۔ پس حضرت سلمیٰؓ نے کچھ جو کا آٹا

ایک ہنڈیا میں چڑھا دیا۔ اوپر سے روغن زیتون اور کالی مرچیں اور زیرہ ڈال دیا۔ پک گیا تو ان کے آگے رکھ کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کھانے کو پسند فرمایا کرتے تھے اور خوش ہو کر کھایا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

۶۔ جو لوگ آنحضرت ﷺ سے بغض و دشمنی رکھیں ان کو اپنا دشمن سمجھنا اور مخالف سنت و متبدع سے دور رہنا، مخالف شریعت سے نفرت کرنا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ۔ (مجادلہ، ع ۳)

''تو نہ پائے گا ایسی قوم کو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دوستی کریں ایسوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگر چہ وہ لوگ ان کے باپ یا ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے گھرانے کے ہوں۔''

اس آیت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پورا عمل تھا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کی اعانت میں اپنی آبرو اور جان و مال سے دریغ نہ کیا۔ کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے اذیتیں برداشت کیں۔ خدا اور رسول کے لیے اپنا وطن چھوڑا۔ خویش و اقارب سے رشتہ الفت توڑا۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کیا اور خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے اعداء اسلام کو خواہ اقارب ہی ہوں قتل کیا یا کرنا چاہا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح نے یوم بدر میں اپنے والد کو قتل کر دیا (۸)۔ عبداللہ بن ابی حوارس المنافقین تھا۔ اس کے صاحب زادے حضرت عبداللہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ اجازت ہو تو میں ابن ابی کو قتل کر دوں۔ مگر حضر اقدس ﷺ نے اجازت نہ دی (۹)۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی کو قتل کر دیا (۱۰)۔ بدر کے دن حضرت ابو بکر صدیقؓ کے لڑکے عبدالرحمٰن نے جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے مبارز طلب کیا۔ تو خود حضرت صدیق اکبرؓ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے مگر رسول اللہ ﷺ نے اجازت نہ دی (۱۱)۔ جنگ احد میں حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا (۱۲)۔ حضرات علی و حمزہ و عتبہ بن حارث نے جنگ بدر میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو جو ان کے گھرانے کے تھے قتل کر ڈالا۔ جنگ بدر کے خاتمہ پر رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو بارے میں اپنے اصحابؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضرت فاروقؓ نے عرض کیا کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان کو قتل کر دیں۔ مثلاً عقیل کو حضرت علیؓ کے حوالے کر دیں اور میرے فلاں رشتہ دار کو میرے سپرد کر دیں۔ مگر حضور رحمۃ للعلمین نے حضرت صدیق اکبر کی رائے پر عمل کیا (۱۳)۔

۷۔ قرآن کریم سے محبت رکھنا۔ جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا خلق بنایا ہوا تھا۔ قرآن کریم سے محبت رکھنے کی نشانی یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی تلاوت کرے۔ اور اس کے معانی سمجھے اور اس کے احکام پر عمل کرے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں:

''خدا کی محبت کی نشانی قرآن سے محبت رکھنا ہے۔ اور قرآن سے محبت رکھنے کی علامت رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنے کی علامت آپ کی سنت سے محبت رکھنا ہے۔ اور سنت سے محبت رکھنے کی نشانی آخرت سے محبت رکھنا ہے اور آخرت سے محبت رکھنے کی نشانی دنیا سے بغض رکھنا ہے۔ اور بغض دنیا کی علامت یہ ہے کہ اس سے بجز کفاف وقوت لایموت ذخیرہ نہ کرے۔ جیسا کہ مسافر اپنے ساتھ اسی قدر توشہ لے جاتا ہے کہ جس سے منزل مقصود پر پہنچ جائے''۔

۸۔ رسول اللہ ﷺ کی امت پر شفقت رکھنا اور ان کی خیر خواہی کرنا، جیسا کہ خود حضور علیہ السلام کیا کرتے تھے۔

۹۔ دنیا میں رغبت نہ کرنا اور فقر کو غنا پر ترجیح دینا۔ حضرت عبداللہ بن مغفل کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں بے شک آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ دیکھ تو کیا کہتا ہے۔ اس نے تین مرتبہ یہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو مجھ سے محبت رکھتا ہے فقر وفاقے کے لیے برگستوان تیار کر لے۔ کیوں کہ فقر وفاقہ میرے محب کی طرف اس سے بھی جلدی پہنچتا ہے جتنی کہ پانی کی رو اپنے منتہی کی طرف پہنچتی (۱۴) ہے۔

اس حدیث میں برگستوان کنایہ صبر سے ہے۔ جس طرح لڑائی میں برگستوان گھوڑے کو اذیت سے بچاتی ہے۔ اسی طرح صبر عاشق رسول خدا ﷺ کو فقر وفاقے کی اذیت سے بچاتا ہے۔ کیوں کہ صبر کے بغیر نفوس فقر کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتے اور آپ کی اطاعت کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ کیا فرماتے ہیں اس شخص کی نسبت جو ایسی قوم سے محبت رکھتا ہے جن سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ المرء مع من احب۔ یعنی انسان قیامت کے دن ان لوگوں کے زمرہ میں اٹھے گا جن سے وہ محبت رکھتا (۱۵) تھا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ قیامت کب ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس تو نے اس دن کے لیے کیا تیار کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے کچھ تیار نہیں کیا۔ ہاں خدا اور رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو اس کے ساتھ ہوگا۔ کہ جس

سے محبت رکھتا (۱۶) ہے۔ اس حدیث کے تحت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی یوں تحریر فرماتے ہیں:

''چوں خدا را دوست مے داری۔ در جوار رحمت وعزت دے خواہی بود۔ وچوں رسول خدا را دوست داری نیز از مقام قربت وعنایت دے بہرہ ور باشی۔ اگرچہ مقام او بلند تر وعزیز تر است کہ کسے بآنجا نرسد۔ اما نور محبت وتبعیت دے بر محبان وتابعان وے خواہد تاخت و بمعیت قربت وے مشرف خواہد ساخت''۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں (۱۷) کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ بے شک میرے نزدیک میری جان اور میری اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔ میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں۔ مگر جس وقت آپ ﷺ یاد آتے ہیں تو جب تک آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو دیکھ نہ لوں۔ صبر نہیں آتا۔ جب میں اپنی موت اور آپ ﷺ کی موت کو یاد کرتا ہوں تو میں یقین کرتا ہوں کہ جنت میں داخل ہو کر آپ ﷺ انبیائے کرام کے ساتھ بلند مرتبہ میں اٹھائے جائے گے۔ اور میں جب جنت میں داخل ہوں گا تو (ادنیٰ درجہ میں ہونے کے سبب سے) مجھے ڈر ہے کہ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکوں گا۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اسے کچھ جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا○ (نساء، ع ۹)

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے۔ پس وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی پیغمبروں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ اور یہ اچھے رفیق ہیں۔''

۳۔ تعظیم وتوقیر: ذیل میں وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا ذکر ہے:

۱۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا○ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا○ (فتح۔ ع ۱)

''ہم نے تجھے احوال بتانے والا اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔ اور خدا کو صبح شام پاکی کے ساتھ یاد کرو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے واجب ہونے کی تعلیم دی ہے:

(ب) ۱۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌO

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔ تحقیق اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔''

۲۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَO

''اے ایمان والو! تم اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو اور اس سے بات اونچی نہ کہو۔ جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کہتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔''

۳۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌO

''تحقیق جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کیلئے جانچا ہے۔ ان کیلئے معافی اور بڑا ثواب ہے۔''

۴۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَO

''تحقیق وہ لوگ جو تجھے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔''

۵۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌO (حجرات شروع)

''اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو ان کی طرف نکلتا تو ان کے واسطے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

سورۂ حجرات کی ان پانچ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو آداب تعلیم فرمائے ہیں۔

آیت نمبر ا میں بتایا گیا ہے کہ تم کسی قول یا فعل یا حکم میں آنحضرت ﷺ سے پیش دستی نہ کرو۔ مثلاً جب حضور ﷺ کی مجلس میں کوئی سوال کرے تو تم حضور ﷺ سے پہلے اس کا جواب نہ دو۔ جب کھانا حاضر ہو تو حضور ﷺ سے پہلے کھانا شروع نہ کرو۔ جب حضور ﷺ کسی جگہ کو تشریف لے جائیں تو تم بغیر کسی مصلحت کے حضور ﷺ کے آگے نہ چلو۔ امام سہل بن عبداللہ تستری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ ادب سکھایا۔ کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے تم بات نہ کرو۔

جب آپ ﷺ فرمائیں تو تم آپ ﷺ کے ارشاد کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔ آپ ﷺ کے حق کی فروگذاشت اور آپ ﷺ کے احترام و توقیر کے ضائع کرنے میں تم خدا سے ڈرو۔ خدا تمہارے قول کو سنتا اور تمہارے عمل کو جانتا ہے۔

آیت نمبر ۲ کا شان نزول یہ ہے کہ ۹ ھ میں بنی تمیم کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ ہم پر کسی کو امیر مقرر فرما دیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ قعقاع بن معبد کو امیر بنا دیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ اقرع بن حابس کو امیر بنا دیں۔ حضرت صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے کہا آپ میری مخالفت کرتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا۔ کہ نہیں۔ اس طرح دونوں جھگڑ پڑے اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اس قدر دھیمی آواز سے کلام کیا کرتے کہ آنحضرت ﷺ کو دوبارہ دریافت کرنے کی حاجت (۱۸) پڑتی۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ نے بقول حضرت ابن عباس قسم کھالی کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کلام نہ کیا کروں گا۔ مگر اس طرح جیسا کوئی اپنے ہمراز سے پوشیدہ باتیں کرتا ہے (۱۹)۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ جب آیہ **لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس (جو بلند آواز اور خطیب انصار تھے) گھر میں بیٹھ گئے۔ کہنے لگے کہ میں دوزخیوں میں سے ہوں۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ سے پوچھا کہ ثابت کا کیا حال ہے۔ کیا وہ بیمار ہے؟ حضرت سعد نے عرض کیا کہ وہ میرا ہمسایہ ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ بیمار ہے۔ اس کے بعد سعد نے حضرت ثابت سے رسول اللہ ﷺ کا قول ذکر کر دیا۔

حضرت ثابت نے کہا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں۔ اس لیے میں دوزخیوں میں سے ہوں۔ حضرت سعد نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ذکر کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ وہ بہشتیوں میں سے (۲۰) ہے۔ اس آیت کی رو سے آنحضرت ﷺ کی مجلس شریف میں بلند آواز سے بولنا اتنا بھاری گناہ تھا کہ اس سے اعمال اکارت و برباد ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ کو حضرات شیخین و امثالہما رضی اللہ عنہم کا طریق ادب پسند آیا۔ ان کی مدح میں آیہ (۲۱) نازل فرمائی۔ اور ان کو متقی ہونے کی سند عطاء فرمائی اور قیامت کے دن ان کو مغفرت و اجر عظیم کی بشارت دی۔

ایک دفعہ بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو حجروں کے باہر سے یا محمد یا محمد ﷺ کہہ کر پکارا۔ اس

پر آیہ نمبر ۴ نازل ہوئی۔ جس میں بتادیا گیا ہے کہ اس طرح پکارنا سوءِ ادب ہے۔ ایسی جرأت ہولوگ کرتے ہیں جن کو عقل نہیں۔ حسن ادب اور تعظیم حضور انور ﷺ تو اس میں تھی کہ وہ لوگ حضور ﷺ کے درِ دولت پر بیٹھ جاتے اور انتظار کرتے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ خود باہر تشریف لاتے۔ اس طرح کا حسن ادب ان کیلئے موجب ثواب تھا جیسا کہ آیہ نمبر ۵ میں ہے۔

ج- لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۝ (نور: ع ۹)

''تم اپنے درمیان رسول ﷺ کا پکارنا ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ ایکدوسرے کو پکارتے ہو۔''

اس آیت میں بتادیا گیا ہے تم رسول اللہ ﷺ کو نام لے کر (یا محمد یا محمد ﷺ) نہ پکارا کرو۔ جیسا کہ ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو۔ بلکہ حضور ﷺ کو ادب سے یوں پکارا کرو یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا خیر خلق اللہ۔ اس کا مزید بیان پہلے آچکا ہے۔

د- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (بقرہ: ع ۱۳)

''اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہو اور انظرنا کہو اور بغور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

جس وقت رسول اللہ ﷺ کچھ ارشاد فرماتے تو مسلمان عرض کیا کرتے راعنا (ہماری طرف متوجہ ہوجیے، یعنی ذرا ٹھہریئے کہ ہم سمجھ لیں)۔ عبرانی زبان میں اس لفظ کے معنی شریر کے ہیں یہود اس لفظ کو بطریق استہزاء استعمال کرتے تھے۔ اور تعریض واشارہ اسی معنی کی طرف کیا کرتے تھے۔ چونکہ راعنا کا التباس عبرانی لفظ سے ہوتا تھا اسلیے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تعلیم دی کہ تم بجائے راعنا کے انظرنا (ہماری طرف متوجہ ہوجیے)، استعمال کیا کرو۔ جس کے معنی وہی ہیں جو راعنا کے ہیں اور اس میں کسی قسم کی تلبیس کا احتمال نہیں اور تم بغور سنا کرو تا کہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ یہود جو اس طرح تعریض واستہزاء کرتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ اس آیت شریف سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شان مبارک میں ایسے الفاظ محتملہ استعمال نہ کرنے چاہئیں کہ جن میں تعریض ہو اور تنقیص شان کا وہم ہو۔

آنحضرت ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور ادب کے طریقے: ذیل میں چند ایسی مثالیں درج کی جاتی ہیں جن سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس کس طرح اپنے آقائے نامدار ﷺ کی تعظیم وتوقیر بجالاتے، اور آپ ﷺ کا ادب ملحوظ رکھتے تھے۔

ا- ماہ ذی قعدہ ۶ ھ میں جب آنحضرت ﷺ حدیبیہ میں تھے تو بدیل بن ورقاء خزاعی کے بعد عروہ بن

مسعود جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنے کے لیے حاضر خدمت اقدس ہوئے وہ واپس جا کر قریش سے یوں کہنے لگے:

يا قوم والله لقد وفدت على الملوك و وفدت على قيصر و كسرٰى والنجاشي والله رايت ملكا قط يعظمه اصحابه ما يعظم اصحاب محمد محمدًا والله ان تنخجم نخامة الّا وقعت في كف رجل مهم فذلك بهاوجهه وجلده واذاامرهم ابتدروا امرهٗ واذاتوضّأ كادوايقتلوان على وضوئه واذا تكلم خفضوااصواتهم عندهٗ وما يجمدون عليه النظر تعظيماًله وانّه عرض عليكم خطةرشدٍفاقبلوها۔

''اے میری قوم! اللہ کی قسم میں البتہ بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں اور قیصر و کسریٰ و نجاشی کے ہاں گیا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے کبھی کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ جس کے اصحاب کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسا محمد (ﷺ) کے اصحاب محمد (ﷺ) کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم اس (محمد ﷺ) نے جب کھنکار پھینکا ہے تو وہ اصحاب میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں گرا ہے۔ جسے انہوں نے اپنے منہ اور جسم پر مل لیا ہے۔ جب وہ اپنے اصحاب کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس کی تعمیل کے لیے دوڑتے ہیں۔ اور جب وضو کرتے ہیں تو ان کے وضو کے پانی کے لیے باہم جھگڑنے کی نوبت پہنچنے لگتی ہے۔ اور جب کلام کرتے ہیں تو اصحاب ان کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کر دیتے ہیں اور از روئے تعظیم ان کی طرف تیز نگاہ نہیں کرتے۔ انہوں نے تم پر ایک نیک امر پیش کیا ہے۔ اسے قبول کر لو (۲۱)۔

۲۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے ایک جاہل اعرابی سے کہا۔ کہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کرو کہ قرآن میں جو سورۂ احزاب میں آیا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ ۝

(احزاب، ع ۳)

''بعض مسلمانوں میں سے وہ مرد ہیں کہ سچ کیا انہوں نے وہ عہد جو اللہ سے باندھا تھا۔ پس بعض ان میں سے وہ ہیں جو پورا کر چکا کام اپنا۔''

اس آیت میں قضٰی نحبہ کون ہے؟ اصحاب کرام آنحضرت ﷺ سے سوال کرنے کی جرأت نہ کیا کرتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کی توقیر کیا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ سے ہیبت کھاتے تھے۔ اس اعرابی نے آپ ﷺ سے سوال کیا۔ تو آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا۔ دوبارہ پوچھا تو بھی آپ ﷺ نے اس سے

منہ پھیر لیا۔ پھر میں مسجد کے دروازے سے سبز کپڑوں میں نمودار ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ وہ سائل کہاں ہے؟ اعرابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ سائل میں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے (میری طرف اشارہ کرکے) فرمایا۔ یہ ان میں سے ہے جس نے اپنا عہد پورا کیا (۲۲)۔

۳۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب مہاجرین و انصار میں تشریف لاتے اور وہ بیٹھے ہوتے۔ ان کے درمیان حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی ہوتے۔ ان میں سے سوائے حضرت ابوبکر و عمرؓ کے کوئی حضور ﷺ کی طرف نظر نہ اٹھاتا۔ وہ دونوں حضور ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے اور حضور ﷺ ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے۔ وہ دونوں حضور ﷺ کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے اور حضور ﷺ ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے (۲۳)۔

۴۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حاضرین مجلس کے ساتھ حضور ﷺ کی سیرت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''جس وقت آپ ﷺ کلام شروع کرتے تو آپ کے ہم نشین اس طرح سر جھکا لیتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جس وقت آپ خاموش ہو جاتے تو وہ کلام کرتے۔ اور کلام میں آپ ﷺ کے سامنے تنازع نہ کرتے۔ اور جو آپ ﷺ کے سامنے کلام کرتا اسے خاموش ہو کر سنتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کلام سے فارغ ہو (۲۴) جاتا''۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی مجلس میں سب سے پہلے خود حضور ﷺ ارشاد فرماتے تھے۔ حاضرین مجلس سب سکون کی حالت میں باادب بیٹھا سنا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام عرض کرتے۔ مگر وہ کلام میں تنازع نہ فرماتے تھے۔ مجلس میں ایک وقت میں دو شخص کلام نہ کرتے۔ اور نہ کوئی دوسرے کے کلام کو قطع کرتا تھا۔ بلکہ متکلم کے کلام کو سنتے رہتے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جاتا۔

۵۔ حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام (بپاس ادب) رسول اللہ ﷺ کے دروازوں کو ناخوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے (۲۵)۔

۶۔ رسول اللہ ﷺ ذی قعدہ ۶ھ میں عمرہ کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ جب حدیبیہ میں پہنچے تو قریش ڈر گئے۔ اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو مکہ میں بھیجا اور ان سے فرمایا کہ تم قریش کو اطلاع دے دو کہ ہم عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ لڑائی کے لیے نہیں آئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ان کو دعوت اسلام دو۔ اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو جو مکہ میں ہیں فتح کی بشارت دو۔ راستے میں حضرت ابان بن سعید اموی جو اب تک ایمان نہ لائے تھے حضرت عثمانؓ سے ملے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو جوار دی۔ اور اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کر کے مکہ میں لے آئے۔ حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا حدیبیہ میں مسلمان کہنے لگے کہ عثمان خوش نصیب ہے۔

جس نے بیت اللہ کا طواف کرلیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے، کہ میرا گمان ہے کہ عثمانؓ ہمارے بغیر طواف نہ کریں گے۔ اسی اثنا میں یہ غلط خبر اڑی کہ عثمان مکہ میں قتل کر دیئے گئے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے بیعت رضوان لی۔ حضرت عثمان چونکہ مکہ میں تھے۔ اس لیے حضور ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر ان کو بیعت کے شرف میں داخل کیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار پایا۔ بیعت رضوان کے بعد جب حضرت عثمان واپس تشریف لائے تو مسلمانوں نے ان سے کہا کہ آپ خوش نصیب ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کرلیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ تم نے میری نسبت گمان بد کیا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں وہاں ایک سال ٹھہرا رہتا اور حضور ﷺ حدیبیہ میں ہوتے تو میں آپ ﷺ کے بغیر طواف نہ کرتا۔ قریش نے مجھ سے کہا تھا کہ طواف کرلو۔ مگر میں نے انکار کر دیا تھا (۲۶)۔

حضرت عثمان غنیؓ کا یہ ادب قابل غور ہے کہ کفار مکہ آپ سے کہہ رہے ہیں کہ تم بیت اللہ کا طواف کرلو۔ مگر آپ جواب دیتے ہیں کہ مجھ سے یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کہ اپنے آقائے نامدار ﷺ کے بغیر اکیلا طواف کروں۔ ادھر جب مسلمانوں نے کہا کہ خوشا حال عثمان کا کہ ان کو خانہ کعبہ کا طواف نصیب ہوا۔ تو رسول اللہ ﷺ سن کر فرماتے ہیں کہ عثمانؓ بغیر ہمارے ایسا نہیں کرسکتا۔ آقا ہو تو ایسا۔ خادم ہو تو ایسا۔ امام بوصیری رحمتہ اللہ علیہ نے قصیدہ ہمزیہ میں کیا خوب فرمایا ہے:

وابٰی یطوف بالبیت اذ لم یدن منه الی النبی فناء فجزته عنها بیعة رضوانَ

ید من نبیّه بیضاء ادب عنده فضاعف الاعمال بالترك حبذ الادباء۔

''اور حضرت عثمان نے بیت اللہ کے طواف سے انکار کر دیا۔ اس لیے کہ بیت اللہ کی کوئی طرف رسول اللہ ﷺ کے قریب نہ تھی پس ان کو رسول اللہ ﷺ کے یدِ بیضا نے بیعت رضوان میں اس نیک عمل کا بدلہ دیا۔ یہ (تنہا طواف کرنا) عثمان میں ایک بڑا ادب تھا۔ جس کے سبب ان کو طواف سے دگنا ثواب ملا۔ اصحاب محمد ﷺ کیا خوب ادیب تھے۔''

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام سب کے سب با ادب تھے۔ مگر حضرت عثمان میں یہ خوبی خصوصیت سے تھی۔ کیوں کہ ان میں وصف حیاء جو منشاء ادب ہے سب سے زیادہ تھا۔ آپ نے جب سے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ اپنا دایاں ہاتھ کبھی اپنی شرم گاہ پر نہ رکھا۔

۷۔ حضرت عمرو بن عاص کی موت کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے اپنے صاحب زادے سے اپنی تین حالتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ پہلی حالت یہ تھی کہ میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کا جانی

دشمن تھا۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو دوزخی تھا۔ دوسری حالت اسلام کی تھی کہ کوئی شخص میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب اور میری آنکھوں میں آپ ﷺ سے زیادہ جلالت و ہیبت والا نہ تھا۔ اور میں آپ ﷺ کی ہیبت کے سبب سے آپ ﷺ کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس واسطے اگر مجھ سے حضور ﷺ کا حلیہ شریف دریافت کیا جائے تو میں بیان نہیں کر سکتا۔ اگر میں اس حال میں مرجاؤں تو امید ہے کہ اہل جنت میں سے ہوں گا۔ تیسری حالت حکمرانی کی تھی کہ جس میں میں اپنا حال نہیں جانتا (۲۷)۔

۸۔ حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی ناقہ کا کجاوہ کسا کرتا تھا۔ موسم سرما میں ایک رات مجھے غسل کی حاجت ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے سفر کا ارادہ کیا۔ میں نے حالت جنابت میں کجاوہ کسنا پسند نہ کیا۔ اور میں ڈرا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کروں تو مرجاؤں گا یا بیمار ہو جاؤں گا۔ اس لیے میں نے انصار میں سے ایک شخص سے کجاوہ کسوایا۔ پھر میں نے پانی گرم کر کے غسل کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے احباب سے جا ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے اسلع آج کجاوہ اپنی جگہ سے کیوں ہل گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے نہیں کسا۔ ایک انصاری نے کسا ہے۔ آپ ﷺ نے سبب دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا مجھے غسل کی حاجت ہو گئی تھی اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے مجھے اپنی جان کا خوف تھا، اس لیے میں نے اس سے کسوایا تھا۔ اور پھر پانی گرم کر کے میں نے غسل کیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیہ تیمم یعنی نازل فرمائی (۲۸)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى الخ ۝ (نساء، ع ۷)

۹۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ہریرہ سے ملے۔ ان کو غسل کی حاجت تھی۔ ان کا بیان ہے کہ میں پیچھے ہٹ گیا۔ پھر غسل کر کے حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم کہاں گئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے غسل کی حاجت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن پلید نہیں ہوتا (۲۹)۔

۱۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حذیفہ بن الیمان سے ملے۔ آپ ﷺ حضرت حذیفہ سے مصافحہ کرنے لگے۔ حضرت حذیفہ پیچھے ہٹ گئے اور یہ عذر کیا کہ مجھ کو غسل کی حاجت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان جب اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو اس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں جیسا کہ درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ جب وہ دونوں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر سو رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ جن میں ننانوے اس کے لیے ہیں جو ان دونوں میں سے زیادہ بشاش و کشادہ رو اور نیکوکار اور اپنے بھائی کی حاجت روائی میں

احسن ہو (۳۰)۔

۱۱۔ حضرت عثمان بن عفان نے حضرت قباث بن اشیم سے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ ﷺ؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں۔ البتہ میں پیدائش میں حضور ﷺ سے پہلے ہوں (۳۱)۔

۱۲۔ حضرت سعید بن یربوع قرشی مخزومی کا نام صرم تھا۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ہم میں سے کون بڑا ہے۔ میں یا تو؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں اور نیک ہیں۔ میں عمر میں آپ حضور انور ﷺ سے زیادہ ہوں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے ان کا نام بدل دیا۔ اور فرمایا کہ تم سعید ہو (۳۲)۔

۱۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے حدیث وکلام میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا۔ جب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آتیں تو آپ ﷺ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ اور مرحبا کہہ کر ان کو چومتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ اور جب حضور ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں اور آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر مرحبا کہتیں اور چومتیں اپنی جگہ بٹھاتیں۔ جب مرض موت میں وہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آئیں تو حضور نے مرحبا کہہ کر ان کو چوما (۳۳)۔

۱۴۔ دو یہودی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے نو ظاہر نشانیاں دریافت کیں۔ آپ ﷺ نے بیان فرما دیں۔ "تو انہوں نے آپ ﷺ کے دونوں ہاتھ مبارک اور دونوں پاؤں مبارک کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ پیغمبر ہیں" (۳۴)۔

۱۵۔ صفوان بن عسال روایت کرتے ہیں کہ یہودیوں کی ایک قوم نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک اور ہر دو پائے مبارک کو بوسہ دیا (۳۵)۔

۱۶۔ حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ ہم کسی غزوہ میں تھے۔ لوگ پسپا ہو گئے۔ ہم نے کہا کہ نبی ﷺ سے کس طرح ملیں گے۔ حالانکہ ہم لشکر سے بھاگ آئے ہیں۔ اور خدا کا غضب لے پھرے ہیں۔ پس ہم نبی ﷺ کی خدمت میں نمازِ فجر سے پہلے حاضر ہوئے۔ حضور نماز سے فارغ ہو کر نکلے اور فرمایا۔ کہ یہ لوگ کون ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم فراری ہیں۔ آپ نے فرمایا:

لابل انتم العکارون۔ "نہیں، بلکہ تم عکاری (ہٹ کر حملہ کرنے والے) ہو۔"

یہ سن کر ہم نے حضور ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارا گروہ

ہوں۔ میں مسلمانوں کا گروہ ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰی فِئَةٍ ۝ (انفال، ع ۲)

"مگر ہٹنے والا لڑائی کے لیے یا پناہ ڈھونڈنے والا ایک گروہ کی طرف (۳۶)۔"

۱۷۔ ام ابان بنت وازع بن زارع اپنے دادا زارع سے جو وفد عبدالقیس میں تھے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا جب ہم مدینہ میں پہنچے تو ہم اپنے کجاووں سے جلدی جلدی اتر کر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک اور پائے مبارک کو چومنے لگے۔ منذ الشیخ (رئیس وفد) کچھ دیر کے بعد لباس تبدیل کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے، حلم و وقار۔ منذر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! یہ خصلتیں مجھ میں کسبی ہیں یا جبلی۔ حضور ﷺ نے فرمایا جبلی۔ یہ سن کر منذر نے کہا۔ سب ستائش خدا کو ہے جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا کیا ہے جن کو اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ دوست رکھتے ہیں (۳۷)۔ روایت بیہقی میں ہے کہ منذر نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضور ﷺ کے دست مبارک کو پکڑ کر بوسہ دیا (۳۸)۔

۱۸۔ حضرت بریدہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں اسلام لایا ہوں۔ مجھے کوئی ایسی چیز دکھایئے جس سے میرا یقین زیادہ ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ آپ ﷺ اس درخت کو اپنے پاس بلالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو جا کر اسے بلالا۔ وہ اس کے پاس گیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ تجھے بلاتے ہیں۔ یہ سن کر وہ ایک طرف کو جھکا اور اس کی جڑیں اکھڑیں۔ پھر دوسری طرف کو جھکا اور جڑیں اکھڑیں۔ اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ یہ دیکھ کر اعرابی نے کہا۔ مجھے کافی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس درخت سے فرمایا کہ اپنی جگہ پر چلا جا۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور اپنی جڑوں پر قائم ہو گیا اعرابی نے عرض کیا یا رسول ﷺ اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ ﷺ کے سر مبارک اور دو پائے مبارک کو بوسہ دوں۔ حضور ﷺ نے اجازت دے دی۔ (اور اس نے سر مبارک اور ہر دو پائے مبارک کو چوما) پھر اس نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ ﷺ کو سجدہ کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص دوسرے شخص کو سجدہ نہ کرے۔ اگر میں ایسے سجدے کی اجازت دیتا تو عورت کا حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ کیوں کہ شوہر کا اس پر بڑا حق ہے (۳۹)۔

۱۹۔ حضرت ابوبزہ مکی مخزومی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے آقا عبداللہ بن سائب کے ساتھ رسول اللہ

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک اور پائے مبارک کو بوسہ دیا۔ (اصابہ۔ ترجمہ ابوبزہ مکی)۔

۲۰۔ حضرت مسور بن مخرمہ ذکر کرتے ہیں کہ میرے والد محترمہ نے مجھ سے کہا۔ بیٹا! مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قبائیں آئی ہیں۔ جنہیں وہ تقسیم فرمار ہے ہیں۔ مجھے ان کے پاس لے چل۔ چنانچہ ہم وہاں حاضر ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے دولت خانہ میں تھے۔ والد نے مجھ سے کہا۔ بیٹا! نبی ﷺ کو میرے واسطے بلا دو۔ مجھ پر یہ امر ناگوار گزرا۔ میں نے کہا، کیا میں تمہارے واسطے نبی ﷺ کو آواز دوں؟ میرے والد نے کہا۔ بیٹا! وہ جبار نہیں ہیں۔ تب میں نے آپ ﷺ کو آواز دی۔ آپ ﷺ نکلے اور آپ ﷺ کے پاس ایک دیبا کی قبا تھی۔ اور مخرمہ کو عطا فرمادی (۴۰)۔

۲۱۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ غریب خانہ پر تشریف لائے۔ اور دروازے میں فرمایا السلام علیکم ورحمتہ اللہ میرے باپ نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ میں نے کہا، کیا آپ رسول اللہ ﷺ کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا اسی طرح رہنے دیجیے تاکہ حضور ﷺ ہم پر زیادہ سلام بھیجیں۔ رسولِ اللہ ﷺ نے دوسری بار اسی طرح سلام کہا۔ حضرت سعد نے دھیمی آواز سے جواب دیا۔ حضور تیسری بار سلام کہہ کر واپس ہو گئے۔ حضرت سعد آپ ﷺ کے پیچھے نکلے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کا سلام سنتا رہا اور دھیمی آواز سے جواب دیتا رہا، تاکہ آپ ﷺ ہم پر زیادہ سلام بھیجیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ حضرت سعد کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے حضرت سعد کی درخواست پر غسل فرمایا۔ حضرت سعد نے زعفران سے رنگی ہوئی چادر پیش کی جو آپ ﷺ نے اوڑھ لی۔ اور پھر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا فرمائی اللھم اجعل صلواتك و رحمتك علی ال سعد بن عبادۃ بعد ازاں آپ ﷺ نے کھانا تناول فرمایا۔ جب آپ ﷺ واپس ہونے لگے تو میرے والد نے سواری کے لیے ایک دراز گوش پیش کیا۔ جس پر لحاف پڑا ہوا تھا اور مجھ سے کہا کہ ساتھ ہو لو۔ میں حضور کے ساتھ ہو لیا۔ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے انکار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سوار ہو جاؤ ورنہ واپس جاؤ۔ اس لیے میں واپس چلا آیا۔
(ابوداؤد، کتاب اللوب)

۲۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کے والد بزرگوار بہت سا قرض چھوڑ گئے تھے۔ جب کھجوروں کے توڑنے کا وقت آیا تو حضرت جابر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یوں عرض کیا:
"آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد جنگ احد کے دن شہید ہو گئے۔ اور اپنے اوپر بہت سا

قرض چھوڑ گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ قرض خواہ آپ ﷺ کی زیارت کرلیں''۔

حضرت جابر نے یوں نہ کہا کہ آپ ﷺ قرض خواہوں کے پاس چلیئے۔ بلکہ بپاس ادب عرض کیا کہ قرض خواہ آپ ﷺ کی زیارت کرلیں۔ (بخاری باب قضاء الوصی دیون المیت بغیر محضر من الورثہ)

۲۳۔ ایک روز قبیلہ اسلم کے چند صحابہ کرام تیر اندازی میں باہم مقابلہ کررہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر وہاں سے ہوا۔ جب حضرت محجن بن ادرع ایک اسلمی سے مقابلہ کر رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے بنی اسمٰعیل! تم تیر اندازی کرو کیوں کہ تمہارا باپ تیر انداز تھا۔ تم تیر پھینکتے جاؤ میں ابن ادرع کے ساتھ ہوں۔ یہ سن کر حضرت نضلہ بن عبید اسلمی نے اپنے ہاتھ سے کمان پھینک دی۔ اور عرض کیا:

''جب حضور ﷺ ابن ادرع کے ساتھ ہیں تو میں اس کے ساتھ تیر نہیں پھینکتا کیوں کہ جس کے ساتھ آپ ﷺ ہیں وہ مغلوب نہیں ہوسکتا''۔

یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم تیر اندازی کرو۔ میں تم سب کے ساتھ ہوں (۴۱)۔

۲۴۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاری کے مکان میں قیام فرمایا۔ آپ ﷺ مکان کے نیچے کے حصے میں ٹھہرے۔ اور ابوایوب مع عیال اوپر کے حصے میں رہے۔ ایک رات ابوایوب بیدار ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کے اوپر چلتے پھرتے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس جگہ سے ہٹ کر ایک جانب میں رات بسر کی۔ پھر صبح کو آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ نیچے کے حصے میں میرے واسطے آسانی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس چھت پر نہیں چڑھتا جس کے نیچے آپ ﷺ ہوں۔ پس آنحضرت ﷺ اوپر کے حصے میں تشریف لے گئے اور ابوایوب نیچے کے حصے میں چلے آئے۔ ابو ایوب حضور ﷺ کے لیے کھانا بھیجا کرتے جو بچ کر آتا، خادم سے دریافت کرتے کہ طعام میں حضور اقدس کی انگلیاں کس جگہ تھیں پھر اسی جگہ سے کھاتے۔ ایک روز کھانا تیار کیا گیا جس میں لہسن تھا۔ جب کھانا واپس آیا تو حضرت ابوایوب نے حسب معمول خادم سے حضور انور ﷺ کی انگلیوں کی جگہ دریافت کی۔ جواب ملا کہ حضور نے کھایا ہی نہیں۔ یہ سن کر ابوایوب ڈر گئے اور اوپر جا کر عرض کیا کہ کیا یہ (لہسن) حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حرام تو نہیں۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔ یہ سن کر انہوں نے عرض کیا کہ میں بھی اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جسے آپ ﷺ ناپسند کرتے ہیں (حضور ﷺ کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ) آپ ﷺ کے پاس فرشتے اور وحی آیا کرتی تھی (۴۲)۔

۲۵۔ حضرت قیلہ بنت مخرمہ عنبریہ نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں دیکھا آپ ﷺ اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے۔ان کا بیان ہے کہ جب میں نے آپ ﷺ کو نہایت خشوع سے اس حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو (ہیبت وجلال کے سبب سے) میں خوف سے کانپنے لگی۔

(شمائل ترمذی، باب ماجاء فی جلسۃ رسول اللہ ﷺ)

۲۶۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا چاہتا تو اسے (آپ ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے) دو سال (یا سالوں) تاخیر میں ڈال دیتا (۴۳)۔

۲۷۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک طعام ہوتے تو ہم طعام میں ہاتھ نہ ڈالتے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پہلے شروع فرماتے اور اپنا دست مبارک اس میں ڈالتے۔(صحیح مسلم۔باب آداب الطعام والشرب واحکامہا)۔

آنحضرت ﷺ کی تعظیم وتوقیر جس طرح آپ ﷺ کی حیات دنیوی میں واجب تھی اسی طرح وفات شریف کے بعد بھی واجب ہے۔سلف وخلف کا یہی طریقہ رہا ہے۔ذیل میں چند مثالیں بغرض توضیح درج کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت اسحٰق تجیبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ذیقعدہ ۳۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے بعد جب آپ ﷺ کا ذکر آتا تو صحابہ کرام خشوع وانکسار ظاہر کرتے۔ان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔اور وہ حضور کے فراق اور اشتیاق زیارت میں رویا کرتے۔یہی حال بہت سے تابعین کا تھا۔(شفاء شریف)

۲۔ حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے کہ میں مسجد نبوی میں لیٹا ہوا تھا ایک شخص نے مجھ پر کنکری ماری۔میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔آپؓ نے فرمایا ان دو شخصوں کو بلا لاؤ۔میں بلا لایا۔آپؓ نے ان سے پوچھا تم کون ہو یا کہاں سے آئے ہو انہوں نے جواب دیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔آپؓ نے فرمایا، اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں درے لگاتا۔کیا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو؟

(صحیح بخاری باب رفع الصوت فی المسجد)

۳۔ حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ عشاء کے وقت حضرت عمر فاروقؓ مسجد نبوی میں تھے۔ناگاہ ایک شخص کے ہنسنے کی آواز کان میں آئی۔آپؓ نے اسے بلا کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں قبیلہ ثقیف سے ہوں۔پھر دریافت کیا تم اس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں۔بلکہ طائف کا رہنے والا ہوں۔یہ سن کر آپؓ نے اسے دھمکایا اور فرمایا، اگر تم مدینہ کے رہنے والے

ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں۔ (وفاء الوفاء، جزو ثانی ص ۳۵۴)

۴۔ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں امام مالک سے مناظرہ کیا۔ اور اثنائے مناظرہ میں آواز بلند کی۔ حضرت امام نے فرمایا کہ امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز بلند مت کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو یوں ادب سکھایا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی الایہ اور ایک قوم جو آداب بجالائی ان کی یوں تعریف کی۔ ان الذین یغضون اصواتھم الیہ۔ اور ایک قوم کی یوں مذمت کی۔ ان الذین ینادون من وراء الحجرات الایہ۔ آنحضرت ﷺ کا احترام وفات شریف کے بعد بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ حالت حیات میں تھا۔ یہ سن کر ابو جعفر دھیما پڑ گیا۔ کہنے لگا اے عبداللہ (امام مالک) کیا میں قبلہ رو ہو کر دعا مانگوں یا رسول اللہ ﷺ کی جانب منہ کروں، امام مالک نے جواب دیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنا منہ کیوں پھیرتے ہو حالانکہ وہ قیامت کے دن تمہارے وسیلہ اور تمہارے باپ آدم کے وسیلہ ہیں۔ بلکہ تم حضور ﷺ ہی کی طرف منہ کرو اور آپ ﷺ ہی کے وسیلہ سے دعا مانگو۔ اللہ تعالیٰ قبول کرے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۝ (نساء، ع ۹)

''اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں آپ ﷺ کے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور پیغمبر ان کے لیے بخشش مانگتا تو وہ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔'' (شفاء شریف)

۵۔ شیخ الاسلام (۴۴) نور الدین علی بن احمد سمہودی (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں منکرات سے ایک امر جس میں متصدیان صیغہ تعمیر تساہل کرتے ہیں یہ ہے کہ مسجد نبوی میں آرہ کش اور بڑھئی اور سنگتراش کام کرنے کے لیے لائے جاتے ہیں۔ اشیاء کے توڑنے پھوڑنے اور چیرنے وغیرہ سے سخت شور و شغب برپا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ سب کام مسجد سے باہر تیار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عمارت کا مصالحہ خچروں اور گدھوں پر مسجد میں لایا جاتا ہے۔ حالانکہ اسے آدمی مسجد کے دروازے میں سے اندر لا سکتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ مسجد نبوی کے گرد کسی مکان میں میخ ٹھونکنے کی آواز سنتیں تو کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ دو۔ اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے گھر کے دونوں کواڑ مناصع (۴۵) میں تیار کرائے۔ کہ مبادا تیاری میں لکڑی کی آواز سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچے انتہی۔ (وفاء الوفاء جزو اول، ص ۴۷۹)

۶۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ میں ایوب سختیانی، محمد بن منکدر تیمی، امام جعفر صادق، عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، عامر بن عبداللہ بن زبیر، صفوان بن سلیم اور امام محمد بن مسلم زہری سے ملا کرتا تھا۔ میں نے ان کا یہ حال دیکھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر آتا تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا وہ شوق زیارت میں رویا کرتے بلکہ بعض تو بے خود ہو جایا کرتے۔ (شفاء شریف)

۷۔ امام مالک نے اپنی تمام عمر مدینہ منورہ میں بسر کی۔ بپاس ادب کبھی مدینہ شریف کے حرم کی حد میں بول و براز نہیں کیا۔ (شفاء شریف)

۸۔ امام شافعی کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک کے دروازے پر کئی ایسے خراسانی گھوڑے اور مصری خچر دیکھے کہ جن سے بہتر میں نے نہیں دیکھے۔ میں نے امام مالک سے کہا کہ یہ کیسے اچھے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب میری طرف سے آپ کیلئے ہدیہ ہیں۔ میں نے کہا اپنی سواری کیلئے ان میں سے کچھ رکھ لیں۔ انہوں نے کہا مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو جس میں رسول اللہ ﷺ ہیں اپنے گھوڑوں کے سموں سے پامال کروں۔ (وفاء الوفاء، جزء ثانی ص ۴۵۰)

۹۔ ایک شخص نے کہا کہ مدینہ طیبہ کی مٹی خراب ہے۔ امام مالک نے فتویٰ دیا کہ اسے تیس درے مارے جائیں اور قید کیا جائے اور فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اس کی گردن ماری جائے۔ وہ زمین جس میں رسول اللہ ﷺ آرام فرما رہے ہیں اس کی نسبت وہ گمان کرتا ہے کہ وہ خراب ہے۔ (شفاء شریف)

۱۰۔ حضرت احمد بن فضلویہ بڑے غازی اور تیر انداز تھے۔ انہوں نے جب سنا کہ آنحضرت ﷺ نے کمان کو اپنے دست مبارک میں لیا ہے تو اس روز سے بپاس ادب کبھی کمان کو بے وضو نہیں چھوا۔ (شفاء شریف)

۱۱۔ حضرت (۴۶) عثمان غنی کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کا ایک عصا تھا۔ حضرت جہجاہ غفاری نے یوم دار سے پہلے ان سے چھین لیا۔ اور اپنے گھٹنے پر رکھ کر اسے توڑنا چاہا (یا توڑ دیا) اس جرأت پر حاضرین چلا اٹھے۔ ان کے گھٹنے میں مرض اکلہ پیدا ہو گیا۔ انہوں نے بدیں خیال کہ مبادا مرض بدن میں سرایت کر جائے گھٹنے کو کٹوا دیا۔ مگر ایک سال تمام نہ ہونے پایا تھا کہ وفات پائی۔

۱۲۔ حضرت ابو الفضل جوہری اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے زیارت کے لیے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ جب اس کے مکانات کے قریب پہنچے تو سواری سے اتر پڑے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے پیدل چلے:

وَلَمَّا رَاَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ لَنَا — فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا

نَزَلْنَا عَنِ الْاَكْوَارِ نَمْشِيْ كَرَامَةً — لِمَنْ بَانَ عَنْهُ اَنْ نُّلِمَّ بِهٖ رَكْبًا

(شفاء شریف)

''جب ہم نے اس ذات شریف کے آثار دیکھے جس نے آثار شریفہ کی پہچان کے لیے ہمارے واسطے نہ دل چھوڑا نہ عقل خالص۔ ہم پالانوں سے اتر پڑے اور اس ذات شریف کی تعظیم کے لیے۔ پیدل چلنے لگے۔ جس کی زیارت سواری کی حالت میں بعید از ادب ہے۔''

بعض مشائخ کرام پیدل حج کو گئے۔ ان سے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ غلام مفرور اپنے مولا کے دروازے پر سوار ہو کر نہیں آتا۔ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو سر کے بل آتے۔ (شفاء شریف)

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتوقیر میں سے یہ امر بھی ہے کہ آپ ﷺ کی آل اطہار وذریت طیبہ اور ازواج مطہرات کی تعظیم وتکریم اور ان کے حقوق کی رعایت کی جائے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے اصحاب کرام کی تعظیم وتوقیر کرنا حضور علیہ السلام کی تعظیم وتکریم ہے۔ صحابہ کرام کے درمیان جو اختلاف و مشاجرات وقوع میں آئے ان کی تاویل نیک کرنی چاہیے۔ وہ مجتہد تھے۔ جو کچھ انہوں نے کیا از روئے اجتہاد وخلوص کیا۔ وہ کسی طرح مورد طعن نہیں ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔ تفصیل کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں

ترسم آں قوم کہ بر دردکشاں مے خندند　　در سر کار خرابات کنند ایمان را

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں فرماتے ہیں کہ وہ تمام چیزیں جن کو رسول اللہ ﷺ سے نسبت ہے ان کی تعظیم وتکریم کرنا، حرمین شریفین میں آپ کے مشاہد ومساکن کی تعظیم کرنا، آپ کے منازل اور وہ چیزیں جن کو آپ ﷺ کے دست مبارک یا کسی اور عضو نے چھوا یا آپ ﷺ کے نام سے پکاری جاتی ہوں ان سب کا اکرام کرنا حضور علیہ السلام ہی کی تعظیم وتکریم میں داخل ہے۔

آنحضرت ﷺ کی حدیث شریف کا ادب: آنحضرت ﷺ کی تعظیم میں سے ایک امر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حدیث شریف کی تعظیم کی جائے۔ حدیث شریف کے پڑھنے یا سننے کے لیے غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ جب حدیث شریف پڑھی جائے تو اپنی آواز کو بلند نہ کرنا چاہیے بلکہ دھیمی کر دینی چاہیے جیسا کہ حیات شریف میں حضور علیہ السلام کے تکلم کے وقت ہوا کرتا تھا۔ اور مستحب ہے کہ حدیث شریف اونچی جگہ پڑھی جائے۔ حدیث شریف پڑھتے پڑھاتے وقت کسی کی تعظیم کے لیے اٹھنا مکروہ ہے۔

جب لوگ امام مالک کے پاس طلب علم کے لیے آتے تو خادمہ دولت خانہ سے نکل کر ان سے دریافت کیا کرتی کہ حدیث شریف کے لیے آئے ہو یا مسائل فقہیہ کے لیے۔ اگر وہ کہتے کہ مسائل کے لیے آئے ہیں تو امام موصوف فوراً نکل آتے۔ اور اگر وہ کہتے کہ ہم حدیث کے لیے آئے ہیں تو حضرت امام غسل کر کے خوشبو لگاتے، پھر تبدیل لباس کر کے نکلتے۔ آپ کے لیے ایک تخت بچھایا جاتا جس پر

بیٹھ کر آپ روایت حدیث کرتے۔ اثنائے روایت میں مجلس میں عود جلایا جاتا۔ یہ تخت صرف روایت حدیث کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جب امام موصوف سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تعظیم کروں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالک کے ساتھ عقیق کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں میں نے ان سے ایک حدیث کی بابت پوچھا۔ انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور فرمایا کہ مجھے تم سے یہ توقع نہ تھی کہ راستہ چلتے ہوئے مجھ سے حدیث شریف کی بابت سوال کرو گے۔

قاضی جریر بن عبدالحمید نے امام مالک سے حالت قیام میں ایک حدیث کی بابت پوچھا۔ امام موصوف نے ان کے لیے قید کا حکم دیا۔ جب حضرت امام سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ قاضی تادیب کا زیادہ سزاوار ہے۔

ہشام بن عمار نے امام مالک سے جو کھڑے تھے ایک حدیث پوچھی۔ آپ نے اس کے بیس کوڑے مارے پھر ترس کھا کر بیس حدیثیں روایت کیں یہ دیکھ کر ہشام نے کہا کاش وہ اور کوڑے مارتے اور زیادہ حدیثیں روایت کرتے۔

حضرت ابن سیرین تابعی بعض وقت ہنس پڑتے۔ مگر جب ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا ذکر آتا تو ان پر خشوع طاری ہو جاتا۔

حضرت قتادہ کی نسبت مروی ہے کہ جب وہ حدیث سنتے تو ان کو گریہ و اضطراب لاحق ہو جاتا۔

حافظ عبدالرحمٰن بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) جب حدیث پڑھتے تو حاضرین مجلس کو چپ رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ بحوائے لا ترفعوآ اصواتکم فوق صوت النبی حدیث شریف کی قراءت کے وقت سکوت واجب ہے جیسا کہ حیات شریف میں حضور علیہ السلام کے قول مبارک کے سننے کے وقت واجب تھا۔

امام مالک کا قول ہے کہ ایک شخص حضرت ابن مسیب کے پاس آیا۔ آپ اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے آپ سے ایک حدیث دریافت کی۔ آپ اٹھ بیٹھے اور حدیث بیان کی۔ اس نے کہا میں چاہتا تھا کہ آپ اٹھنے کی تکلیف نہ فرماتے۔ آپ نے فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ لیٹے ہوئے حدیث شریف بیان کروں۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ہم سے حدیثیں بیان کر رہے تھے۔ اثنائے قراءت میں آپ کو ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا۔ آپ کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ مگر آپ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو قطع نہ کیا۔ جب آپ روایت حدیث سے

فارغ ہوئے اور سامعین چلے گئے تو میں نے عرض کیا کہ میں نے آج آپ سے ایک عجیب بات دیکھی ہے۔ فرمایا ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی عظمت واحترام کے لیے صبر کیا۔

(ماخوذ از مواہب وشفاء شریف)

آنحضرت ﷺ کے آثار شریفہ کی تعظیم:

۱۔ حضرت ابن سیرین تابعیؒ نے حضرت عبیدہؓ سے کہا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انسؓ یا اہل انسؓ سے ملے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبیدہؓ نے کہا کہ میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے سر مبارک کے بال منڈواتے تو حضرت ابوطلحہؓ سب سے پہلے آپ کے موئے مبارک لیتے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الوضوباب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان)

۲۔ حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ کے سر مبارک کو مونڈ رہا تھا۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے۔ وہ سب یہ چاہتے تھے کہ حضور کا جو بال مبارک گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔

(صحیح مسلم، باب قربہ ﷺ من الناس وتبرکہم بہ)

۳۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ (مزدلفہ سے) منیٰ میں آئے۔ اور جمرہ عقبہ میں کنکریاں پھینک کر اپنے مکان پر تشریف لائے۔ پھر آپ نے حجام کو بلایا اور سر مبارک کے داہنی طرف کے بال منڈوائے۔ اور ابوطلحہ انصاریؓ کو بلا عطا فرمائے۔ بعد ازاں حضور ﷺ نے بائیں طرف کے بال منڈوا کر ابوطلحہ انصاریؓ کو بلا کر عنایت کیے اور ان سے فرمایا کہ یہ تمام بال لوگوں میں تقسیم کردو۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین، وکتاب المناسک، باب الحق)

مرا از زلف تو موئے بسند است فضولی مے کنم بوئے بسند است

۴۔ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے کچھ سرخ رنگ کے بال تھے۔ جو ایک ڈبیہ کی بشکل جلجل میں رکھے ہوئے تھے۔ لوگ ان بالوں سے نظر بد اور دیگر بیماریوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ کبھی تو ان کو پانی کے پیالہ میں رکھتے۔ پھر پانی کو پی لیتے اور کبھی جلجل کو پانی کے مٹکے میں رکھ دیتے۔ پھر اس پانی میں بیٹھ جاتے۔ یہ ماحصل حدیث بخاری ہے۔

(صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب مایذکر فی الشیب)

۵۔ امام بخاری نے تاریخ میں بروایت ابوسلمہ نقل کیا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن زید نے مجھ سے بیان کیا کہ میرے والد (عبداللہ بن زید رائی الاذان) منحر میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔

حضور نے ضحایا تقسیم فرمائے اور اس کو اپنے بالوں میں سے دیا۔ (اصابہ)

طبقات (۴۷) ابن سعد میں اس روایت میں اتنا اور ہے کہ محمد ﷺ مذکور فرماتے ہیں کہ وہ بال مہندی اور وسمہ سے رنگا ہوا ہمارے پاس موجود ہے۔

۶۔ حضرت ابو محذورہؓ (مؤذن اہل مکہ) کے سر کے سامنے کے حصہ میں بالوں کا ایک جوڑا تھا۔ جب وہ زمین پر بیٹھتے اور اس کو کھول دیتے تو بال زمین سے لگ جاتے۔ کسی نے ان سے کہا کہ ان بالوں کو منڈوا کیوں نہیں دیتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ان کو منڈوا نہیں سکتا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک ان کو لگا ہوا ہے۔ (شفاء شریف)

۷۔ حضرت خالد بن ولید قرشی مخزومیؓ کی ٹوپی جنگ یرموک میں گم ہوگئی۔ انہوں نے کہا کہ تلاش کرو۔ تلاش کرتے کرتے آخر کر مل گئی۔ لوگوں نے ان سے سبب پوچھا تو فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے عمرہ ادا فرمایا۔ جب آپ نے سر مبارک منڈوایا تو لوگ آپ کے موئے مبارک لینے کے لیے دوڑے۔ میں نے بھی آپ کی پیشانی مبارک کے بال لے کر اس ٹوپی میں رکھ لیے۔ جس لڑائی میں یہ ٹوپی میرے پاس رہی مجھے فتح نصیب ہوتی رہی۔ (اصابہ، ترجمہ خالد بن ولید)

شفاء شریف میں اس طرح ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی ٹوپی میں رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال تھے وہ ٹوپی کسی غزوہ میں گر گئی۔ حضرت خالدؓ نے اس کے لیے مڑ کر سخت حملہ کیا۔ جس میں بہت سے مسلمان کام آئے صحابہ کرام نے ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے یہ حملہ ٹوپی کے لیے نہیں کیا بلکہ موئے مبارک کے لیے کیا تھا جو اس ٹوپی میں تھے کہ مبادا ان کی برکت سے میرے پاس نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ لگ جائیں۔

۸۔ آنحضرت ﷺ ام سلیمؓ (والدہ انسؓ) کے ہاں چمڑے کے فرش پر قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ اٹھتے تو وہ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو ایک شیشی میں جمع کر لیتیں اور شانہ کرتے وقت جو بال گرتے ان کو اور پسینہ مبارک کو سک (۴۸) میں ملا دیتیں۔ حضرت ثمامہؓ کا قول ہے کہ جب حضرت انس بن مالکؓ کی وفات کا وقت آیا تو مجھے وصیت کی کہ اس سک میں سے کچھ میرے حنوط (۴۹) میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(صحیح بخاری کتاب الاستیزان، باب من زار قوماً فقال عندہم)

۹۔ آنحضرت ﷺ ام سلیمؓ کے گھر میں آ کر ان کے بستر پر قیلولہ فرمایا کرتے اور وہ گھر میں نہ ہوا کرتیں۔ ایک روز حسب معمول حضور علیہ السلام ان کے بستر پر سوئے ہوئے تھے۔ جب ان کو خبر ہوئی تو آ کر دیکھا کہ حضور ﷺ کا پسینہ بستر پر ایک چمڑے کے ٹکڑے میں پڑا ہوا ہے۔ انہوں نے

اپنے ڈبے میں سے ایک شیشی نکالی اور پسینہ مبارک کو اس میں نچوڑنے لگیں۔ حضور ﷺ کی آنکھ کھلی تو پوچھا کہ ام سلیمؓ! تم کیا کر رہی ہو؟ ام سلیمؓ نے عرض کیا کہ ہم اپنے بچوں کے لیے آپ کے پسینے کی برکت کے امیدوار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا۔

(صحیح مسلم، باب طیب عرقہ ﷺ والتبرک بہ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ کے پسینہ مبارک کو بچوں کے چہرے اور بدن پر مل دیا کرتے تھے۔ جس سے وہ تمام بلاؤں سے محفوظ رہا کرتے تھے۔

۱۰- حضرت ثابت بنانیؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خادم حضرت انس بن مالکؓ نے مجھ سے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے بالوں میں سے ایک بال ہے۔ جب میں مر جاؤں تو اسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ چنانچہ میں نے حسب وصیت ان کی زبان کے نیچے رکھ دیا اور وہ اسی حالت میں دفن کیے گئے۔ (اصابہ۔ ترجمہ انس بن مالک)

۱۱- جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال اور ناخن منگوائے اور وصیت کی کہ یہ میرے کفن میں رکھ دیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(طبقات ابن سعد جزء خامس ص ۳۰۰)

۱۲- حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ کے خدام اپنے برتن (جن میں پانی ہوتا) لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ آپؐ ہر ایک برتن میں اپنا دست مبارک ڈبو دیتے بعض وقت سردی ہوتی تو بھی اسی طرح کرتے۔

(صحیح مسلم باب قربہ ﷺ من الناس وتبرکہم بہ وتواضعہ لہم)

۱۳- جب رسول اللہ ﷺ وضو فرماتے تو وضو کے پانی کے لیے حاضرین میں لڑائی تک نوبت پہنچنے لگتی۔

(صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب استعمال وضوء الناس)

۱۴- حضرت ابو جحیفہؓ (وہب بن عبداللہ سوائی) کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ چرمی سرخ قبہ میں تھے۔ میں نے حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ہاتھوں پر ملتا۔ اور جس کو کچھ نہ ملتا دوسرے کے ہاتھ کی تری لے کر مل لیتا۔

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب القبۃ الحمراء من ادم)

۱۵- حضرت طلق بن علی یمامی کا بیان ہے کہ ہم اپنے وطن سے رسول اللہ ﷺ کی طرف نکلے۔ حاضر خدمت ہو کر ہم نے آپ ﷺ سے بیعت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور عرض کیا کہ ہمارے وطن میں ہمارا ایک گرجا ہے پھر ہم نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اپنے

وضو کا بچا ہوا پانی عنایت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے پانی طلب فرمایا اور وضو کر کے بقیہ آب کی ایک کلی ہمارے واسطے چھاگل میں ڈال دی۔ اور روانگی کی اجازت دے کر فرمایا کہ جب تم اپنے وطن میں پہنچ جاؤ تو اپنے گرجا کو توڑ ڈالو اور اس کی جگہ پر اس پانی کو چھڑک دو اور گرجا کی جگہ پر مسجد بنا لو۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر مدینہ منورہ سے دور ہے۔ گرمی سخت ہے۔ یہ پانی خشک ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں اور پانی ڈال لینا، برکت زیادہ ہو جائے گی۔
(مشکوٰۃ بحوالہ نسائی۔ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ)

۱۶۔ ایک روز حضرت خداش بن ابی خداش مکی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک پیالے میں کھانا کھاتے دیکھا۔ انہوں نے آپ ﷺ سے وہ پیالہ بطور تبرک لے لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ جب حضرت خداشؓ کے ہاں تشریف لے جاتے تو ان سے وہی پیالہ طلب فرماتے۔ اسے آبِ زمزم سے بھر کر پیتے اور اپنے چہرے پر چھینٹے مارتے۔ (اصابہ، ترجمہ خداش)

۱۷۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے بعض ازواجِ مطہرات کو رسول اللہ ﷺ کے ہاں بطور عروس بھیجا۔ جب ہم خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے ایک بڑا پیالہ دودھ کا نکالا اور اس میں سے پی کر اپنی بیوی کو دیا۔ وہ بولیں کہ مجھے اشتہا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کر۔ پھر مجھے عنایت فرمایا۔ میں اس پیالہ کو اپنے ہونٹوں پر پھرانے لگی حالانکہ میں پیتی نہ تھی۔ محض بدیں غرض پھراتی تھی کہ میرے ہونٹ اس جگہ سے لگ جائیں۔ جہاں رسول اللہ ﷺ کے ہونٹ مبارک لگے تھے۔ بعد ازاں ہم رسول اللہ ﷺ کی بیوی کو چھوڑ آئے۔ (معجم صغیر طبرانی، اسم عبدالحمید)

۱۸۔ حضرت عاصم احولؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پیالہ دیکھا جو عریض و عمدہ اور چوب نضار (درخت گز یا شمشاد) کا بنا ہوا تھا۔ وہ ٹوٹ گیا تھا۔ حضرت انسؓ نے اسے چاندی کے تار سے جوڑا ہوا تھا۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے اس پیالہ میں رسول اللہ ﷺ کو بارہا پانی پلایا ہے۔ بقول ابن سیرین اس میں لوہے کا ایک حلقہ تھا۔ حضرت انسؓ نے چاہا کہ بجائے لوہے کے سونے یا چاندی کا حلقہ بنائیں۔ مگر ابو طلحہ نے کہا کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے بنایا ہوا سے تبدیل نہ کرنا چاہیے۔ یہ سن کر ویسا ہی رہنے دیا۔
(صحیح بخاری۔ کتاب الشربہ۔ باب الشرب من قدح النبی ﷺ وآنیتہ)

یہ پیالہ حضرت نضر بن انسؓ کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم کو خریدا گیا۔ امام بخاری سے روایت ہے کہ میں نے اس پیالہ کو بصرہ میں دیکھا اور اس میں پانی پیا ہے۔ (شرح شمائل للبیجوری بحوالہ شرح مناوی)

۱۹- ایک وز آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب سقیفہ بنی ساعدہ میں رونق افروز تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت سہل بن سعدؓ سے فرمایا کہ ہمیں پانی پلاؤ۔ چنانچہ حضرت سہل نے ایک پیالہ میں حضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے اصحاب کو پانی پلایا۔ حضرت ابو حازمؓ کا بیان ہے کہ حضرت سہل نے وہی پیالہ ہمارے واسطے نکالا اور ہم نے پانی پیا۔ اس پیالہ کو خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے حضرت سہل سے مانگ کر لے لیا۔ (صحیح مسلم۔ باب اباحت النبیذ الذی لم یشتد ولم یصر مسکرا)

۲۰- رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو عرفہ میں خالد بن سفیان بن نبیح ہزیلی کے قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہ نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر ایک غار میں داخل ہوئے۔ اسی غار پر مکڑی نے جالا تن دیا۔ دشمن جو تعاقب میں آئے انہوں نے وہاں کچھ نہ پایا اور ناامید واپس ہو گئے۔ حضرت عبداللہ غار سے نکل کر اٹھارہ دن کے بعد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور خالد کے سر کو سامنے رکھ کر قصہ بیان کیا۔ حضور علیہ السلام کے دست مبارک میں عصا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کو عطا فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا:

تخصّر بھٰذہ فی الجنّة۔ ''بہشت میں اس پر ٹیک لگانا۔''

وہ عصا حضرت عبداللہؓ کے پاس رہا۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو وصیت کی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ دفن کر دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (۵۰)۔

۲۱- امام ابن مامون کا بیان ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا۔ ہم اس میں بغرض شفاء بیماروں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ (شفاء شریف)۔

۲۲- رسول اللہ ﷺ کا اونی جبہ کسروانی تھا۔ جس کی جیب اور دونوں چاکوں پر دیبا کی سنجاف تھی۔ یہ جبہ پہلے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تھا۔ ان کے بعد حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے لے لیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ اس جبہ کو رسول اللہ ﷺ پہنا کرتے تھے۔ ہم اسے دھو کر بغرض شفاء بیماروں کو پلاتے ہیں۔ (۵۱)

۲۳- حضرت محمد بن جابر کے دادا سیار بن طلق یمامی وفد بنی حنفیہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لائے۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے اپنے قمیص کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایئے۔ میں اس کے ساتھ اپنا دل بہلایا کروں گا۔ حضور نے ان کی درخواست منظور فرما کر اپنی قمیص کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایا۔ محمد بن جابر کا بیان ہے کہ میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ ٹکڑا ہمارے پاس تھا۔ ہم اسے دھو کر بغرض شفاء بیماروں کو پلایا کرتے تھے۔ (اصابہ، ترجمہ سیار بن طلق)

۲۴۔ جب حضرت ولید بن ولید بن مغیرہ قرشی مخزومی مکہ میں قید سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ میں مرا جاتا ہوں۔ آپ ﷺ مجھے اپنے کسی زائد کپڑے میں جو آپ ﷺ کے جسم اطہر پر رہا ہو کفنانا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ان کو اپنی قمیص میں کفنایا۔

(اصابہ، ترجمہ ولید بن ولید بن مغیرہ)

۲۵۔ حضرت عبداللہ بن حازم کے پاس ایک سیاہ عمامہ تھا۔ جسے وہ جمعہ اور عیدین میں پہنا کرتے تھے۔ لڑائی میں جب فتح پاتے تو بطور تبرک اس عمامہ کو پہنتے اور فرماتے کہ یہ عمامہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے پہنایا تھا۔ (اصابہ)

۲۶۔ ایوب بن تجارت بروایت ابو عبداللہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے پاس رسول اللہ ﷺ کا لحاف تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے ان کے دادا کو کہلا بھیجا۔ چنانچہ وہ اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے حضرت عمر بن عبدالعزیز اس سے اپنے چہرے کو ملنے لگے۔ (تاریخ صغیر للبخاری ص ۱۱۱)

۲۷۔ رسول اللہ ﷺ بعض وقت شفاء بنت عبداللہ قرشیہ عدویہ کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کے گھر میں قیلولہ فرماتے۔ حضرت شفاء نے حضور انور ﷺ کے لیے ایک بچھونا اور ایک چادر بنوائی تھی جس میں آپ سو جایا کرتے۔ وہ بچھونا اور چادر حضرت شفاء کے خاندان میں رہی یہاں تک کہ مروان بن الحکم نے لے لی۔ (استیعاب و اصابہ)

۲۸۔ جب حضرت کعب بن زہیرؓ نے ایمان لا کر اپنا قصیدہ بانت سعاد پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی چادر اڑھائی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں بروایت سعید بن مسیب نقل کیا ہے کہ یہ وہی چادر ہے جسے خلفاء عیدین میں پہنتے ہیں۔ (انتہیٰ)

ابو بکر بن انباری (متوفی ۱۰ ذی الحجہ ۳۲۸ھ) کی روایت میں ہے کہ جب حضرت کعب اس شعر پر پہنچے۔

انّ الرّسول لنور یستضاء بہٖ مھند من سیوف اللّٰہ مسلول

تو آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف چادر مبارک پھینک دی۔ حضرت معاویہؓ نے اس چادر کے لیے دس ہزار درہم خرچ کیے۔ مگر حضرت کعبؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی چادر کے لیے میں کس کو اپنی ذات پر ترجیح نہیں دیتا۔ حضرت کعبؓ کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے ان کے ورثہ سے وہ چادر بیس ہزار درہم کو لے لی۔ ابن انباری کا قول ہے کہ وہی چادر آج تک سلاطین کے پاس ہے۔ (شرح قصیدہ بانت سعاد لابن ہشام المتوفی ۷۶۱ھ)۔

۲۹۔ حضرت سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت ایک چادر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بُنی ہے۔ میں آپ کے پہننے کے لیے لائی ہوں۔ آپ ﷺ کو ضرورت تھی اس لیے آپ ﷺ نے قبول فرمالی۔ پھر آپ ﷺ نے اسے بطور تہبند باندھ کر ہماری طرف نکلے۔ صحابہ میں سے ایک نے دیکھ کر عرض کیا۔ کیا اچھی چادر ہے۔ یہ مجھے پہنا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ مجلس سے اٹھ گئے۔ پھر واپس آئے اور وہ چادر لپیٹ کر اس سائل صحابی کے پاس بھیج دی۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ تو نے اچھا نہ کیا۔ کہ رسول اللہ ﷺ سے اس چادر کا سوال کیا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ ﷺ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔ اس صحابی نے کہا۔ اللہ کی قسم! میں نے صرف اس واسطے سوال کیا کہ میرے مرنے پر یہ چادر میرا کفن بنے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ چادر اس کا کفن ہی بنی۔ (صحیح بخاری، کتاب اللباس باب البرود والحبرۃ والشملۃ)

۳۰۔ حضرت ابو بردہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے ہمیں ایک کملی جو پیوندوں کی کثرت سے نمدہ کی مثل تھی اور ایک موٹا تہبند نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں وصال فرمایا۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس، باب الاکسیۃ والخمائص)

۳۱۔ آنحضرت ﷺ کی خاتم شریف جس میں تین سطریں یوں تھیں: (اللہ رسول محمد) حضرت ابو بکرؓ کے پاس تھی۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ کے پاس رہی۔ بعد ازاں حضرت عثمان غنی کو ملی۔ جب ان کی خلافت کو چھ برس ہو گئے تو ایک روز وہ چاہ اریس پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ہاتھ میں سے کوئیں میں گر پڑی۔ تین دن تلاش کرتے رہے۔ کنویں کا تمام پانی نکالا گیا۔ مگر نہ ملی۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاتم گم ہو گئی تو ان کی بادشاہت جاتی رہی تھی۔ یہی راز حضور ختم المرسلین ﷺ کی خاتم گم ہونے میں تھا۔ چنانچہ اس کے بعد اس فتنہ کا آغاز ہوا جس کا انجام حضرت عثمان غنی کی شہادت پر ہوا۔ (وفاء الوفاء جزء ثانی ص ۱۲۱)

۳۲۔ آنحضرت ﷺ کی تلوار ذوالفقار حضرت امام زین العابدینؓ کے پاس تھی۔ جب وہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد یزید کے ہاں سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت مسور بن مخرمہؓ نے حضرت امام سے وہی تلوار مانگی تھی اور عرض کیا تھا کہ "آپ سے لیں گے۔ جب تک میرے جسم میں جان ہے کوئی مجھ سے نہ لے سکے گا"۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب ماذکر من درع النبی ﷺ وعصاہ سیفہ الخ)۔

امام اصمعی (متوفی ۲۱۳ھ) ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز میں خلیفہ ہارون رشید کے ہاں گیا۔

انہوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار ذوالفقار دکھائی۔ جس سے بہتر میں نے کوئی تلوار نہیں دیکھی۔

(زرقانی۔ جزء ثالث ص ۳۷۸)

۳۳۔ حضرت عیسیٰ بن طہمانؓ کا بیان ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ نے ہمیں دو پرانے نعلین نکال کر دکھائے جن میں سے ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے۔ اس کے بعد حضرت ثابت بنانی نے بروایت انس مجھ سے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نعلین شریفین ہیں۔

(صحیح بخاری۔ باب ماذکر من ذرع النبی ﷺ الخ)

۳۴۔ جنگ بدر میں حضرت زبیرؓ نے جو برچھی عبیدہ بن سعید بن عاص کی آنکھ میں ماری تھی۔ وہ یادگار رہی۔ بدیں طور کہ حضرت زبیر سے حضور اقدس ﷺ نے مستعار لی۔ پھر آپ کے چاروں خلفاء کے پاس بطور تبرک منتقل ہوتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس رہی۔ یہاں تک کہ حجاج نے ان کو ۷۳ھ میں شہید کر دیا۔ (صحیح بخاری باب شہود الملئکۃ ببدر)

۳۵۔ جنگ احد میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ اس تلوار کو عرجون کہتے ہیں۔ یہ بطور تبرک ان کے خاندان میں رہی۔ یہاں تک کہ بغا ترکی کے ہاتھ جو معتصم باللہ ابراہیم بن ہارون رشید کے امیروں میں سے تھا بغداد میں دوسو دینار میں فروخت ہوئی۔ (زرقانی علی المواہب، جزء ثانی، ص ۴۳)

۳۶۔ حضرت عتبان بن مالک انصاری خزرجی کا بیان ہے کہ میری بصارت جاتی رہی۔ میں نے ایک شخص کو بھیج کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ مین چاہتا ہوں کہ آپ قدم رنجہ فرمائیں اور میرے مکان میں نماز پڑھیں۔ تاکہ میں آپ کی جائے نماز کو مسجد مقرر کرلوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ مع اصحاب تشریف لائے اور آپ نے میرے مکان میں نماز پڑھی۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

۳۷۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ ابو مریم جہنی کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اور وہیں میدان میں نماز پڑھ کر واپس ہو گئے۔ قبیلہ جہینہ کے چند اشخاص نے ابو مریم سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے درخواست کریں کہ حضور بنفس نفیس ہمارے واسطے ایک مسجد کی حد بند کر دیں۔ چنانچہ ابو مریم راستے ہی میں حضور ﷺ سے جا ملے اور عرض کیا کہ آپ ﷺ میری قوم کے لیے ایک مسجد کی حد بندی کر دیں چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے واپس ہو کر بنو جہینہ میں ایک مسجد کی حد بند کر دی۔

(اصابہ، ترجمہ ابو مریم جہنی)

۳۸۔ آنحضرت ﷺ کے منبر شریف کے تین درجے تھے۔ حضور ﷺ سب سے پہلے اوپر کے درجہ پر بیٹھتے اور درمیانی درجہ پر اپنے پاؤں مبارک رکھتے۔ حضور اقدس ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر

صدیقؓ اپنے عہد خلافت میں بپاس ادب درمیانی درجہ پر کھڑے ہوتے اور جب بیٹھتے تو پاؤں سب سے نیچے کے درجے پر رکھتے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنی خلافت میں سب سے نیچے کے درجہ پر کھڑے ہوتے اور جب بیٹھتے تو پاؤں زمین پر رکھتے۔ حضرت عثمان غنیؓ اپنی خلافت کے چھ سال حضرت عمر فاروقؓ کی طرح کرتے رہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے جلوس کی جگہ پر چڑھے۔

(وفاء الوفاء جز اول ص ۴۸۰)

کشف الغمہ للشعرانی (جز اول ص ۱۲۱) میں ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کا عہد آیا تو انہوں نے منبر شریف کے درجات زیادہ کر دیائے۔ وہ اوپر کے تین درجوں کو چھوڑ کر زیادت کے پہلے درجہ پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔

۳۹۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا کہ منبر منیف میں جو جگہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کی تھی اسے ہاتھ سے مس کیا۔ پھر اس ہاتھ کو اپنے منہ پر پھیر لیا۔ (شفاء شریف وطبقات ابن سعد)

۴۰۔ یحییٰ بن سعید جو امام مالک کے استاد تھے جب عراق کو جاتے تو منبر شریف کے پاس آ کر اسے مس کرتے اور دعا مانگتے۔ (وفاء الوفاء جزء ثانی ص ۴۴۲)

۴۱۔ مسجد نبوی میں پہلی آتش زدگی یکم رمضان ۶۵۴ھ میں ہوئی۔ اس میں منبر نبوی کا بقایا بھی جل گیا۔ چنانچہ ابوالیمن بن عساکر جو آتش زدگی کے وقت زندہ تھے۔ تحفۃ الزائر میں یوں لکھتے ہیں:

"منبر نبی ﷺ کا بقایا جل گیا۔ اس منبر کو جس پر رسول اللہ ﷺ بیٹھنے کے وقت اپنا دست مقدس رکھا کرتے تھے۔ زائرین مس کیا کرتے تھے اور دو خطبوں کے درمیان اور پیشتر حضور انور منبر کی جس جگہ بیٹھا کرتے تھے اس جگہ کو اور منبر پر رونق افروز ہونے کے وقت جس جگہ پر حضور کے ہر دو قدم ہوا کرتے تھے اس جگہ کو بھی زائرین مس کیا کرتے تھے اب آتش زدگی سے وہ اس برکت عامہ و نفع عائد سے محروم ہو گئے"۔ (وفاء الوفاء، جز اول ص ۲۸۸)

۴۲۔ حضرت اسعد بن زرارہ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک چارپائی بطور ہدیہ پیش کی تھی۔ جس کے پائے ساگوان کی لکڑی کے تھے۔ حضور علیہ السلام اس پر سویا کرتے تھے۔ جب وفات شریف ہوئی تو حضور ﷺ کو اسی پر رکھا گیا۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کو بھی وفات پانے پر اسی پر رکھا گیا۔ بعد ازاں عمر فاروقؓ کو بھی اسی پر رکھا گیا۔ پھر لوگ بطور تبرک اپنے مردوں کو اسی پر رکھا کرتے تھے۔ یہ چارپائی بنو امیہ کے عہد میں میراث عائشہ صدیقہؓ میں فروخت ہوئی۔ عبداللہ بن اسحاق نے اس کے تختوں کو چار ہزار درہم میں خرید لیا۔

(زرقانی علی المواہب بحوالہ ابن عماد جزء ثالث ص ۳۸۲)

۴۳۔ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے متروکات میں سے بعض چیزیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس تھیں۔ وہ ایک کمرے میں محفوظ تھیں۔ ابن عبدالعزیزؒ ہر روز ایک بار ان کی زیارت کیا کرتے تھے۔ اشراف میں سے اگر کوئی ان سے ملنے آتا تو اس کو بھی ان کی زیارت کرایا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کمرے میں ایک چارپائی، چمڑے کا تکیہ جس میں خرما کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک جوڑا موزہ۔ (لحاف) چکی اور ایک ترکش تھی جس میں چند تیر تھے۔ لحاف میں آنحضرت ﷺ کے سر مبارک کے میل کا اثر تھا۔ ایک شخص کو سخت بیماری لاحق تھی جس سے شفاء نہ ہوتی تھی۔ ابن عبدالعزیز کی اجازت سے اس میل میں سے کچھ دھو کر بیمار کی ناک میں ٹپکا دیا گیا۔ وہ اچھا ہو گیا۔ (مدارج النبوۃ، جزء ثانی، ص ۶۰۸)

۴۴۔ دلائل ابی نعیم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لیے سخت پتھر ایسے نرم ہو گئے کہ غار بن گئے۔ چنانچہ احد کے دن حضور ﷺ نے اپنا سر مبارک پہاڑ کی طرف مائل کیا۔ تاکہ مشرکین سے اپنا جسم مبارک چھپائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے پتھر کو ایسا نرم کیا کہ آپ نے اپنا سر مبارک اس میں داخل کر دیا۔ وہ پتھر اب تک باقی ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ اسی طرح مکہ مشرفہ کے ایک درہ میں حضور ﷺ نے نماز میں ایک سخت پتھر سے قرار پکڑا۔ وہ ایسا نرم ہو گیا کہ آپ ﷺ کے ہر دو بازوئے مبارک نے اس میں اثر کیا۔ وہ پتھر مشہور ہے۔ جو لوگ حج کرنے کو جاتے ہیں اس کی زیارت کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے لیے شب معراج میں صخرہ بیت المقدس خمیر کی مانند ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے اپنا براق باندھا۔ لوگ آج تک اسے اپنے ہاتھ سے چھوتے ہیں۔
(دلائل النبوۃ للحافظ ابی نعیم الاصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ ص ۳۱۵)

۴۵۔ عبدالرحمٰن بن زید عراقی کا بیان ہے کہ ہم زبدہ میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھایا جو ایسا ضخیم تھا کہ گویا اونٹ کا سم تھا اور فرمایا کہ میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی ہے۔ پس ہم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اسے بوسہ دیا۔
(طبقات ابن سعد۔ جزء رابع، قسم ثانی ص ۳۹)

۴۶۔ اسماعیل بن یعقوب تیمی روایت کرتے ہیں کہ ابن منکدر (متوفی ۲۰۵ھ) مسجد نبوی کے صحن میں ایک خاص جگہ پر لوٹتے اور لیٹے ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ راوی کا قول ہے کہ میرا گمان ہے کہ ابن منکدر نے کہا کہ خواب میں دیکھا۔ (وفاء الوفاء، جزء ثانی، ص ۴۴۵)

امثلہ مذکورہ بالا کے مطالعہ کے بعد کسی مسلمان کو آنحضرت ﷺ کے آثار شریفہ سے تبرک کا انکار

نہیں ہوسکتا۔ اولیاء وعلماء جو آنحضرت ﷺ کی برکات کے وارث ہیں۔ ان کے آثار شریفہ میں بھی برکت ہوتی ہے۔ اس سے انکار کرنا خرمان و بدنصیبی کی علامت ہے۔ زیادہ تفصیل کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابوالفتح تقی الدین بن دقیق العید (متوفی ۱۱ صفر ۷۰۲ھ) رسول اللہ ﷺ کی مدح میں یوں فرماتے ہیں:

یا سائراً نحوا الحجاز مشمّرًا	اجهدفديتك في المسيروفي السرے
واذاسهرت الليل في طلب العلٰے	فحذرًاثم حذرأمن خدع الكرٰى
فالقصدحيث النوريشرق سطعاً	والطرف حيث ترى لثرىٰ متعطرًا
قف بالمنازل والمناهل من لدن	وادى قباء الٰى حمى امّا لقرىٰ
و توّخ اٰثارالنبى فضع بها	متشرقًاخدّيك فى عفرالثرىٰ
واذارأيت مهابط الوحى الّتى	نشرت على الأفاق نورا الورا
فاعلم بانّك مارايت شبيهها	مذكنت فى ماضى الزمان ولاترىٰ

"اے حجاز کی طرف تیزی سے چلنے والے میں تجھ پر فدا! تو رات دن چلنے میں کوشش کرنا،
اور جب تو بزرگیوں کی طلب میں رات کو جاگے تو اونگھ کے فریب سے بچنا پھر بچنا۔
تو اس جگہ کا قصد کرنا جہاں نور خوب چمک رہا ہے۔ اور جہاں خاک خوشبودار نظر آتی ہے۔
تو ان منازل اور چشموں پر ٹھہر جانا جو وادی قبا کے قریب سے ام القریٰ (مکہ معظمہ) کے سبزہ زار تک ہیں۔
اور نبی (ﷺ) کے آثار کا قصد کرنا اور ان کی زیارت سے۔
مشرف ہوتے ہوئے وہاں اپنے ہر دو رخسار کو روئے خاک پر رکھ دینا۔
اور جب تو وحی کے اترنے کی جگہوں کو دیکھے جنہوں نے
تمام دنیا پر نور انور پھیلا دیا ہے۔
تو جان لینا کہ تو نے اپنی گزشتہ عمر میں ان کی مثل نہیں دیکھا اور نہ آئندہ دیکھے گا۔"

(فوات الوفیات، ترجمہ ابن دقیق العید)

۴۔ درود شریف و زیارت قبر شریف: مومنوں پر واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○ (احزاب۔ ع ۷)

"تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر درود بھیجتے رہتے ہیں۔اے ایمان والو!تم ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔"

اس آیت میں تاکید کے لیے جملہ اسمیہ لایا گیا ہے۔جس کے شروع میں بغرض تاکید مزید حرف تاکید مذکور ہے۔اس جملہ کی خبر فعل مضارع ہے جو افادہ استمرار تجدیدی کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اور میرے تمام فرشتے (جن کی گنتی مجھے ہی معلوم ہے) پیغمبر پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔اے مومنو!تم بھی اس وظیفہ میں میری اور میرے فرشتوں کی اقتداء کرو۔

واضح رہے کہ خدا کے درود بھیجنے سے مراد رحمت کا نزول کرنا اور فرشتوں اور مومنوں کے درود سے مراد ان کا بارگاہِ رب العزت میں تضرع و دعاء کرنا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاک ﷺ پر رحمت و برکت نازل فرمائے۔

مومنوں کی طرف دے درود بھیجنے میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہے اور بھیجنے والوں کا بھی فائدہ ہے۔چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔مسلمانو!رسول اللہ ﷺ کی اس شان محبوبیت اور عظمت جاہ کو دیکھیے کہ امت کا ایک بندہ حقیر ذلیل حبیب خدا ﷺ پر دود بھیجتا ہے تو اس کا بدلہ خود رب جلیل جل شانہٗ دیتا ہے۔اور ایک کے مقابلہ میں دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے طفیل سے یہ شرف اسی امت کو عطا ہوا ہے۔کیوں کہ اس امت کے سوا کسی اور امت کو اپنے پیغمبر پر درود وسلام بھیجنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

درود شریف کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ درود شریف اجابت دعا کا ذریعہ ہے۔کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کا توسل بالنبی ﷺ ہے۔دلائل الخیرات شریف میں ہے کہ حضرت ابوسلمان عبدالرحمٰن بن عطیہ درانی (متوفی ۲۱۵ھ) نے فرمایا کہ جب تم خدا تعالیٰ سے کچھ مانگو تو دعا سے پہلے اور پیچھے درود شریف پڑھ لیا کرو۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ دونوں طرف کے درود شریف کو تو اپنے کرم سے قبول کر ہی لیتا ہے۔اور یہ اس کے کرم سے بعید ہے کہ درمیان کی چیز کو رد کر دے۔علامہ فاسی شرح دلائل الخیرات میں لکھتے ہیں کہ بعض کے نزدیک امام دارانی کے قول مذکور کا تتمہ یوں ہے۔"اور ہر ایک عمل مقبول ہوتا ہے یا مردود سوائے درود شریف کے کہ وہ مقبول ہی ہوتا ہے،مردود نہیں ہوتا"۔امام باجی نے بروایت ابن عباس نقل کیا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگو تو اپنی دعا میں درود شریف شامل کرو۔کیوں کہ درود شریف مقبول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ بعض کو رد کرے۔شیخ ابوطلب مکی نے یہ حدیث نقل کی ہے،کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگو تو پہلے درود شریف پڑھو۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ اس سے دو حاجتیں مانگی جائیں۔جن میں سے ایک کو پورا کر دے اور دوسرے کو زد کر دے

اس روایت کو امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے۔ امام عراقی نے کہا کہ میں نے اس روایت کو مرفوع نہیں پایا۔ وہ ابوالدرداء پر موقوف ہے شفاء شریف میں ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ درود شریف کے درمیان کی دعاء رد نہیں کی جاتی۔ ابو محمد جبر نے اس روایت کو کتاب شرف المصطفیٰ سے منسوب کیا ہے۔ کذافی مطالع المسرات۔

علامہ شامی نے سلف کے قول (کہ درود شریف کبھی رد نہیں ہوتا) کی تاویل وتصحیح یوں کی ہے کہ درود شریف (اللھم صل علیٰ محمد) دعا ہے اور دعا کبھی مقبول ہوتی ہے اور کبھی مردود۔ مگر درود شریف عموم دعاء سے مستثنیٰ ہے۔ کیوں کہ نص قرآنی سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر درود بھیجتا رہتا ہے۔ اس نے اپنے مومن بندوں پر احسان کیا ہے کہ ان کو بھی درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ تا کہ ان کو زیادہ فضل و شرف حاصل ہو جائے۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ کو تو اپنے پروردگار کا درود ہی کافی ہے۔ پس مومن کا اپنے رب سے طلب درود کرنا قطعاً مقبول ہے۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ خود خبر دے رہا ہے کہ میں اپنے رسول پر درود بھیجتا رہتا ہوں۔ باقی تمام دعائیں اور عبادتیں اس کے برعکس ہیں۔ لہٰذا درود شریف کے مقبول ہی ہونے کی سند نص قرآنی ہے۔ رہا اس پر ثواب کا ملنا، سو وہ چند عوارض سے مشروط ہے۔ اور وہ عوارض یہ ہیں۔ قلب غافل سے پڑھنا، ریا وسمعہ کے لیے پڑھنا کسی حرام چیز پر استعمال کرنا وغیرہ۔ کذافی رد المختار۔ آنحضرت ﷺ کے روضہ شریف کی زیارت بالا جماع سنت اور فضیلت عظیمہ ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ جن میں سے چند وفاء الوفاء سے یہاں پیش کی جاتی ہیں:

١- مَنْ زَارَا قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔

٢- مَنْ زَارَا قَبْرِیْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔

٣- مَنْ جَآءَنِیْ زَائِرًا لَا تَحْمِلُهٗ حَاجَةٌ اِلَّا زِيَارَتِیْ كَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَكُوْنَ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

٤- مَنْ حَجَّ فَزَارَقَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَيَاتِیْ۔

٥- مَنْ حَجَّ الْبَيْتِ وَلَمْ يَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔

٦- مَنْ زَارَنِیْ اِلَی الْمَدِيْنَةِ كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا وَشَفِيْعًا۔

٧- مَنْ زَارَا قَبْرِیْ اَوْمَنْ زَارَنِیْ كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا وَّمَنْ مَّاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِی الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

٨- مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا كَانَ فِیْ جَوَارِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

٩- من زارنی بعد مماتی فکا نّما زارنی فی حیاتی۔ ومن مات باحد

الحرمین بعث من الامین یوم القیٰمۃ۔
۱۰- من حجّ الٰی مکّۃ ثمّ قصد نی فی مسجدی کتب لہ حجّتان مبرورتان۔
''جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ اس کے لیے میری شفاعت ثابت ہوگئی۔''
(دارِ قطنی وبیہقی وغیرہ)
''جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ اس کے واسطے میری شفاعت ثابت ہوگئی۔'' (بزار)
''جو میری زیارت کو اس طرح آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی اور چیز اس کو نہ لاتی تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن میں اس کا شفیع ہوں گا۔'' (کبیر اوسط طبرانی۔ امالی دارِ قطنی وغیرہ)
جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی۔ وہ مثل اس کے ہے جس نے میری زندگی میں زیارت کی۔ (دارِ قطنی وطبرانی وغیرہ)
جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ستم کیا۔ (کامل ابن عدی)
جس نے مدینہ میں آ کر میری زیارت کی۔ میں اس کے لیے گواہ اور شفیع ہوں گا۔ (سنن دارِ قطنی)
''جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ (یا فرمایا) جس نے میری زیارت کی۔ میں اس کے لیے شفیع یا گواہ ہوں گا۔ اور جو شخص حرمین میں سے ایک میں مر گیا۔ اللہ عزوجل اس کو قیامت کے دن امن والوں میں اٹھائے گا۔'' (ابوداؤد، طیالسی)
''جس نے بالقصد میری زیارت کی۔ وہ قیامت کے دن میری پناہ میں ہوگا۔'' (ابو جعفر عقیلی)
''جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی۔ اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اور جو حرمین شریفین میں سے ایک میں مر گیا وہ قیامت کے دن امن والوں کے زمرہ میں اٹھایا جائے گا۔'' (دارِ قطنی وغیرہ)
''جس نے مکہ میں حج کیا۔ پھر میری مسجد میں میری زیارت کی۔ اس کے لیے دو مقبول حج لکھے گئے۔'' (مسند فردوس)
احادیث مذکورہ بالا کے علاوہ کتاب اللہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:
وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لوجدوا اللّٰه توابا رحیماO (نساء، ع ۹)
''اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تیرے پاس آتے ہیں خدا سے بخشش مانگتے۔ اور پیغمبر ان کے لیے بخشش مانگتا تو وہ خدا کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔''
اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ مگر

قبول توبہ کے لیے ایک تیسرے امر (گنہگاران امت کے لیے استغفار رسول) کی بھی ضرورت بیان ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا تمام مومنوں کے لیے طلب و مغفرت فرمانا تو ثابت ہی ہے۔ کیوں کہ حضور ﷺ کو حکم الٰہی یوں ہے:

واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات۔

''گناہ کے لیے اور مومنوں اور مومنات کے لیے بخشش مانگ۔''

ظاہر بالبداہت ہے کہ حضور ﷺ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پس اگر باقی دو امر (گنہگاروں کا بغرض توسل حاضر خادم ہونا اور طلب مغفرت کرنا) پائے جائیں تو وہ مجموعہ مستحق ہو جائے گا جو موجب قبول توبہ و رحمت الٰہی ہے۔

آیت زیر بحث میں استغفرلھم کا عطف جاؤک پر ہے۔ اس لیے میں اس کا مقتضا یہ نہیں کہ استغفار رسول استغفار عاصیان کے بعد ہو۔ علاوہ ازیں ہم تسلیم نہیں کرتے کہ حضور علیہ السلام وفات شریف کے بعد گنہگاران امت کے لیے طلب مغفرت نہیں فرماتے۔ کیوں کہ حضور ﷺ (بلکہ تمام انبیاء کرام علیٰ نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام) وفات شریف کے بعد زندہ ہیں اور عاصیان امت کے لیے طلب مغفرت فرماتے ہیں۔ چنانچہ بزار نے صحیح راویوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حیاتی خیر لکم تحدّثون و احدث لکم و وفاتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما رایت من خیر حمدت اللّٰہ علیه وما رأیت من شرّ استغفرت اللّٰہ لکم۔

''میری زندگی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم مجھ سے (حلال و حرام) پوچھتے ہو۔ میں تمہیں (بذریعہ وحی) (احکام سناتا ہوں۔ اور میری وفات بھی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش ہوا کریں گے۔ میں اچھے عملوں کو دیکھ کر اللہ کا شکر کروں گا اور برے عملوں کو دیکھ کر تمہارے واسطے مغفرت کی دعا کیا کروں گا۔''

پس آنحضرت ﷺ نے حیات شریف ہی میں عاصیان امت کو بشارت دے دی کہ میں وفات شریف کے بعد ان کے لیے استغفار کیا کروں گا۔ اور حضور ﷺ کے کمال رحمت سے معلوم ہے کہ جو شخص اپنے رب سے طلب مغفرت کرتا ہوا حضور ﷺ کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہوتا ہے آپ اس کے لیے استغفار فرماتے ہیں۔ اسی واسطے علماء کرام نے تصریح فرما دی ہے کہ حضور کا یہ رتبہ آپ ﷺ کی وفات شریف سے منقطع نہیں ہوا۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس آیت کا حکم آنحضرت ﷺ کی حالت شریف کے ساتھ ہی مختص ہے وہ غلطی پر ہے۔ کیوں کہ یہ اصولی قاعدہ ہے کہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ مورد خاص کا۔ صحابہ کرام اور تابعین عموم الفاظ قرآنی سے حجت پکڑتے رہے۔ باوجودیکہ وہ آیتیں خاص موقعوں پر نازل ہوئیں۔ (اتقان للسیوطی) اسی طرح آیت زیر بحث اگرچہ ایک خاص قوم کے حق میں حیات رسول اللہ ﷺ میں نازل ہوئی۔ لیکن جہاں یہ وصف (عاصیان امت کا حضور سید الابرار کی بارگاہ میں گناہوں کی معافی کے لیے حاضر ہونا) پایا جائے گا عموم حالت کے موافق اس کا حکم بھی عام اور ہر دو حالت حیات و بعد الوفات کو شامل ہوگا۔ چنانچہ علمائے کرام نے عموم سے ہر دو حالتیں سمجھی ہیں۔ اور جو شخص قبر شریف پر حاضر ہو اس کے واسطے مستحب خیال کیا ہے کہ وہ اس آیت کو پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے۔ امام عتبی (امام شافعی کے استاد) کی حکایت اس بات میں مشہور ہے۔ اور مذاہب اربعہ کے علماء نے اسے اپنے مناسک میں نقل کیا ہے اور اسے مستحسن سمجھ کر آداب زیارت میں شامل کیا ہے (۵۲)۔ ہم اس حکایت کو ان شاء اللہ تعالیٰ بحث توسل میں لائیں گے۔

صحابہ کرام کے زمانہ میں آج تک اہل اسلام حضور اقدس ﷺ کے روضہ شریف کی زیارت اور حضور ﷺ سے توسل و استغاثہ کرتے رہے ہیں۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل بیت المقدس سے صلح تو کعب احبار آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ ان سے خوش ہوئے اور فرمایا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ مدینہ منورہ چلو اور آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کی زیارت سے فائدہ اٹھاؤ۔ حضرت کعب احبار نے جواب دیا کہ ہاں (زرقانی علی المواہب)۔

حافظ ابو عبداللہ محمد بن موسیٰ بن نعمان اپنی کتاب مصباح الظلام میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابو سعید سمعانی نے بروایت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن شریف کے تین دن بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا۔ اس نے اپنے آپ کو قبر شریف پر گرا دیا۔ اور قبر شریف کی کچھ مٹی اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا وہ ہم نے سن لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا جس میں ارشاد فرمایا۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم۔ الآیۃ میں نے ظلم کیا۔ میں آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں تا کہ آپ میرے حق میں طلب مغفرت فرمائیں۔ قبر شریف سے آواز آئی کہ تجھے بخش دیا گیا (۵۳)۔

مسند امام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ میں بروایت امام منقول ہے کہ حضرت ایوب سختیانی تابعی آئے۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے نزدیک پہنچے تو اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف اور منہ حضور اقدس ﷺ کے چہرے کی طرف کر لیا۔ اور روئے (۵۴)۔ توسل کی دیگر مثالیں عنقریب مذکور ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ذیل میں چند آداب زیارت بیان کیے جاتے ہیں۔ زائرین کو چاہیے کہ ان کو ملحوظ رکھیں۔

۱۔ زائرین کو مناسب ہے کہ زیارت روضہ شریف کے ساتھ مسجد نبوی کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے کی بھی نیت کریں۔ اگر مجرد زیارت کی نیت کریں تو اولیٰ ہے۔ دوسری بار اگر موقع ملے تو ہر دو کی نیت کریں۔

۲۔ مدینہ منورہ کے راستہ میں درود و سلام کی کثرت رکھیں۔

۳۔ راستے میں مساجد اور آثار شریف جو رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہیں ان کی زیارت کریں اور ان میں نماز پڑھیں۔

۴۔ جب مدینہ منورہ کے مکانات نظر آنے لگیں تو پاس ادب پیدل ہو جائیں اور درود و سلام بھیجیں اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے یا ر داخل ہو کر غسل کریں اور تبدیل لباس کر کے خوشبو لگائیں۔

۵۔ پہلے مسجد نبوی میں داخل ہو کر دو رکعت تحیۃ المسجد دوگانہ شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے دروازے پر پہنچا دیا۔

۶۔ دوگانہ شکر کے بعد روضہ شریف پر حاضر ہوں۔ زیارت کے وقت اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف اور منہ حضور ﷺ کے چہرہ کی طرف کریں۔ اور جالی مبارک کے قریب کھڑے ہو کر نہایت ادب وخشوع سے سلام عرض کریں۔ اور اگر کسی دوست وغیرہ سے حضرت نبوی میں سلام بھیجا ہو تو اس کی طرف سے سلام پہنچائیں۔

۷۔ حضور اقدس ﷺ کے سلام سے فارغ ہو کر ایک ہاتھ اپنی دائیں طرف کو ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کریں۔ پھر ایک ہاتھ اور دائیں طرف ہٹ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کریں۔

۸۔ بعد ازاں اپنی جگہ پر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر درود و سلام عرض کریں۔ پھر گناہوں سے توبہ کر کے حضور علیہ السلام کے وسیلہ سے دعا مانگیں۔

۹۔ ایام قیام مدینہ منورہ میں نماز فرض ہو یا نفل مسجد نبوی میں پڑھا کریں۔

۱۰۔ مسجد قبا میں جا کر نماز پڑھیں اور آنحضرت ﷺ کے آثار شریف و دیگر مزارات کی زیارت کریں۔

حدیث لاتشد الرحال کی بحث: بعض لوگ انبیاء کرام اور اولیاء و شہداء عظام کے مشاہد و مقابر کی طرف سفر کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور حدیث لاتشد الرحال کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہابیہ کے مورث اعلیٰ ابن تیمیہ نے تو کھلے الفاظ میں فتویٰ دے دیا

کہ حضور سید المرسلین ﷺ کے روضہ شریف کی زیارت کے قصد سے سفر کرنا سفر معصیت ہے جس میں نماز قصر نہ کرنی چاہیے۔ بنابریں زائرین کے علاوہ فرشتے بھی جو ہر روز صبح و شام آسمان سے اتر کر روضہ شریف پر حاضر ہوتے اور درود شریف پڑھتے ہیں اسی معصیت میں مبتلا ہیں۔ یہ حضور رسول اکرم ﷺ کی جناب میں کمال درجے کی گستاخی ہے۔

ابن تیمیہ کے اس فتوے سے شام و مصر میں بڑا فتنہ برپا ہوا۔ شامیوں نے ابن تیمیہ کے بارے میں استفتاء کیا۔ علامہ برہان بن کاح فزاری نے قریباً چالیس سطر کا مضمون لکھ کر اسے کافر بتایا۔ علامہ شہاب بن جہبل، نے اس سے اتفاق کیا۔ مصر میں یہی فتویٰ مذاہب اربعہ کے چاروں قضاۃ پر پیش کیا گیا۔ بدر بن جماعہ شافعی نے لکھ دیا کہ مفتی یعنی ابن تیمیہ کو ایسے فتاوی باطلہ سے بزجر و توبیخ منع کیا جائے۔ اگر باز نہ آئے تو قید کیا جائے۔ محمد بن جریری انصاری حنفی نے لکھا کہ اس وقت بلا کسی شرط کے قید کیا جائے۔ محمد بن ابی بکر مالکی نے کہا کہ اسے اس قسم بزجر و توبیخ کی جائے کہ ایسے مفاسد سے باز آ جائے۔ احمد بن عمر مقدسی حنبلی نے بھی ایسا ہی لکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابن تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ میں دمشق میں قلعہ میں قید کیا گیا اور قید ہی میں ۲۰ ذیقعدۃ الحرام ۷۲۸ھ کو اس دنیا سے رخصت ہوا (۵۵)۔

حدیث زیر بحث صحیح بخاری کے باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ میں بروایت ابوہریرہ وارد ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تشدّ الرحال الا الٰی ثلٰثۃ مساجد المسجد الحرام و مسجد الرّسول والمسجد الا قصٰی۔

"کجاوے نہ باندھے جائیں مگر تین مسجدوں یعنی مسجد حرام و مسجد رسول و مسجد اقصیٰ کی طرف۔"

اور باب مسجد بیت المقدس میں بروایت ابوسعید خدری بدیں الفاظ مذکور ہے۔

اسی طرح امام مسلم نے حدیث ابوہریرہ کو باب فضل المساجد الثلٰثۃ میں اور حدیث ابوسعید خدری کو باب سفر المراۃ مع محرم الی الحج وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ حدیث ابوسعید خدری مشکوٰۃ شریف میں باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ میں مذکور ہے۔

مختلف ابواب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث زیر بحث میں بہ نسبت دیگر مساجد کے مساجد ثلاثہ میں نماز کی فضیلت کا بیان ہے۔ کیوں کہ یہ تینوں مساجد ان فضائل سے مختص ہیں جو دوسری مسجدوں میں نہیں پائے جاتے۔ لہٰذا اس حدیث کو مشاہد و مقابر سے کوئی تعلق نہیں۔ اس مدعا کے اثبات کے لیے ہم وجوہ ذیل پیش کرتے ہیں:

1- حدیث زیر بحث میں استثناء مفرغ ہے۔ پس اس کے لیے ایسے عام مستثنیٰ منہ کی تقدیر کی ضرورت ہے جو مستثنیٰ اور غیر کو شامل ہو۔ اور مستثنیٰ سے مناسبت قریبہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ نوع فرد سے اور جنس نوع سے۔ اسی واسطے ماجاء فی الا زید میں شی یا جسم یا حیوان کو مقدر نہیں کرتے بلکہ، رجل یا احد کو مقدر کرتے ہیں۔ اور ماکسوتہ الاجبتہ میں کسوت کو اور ماصلیت الا فی المسجد میں فی مکان یا فی موضع کو مقدر کیا جاتا ہے (مطول وحواشی) پس صورت زیر بحث میں مستثنیٰ منہ ایسا ہونا چاہیے جو مساجد ثلاثہ اور دیگر مساجد کو شامل اور مساجد کے ساتھ نسبت قریبہ رکھتا ہو۔ اور وہ سوائے لفظ مسجد کے اور کوئی نہیں۔

2- حدیث زیر بحث کی ترجمہ باب بخاری سے مطابقت اور اسی باب کی دوسری حدیث سے مناسبت و مطابقت صاف بتارہی ہے کہ مستثنیٰ منہ مسجد ہے۔ کیوں کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ باب مکہ و مدینہ میں نماز کی فضیلت کے بارے میں باندھا ہے۔ اس باب کی پہلی حدیث (لاتشد الرحال) میں مقصود مساجد ثلاثہ میں نماز کی فضیلت بہ نسبت دیگر مساجد کے تاکہ ترجمہ باب کے مطابق ہو۔ یہ نہ کہا جائے کہ پہلی حدیث میں لفظ صلوٰۃ نہیں ہے۔ کیوں کہ مساجد ثلاثہ کی طرف رحلت سے مراد ان میں نماز کا قصد ہے۔ اسی باب کی دوسری حدیث بھی حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلوٰۃ فی مسجدی ہذا خیر من الف صلوٰۃ فے ماسواہ الا المسجد الحرام (میری اس مسجد میں نماز بہتر ہے۔ ہزار نمازوں سے دوسری مسجدوں میں سوائے مسجد حرام کے) ترجمہ باب کے مطابق ہے۔ اور پہلی حدیث کے معنیٰ کو ظاہر کرتی ہے اور نص ہے۔ اس امر پر کہ ادائے نماز پر تضاعف ثواب میں مساجد ثلاثہ کو دیگر تمام مساجد پر فضیلت ہے کیوں کہ الا المسجد الحرام کا مستثنیٰ منہ مساجد ہے جو بعض روایات میں صراحۃً مذکور ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔ عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فی غیرہ من المساجد الا المسجد الحرام۔ اور مسلم ہی میں حدیث میمونہ میں ہے۔ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول صلوٰۃ فیہ افضل من الف صلوٰۃ فیما سواہ من المساجد الا مسجد الکعبۃ۔ پس ظاہر ہوا کہ حدیث لاتشد الرحال میں مستثنیٰ منہ مسجد ہے۔ لہٰذا مساجد ثلاثہ سوا دنیا کی کسی مسجد کی طرف بقصد نماز سفر کرنا ممنوع ہے۔ اور جو کسی اور ضرورت کے لیے ہو وہ ممنوع نہیں۔

3- حدیث زیر بحث کے بعض طرق پر مراد مقصود کی تصریح اور مستثنیٰ منہ کا ذکر موجود ہے۔ اور وہ مسند امام احمد میں یوں مذکور ہے:

عربی: هاشم حدثنی عبدالحمید حدثنی شهر سمعت ابا سعید الخدری و زکر عنده صلوٰة فی الطّور فقال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا ینبغی للمطی ان تشد رحاله الی مسجد یبتغی فیه الصلوٰة غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصی و مسجد هذا۔ (قسطلانی وعمدۃ القاری)

''(بحذف اسناد) شہر (بن حوشب) کا بیان ہے کہ میں نے سنا ابا سعید خدری کو اور ان کے پاس طور میں نماز کا ذکر آیا۔ پس کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے شتران سواری کے کجاوے کسی مسجد کی طرف بقصد نماز نہ باندھے جانے چاہئیں۔ سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔ انتہیٰ پس حدیث زیر بحث کی تفسیر حدیث ہی سے ہوگئی اور یہ بہترین تفسیر ہے۔''

4- حدیث زیر بحث کی شرح میں جمہور محدثین وشراح اور اکابر فقہائے حنفیہ وشافعیہ کے اقوال ہیں جو ہمارے مدعا کے موید ہیں نظر بر اختصار ہم ان کو یہاں نقل نہیں کرتے۔ جسے شوق ہو وہ فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، نووی علی المسلم، احیاء العلوم للغزالی اور جذب القلوب للشیخ عبدالحق الدہلوی وغیرہ میں دیکھ لے۔

خلاصہ مضمون یہ ہوا کہ حدیث لاتشد الرحال مساجد کے بارے میں ہے اس کی رو سے مساجد ثلاثہ کی طرف بدیں غرض سفر کرنا ان میں نماز ادا کرنے سے تضاعف ثواب حاصل ہو جائز ہے۔ دنیا کی کسی اور مسجد کی طرف اس غرض کے لیے سفر کرنا چاہیے۔ کیوں کہ وہ درجہ میں متساوی ہیں۔ کسی کو کسی پر باعتبار کثرت ثواب فضیلت نہیں۔ ہاں کسی اور مطلب کے لیے دوسری مساجد کی طرف بھی سفر کرنا جائز ہے۔ مثلاً کسی مسجد میں کوئی بزرگ رہتے ہیں۔ ان کی زیارت یا ان کے استفاضہ کے لیے اس مسجد کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔ اسی طرح کسی مسجد کے صنائع غریبہ کو دیکھنے کے لیے سفر کرنا بھی ممنوع نہیں ہے۔ مقابر ومشاہد انبیاء کرام و اولیائے عظام کی زیارت کے لیے سفر کرنا حدیث زیر بحث کی نہی کے تحت میں داخل نہیں۔ بلکہ جائز ومشروع ومستحب اور موجب خیر وبرکت ہے۔ جب حوائج دنیا کے لیے سفر کرنا بالاتفاق جائز ہے تو حوائج آخرت بالخصوص ان میں سے جو اکد ہے۔ یعنی حضور سید الاولین والاخرین امام المرسلین خاتم النبیین سیدنا ومولنا محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کے روضہ منورہ کی زیارت کے لیے سفر کرنا بطریق اولیٰ جائز ومستحسن ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک سے اس وقت تک مسلمانوں کا اسی پر عمل رہا ہے۔ اس کا انکار حرمان وشقاوت کی علامت ہے۔

خاتمہ در بحث استغاثہ وتوسل: آنحضرت ﷺ کے وسیلہ سے بارگاہِ الٰہی میں دعا کرنا مستحسن ہے۔اس کو مختلف الفاظ توسل واستغاثہ وتشفع وتوجہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔بعض وقت توسل بالنبی ﷺ یوں ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز طلب کی جائے بدیں معنیٰ کہ آپ ﷺ اس میں تسبب پر قادر ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں یا شفاعت فرمائیں۔اس کا مطلب بھی حضور ﷺ سے طلب دعا ہے۔

حضور علیہ السلام سے توسل واستغاثہ فعل انبیاء ومرسلین علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور سیرت سلف صالحین ہے۔اور یہ توسل حضور اقدس ﷺ کی ولادت شریف سے پہلے، ولادت شریف کے بعد عالم برزخ میں اور عرصات قیامت میں ثابت ہے۔جس کی توضیح ذیل میں کی جاتی ہے۔

ولادت شریف سے پہلے توسل: جب حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی تو انہوں نے آخر کار یوں دعا کی:

یا ربّ اسئلك بحقّ محمّد لما غفرت لی۔

''اے میرے پروردگار! میں تجھ سے بحق محمد ﷺ سوال کرتا ہوں کہ میری خطا معاف کر دے۔''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تو نے محمد ﷺ کو کس طرح پہچانا۔حالانکہ میں نے ان کو پیدا نہیں کیا۔حضرت آدم نے عرض کیا۔اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا۔لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔پس میں جان گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کو ذکر کیا ہے جو تیرے نزدیک محبوب ترین خلق ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔اے آدم! تو نے سچ کہا۔وہ میرے نزدیک احب الخلق ہیں۔چونکہ تم نے ان کے وسیلہ سے دعاء مانگی ہے۔میں نے تم کو معاف کر دیا۔اگر محمد ﷺ نہ ہوتے۔میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(حاکم وطبرانی)

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود اپنے دشمنوں پر فتح پانے کے لیے دعا میں حضور انور ﷺ ہی کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے۔چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہے:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (بقرہ۔ع ۱۱)

''اور وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔''

حافظ ابونعیم نے دلائل میں عطا وضحاک کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے۔کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے یہودی بنی قریظہ ونضیر کافروں پر فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔

اور دعا میں یوں کہا کرتے تھے۔

اللّٰھم انّا نستنصرك بحقّ النّبیّ الامّیّ ان تنصرنا علیھم۔

''خدایا! ہم تجھ سے بحق نبی امی دعا مانگتے ہیں کہ تو ہم کو ان پر فتح دے اور فتح پایا کرتے تھے۔'' (تفسیر درمنثور للسیوطی)

۲۔ حیات شریف میں توسل: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی حیات شریف میں دیگر حاجات کی طرح آپ ﷺ سے طلب دعاء وطلب شفاعت بروز قیامت یا طلب دعا مغفرت بھی کیا کرتے تھے۔ صرف چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو شفاء السقام کا مطالعہ کیجئے۔

عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال سألت النّبی صلی اللّٰہ علیه وسلّم ان یشفع لی یوم القیٰمة فقال انا فاعل فقلت یا رسول اللّٰہ این اطلبك قال اطلبنی اوّل ما تطلبنی علی الصراط قلت فان لم القك علی الصراط قال فاطلبنی عند المیزان قلت فان لم القك عند المیزان قال فاطلبنی عند الحوض فانی لا اخطی ھذا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی باب الحوض والشفاعۃ)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ قیامت کے دن میری شفاعت فرما دیجئے فرمایا میں کروں گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں فرمایا پہلے مجھے صراط پر ڈھونڈنا۔ میں نے عرض کیا۔ اگر میں آپ ﷺ کو وہاں نہ پاؤں فرمایا کہ پھر میزان کے پاس ڈھونڈنا، میں نے عرض کیا اگر میزان کے پاس آپ ﷺ کو نہ پاؤں۔ فرمایا تو پھر حوض کے پاس مجھے ڈھونڈنا، کیوں کہ میں ان تین جگہوں کو نہ چھوڑوں گا۔''

۲۔ حضرت سواد بن قارب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایمان لاتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

وکن لی شفیعًا یوم لا ذو شفاعة بمغن فتیلًا عن سواد بن قارب۔

''اور آپ ﷺ میرے شفیع بنیں جس دن سواد بن قارب کو کوئی شفاعت کرنے والا ذرا بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔''

۳۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حسب عادت تجارت کے لیے یمن گئے ہوئے تھے۔ آپ کی غیر حاضری میں نبی ﷺ مبعوث ہوئے۔ عسکلان بن عواکن حیری نے سن کر اپنے ایمان کا اظہار اشعار میں کیا۔ وہ اشعار حضرت عبدالرحمٰن کی وساطت سے خدمت اقدس میں ارسال کیے۔ ان

میں سے دو شعر یہ ہیں:

اشهد بالله ربّ موسٰی انّك ارسلت بالبطاح فكن شفيعی الٰی مليك يد عوا البرايا الى الصّلاح۔

"میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں جو موسٰی کا رب ہے کہ آپ ﷺ وادی مکہ میں رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں پس آپ ﷺ میرے شفیع بنیں اس بادشاہ کی طرف جو خلائق کو نیکی کی طرف بلاتا ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے یہ اشعار سن کر فرمایا:

اما انّ اخا حمير من خواص المؤمنين و ربّ مومن بی و لم يرنی و مصدق بی و ما شهد فی اولئك اخوانی حقًّا۔

"آگاہ رہو۔ بے شک حمیری بھائی خواص مومنین سے ہیں۔ اور بعض مجھ پر ایمان لانے والے ہیں حالانکہ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا اور میری تصدیق کرنے والے حالانکہ وہ میرے پاس حاضر نہیں ہوئے۔ وہ حقیقت میں میرے بھائی ہیں۔"

۴- حضرت ماذن بن عضوبہ طائی خطامی عمان کی ایک بستی میں ایک بت کی خدمت کیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر سن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ آپ نے بارگاہِ رسالت میں اپنی بے اعتدالیوں کا ذکر کیا اور طالب دعا ہوئے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کی دعا کی برکت سے وہ رذائل مبدل بفضائل ہو گئے۔ اس بارے میں آپ نے یہ اشعار کہے ہیں:

اليك رسول الله حششت مطيّتی	**تجرب الفيافی من عمان الی العرج**
لتشفع لی ياخيرمن وطی الحصا	**فيغفرلی ذنبی وارجع بالفلح**
الی معشرجانبت فی الله دينهم	**فلارأيهم رأيي ولاشرّجهم شرجی**

(اصابہ۔ بحوالہ طبرانی و بیہقی وغیرہ۔ نیز استیعاب ابن عبد البر)

"یا رسول اللہ! میں نے اپنی اونٹنی آپ کی طرف دوڑائی جو عمان سے عرج تک بیابانوں کو طے کرتی تھی۔ تاکہ آپ ﷺ میری شفاعت فرمائیں اے بہترین ان میں کے جنہوں نے سنگریزوں کو پامال کیا۔ پس میرا رب میرے گناہ بخش دے اور میں کامیاب ہو کر اس گروہ کی طرف جاؤں جن کے دین سے میں اللہ کے واسطے کنارہ کش ہو گیا۔ پس ان کی رائے میری رائے نہیں اور نہ ان کا طریق میرا طریق ہے۔"

۵- حضرت عثمان بن حنیف صحابی کا بیان ہے کہ ایک نابینا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ ﷺ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے عافیت بخشے۔ حضور ﷺ

نے فرمایا کہ اگر تو چاہے میں دعا کر دیتا ہوں۔ اور اگر تو چاہے تو صبر کر۔ صبر تیرے واسطے اچھا ہے
اس نے عرض کیا کہ خدا سے دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر
کے یوں دعا کرنا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ۔

"یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں۔ اور تیرے نبی نبی الرحمۃ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ یا محمد ﷺ! میں نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کیا ہے۔ اپنی اس ضرورت میں تاکہ وہ پوری ہو یا اللہ! تو میرے حق میں حضور ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔"

اس حدیث کو ترمذی ونسائی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا۔ ہذا حدیث حسن صحیح غریب۔ امام بیہقی وطبرانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ مگر امام بیہقی نے اتنا اور کہا ہے کہ اس نابینا نے ایسا ہی کیا اور بینا ہو گیا (۵۶)۔

۶۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی کا بیان ہے کہ میں رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں رہا کرتا تھا۔ آپ ﷺ کے وضو کے لیے پانی لا دیا کرتا تھا اور دیگر خدمت (جامہ ومسواک وشانہ وغیرہ) بھی بجالایا کرتا تھا۔ ایک روز آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ سل (مانگ) میں نے عرض کیا۔

اسئلك مرافقتك فی الجنة۔

"میں آپ ﷺ سے بہشت میں آپ ﷺ کا ساتھ مانگتا ہوں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مرتبہ بہت بڑا ہے۔ کچھ اور مانگ۔ حضرت ربیعہ نے عرض کیا کہ میرا مقصود تو یہی ہے جو عرض کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اس مقصد کے حصول میں) تو میری مدد کر۔ بدیں طور کہ نماز بہت پڑھا کر اور سجدوں میں دعا کیا کر (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب السجود وفضلہ) مطلب یہ کہ میں کوشش کروں گا۔ تو بھی کچھ کیا کر۔ اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت میں ہے۔ واز اطلاق سوال کہ فرمود سل (بخواہ) وتخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص۔ معلوم مے شود کہ کارہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ﷺ۔ ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔

۳۔ وفات شریف کے بعد توسل: وفات شریف کے بعد بھی آپ ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم مصائب وحروب وحاجات میں آپ ﷺ کو پکارا کرتے اور آپ ﷺ سے استغاثہ کیا کرتے تھے۔ دیکھو امثلہ ذیل:

۱۔ صاحب مواہب لدنیہ بحوالہ ابن منیر لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال شریف ہوا تو اس صدمہ سے آپ ﷺ کے اصحاب کرام کا عجب حال ہو رہا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ روتے ہوئے حاضر ہوئے اور حضور اقدس ﷺ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھا کر یوں عرض کرنے لگے:

ولو ان موتك كان اختيارا لجلنا لموتك بالنفوس۔ اذكرنا يا محمّد عند ربّك و لنكن من بالك۔

"اگر آپ ﷺ کی موت میں ہمیں اختیار دیا جاتا تو ہم آپ ﷺ کی موت کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ یا محمد ﷺ اپنے پروردگار کے پاس ہمیں یاد کرنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا۔"

۲۔ وفات شریف کے تین دن بعد اعرابی کا قبر شریف پر حاضر ہونا اور آپ ﷺ سے توسل کرنا بروایت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ پہلے آچکا ہے۔

۳۔ مالک الدار راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروق کے زمانے میں قحط پڑا ایک شخص (بلال بن حارث صحابی) نے رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر یوں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیں۔ وہ ہلاک ہو رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں اس شخص سے فرمایا کہ عمر کے پاس جا کر میرا اسلام کہو اور بشارت دو کہ بارش ہو گی۔ اور یہ بھی کہہ دو کہ نرمی اختیار کرے۔ اس شخص نے حاضر ہو کر خبر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو دئے۔ پھر کہا۔ اے رب میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس چیز میں کہ جس سے میں عاجز ہوں۔ (وفاء الوفاء بحوالہ بیہقی وابن ابی شیبہ)

۴۔ ایک سال مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فریاد کی۔ حضرت ممدوحہ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر اس میں ایک روشن دان آسمان کی طرف کھول دو۔ تا کہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ خوب بارش ہوئی اور گھاس اگی۔ اور اونٹ ایسے فربہ ہو گئے کہ چربی سے پھٹنے لگے۔ اس سال کو عام الفتق کہتے تھے (۵۷)۔

علامہ قاضی زین الدین مراغی فرماتے ہیں کہ قحط کے وقت روشن دان کو کھولنا اس وقت تک اہل مدینہ کا طریقہ ہے۔ وہ قبہ خضراء مقدسہ کے اسفل میں بجانب قبلہ کھول دیتے ہیں اگر چہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل رہتی ہے (۵۸)۔ علامہ سمہودی (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ "آج کل اہل مدینہ کا طریقہ یہ ہے کہ حجرہ شریف کے گرد جو مقصورہ ہے اس کا وہ دروازہ جو حضور علیہ السلام کے چہرے مبارک کے سامنے ہے کھول دیتے ہیں اور وہاں جمع ہوتے ہیں (۵۹)۔

۵۔ ابن جریر طبری ۱۸ھ کے واقعات میں بالاسناد نقل کرتے ہیں کہ عاصم بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں امساکِ باراں ہوا۔ مواشی لاغر ہو گئے۔ اہل بادیہ میں سے قبیلہ مزینہ کے ایک اہل خانہ نے اپنے صاحب (حضرت بلال بن حارث صحابی) سے کہا کہ ہمیں غایب درجہ کی تکلیف ہے۔ تو ہمارے واسطے ایک بکری ذبح کر۔ اس نے کہا کہ بکریوں میں کچھ نہیں رہا۔ اہل خانہ اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس نے ان کے واسطے ایک بکری ذبح کی۔ جب کھال اتاری تو سرخ ہڈیاں دکھائی دیں۔ اس پر وہ پکار اٹھا۔ یا محمد ﷺ ۱۰۱ الخ (تاریخ الامم والملوک۔ جزء رابع۔ ص ۲۲۴ کامل ابن اثیر)

۶۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے قنسرین سے حضرت کعب بن ضمرہ کو ایک ہزار سوار دے کر فتح حلب کے لیے روانہ کیا اور فرما دیا کہ میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں ادھر یوقنا حاکم حلب کو اس کے جاسوسوں نے خبر دی کہ عرب ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ تمہارے شہر کی فتح کے ارادے سے آ رہے ہیں اور وہ شہر سے چھ میل کے فاصلہ پر ہیں۔ یوقنا نے لشکر کو تیار کر کے آدھا اپنے ساتھ لیا اور آدھا کمین گاہ میں مقرر کیا۔ جب حضرت کعب کی نظر یوقنا کے لشکر پر پڑی تو اپنے لشکریوں سے کہا کہ میرے اندازہ میں دشمن کا لشکر پانچ ہزار ہے جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ غرض مقابلہ ہوا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو فتح مبین کا یقین ہو گیا۔ مگر اسی اثنا میں کمین گاہ سے یوقنا کا لشکر آ پڑا۔ جس کے سبب سے اسلام کا ایک فرقہ بھاگنے لگا۔ دوسرے فرقہ نے اہل کمین کا مقابلہ کیا۔ تیسرا فرقہ حضرت کعب کے ساتھ تھا جو مسلمانوں کے لیے بڑے بے چین تھے۔ اور ان کے بچانے کے لیے کوشش کر رہے تھے اور گرداوادیتے ہوئے یوں پکار رہے تھے۔

یا محمّد یا محمّد یا نصر اللّٰہ! انزل۔ یا معشر المسلمین اثبتوا انّما ھی ساعة و یاتی النّصر و انتم الاعلون ٥ (فتوح الشام، مطبوعہ مصر، جزء اوّل ص ۱۵۱)

''یا محمد! یا محمد!! اے نصرت الٰہی نزول فرما۔ اے مسلمانوں کے گروہ ثابت قدم رہو۔ یہی ایک گھڑی ہے مدد آنے والی ہے۔ تمہارا ہی بول بالا ہے۔''

۷۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن قرط صحابی کے ہاتھ اپنا خط ابوعبیدہ بن الجراح کے نام یرموک بھیجا اور سلامتی کی دعا کی۔ عبداللہ جب مسجد سے نکلے تو خیال آیا کہ مجھ سے خطاء ہوئی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے روضۂ شریف پر سلام عرض نہیں کیا۔ اس لیے وہ روضۂ شریف پر حاضر ہوئے۔ وہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرات علی ابن ابی طالب و عباس رضی اللہ عنہما حاضر تھے۔ امام حسن حضرت علی کی گود میں اور امام حسین حضرت عباس کی گود میں تھے۔ حضرت عبداللہ نے حضرت علی و

حضرت عباس سے عرض کیا کہ کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔ ہر دو نے روضہ شریف پر ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی:

اللّٰھم انا نتوسل بھذا النّبیّ المصطفٰی والرّسول المجتبٰی الذی توسّل بہٖ اٰدم فاجیبت دعوتہٗ و غفرت خطیئتہٗ سھّل علٰی عبد اللّٰہ طریقہٗ والطوالہ البعید و ایّد اصحاب نبیّک بالنّصر انّک سمیع الدّعآء۔

''یا اللہ! ہم اس نبی مصطفٰے ورسول مجتبٰی کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں کہ جن کے وسیلہ سے حضرت آدمؑ کی دعا قبول ہوگئی اور ان کی خطاء معاف ہوگئی کہ تو عبداللہ پر اس کا راستہ آسان کر دے اور بعید کو نزدیک کر دے۔ اور اپنے نبی کے اصحاب کی مدد فتح سے کر دے۔ بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔''

اس کے بعد حضرت علیؓ نے عبداللہ سے فرمایا کہ اب جایئے۔ اللہ تعالیٰ حضرات عمرؓ وعباسؓ وحسنؓ و حسینؓ و ازواج رسول اللہ ﷺ کی دعاء کو رد نہ کرے گا۔ کیوں کہ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں اس نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑا ہے جو اکرم الخلق ہیں۔ (فتوح الشام، جزء اول ص ۱۰۵)

۸۔ ابن السنی (متوفی ۳۶۴ھ) کی کتاب میں ہیثم بن حنش سے روایت ہے کہ اس نے کہا۔ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھے۔ ان کا پاؤں سو گیا۔ تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ آپ یاد کیجیے اس کو جو آپ کے نزدیک سب لوگوں سے پیارا ہے۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے کہا۔ یا محمد ﷺ۔ پس گویا آپ بند سے کھول دیئے گئے اور کتاب ابن السنی ہی میں مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص کا پاؤں سو گیا۔ آپ نے اس سے کہا۔ تو یاد کر اس کو جو تجھے سب لوگوں سے پیارا ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا۔ یا محمد ﷺ۔ یہ کہتے ہی اس کے پاؤں کی خوابیدگی جاتی رہی۔ (کتاب الاذکار للنووی ص ۱۳۵) حضرت ابن عمرؓ کے پاؤں سو جانے کی روایت الادب المفرد للبخاری ص ۱۴۲ مین بھی ہے۔

۹۔ ایک شخص کسی حاجت کے لیے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا۔ مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور اس کی حاجت پر غور نہ فرماتے۔ وہ ایک روز حضرت عثمان بن حنیفؓ سے ملا اور ان سے شکایت کی۔ حضرت ابن حنیفؓ نے اس سے کہا کہ وضو کر کے مسجد میں جا۔ اور دو رکعت پڑھ کر یوں دعا کر۔

اللّٰھم انی اسئلک و اتوجہ الیک نبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمّد انی اتوجہ بک الی ربک ان تقضی حاجتی۔

(یہاں اپنی حاجت کا نام لینا) اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔ دربان آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اسے اپنے برابر فرش پر بٹھایا۔ اور دریافت حال کر کے اس کی حاجت پوری کر دی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اتنے دنوں میں اس وقت تم نے اپنا مطلب بیان کیا۔ آئندہ جو حاجت تمہیں درپیش آیا کرے ہمارے پاس آ کر بتا دیا کرو۔ وہ وہاں سے رخصت ہو کر ابن حنیف سے ملا اور ان کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے ایسی اچھا دعا بتائی۔ ابن حنیف نے کہا کہ میں نے اپنی طرف سے نہیں بتائی۔ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک نابینا نے اپنی بینائی کے جاتے رہنے کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر تم چاہو میں دعا کر دیتا ہوں۔ یا صبر کرو۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے بہت دشواری ہے۔ کوئی میرا عصا پکڑنے والا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دوگانہ ادا کر کے یہ دعا پڑھنا۔ اللهم انى اسئلك و اتوجه اليك نبيك محمد الخ۔ ابن حنیف کا بیان ہے کہ ہم ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ شخص آیا۔ گویا اس کو کوئی تکلیف نہ ہوئی تھی۔ (۶۰)

اس قصے میں خود حضور رسول اللہ ﷺ نے نابینا کو طریق توسل تعلیم فرمایا ہے۔ یہی طریق ایک صحابی سکھا رہے ہیں۔ اور یہی عمل آج تک امت میں جاری ہے۔ اس روایت کو طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۰۔ ہیثم بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ بنو عامر (قبیلہ نابغہ جعدی) بصرہ میں کھیتوں میں مواشی چرایا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ان کے طلب کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے ابو موسیٰ کو دیکھتے ہی یوں آواز دی۔ یا آل عامر! یہ سن کر نابغہ جعدی بھی اپنی قوم کے ساتھ نکلا۔ ابو موسیٰ نے اس سے پوچھا کہ تم کس واسطے نکلے ہو؟ نابغہ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی قوم کی دعوت قبول کی ہے۔ اس پر ابو موسیٰ نے نابغہ کو تازیانے لگائے۔ نابغہ نے اس بارے میں یہ اشعار کہے ہیں:

فان تلك لابن عفان امينًا   فلم يبعث بك البر الامينا

ويا قبر النّبى وصاحبيه   الا يا غوثنا لو تسمعونا

(الاستیعاب بن عبدالبر)

”اگر تو ابن عفان کا امین ہے تو اس نے تجھے مہربان امین نہیں بھیجا، اے قبر نبی کی اور آپ کے دو صاحب کی دیکھنا اے ہمارے فریاد رس! کاش آپ سنیں۔“

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کے تشدد کا استغاثہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کیا ہے اور یا غوثنا کہہ کر پکارا ہے۔

۱۱۔ معجم کبیر و اوسط میں بروایت انس بن مالک منقول ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ کی والدہ فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ اس کے سرہانے آ بیٹھے اور فرمایا۔ اے میری ماں کے بعد میری ماں! اللہ تجھ پر رحم کرے اور اس کی تعریف کی اور اسے اپنی چادر میں کفنایا۔ پھر حضور ﷺ نے حضرات اسامہ بن زید، ابوایوب انصاری، عمر بن خطاب اور ایک سیاہ فام غلام کو بلایا۔ انہوں نے قبر کھودی۔ جب لحد تک پہنچے تو حضرت ﷺ نے لحد (۶۱) اپنے دست مبارک سے کھودی اور آپ ﷺ اس میں لیٹ گئے۔ پھر یوں دعا کی۔

اللّٰھم اغفر لامّی فاطمة بنت اسد و وسع علیھا مدخلھا بحقّ نبیّك والانبیآء الّذین من قبلی فانّك ارحم الرّاحمینO (وفاء الوفاء جزء ثانی ص ۸۹)

''یا اللہ میری ماں فاطمہ بن اسد کو بخش دے اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دے بوسیلہ اپنے نبی ﷺ کے اور ان نبیوں کے جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ تو ارحم الراحمین ہے۔''

جب آنحضرت ﷺ بچپن میں ابو طالب کی کفالت میں تھے تو ابو طالب کی زوجہ فاطمہ بنت اسد نے کھلانے پلانے میں آپ ﷺ کا خاص خیال رکھا تھا۔ یہ اسی احسان کا بدلہ تھا کہ آپ ﷺ نے فاطمہ کو اپنی چادر میں کفنایا تا کہ آتش دوزخ سے محفوظ رہے۔ اور آپ ﷺ اس کی لحد میں لیٹ گئے تا کہ اسے راحت و آرام ملے۔ یہ روایت نظر ''بر بحق عیک'' حیات شریف میں توسل کی دلیل ہے۔ اور نظر بر ''الانبیاء الذین من قبلی'' بعد وفات توسل کی دلیل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آج تک یہ توسل و استغاثہ جاری ہے۔ اور تا قیامت جاری رہے گا۔

حضرت امام الائمہ سیدنا ابو حنیفہ نعمان بن ثابت تابعی کوفی رضی اللہ عنہ اپنا حال یوں عرض کر رہے ہیں:

یا سیّد السادات جئتك قاصدًا ارجو رضاك واحتمی بحماك

انت الذی لولاك ماخلق امرء کلّا ولا خلق الورٰی لولاك

انا طامع بالجود منك ولم یکن لابی حنیفة فی الانام سواك

''اے سید سادات! میں قصد کر کے آپکے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کی خوشنودی کا امیدوار اور آپ کے سبزہ زار میں پناہ گزیں ہوں۔ آپ کی وہ مقدس ذات ہے اگر آپ نہ ہوتے تو کبھی کوئی آدمی پیدا نہ ہوتا۔ اور نہ کوئی مخلوق پیدا ہوتی۔ میں آپ کے جود و کرم کا امیدوار ہوں۔ آپ کے سوا خلقت میں ابو حنیفہ کا کوئی سہارا نہیں۔'' (انتہیٰ)

حضرت ایوب سختیانی تابعیؒ کے توسل کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے خلیفہ منصور عباسی کو جو طریق دعا بتایا اس میں بھی توسل بالنبی ﷺ ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

اعرابی کا قصہ (جس کو ائمہ نے عتبی سے نقل کیا ہے) چاروں مذہب کے علماء کے مناسک میں ذکر کیا ہے۔ اور اسے آداب زیارت میں شمار کیا ہے۔ ابن عساکر نے اسے اپنی تاریخ میں اور ابو جوزی نے مثیر الغرام الساکن الی اشرف الاماکن میں بروایت محمد بن حرب ہلالی اس طرح لکھا ہے کہ عتبی (۶۲) نے کہا کہ میں مدینہ میں داخل ہوا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کر کے حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ ایک اعرابی نے آکر زیارت کی اور یوں عرض کیا۔ ''یا خیر الرسل! اللہ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل کی ہے۔ جس میں یوں ارشاد فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًاO (نساء، ع ۹)

''اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں آپ کے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور پیغمبر ان کے لیے بخشش مانگتا۔ تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔''

میں آپ کی خدمت میں آپ کے پروردگار سے گناہوں کی مغفرت کا طالب اور آپ کی شفاعت کا امیدوار بن کر حاضر ہوں''۔ پھر اس نے رو کر یہ اشعار پڑھے۔

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه　　　فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبرانت ساکنه　　　فیه العفاف وفیه الجودوالکرم

''اے سب سے بہتر جس کی ہڈیاں میدان میں مدفون ہیں پس ان کی خوشبو سے پست اور اونچی زمینیں مہک گئیں۔ میری جان اس قبر پر فدا جس میں آپ ساکن ہیں اس میں پاکیزگی ہے اور اس میں جود و کرم ہے۔''

بعد ازاں اس اعرابی نے توبہ کی اور چلا گیا۔ میں سو گیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں۔ ''تم اس شخص سے ملو اور اسے بشارت دو کہ اللہ نے میری شفاعت سے اس کے گناہ معاف کر دیئے''۔ میری آنکھ کھلی تو میں اس کی تلاش میں نکلا۔ مگر وہ نہ ملا۔ (۶۳)

قصہ اعرابی میں جو آیت قرآن مذکور ہے۔ وہ باتفاق مفسرین مثبت توسل ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیت ذیل سے بھی توسل ثابت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْآ اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

تُفْلِحُوْنَ○ (مائدہ،ع ٦)

''اے ایمان والو! خدا سے ڈرو۔ اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

اس آیت میں خدا کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کا حکم ہے۔ وسیلہ سے مراد خواہ خاص شخص ہو یا عمل صالح۔ بہر صورت توسل بہ سید الرسل ثابت ہے۔ کیوں کہ اشخاص کی طرح اعمال صالحہ بھی مخلوق الٰہی میں جیسا کہ آیہ واللّٰہ خلقکم و ما تعملون○ (اللہ نے پیدا کیا تم کو اور تمہارے عمل کو) سے ظاہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اشرف الخلق و اکرم الخلق و افضل الخلق ہونے میں کلام نہیں۔ پس آپ اشرف الوسائل و اقرا الوسائل الی اللہ ہیں۔ لہٰذا آپ سے توسل بطریق اولیٰ جائز و مستحسن ہے۔

مختصر یہ کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ سے توسل و استغاثہ مستحسن ہے۔ اور یہی مذہب اہل سنت و جماعت ہے۔ ہم یہاں صرف علامہ ابن حاج مالکی (متوفی ۷۳۷ھ) کا قول نقل کرتے ہیں جو متشددین میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب مدخل میں زیارت قبول کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

ثم یتوسل باھل تلك المقابر اعنی بالصّٰلحین منھم فی قضآء حوائجه ومغفرة ذنوبه ثمّ یدعوا لنفسه ولوالدیه ولمشائخه ولاقاربه ولا ھل تلك المقابر ولا موات المسلمین ولا حیاء ھم وذریتھم الی یوم الدین ولمن غاب عنه من اخوانه و یجأر الی اللّٰه تعالیٰ بالدعآء عند ھم و یکثر التوسل بھم الی اللّٰه تعالیٰ لانّه سبحانه وتعالیٰ اجتباھم وشرفھم و کرمھم فکما نفع بھم فی الدنیا ففی الاخرة اکثر۔ فمن اراد حاجة فلیذھب الیھم ویتوسل بھم فانّھم الواسطة بین اللّٰه تعالیٰ وخلقه وقد تقرّر فی الشرع وعلم ما اللّٰه تعالٰے بھم من الاعتناء وذلك کثیر مشھور وما زال الناس من العلماء والاکیر کابرا عن کابر مشرقًا ومغربًا یتبر کون بزیارة قبورھم ویجدون برکة ذلك حسًا ومعنیً وقد ذکر شیخ الامام ابو عبداللّٰه بن النعمان رحمه اللّٰه فی کتابه المسمّٰی بسفینة النجاة لاھل الالتجآء فی کرامات الشیخ ابی النجاء فی اثنآء کلامه علیٰ ذلك ما ھذا الفظه تحقق لذی وی البصائر والاعتبار ان زیارة قبور الصّٰلحین محبوبة

لاجل التبرّک مع الاعتبار فان برکة الصالحین جاریة بعد مماتهم کما کانت فی حیاتهم والدعآء عند قبور الصّالحین والتشفع بهم معمول بہٖ عند علمآء نا المحقّقین من ائمة الدّین۔ (انتهٰی)۔

واَمّا عظیم جناب الانبیآء والرّسل صلوٰت اللّٰہ و سلامه علیهم اجمعین فیاتی الیهم الزائر و یتعیّن علیه قصدهم من الاماکن البعیدة۔ فاذا جآء الیهم فلیتصف بالذّل والانکسار والمسکنة والفقر والفاقة والحاجة والاضطرار والخضوع ویحضر قلبه وخاطره الیهم والٰی مشاهد تهم بعین قلبه لابعین بصره لانهم لا یبلون ولا یتغیّرون۔ ثمّ یثنی علی اللّٰہ تعالٰی بما هوا اهله ثمّ یصلّی علیهم و یترضٰی عن اصهابهم ثمّ یترحم علی التابعین لهم باحسان الی یوم الدّین ثمّ یتوسل الی اللّٰہ تعالٰی بهم فی قضآء ماٰربه ومغفرة ذنوبہٖ و یستعغیث بهم و یطلب حوائجه مهم و یجزم بالاجابة ببرکتهم ویقوی حسن ظنّه فی ذلك فانهم باب اللّٰہ المفتوح۔ وجرتْ سنّة اللّٰہ سبحانه وتعالٰی فی قضآء الحوائج علٰی ایدهیم و بسببهم۔ ومن عجزالوصول الیهم فلیر سل بالسّلام علیهم و یذکر ما یحتاج الیه من حوائجه ومغفرة ذنوبه و ستّر عیوبه الٰی غیر ذلك فانّهم السّادة الکرام والکرام لا یردون من سالهم ولا من توسّل بهم ولا من قصد هم ولا من لجا الیهم۔ هذا الکلام فی زیارة الانبیاء والمرسلین علیهم الصّلٰوة والسّلام عمومًا۔

واَمّا فی زیارة سیّد الاوّلین والاٰخرین صلوات اللّٰہ علیه و سلامه۔ فکل ما ذکر یزید علیه اضعافه اعنّی فی الانکسار والذّل والمسکنة لانّه شافع المشفّع الّذی لا تردّ شفاعته ولا یخیب من قصده و من نزل بساحته ولا من استعان او استغاث به اذانّه علیه الصّلٰوة والسّلام قطب دائرة الکمال و عروس المملکة۔

قال اللّٰہ تعالٰی فی کتابه العزیز (لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی) قال علمآؤنا رحمة اللّٰہ تعالٰی علیهم رأی صورته علیه الصلٰوة والسلام فاذا هو عروس المملکة۔ فمن توسل به او استغاث به او طلب حوائجه منه

فلا یرد ولا یخیب لما شهدت به المعاینه والاٰثار و یحتاج الی الادب الکلی فی زیارته علیه الصّلٰوۃ والسلام۔ وقد قال علماؤنا رحمة اللّٰه علیهم انّ الزائر یشعر نفسه بانّه واقف بین یدیه علیه الصّلٰوۃ والسّلام کما هو فی حیاته اذ لا فرق بین موته و حیاته اعنی فی مشاهدته لامته ومعرفته باحوالهم ونیاتهم وعزائمهم و خواطرهم وذلک عنده جلی لاخفاء فیه فان قال القائل هذه الصفات مختصة بالمولٰی سبحانه وتعالٰی فالجواب ان کل من انقتل الی الاخرۃ من المؤمنین فهم یعلمون احوال الاحیاء غالبًا وقد وقع ذلک فی الکثرۃ بحیث المنتهٰی من حکایات وقعت منهم۔ ویحتمل ان یکون علمهم بذاک حین عرض اعمال الاحیاء علیهم ویحتمل غیر ذلک وهٰذه الاشیاء مغیبة عنّاوقداخبرا لصادق علیه الصّلٰوۃ والسّلام بعرض الاعمال علیهم فلا بد من وقوع ذٰلک والکیفیة فیه غیر معلومة واللّٰه اعلم بها۔ وکفی فی هذا بیانًا قوله علیه الصّلٰوۃ والسّلام (اَلْمُؤمِنُ یَنْظُرُ بِنُوْرِاللّٰهِ) انتهٰی ونوراللّٰه لا یحجبه شیء۔ هذا فی حق الاحیاء من المؤمنین فکیف من کان منهم فی الدار الاٰخرۃ۔ وقد قال الامام ابو عبداللّٰه القرطبی فی تذکرتہ ما هذالفظه۔قال ابن المبارک اخبرنارجل من الانصارعن المنهال بن عمروانّه سمع سعیدبن المسیب یقول لیس من یوم الاوتعرض علی النّبی صل اللّٰه علیه وسلّم اعمال امتہ غداوۃ و عشیة فیعرفهم بسیماهم واعمالهم فلذلک یشهد علیهم۔ قال اللّٰه تعالٰی (فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا٥) قال وقد تقدم ان الاعمال تعرض علی اللّٰه تبارک و تعالٰی یوم الخمیس و یوم الاثنین وعلی الانبیاء والاباء والامّهات یوم الجمعة ولا تعارض فانّه یحتمل ان یختص نبیّنا علیه الصّلٰوۃ والسّلام بعرض کل یوم و یوم الجمعة مع الانبیآء۔ (انتهٰی)

فالتوسل به علیه الصّلٰوۃ والسّلام هو محل حط احمال الاوزار و اثقال الذنوب والخطا یا لان برکة شفاعته علیه الصّلٰوۃ والسّلام و عظمها عند ربّه لا یتعاظمها ذنب اذانّها اعظم من الجمیع فلیستبشر من زاره ویلجأ

الی اللّٰہ تعالٰی بشفاعة نبیّہٖ علیه الصّلٰوۃ والسّلام من لم یزرہ۔ اللّٰھم لا تحرّمنامن شفاعته بحرمة عندك اٰمین یارب العٰلمین۔ ومن اعتقد خلاف ھذا فھو محروم۔

''پھر زائر اپنی قضائے حاجات اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے ان قبر والوں یعنی ان میں سے صالحین سے توسل کرے پھر اپنی میں ذات کے لیے اور اپنے والدین و مشائخ و اقارب و اہل مقابر کے لیے اور مسلمان مردوں اور زندہ کے لیے اور قیامت تک ان کی اولاد کے لیے اور اپنے غائب بھائیوں کے لیے دعا کرے۔ اور ان اہل قبور کے پاس اللہ تعالیٰ سے عاجزی و زاری سے دعا کرے اور بار بار ان کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ بنائے۔ کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو برگزیدہ بنایا اور بزرگ بنایا اور گرامی بنایا۔ پس جس طرح اس نے دنیا میں ان کے ذریعہ سے فائدہ پہنچایا آخرت میں اس سے زیادہ نفع پہنچائے گا۔ جو شخص کوئی حاجت چاہے اس چاہیے کہ ان کے پاس جائے اور ان سے توسل کرے کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ اور شرع میں ثابت و معلوم ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی کتنی توجہ و مہربانی ہے اور وہ کثیر و مشہور ہے۔ اور مشرق و مغرب میں علماء و اکبر قدیم سے ان کی قبروں کی زیارت کو مبارک سمجھتے رہے ہیں اور ظاہر و باطن میں اس کی برکت محسوس کرتے رہے ہیں۔ امام ابوعبداللہ بن نعمان رحمہ اللہ اپنی کتاب سفینۃ النجاۃ میں یوں لکھتے ہیں: ''اصحاب بصائر و اعتبار کے نزدیک یہ امر ثابت ہے کہ صالحین کی قبروں کی زیارت بغرض تبرک و حصول عبرت پسندیدہ ہے۔ کیوں کہ صالحین کی برکت ان کی موت کے بعد اسی طرح جاری ہے۔ جیسا کہ ان کی زندگی میں تھی۔ اور ائمہ دین میں سے ہمارے علمائے محققین کے نزدیک صالحین کی قبروں پر دعا کرنا اور ان سے طلب شفاعت کرنا معمول بہ ہے''۔

''رہا انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی بارگاہ عالی۔ سو زائر ان کے پاس جائے اور اسے چاہیے کہ دور دراز مقامات سے ان کا قصد کرے۔ جب ان کے پاس پہنچے تو ذل و انکسار و مسکنت و فقر و فاقہ و حاجت و اضطرار و خشوع ظاہر کرے اور اپنے دل کو ان کی طرف متوجہ کرے۔ اور چشم دل سے (نہ کہ چشم بصر سے) ان کے مشاہدے میں مشغول ہو جائے کیوں کہ وہ بوسیدہ و متغیر نہیں ہوتے پھر اللہ تعالیٰ کی مناسبت ثناء کے بعد الن پر درود بھیجے۔ اور ان کے اصحاب کے لیے رضائے خدا طلب کرے۔ اور ان کے

تابعین تا قیامت کے لیے رحمت طلب کرے۔ پھر قضائے حاجات اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے ان کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنائے۔ اور ان سے استغاثہ کرے اور اپنی حاجتیں ان سے مانگے۔ اور ان کی برکت سے اجابت کا یقین کرے اور اس بارے میں اپنے حسن ظن کو قوی کرے۔ کیوں کہ وہ خدا کا کھلا دروازہ ہیں۔ اور خدا کی یہ سنت جاریہ ہے کہ وہ ان کے ہاتھوں پر اور ان کے سبب سے قضائے حاجات فرماتا ہے۔ جو شخص ان کی خدمت میں پہنچنے سے عاجز ہو اسے چاہیے کہ کسی دوسرے کے ہاتھ اپنا سلام پہنچائے اور اپنی حوائج و مغفرت ذنوب و ستر عیوب وغیرہ کا ذکر کرے۔ کیوں کہ وہ سادات کرام ہیں۔ اور کرام رد نہیں کرتے اس کو جوان سے توسل کرے اور نہ اس کو جوان کا قصد کرے اور نہ اس کو جوان کی پناہ لے۔ یہ کلام عام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے بارے میں ہے۔

رہا زیارت سید الاولین والآخرین صلوٰت اللہ علیہ وسلامہ۔ سو انکسار و ذل و مسکنت جن کا ذکر اوپر ہوا ان کا اظہار اس بارگاہ عالی میں کئی گناہ زیادہ کرے۔ کیوں کہ حضور ﷺ شافع مشفع ہیں کہ جن کی شفاعت رد نہیں ہوتی۔ اور وہ محروم نہیں رہتا جو آپ کا قصد کرے یا آپ کے آنگن میں اترے یا آپ سے مدد مانگے۔ یا آپ سے استغاثہ کرے۔ کیوں کہ حضور علیہ السلام قطب دائرہ کمال اور عروس (۶۴) مملکت ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: لقد رای من ایت ربه الکبریٰ البتہ تحقیق دیکھا حضرت نے اپنے رب کی نشانیوں سے بڑی کو ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تاویل میں کہا کہ حضور علیہ السلام نے شب معراج میں اپنی ذات شریف کی صورت کو ملکوت میں دیکھا تو ناگاہ آپ عروس مملکت تھے پس جس نے حضور سے توسل یا استغاثہ کیا یا حضور ﷺ سے اپنی حاجتیں مانگیں۔ اس کی دعا رد نہیں ہوتی اور وہ محروم نہیں رہتا جیسا کہ معائنہ و آثار اس پر شاہد ہیں۔ حضور ﷺ کی زیارت میں پورے ادب کی ضرورت ہے ہمارے علماء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ زائر سمجھے کہ میں حضور علیہ السلام کے سامنے ایسا کھڑا ہوں جیسا کہ حضور ﷺ کی حیات شریف میں۔ کیوں کہ اپنی امت کے مشاہدے اور ان کے احوال و نیابت و عزائم و خواطر کی معرفت میں حضور ﷺ کی موت و حیات یکساں ہے۔ اور یہ آپ کے نزدیک ظاہر ہے۔ اس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ صفات تو اللہ تعالیٰ سے مختص ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مومنوں میں سے جو عالم برزخ

میں چلے جاتے ہیں وہ زندوں کے حالات اکثر جانتے ہیں۔ چنانچہ حکایتوں میں نہایت کثرت سے ایسے واقعات مذکور ہیں اور احتمال ہے کہ مردوں کو زندوں کے حالات کا علم اس وقت ہو جاتا ہے جب کہ ان پر زندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ اس کے سوا اور بھی احتمال ہے یہ چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں۔

''حالانکہ خود حضور علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ زندوں کے اعمال مردوں پر پیش ہوتے ہیں۔ پس اس کے وقوع میں شک نہیں مگر ہمیں اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ خدا کو خوب معلوم ہے اس کے بیان میں حضور علیہ السلام کا یہ قول کافی ہے۔ ''مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے''۔ اور خدا کے نور کے لیے کوئی چیز حاجب نہیں یہ تو زندہ مومنوں کے حق میں ہے۔ ان میں سے جو دار آخرت میں چلا جاتا ہے۔ اس کا کیا حال ہوگا۔ امام ابوعبداللہ قرطبی نے اپنی کتاب تذکرہ میں یوں فرمایا ہے۔

عبداللہ بن مبارک راوی ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نے ہمیں خبر دی کہ منہال بن عمرو نے سعید بن مسیب کو سنا کہ فرماتے تھے کہ کوئی دن ایسا نہیں کہ امت کے اعمال صبح شام نبی ﷺ پر پیش نہ کیے جاتے ہوں۔ پس حضور ﷺ ان کو ان کے چہرے سے اور ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں۔ اسی واسطے آپ ﷺ اپنی امت پر شہادت دیں گے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''پس کیوں کر ہو سکا جس وقت ہم لائیں گے ہر امت سے گواہی دینے والا اور لائیں گے ہم تجھ کو ان پر گواہ۔''

اور پہلے آ چکا ہے کہ اعمال اللہ تعالیٰ پر پنج شنبہ اور دوشنبہ کو اور پیغمبروں اور باپوں اور ماؤں پر جمعہ کے دن پیش ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی تعارض نہیں کیوں کہ احتمال ہے کہ اعمال کا ہر روز پیش ہونا ہمارے نبی علیہ السلام سے مختص ہوا اور جمعہ کے دن پیش ہونا حضور ﷺ سے اور دوسرے پیغمبروں سے مخصوص ہو۔

پس حضور علیہ السلام سے توسل کرنا گناہوں اور خطاؤں کے بوجھوں کے ساقط ہونے کا محل ہے۔ کیوں کہ حضور علیہ السلام کی شفاعت کی برکت اور اللہ کے نزدیک آپ کی عظمت کے سامنے کوئی گناہ بڑا نہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی شفاعت سب سے بڑھ کر ہے۔ پس چاہیے کہ خوش ہووے وہ شخص جس نے حضور کی زیارت کی جو شخص زیارت کے لیے حاضر نہ ہو سکا وہ حضور کو شفیع بنا کر خدا کی پناہ لے۔ **اللھم لا تحرمنامن شفاعته بحرمته**

عندك آمين يا رب العالمين۔ جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ محروم ہے۔

امام محمد بن موسیٰ بن نعمان مراکشی فاسی مالکی (متوفی ۶۸۳ھ) نے ۶۳۹ھ میں حج سے واپس آ کر اپنی کتاب مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام فی الیقظة والمنام تصنیف کی۔ علامہ سمہودی نے اس میں چند مثالیں ایسے اشخاص کی نقل کی ہیں کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کیا یا حضور کی قبر شریف کے پس آپ سے کچھ مانگا اور ان کا مطلوب حاصل ہو گیا۔ ہم ذیل میں وفاء الوفاء کے علاوہ دیگر کتب سے بھی توسل واستغاثہ کے چند واقعات نقل کرتے ہیں:

۱- حافظ محمد منکدر (متوفی ۲۰۵ھ) کا بیان ہے کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس اسی دینار بطور امانت رکھے۔ اور وہ یہ کہہ کر جہاد پر چلا گیا کہ میری واپسی تک اگر تمہیں ضرورت پیش آئے تو خرچ کر لینا۔ والد نے قحط سالی کے سبب سے وہ دینار خرچ کر لیے اس شخص نے واپس آ کر اپنی امانت طلب کی والد نے جواب دیا کل میرے پاس آنا اور رات مسجد نبوی میں گذاری۔ کبھی قبر شریف سے لپٹتے اور کبھی منبر منیف سے۔ یہاں تک کہ قبر شریف سے استغاثہ کرتے کرتے صبح ہونے کو آئی۔ ناگاہ تاریکی میں ایک شخص نمودار ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''اے ابو محمد! یہ لو''۔ والد نے ہاتھ بڑھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک تھیلی ہے جس میں اسی دینار ہیں صبح کو والد نے وہی دینار اس شخص کو دے دیئے۔

۲- امام ابوبکر مقری کا قول ہے کہ میں طبرانی اور ابو الشیخ حرم نبوی میں فاقہ سے تھے۔ جب عشاء کا وقت آیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! ہم بھوکے ہیں''۔ یہ عرض کر کے میں لوٹا۔ ابو القاسم (طبرانی) نے مجھ سے کہا کہ بیٹھو۔ رزق آئے گا یا موت۔ ابوبکر کا بیان ہے کہ میں اور ابو الشیخ سو گئے۔ اور طبرانی بیٹھے ہوئے کچھ دیکھ رہے تھے۔ ایک علوی نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہم نے کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ دو غلام ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کے پاس کھانے سے بھری ہوئی ایک زنبیل ہے۔ ہم نے بیٹھ کر کھایا اور خیال کیا کہ بقیہ کو غلام لے لے گا۔ مگر وہ باقی کو ہمارے پس چھوڑ گئے۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو علوی نے ہم سے کہا۔ کیا تم نے نبی ﷺ سے فریاد کی تھی۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے پاس کچھ لے جاؤں۔

۳- ابن جلاد کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور فاقہ سے تھا۔ میں نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ ''میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں''۔ اتنا عرض کر کے میں سو گیا۔ خواب میں نبی ﷺ نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی میں نے کھالی۔ آنکھ کھلی تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

۴۔ ابوالخیر اقطع ذکر کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور فاقہ سے تھا پانچ دن اسی طرح رہا۔ پھر قبر شریف پر حاضر ہوا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین پر سلام عرض کیا اور یوں گویا ہوا۔ ''یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں''۔ یہ عرض کر کے میں قبر شریف کے پیچھے سو گیا۔ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ حضرت ابو بکرؓ آپ ﷺ کے دائیں طرف عمرؓ بائیں طرف اور حضرت علیؓ سامنے ہیں۔ مجھے حضرت علیؓ نے ہلایا اور کہا اٹھو! رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ میں نے اٹھ کر حضور ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ حضور ﷺ نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی میں نے کھالی آنکھ کھلی تو آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

۵۔ ابوعبداللہ بن زرعہ صوفی ذکر کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد اور ابوعبداللہ بن خفیف مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ ہم رات کو بھوکے رہے۔ میں ابھی بالغ نہ ہوا تھا اور اپنے والد سے بار بار کہتا تھا۔ کہ میں بھوکا ہوں۔ میرے والد نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! آج رات میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں''۔ یہ عرض کر کے والد مراقب ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے سر اٹھایا تو کبھی روتے کبھی ہنستے۔ ان سے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے کچھ درہم میرے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ ہاتھ جو کھولا تو اس میں وہ درہم موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان درہموں میں اتنی برکت دی کہ ہم شیراز آگئے اور وہاں بھی ان میں سے خرچ کرتے رہے۔

۶۔ احمد بن صوفی کا بیان ہے کہ میں تین مہینے بیابان میں پھرتا رہا۔ پھر مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ اور روضہ شریف پر حاضر ہو کر حضور علیہ السلام پر اور حضرات شیخین پر سلام عرض کیا۔ پھر سو گیا۔ خواب میں مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''اے احمد! تم آ گئے ہو؟'' میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ میں بھوکا ہوں اور آپ ﷺ کا مہمان ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کھولو۔ میں نے ہاتھ کھول دیئے۔ حضور ﷺ نے میرے دونوں ہاتھ درہموں سے بھر دیئے۔ میری آنکھ کھلی تو دونوں ہاتھ درہموں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے نان میدہ اور فالودہ خریدا اور کھایا۔ پھر اسی وقت صحرا کی راہ لی۔

۷۔ حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے اپنی تاریخ میں بالاسناد نقل کیا ہے کہ ابوالقاسم ثابت بن احمد بغدادی ذکر کرتے ہیں کہ ایک شخص نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے پاس نمازِ صبح کے لیے اذان دی۔ اور اس میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہا۔ خدام مسجد میں سے ایک نے یہ سن کر اس پر تھپڑ مارا۔ اس شخص نے رو کر عرض کیا۔ ''آپ کے حضور میرے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے''۔ اسی وقت اس خادم پر فالج گرا۔ اسے وہاں سے اٹھا کر گھر لے گئے۔ اور وہ تین دن کے

بعد مر گیا۔(۶۵)

۸۔ منجملہ روایت میں ابن نعمان یہ ہے کہ میں نے ابو اسحاق ابراہیم بن سعید سے سنا کہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ میرے ساتھ تین فقیر تھے۔ ہم فاقہ میں مبتلا ہوئے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت شریف میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! ہمارے پاس کچھ نہیں۔ ہمیں تین مد کافی ہیں۔ خواہ کسی چیز کے ہوں''۔ اس کے بعد ایک شخص مجھ سے ملا۔ اس نے مجھے تین مد عمدہ کھجوریں عطا کیں۔

۹۔ امام ابن نعمان ہی بروایت ابو العباس بن نفیس مقری ضریر نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا میں مدینہ منورہ میں تین دن بھوکا رہا۔ میں نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! میں بھوکا ہوں۔ یہ عرض کر کے میں سو گیا۔ ایک لڑکی نے پاؤں مار کر مجھے جگا دیا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گئی اور گیہوں کی روٹی اور گھی اور کھجوریں پیش کیں۔ اور کہا۔ ''ابو العباس! کھاؤ۔ میرے جد بزرگوار ﷺ نے مجھے یہ کھانا تیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ تمہیں جب بھوک لگے ہمارے پاس آ جایا کرو''۔

۱۰ تا ۱۴: علامہ سمہودی اپنے مسموعات یوں بیان کرتے ہیں۔ میں نے شریف ابو محمد عبد السلام بن عبد الرحمٰن حسینی فاسی کو یہ فرماتے سنا کہ میں مدینہ منورہ میں تین دن رہا۔ مجھے کھانے کو کچھ نہ ملا۔ میں نے منبر شریف کے پاس دوگانہ ادا کر کے یوں عرض کیا۔ ''اے میرے، جد بزرگوار! میں بھوکا ہوں اور آپ سے ثرید مانگتا ہوں''۔ یہ عرض کر کے میں سو گیا۔ ناگاہ ایک شخص نے مجھے جگا دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک چوبی پیالہ ہے جس میں ثرید، گھی، مصالحہ اور گوشت ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ کھا لو۔ میں نے پوچھا کہ تم یہ کہاں سے لائے ہو؟ س نے جواب دیا کہ میرے بچے تین دن سے اسی کھانے کی تمنا کرتے تھے۔ آج اللہ تعالیٰ نے کچھ کشائش کر دی تو میں نے یہ کھانا تیار کیا۔ پھر میں سو گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں۔ کہ تمہارا ایک بھائی مجھ سے اسی کھانے کی آرزو کرتا ہے۔ تم اس میں سے اس کو بھی کھلاؤ۔

میں نے شیخ ابو عبد اللہ بن ابی الامان کو یہ کہتے سنا کہ میں مدینہ منورہ میں محراب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے عقب میں تھا۔ شریف مکثر قاسمی محراب مذکور کے پیچھے سوئے ہوئے تھے۔ وہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت شریف میں حاضر ہوئے اور ہمارے پس مسکراتے ہوئے آئے۔ شمس الدین صواب خادم روضہ شریف نے ان سے مسکرانے کا سبب دریافت کیا انہوں نے بیان کیا کہ میں فاقہ سے تھا۔ اپنے گھر سے نکل کر بیت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں آیا۔ اور نبی ﷺ سے استغاثہ کیا کہ میں بھوکا ہوں۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ نے مجھے دودھ کا پیالہ عطا فرمایا۔ میں نے پی لیا اور سیراب ہو گیا دیکھ لو یہ موجود ہے۔ اور اپنے منہ

میں سے اپنے ہاتھ پر تھوک کر دکھلا دیا۔ ہم نے مشاہدہ کیا کہ ان کے منہ میں دودھ تھا۔

میں نے عبداللہ بن حسن دمیاطی کو بیان کرتے سنا کہ مجھ سے عبدالقادر تنیسی نے حکایت کی کہ میں فقیروں کی طرح سفر کر رہا تھا۔ میں نے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ سے کچھ عرض کیا اور بھوک کی شکایت کی۔ پھر میں وہیں سو گیا۔ ایک نوجوان نے مجھے جگا دیا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے ثرید کا ایک پیالہ اور کئی قسم کی کھجوریں اور بہت سی روٹیاں پیش کیں۔ میں نے کھانا کھایا۔ اس نے گوشت ونان وتمر سے میرا توشہ دان بھر دیا۔ اور بیان کیا کہ میں نماز چاشت کے بعد سویا ہوا تھا خواب میں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں یہ کھانا پہنچا دوں۔ حضور ﷺ نے مجھے تمہاری جگہ بھی بتا دی اور فرمادیا کہ تم نے حضور ﷺ نے یہی تمنا کی تھی۔

میں نے اپنے دوست علی بن ابراہیم بوصیری کو فرماتے سنا کہ عبدالسلام بن ابی القاسم صقلی ذکر کرتے تھے کہ ایک ثقہ شخص نے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا مجھ سے بیان کیا کہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ میرے پاس کچھ نہ تھا میں کمزور ہو رہا تھا۔ ایک روز حجرۂ شریف کے پاس آ کر میں نے عرض کیا۔ "یا سید الاولین والاخرین! میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ پانچ ماہ سے آپ ﷺ کی خدمت میں ہوں۔ کمزور ہو گیا ہوں۔ یارسول اللہ ﷺ! خدا سے دعا فرمائیے کہ میرے پاس کوئی بندہ ایسا بھیج دے جو مجھے پیٹ بھر کر یا مجھے اپنے ساتھ لے جائے"۔ میں یہ عرض کر کے منبر شریف کے پاس بیٹھ گیا۔ ناگاہ ایک شخص حجرۂ میں داخل ہوا۔ اس نے کچھ کلام کیا اور کہا۔ اے جد بزرگوار اے جد بزرگوار! پھر میری طرف آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر باب جبریل سے نکلا۔ اور بقیع میں سے ہوتا ہوا ایک خیمہ میں پہنچا۔ وہاں اس نے غلام وکنیز سے کہا کہ اپنے مہمان کے لیے کھانا تیار کرو۔ چنانچہ غلام لکڑیاں چن لایا اور کنیز نے اناج پیس کر روٹی پکائی۔ روٹی کے ساتھ گھی اور کھجوریں تھیں۔ میں آدھی روٹی سے سیر ہو گیا اس نے باقی آدھی اور دو صاع کھجوریں میرے توشہ دان میں ڈال دیں۔ جب میں فارغ ہوا تو اس نے میرا نام پوچھا۔ میں نے بتلا دیا۔ پھر مجھ سیت کہا کہ تجھے خدا کی قسم! میرے جد بزرگوار کے پاس پھر شکایت نہ کرنا۔ کیوں کہ انہیں ناگوار گزرتا ہے۔ آج سے بھوک کے وقت تیرا رزق تیرے پاس آجایا کرے گا۔ یہاں تک کہ سفر کے لیے تجھے کوئی ساتھی مل جائے۔ پھر اس نے اپنے غلام سے کہا کہ ان کو حجرہ شریف میں پہنچا دو۔ جب میں غلام کے ساتھ بقیع میں آیا تو میں نے اس سے کہا کہ اب تم لوٹ جاؤ۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ اس نے کہا۔ یا سیدی۔ میں تو آپ کو حجرہ شریف میں پہنچا کر ہی آؤں گا۔ مبادا رسول اللہ ﷺ میرے آقا کو بتا دیں۔ غرض وہ مجھے حجرہ شریف میں پہنچا کر چلا گیا۔ میں چار روز توشہ دان میں سے کھاتا رہا۔ پھر مجھے بھوک لگی تو وہی غلام مجھے کھانا دے گیا۔ بعد ازاں ایسا ہی ہوتا رہا کہ جب بھی مجھے بھوک لگتی کھانا پہنچ

جاتا۔ یہاں تک کہ ایک جماعت کے ساتھ میں ینبع کی طرف نکلا۔

۱۴۔ علامہ سمہودی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا۔ مصر کے حاجیوں کا قافلہ زیارت کو آیا۔ میرے ہاتھ میں خلوقت کی کنجی تھی۔ جس میں میری کتابیں تھیں۔ ایک مصری عالم نے کہا کہ میرے ساتھ روضہ شریف میں چلو۔ جب میں واپس آیا تو مجھے کنجی نہ ملی۔ میں نے ہر چند مختلف جگہ تلاش کی مگر نہ ملی۔ یہ مجھ پر بہت ناگوار گزرا۔ کیوں کہ اس وقت مجھے کنجی کی سخت ضرورت تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ ''یا سیدی! یا رسول اللہ! میری خلوت کی کنجی گم ہوگئی ہے مجھے اس کی ضرورت ہے۔ میں آپ ﷺ کے پاس دروازے سے مانگتا ہوں''۔ یہ عرض کر کے میں واپس آیا تو ایک لڑکے کو جسے میں نہ پہچانتا تھا خلوت کے قریب دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ کنجی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں یہ کہاں سے ملی اس نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کے مواجہ شریف کے پاس تھی۔ میں نے وہاں سے اٹھالی (۶۶)۔

۱۵۔ علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ کئی سال مجھے ایک بیماری لاحق رہی جس کے علاج سے اطباء عاجز آ گئے میں نے ۲۸ جمادی الاولیٰ ۸۹۳ھ کی رات کو مکہ مشرفہ میں نبی ﷺ سے استغاثہ کیا۔ خواب میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے پاس ایک کاغذ ہے۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ اذن شریف نبوی کے بعد حضرت شریفہ سے یہ احمد بن قسطلانی کی دوا ہے۔ جب میری آنکھ کھلی تو واللہ میں نے اس بیماری کا کوئی نشان نہ پایا۔ اور نبی ﷺ کی برکت سے شفا حاصل ہوگئی۔

۱۶۔ علامہ قسطلانی اپنا دوسرا واقعہ یوں ذکر کرتے ہیں کہ ۸۸۵ھ میں زیارت شریف کے بعد میں مصر کو آ رہا تھا کہ مکہ کے راستے میں ہماری خادمہ غزال حبشہ پر کئی روز آسیب کا اثر رہا۔ اس بارے میں میں نے نبی ﷺ سے استغاثہ کیا خواب میں ایک شخص نظر آیا۔ جس کے ساتھ وہ جن تھا۔ اس نے کہا اس جن کو رسول اللہ ﷺ نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ میں نے اس جن کو ملامت کی اور اس سے حلف لیا کہ آئندہ اس خادمہ کے پاس نہ آئے گا۔ میری آنکھ کھلی تو خادمہ پر آسیب کا کچھ اثر نہ تھا گویا اس کو قید سے رہا کر دیا گیا ہے وہ عافیت میں رہی۔ یہاں تک کہ میں نے ۸۹۴ھ میں اس کو علیحدہ کر دیا۔

۱۷۔ علامہ یوسف نبہانی نقل فرماتے ہیں کہ کثیر بن محمد بن رفاعہ نے بیان کیا کہ ایک شخص عبدالملک بن سعید بن خیار بن جبیر کے پاس آیا۔ اس نے اس شخص کا پیٹ ٹٹولا اور کہا کہ تجھے لاعلاج بیماری ہے۔ اس نے پوچھا کیا بیماری ہے؟ ابن جبیر نے کہا کہ دبیلہ (۶۷)۔ یہ سن کر وہ لوٹ آیا۔ اور

نے تین بار یوں دعا مانگی۔

اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ ربّی لا اشرفك بہ شیئا اللّٰھم انّی اتوجّہ الیك بنبیّك محمّد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نبی الرّحمۃ یا محمّد انّی اتوجّۃ بك الٰی ربّك و ربّی ان یرحمنی ممّا بی رحمۃ یغنینی بھا عن رحمۃ من سواہ۔

''اللہ، اللہ، اللہ میرا پروردگار ہے۔ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی محمد ﷺ نبی رحمت کے وسیلے سے پیش ہوتا ہوں۔ یا محمد! میں آپ ﷺ کے اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ ﷺ کے وسیلے سے پیش ہوتا ہوں کہ وہ اس بیماری میں مجھ پر ایسی رحمت کرے کہ جس سے کسی غیر کی رحمت سے مجھے بے نیاز کر دے۔''

اس دعا کے بعد وہ پھر ابن جبیر کے پاس گیا۔ اس نے اس کا پیٹ ٹٹولا تو کہا کہ تو تندرست ہو گیا ہے۔ تجھے کوئی بیماری نہیں (۶۸)۔

۱۸۔ ابوعبداللہ سالم معروف بہ خواجہ نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں دریائے نیل کے ایک جزیرہ میں ہوں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مگرمچھ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ میں اس سے ڈر گیا۔ ناگاہ ایک شخص نے جو میرے ذہن میں آیا کہ وہ نبی ﷺ ہیں مجھ سے فرمایا کہ جب تو کسی سختی میں ہو تو یوں پکارا کر۔

اَنَا مُسْتَجِيْرٌ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

''یارسول اللہ! میں آپ کی پناہ کا طلب گار ہوں۔''

اتفاق سے ان ہی ایام میں ایک نابینا نے نبی ﷺ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ میں نے اس سے اپنا خواب بیان کر دیا اور کہہ دیا کہ جب تو کسی سختی میں مبتلا ہو تو یوں پکارا کر انا مستجیر بک یارسول اللہ وہ روانہ ہو کر رابغ میں پہنچا وہاں پانی کی قلت ہے۔ اس کا خدمت گار پانی کی تلاش میں نکلا۔ راوی کا قول ہے کہ اس نابینا نے مجھ سے ذکر کیا کہ میرے ہاتھ میں مشک خالی رہ گئی۔ میں پانی کی تلاش سے تنگ آ گیا۔ اسی اثنا میں مجھے تمہارا قول یاد آ گیا۔ میں نے کہا۔ انا مستجیر بک یارسول اللہ۔ اسی حال میں ناگاہ ایک شخص کی آواز میرے کان میں پڑی کہ تو اپنی مشک بھر لے۔ میں نے مشک میں پانی کے گرنے کی آواز سنی یہاں تک کہ وہ بھر گئی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ شخص کہاں سے آ گیا (۶۹)۔

۱۹۔ ابوالحسن علی بن مصطفیٰ عسقلانی ذکر کرتے ہیں کہ ہم بحر عیذاب میں کشتی میں جدہ کو روانہ ہوئے۔ سمندر میں طغیانی آ گئی۔ ہم نے اپنا اسباب مبارک سمندر میں پھینک دیا۔ جب ہم ڈوبنے لگے تو

نبی ﷺ سے استغاثہ کرنے لگے اور یوں پکارنے لگے۔ یا محمداہ یا محمداہ۔ ہمارے ساتھ مغرب کا ایک نیک دل شخص تھا۔ وہ بولا۔ حاجیو! گھبراؤ مت۔ تم بچ جاؤ گے۔ کیوں کہ ابھی میں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ میں نے حضور سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ سے استغاثہ کر رہی ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مدد کرو۔ مغربی کا قول ہے کہ میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہا تھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ سمندر میں گھس گئے۔ انہوں نے کشتی کے چپوار پر اپنا ہاتھ ڈالا۔ اور کھینچتے رہے یہاں تک کہ خشکی سے جا لگے۔ چنانچہ ہم صحیح و سالم رہے۔ اور اس کے بعد بجز خیر ہم نے کچھ نہ دیکھا۔ اور صحیح و سالم خشکی پر پہنچ گئے (۷۰)۔

۲۰۔ علامہ نبہانی شواہد الحق میں عبدالرحمٰن زجولی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ میری آنکھ ہر سال خراب ہو جایا کرتی تھی۔ ایک سال مدینہ منورہ میں میری آنکھ دکھنے لگی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فریاد کی۔ ''یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ کی حمایت میں ہوں اور میری آنکھ دکھ رہی ہے'' پس مجھے آرام ہو گیا اور حضور ﷺ کی برکت سے اب تک مجھے آنکھ کی تکلیف نہیں ہوئی۔

۲۱۔ علامہ نبہانی شواہد الحق میں کتاب الارشادات الی معرفتہ الزیارات سے نقل کرتے ہیں کہ اس کے مصنف شیخ ابوالحسن علی بن ابی بکر السائح الہروی، (متوفی بحلب ۶۱۱ھ) کہتے ہیں کہ جزیرہ میں ایک شہر تونہ ہے۔ وہاں مشہد نبی ﷺ اور مشہد علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ میں نے جزیرہ والوں سے ان مشاہدہ کی نسبت دریافت کیا کہ کیا یہ نبی ﷺ اور علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے نام پر بنائے گئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ قصہ تفصیل طلب ہے۔ پھر ایک خوبصورت شیخ کو بلا کر بتلایا کہ یہ شخص جذام میں مبتلا ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اس کی بیماری سے ڈر کر اسے جزیرہ کے ایک طرف نکال دیا تھا۔ ایک رات اس نے ایسا غل مچایا کہ لوگ وہاں پہنچ گئے اور اسے تندرست کھڑا دیکھا۔ جب اس کا حال دریافت کیا گیا تو اس نے بیان کیا کہ اس جگہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں۔ ''یہاں مسجد بنواؤ''۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بیمار ہوں۔ لوگ میری بات کا یقین نہ کریں گے۔ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے علی! اس کا ہاتھ پکڑو۔ حضرت علی نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

امام ابن نعمان مصنف مصباح الظلام فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسجد کو دیکھا۔ ہمارے استاد

حافظ دمیاطی اور دیگر شیوخ اس قصہ کا ذکر کرتے ہیں۔

۲۲۔ علامہ نبہانی اپنی کتاب سعادالدارین میں خود اپنے استغاثہ کا قصہ یوں تحریر فرماتے ہیں کہ کسی ناخدا ترس دشمن نے میرے اوپر ایسا افتراء باندھا کہ سلطان عبدالحمید خان نے حکم دیا کہ مجھے معزول کر کے دور علاوہ میں بھیج دیا جائے یہ سن کر مجھے بے قراری ہوئی۔ جمعرات کا دن تھا جمعہ کی رات میں نے ایک ہزار دفعہ استغفار پڑھا اور تین سو پچاس بار یہ درود شریف پڑھا۔ **اللھم صل علی ال سیدنا محمد قد ضاقت حیلتی ادرکنی یا رسول اللّٰہ**۔ مجھے نیند آ گئی۔ آخر رات پھر جاگا اور ہزار دفعہ درود شریف پڑھ کر حضور ﷺ سے استغاثہ کیا۔ جمعہ کی شام ہی کو سلطان کی طرف سے تار آ گیا کہ مجھے بحال رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ سلطان کو نصرت دے اور مفتری کو رسوا کرے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

۲۳۔ امام شرف الدین بوصیری (متوفی ۶۹۴ھ) اپنے قصیدہ بردہ کا سبب تصنیف یوں بیان فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں بہت سے قصیدے لکھے جن میں سے بعض وزیر زین الدین یعقوب بن زبیر کی درخواست پر تصنیف ہوئے بعد ازاں ایسا اتفاق ہوا کہ میں مرض فالج میں مبتلا ہو گیا اور اس سے میرا نصف بدن بے کار ہو گیا۔ میرے جی میں آیا کہ حضور علیہ السلام کی مدح میں ایک قصیدہ لکھوں۔ چنانچہ میں نے یہ قصیدہ بردہ تیار کیا۔ اور بتوسل حضور اکرم ﷺ بارگاہِ باری تعالیٰ میں اپنی عافیت کے لیے دعا کی۔ میں نے اس قصیدے کو بار بار پڑھا اور آنحضرت ﷺ کے توسل سے دعا کی اور سو گیا، (اب دیکھیے احمد مختار کی مسیحائی اور محمد عربی کی چارہ فرمائی) خواب میں زیارت ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے اپنا دست شفا میرے مفلوج حصہ پر پھیرا۔ اور اپنی چادر (بردہ) مبارک مجھ پر ڈال دی۔ آنکھ کھلی تو میں نے اپنے تئیں تندرست وقوی پایا۔ میں نے اس قصیدہ کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا۔ مگر جب میں صبح کو گھر سے نکلا تو راستے میں ایک درویش نے مجھ سے کہا کہ وہ قصیدہ مجھے عنایت فرمایئے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں لکھا ہے۔ میں نے کہا۔ آپ کون سا قصیدہ طلب فرماتے ہیں؟ وہ بولے کہ جو تم نے بحالت مرض لکھا ہے اور اس کا مطلع بھی بتا دیا اور یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم! رات کو یہی قصیدہ میں نے دربارِ نبوی میں سنا ہے۔ جب یہ پڑھا جا رہا تھا تو حضور علیہ السلام اس کو سن سن کر جھوم رہے تھے۔ جیسا کہ بادِ نسیم کے جھونکے سے میوہ دار درخت کی شاخیں جھومتی ہیں۔ حضور انور ﷺ نے ان کو پسند فرمایا اور پڑھنے والے پر ایک چادر ڈال دی۔ یہ سن کر میں نے اپنا خواب بیان کیا اور یہ قصیدہ اس

درویش کو دے دیا۔ اس نے لوگوں سے ذکر کر دیا اور یہ خواب مشہور ہو گیا (۷۱)۔

۲۴۔ شیخ شمس الدین محمد جزری شافعی (متوفی ۸۳۳ھ) اپنی مشہور کتاب حصن حصین من کلام سید المرسلین کے دیباچہ میں اپنے استغاثہ کا یوں ذکر کرتے ہیں۔

"جب میں اس کی ترتیب و تہذیب پوری کر چکا تو مجھے ایسے دشمن (امیر تیمور) نے طلب کیا کہ اللہ کے سوا کوئی اس کو دفع نہیں کر سکتا تھا۔ میں اس دشمن سے چھپ کر بھاگ گیا اور اس کتاب کو میں نے اپنا حصین بنایا۔ میں نے حضور سید المرسلین کو خواب دیکھا۔ میں حضور ﷺ کے بائیں جانب بیٹھا ہوا ہوں۔ حضور ﷺ گویا فرما رہے ہیں کہ تو کیا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے لیے اور مسلمانوں کے لیے اللہ سے دعا کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے۔ میں دیکھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے دعا مانگی۔ پھر دست مبارک چہرے پر ملے۔ یہ زیارت شب پنج شنبہ کو ہوئی۔ اور شب یک شنبہ کو دشمن بھاگ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان احادیث کی برکت سے جو اس کتاب میں ہیں مجھے اور مسلمانوں کو دشمن سے نجات دی"۔

۲۵۔ فقیہ ابو محمد اشبیلی نے اپنی کتاب فضیلت حج میں لکھا ہے کہ اہل غرناطہ میں سے ایک شخص کو ایسا مرض لاحق ہو گیا کہ اس کے علاج سے اطباء عاجز ہو گئے اور شفاء سے مایوس ہو گئے۔ وزیر ابو عبداللہ محمد بن ابی الخصال نے ایک نامہ بحضور نبی کریم ﷺ لکھا اور اس مریض کی شفاء کے لیے اشعار میں حضور سے توسل کیا۔ یہ نامہ کسی کے ہاتھ مدینہ منورہ کو بھیج دیا گیا۔ جب وہ اشعار حضور علیہ السلام کے روضہ شریف پر پڑھے گئے تو بیمار اپنے وطن میں اسی وقت تندرست ہو گیا۔ نامہ لے جانے والے نے واپس آ کر اسے دیکھا تو ایسا تندرست پایا۔ کہ گویا وہ کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا۔ (۷۲)

۲۶۔ ابو محمد عبداللہ بن محمد ازدی کحال جو اندلس میں ایک نیک شخص تھا۔ بیان کرتا ہے کہ اندلس میں ایک شخص کا بیٹا قید ہو گیا۔ وہ اپنے بیٹے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے فریاد کرنے کے لیے اپنے شہر سے نکلا۔ راستے میں کوئی اس کا واقف ملا۔ اس نے کہا کہاں جاتے ہو اس شخص نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ سے فریاد کرنے جاتا ہوں۔ کیوں کہ رومیوں نے میرے بیٹے کو گرفتار کر لیا ہے اور تین سو دینار زر فدیہ قرار دیا ہے۔ مجھ میں استطاعت نہیں۔ اس واقف نے کہا کہ نبی ﷺ سے استغاثہ ہر جگہ مفید نہیں ہے۔ مگر وہ نہ مانا۔ جب مدینہ میں پہنچا تو روضہ شریف پر حاضر ہو کر اپنا حال عرض کیا اور حضور علیہ السلام سے توسل کیا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی ﷺ فرما رہے ہیں کہ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔ جب وہ اپنے شہر میں واپس آیا۔ تو اپنے بیٹے کو موجود پایا۔ اس نے

حال دریافت کیا تو بیٹے نے کہا کہ فلاں رات مجھ کو اور بہت سے قیدیوں کو خدا تعالیٰ نے رہائی دی۔ وہ رات وہی تھی جس میں اس کا باپ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔ جب وہ اپنے شہر میں واپس آیا۔ تو اپنے بیٹے کو موجود پایا۔ اس سے حال دریافت کیا تو بیٹے نے کہا کہ فلاں رات مجھ کو اور بہت سے قیدیوں کو خدا تعالیٰ نے رہائی دی۔ وہ رات وہی تھی جس میں اس کا باپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا (شواہد الحق)۔

۲۷۔ ابراہیم بن مرزوق بیانی کا بیان ہے کہ جزیرۂ شقر کا ایک شخص قید ہو گیا اور بیڑیوں اور کاٹھ میں ٹھوک دیا گیا۔ وہ یا رسول اللہ ﷺ پکار پکار کر فریاد کرتا تھا اس کے بڑے دشمن نے طنزاً کہا کہ اس سے کہو تمہیں چھڑا دے۔ جب رات ہوئی تو ایک شخص نے اسے بلایا اور کہا کہ اذان کہو۔ وہ بولا کہ تم نہیں دیکھتے کہ میں کس حال میں ہو؟۔ پھر اس نے اذان کہی جس وقت وہ اشہدان محمد رسول اللہ پر پہنچا تو اس کی بیڑیاں وغیرہ خود بخود ٹوٹ گئیں۔ اور اس کے سامنے ایک باغ نمودار ہوا۔ وہ باغ میں پھر رہا تھا کہ اسے ایک راستہ مل گیا جس سے وہ جزیرۂ شقر میں جا پہنچا۔ اور اس کا قصہ اس کے شہر میں مشہور ہو گیا۔ (شواہد الحق)۔

۲۸۔ سیدی محمد بن سعید بصری الاصل قریشی شافعی (متوفی ۸۳۹ھ) کے خلاف شاہ یمن نے کچھ طلب دنیا کے لیے لکھ دیا تھا۔ اس پر آپ نے حضور تاجدارِ مدینہ ﷺ کی جناب میں یوں توسل و استغاثہ کیا۔

مالی سوی جاه النّبیّ محمّد جاه به احمٰی و ابلغ مقصدی فکم به زال العنا عنیّ وقد اعد مت فی ظن العذول المعتدی یا قلب لا تجزع و کن خیر امریٔ اضحٰی یرجی غارة من احمد فعسٰی توافیك القوائد ممسیًا ولعل تاتیك البشائر فی غد۔

"میرے واسطے نبی محمد کے جاہ کے سوا کوئی ایسا جاہ نہیں کہ جس کے وسیلے میں محفوظ رہوں اور اپنے مقصد کو پہنچوں کیوں کہ بہت دفعہ آپ کے وسیلہ سے میری تکلیف دور ہو گئی۔ حالانکہ میں ملامت کرنے والے ستم گر کے گمان میں محتاج و ہیچ تھا اے دل تو بے صبری نہ کر اور اچھا مرد بن۔ جو احمد سے غارت کا امیدوار رہے۔ کیوں کہ قریب ہے تجھے شام کو فائدے پہنچیں گے اور امید ہے تجھے کل بشارتیں آئیں گی۔"

آپ نے اس نظم کو تمام نہ کیا تھا کہ نیند آ گئی۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمرؓ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہم غارت کے لیے آ گئے ہیں۔ تو ہر رات ہم پر ایک ہزار بار درود

بھیجا کر۔ سورج غروب نہ ہونے پایا تھا کہ منصور کی بیماری کی خبر آئی۔ پھر تیسرے دن وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (جامع الکرامات للنبہانی۔ بحوالہ مناوی جزء اول ص ۱۵۶)

۲۹۔ سیدی ابوالعباس مری کا بیان ہے کہ میں جہاز پر سوار ہو گیا۔ تلاطم کے سبب سے ہم سب ڈوبنے لگے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی۔

اللّٰھم بحرمة نبیّك الامّی انقذی و سلّمنی۔

''یا اللہ! تو اپنے نبی مصطفیٰ کے طفیل مجھے بچا لے اور سلامت رکھ۔''

میں اس دعا سے فارغ نہ ہوا تھا کہ مجھے جہاز کے گرد فرشتے نظر آئے جنہوں نے مجھے سلامتی کی بشارت دی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو خوشخبری دی کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تم کل صبح صحیح وسالم موضع مریہ میں پہنچ جاؤ گے۔ (جامع الکرامات بحوالہ مصباح الظلام، جزء اول ص ۲۷۷)

۳۰۔ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ ہمزیہ میں یوں فریاد کرتے ہیں:

''اور ہم گناہوں کے بوجھ سے نحیف و ناتواں ہو کر آپ کے پاس آئے ہیں دبلی اونٹنیاں ہمیں بارگاہِ غنا میں لائی ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں ذاتی حاجتیں ہیں۔ جن کے لیے آپ کے دست مبارک کی سخاوت سے چارہ نہیں پس ہماری مدد کیجئے۔ اے فریاد رزد و باراں جب کہ خلقت قحط سے تنگ آجائے۔''

۳۱۔ شیخ الاسلام حافظ ابوالفتح تقی الدین بن دقیق العید (متوفی ۱۱ صفر ۷۰۲ھ) توسل واستغاثہ کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:

واتینا الیك انضاء فقر	حملتناالی الغنی انضاء
وانطوت فی الصدورحاجات نفس	مالھاعن یدی یدیك انطواء
فاغثنایامن ھوالغوث والغیاث	اذا اجھد الوری اللاراء
اقول لرکب سائرین لیثرب	ظفرتم بتقریب النبی المقرب
فبثوالیه کل شکوی ومتعب	وقصرا علیه کل سئول ومطلب
وانتم بمرائی للرسول ومسمع	ستحمون فی مغناہ خیرحمایة
وتکفون ماتخشون ای کفایةٍ	زتبدوالکم من عندہ کل ایةٍ
فحلوامن التعظیم ابعد غایةٌ	فحق رسول اللّٰه اکبر ما رعے

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج السبکی۔ ترجمہ ابن دقیق العید)

''میں یثرب جانے والے شتر سواروں سے کہتا ہوں۔ کہ تم کو نبی مقرب کی زیارت نصیب ہو۔ تم حضور سے ہر ایک مرض ومشقت عرض کر دینا۔ اور ہر ایک درخواست ومطلب بیان کر دینا۔ اس حال میں کہ رسول اللہ تمہیں دیکھتے اور تمہاری بات سنتے ہوں گے اور حضور کی منزل میں تمہاری خوب حفاظت ہوگی۔ اور جس چیز سے تم ڈرتے ہو اس سے خوب بچاؤ ہوگا۔ اور حضور کے ہاں سے تمہارے واسطے ہر نشان ظاہر ہوگا۔ پس تم غایت درجہ کی تعظیم سے اترنا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا حق ان سب سے بڑا ہے جن کی رعایت کی جانی ضروری ہے۔''

۳۲- علامہ کمال الدین بن زملکانی انصاری (متوفی ۱۶- رمضان ۷۲۷ھ) جنہوں نے مسئلہ زیارت و استغاثہ میں اپنے ہم عصر ابن تیمیہ کی تردید میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اپنے قصیدہ مدحیہ میں یوں فرماتے ہیں:

یاصاحب الجاہ عنداللّٰہ خالق	ماودّ جاھك الّا کل افّاك
انت الوجیہ علی رغم العداء ابدا	انت الشفیع لفتاك ونساك
یافرقۃ الزیغ لا لقیت صالحۃ	ولاسقی اللّٰہ یوماقلب مرضاك
ولاحظیت بجاہ امصطفٰی ابدًا	ومن اعانك فی الدنیاوالاك
یاافضل الرسل ویامولٰی لانام ویا	خیرالخلائق من انس واملاك
ھاقد قصدتك اشکو بعض ماصنعت	بی الذنوب وھذاملجاء الشاکی
قدقیدتنی ذنوبی عن بلوغ مدی	قصدی الی الفوزمنھافھی اشراکی
فاستغفراللّٰہ لی واسألہ عصمتہ	فیھابقی وغنیً من غیرامساك
علیك من ربّك اللّٰہ الصلٰوۃ کما	منّا علیك السّلام الطیّب الزاکی

(فوات الوفیات، جزء ثانی ص ۲۵۱)

''اے خدائے خالق کے نزدیک قدر ومنزلت والے! سوائے دروغ گو کے کسی نے آپ کے جاہ ومنزلت کو دوست نہیں کیا دشمنوں کی خواہش کے برعکس آپ ﷺ ہمیشہ آبرو والے ہیں۔ آپ ﷺ دلیروں اور عابدوں کے شفیع ہیں۔ اے فرقہ کج رو! تو کسی نیکی کو نہ پائے۔ اور نہ خدا کسی روز تیرے مریضوں کے دل سیراب کرے اور نہ تو جاہ مصطفٰے سے کبھی فائدہ اٹھائے۔ اور نہ دنیا میں تیرے مددگار دوست فائدہ اٹھائیں۔ اے افضل الرسل اے تمام مخلوقات کے آقا۔ اے تمام انس وملاک سے بہتر! لو میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا

ہوں۔ تاکہ میں آپ ﷺ سے اپنے گناہوں کے سلوک کی شکایت کروں اور آپ ﷺ کی بارگاہ ہی فریاد کرنے والے کا ملجا ہے۔

میرے گناہوں نے مجھے میرے غایت قصد تک پہنچنے سے روک کر اپنے میں پھنسالیا۔ پس وہ میرا جال ہیں۔ پس آپ ﷺ خدا سے میرے لئے مغفرت طلب کیجئے اور آئندہ اس سے حفاظت اور غنا بلا امساک کی دعا کیجئے۔ آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے پروردگار اللہ کی طرف سے درود ہو۔ جیسا کہ ہماری طرف سے آپ ﷺ پر عمدہ پاک سلام ہو۔

(فوات الوفیات۔ جزء ثانی ص ۲۵۱)

۳۳۔ مشہور مؤرخ قاضی عبدالرحمٰن معروف بہ ابن خلدون مالکی (متوفی ۸۰۸ھ) یوں استغاثہ کرتے ہیں۔

هب لی شفاعتك الّتی ارجوبها صفحًا جمیلًا عن قبیح ذنوبی

ان النجاة وان اتیحت لامرئ فبفضل جاهك لیس بالتشبیب

انی دعوتك واثقًا باجابتی یاخیر مدعو و خیر مجیب

"مجھے اپنی شفاعت عطا فرمایئے جس سے میں اپنے برے گناہوں کی معافی کی امید کر سکوں اگر نجات کسی مرد کے لیے مقدر ہے تو وہ آپ کے جاہ کے طفیل سے تشبیب سے نہیں میں آپ کو پکارتا ہوں۔ مجھے قبولیت کا یقین ہے اے خیر مدعو اے خیر مجیب!۔"

(المقالات الوفیہ فی الرد علی الوہابیہ)

۳۴۔ شیخ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۳ھ) یوں عرض کرتے ہیں:

نبی اللّٰه یاخیر البرایا بجاهك تقی فصل القضاء

وارجوا یا کریم العفو عمّا جنّته یدای یارب الحباء

فقل یااحمد بن علی اذهب الٰی دارالنعیم بلاشقاء

(المقالات الوفیہ

"اے اللہ کے نبی اے تمام مخلوق سے بہتر! حضور ہی کی قدر و منزلت کے طفیل قیامت میں میرا بچاؤ ہوگا۔

اے کریم اے صاحب جود و عطاء! میں ان گناہوں کو جو مجھ سے ہوئے ہیں معافی کی امید کرتا ہوں۔ حضور ﷺ فرمادیں کہ اے احمد بن علی جنت میں بغیر مشقت کے چلا جا۔"

(المقالات وفیہ)

۳۵۔ امام عمر بن الوردی یوں عرض کرتے ہیں:

يارب بالهادى البشر محمّد وبدينه العالى على الاديان
ثبّت على الاسلام قلبى واهدنى للحق وانصرنى على الشيطان

"اے میرے پروردگار ہادی بشیر حضرت محمد ﷺ کے طفیل سے اور حضور ﷺ کے دین کی برکت سے جو سب دینوں پر غالب ہے میرے دل کو اسلام پر ثابت رکھ اور حق کی طرف میری رہنمائی کر اور مجھے شیطان پر غلبہ دے۔" (القالات وفیہ)

۳۶۔ مولانا شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ قصیدہ ہمزیہ میں اس طرح استغاثہ فرماتے ہیں:

رسول الله ياخير البرايا نوالك ابتغى يوم القضاء
اذا ما حل خطب مدلهمّ فانت الحصن من كل البلاء
اليك توجّهى وبك استنادى وفيك مطامعى وبك ارتجائى

"اے اللہ کے رسول ﷺ اے تمام خلق سے بہتر قیامت کے دن میں آپ ﷺ کی عطاو بخشش چاہتا ہوں جب کوئی سخت مصیبت پیش آئے تو حضور ﷺ ہی ہر بلا کے بچاؤ کے لیے قلعہ ہیں۔ حضور ﷺ ہی کی طرف میری توجہ ہے اور حضور ﷺ ہی میرا سہارا ہیں اور حضور ﷺ ہی سے بھلائی کی طمع اور حضور ہی سے امید ہے۔"

۳۷۔ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ اطیب النغم کی تضمین میں یوں فرماتے ہیں:

مداروجودالكون فى كل لحظة ومفتاح باب الجودفى كل عسرة
ومتمسك الملهون فى كلّ شدة ومعتصم المكروب فى كلّ غمرة
ومنتجع الغفران من كلّ تائب اليك قدالغين جين ضراعة

"آپ ہر لحظہ وجود عالم کے دارومدار ہیں۔ اور ہر مشکل میں سخاوت کے دروازے کی کنجی ہیں اور ہر شدت میں پریشان بے قرار کی پناہ ہیں۔ اور ہر مصیبت میں آفت رسیدہ کا سہارا ہیں۔ اور ہر ایک توبہ کرنے والے کے لیے بخشش کا وسیلہ ہیں۔ خشوع وخضوع کے وقت آپ ہی کی طرف آنکھ اٹھتی ہے۔"

۳۸۔ استاد کبیر شیخ حمد اللہ شبراوی مصری رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے وقت یوں عرض کرتے ہیں:

يا رسول الله انّى مذنب ومن الجود قبول المذنب
يانبى الله مالى حيلة غير جىّ لك ياخير نبى
عظم الكرب ولى فيك رجاء فيه يارب فرّج كربى

(مقالات وفیہ)

"یا رسول اللہ! میں گنہگار ہوں۔ گنہگار کی عرض کا قبول کرنا جود و کرم ہے۔ یا نبی اللہ یا سید الانبیاء۔ آپ کی محبت کے سوا میرا کوئی حیلہ نہیں۔ میرا اندوہ و غم بڑا ہے۔ مجھے آپ سے امید ہے۔ اے پروردگار! حضور کے طفیل سے میرا غم دور کر دے۔ (مقالات وفیہ)

۳۹۔ حضرت حاجی حافظ شاہ محمد امداد اللہ رحمہ اللہ دربارِ نبوی میں یوں عرض کرتے ہیں:

کرم فرماؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تم — ہمارے جرم و عصیاں پر نہ جاؤ یا رسول اللہ
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر — میری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ
جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں — بس اب چاہو تراؤ یا ڈباؤ یا رسول اللہ

(رسالہ دردنامہ غمناک)

۴۰۔ مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتویؒ یوں عرض کرتے ہیں:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا — نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
یہ ہے اجابت حق کو تری دعا کا لحاظ — قضائے مبرم و مشروط کی نہیں ہے پکار
خدا ترا تو جہاں کا ہے واجب الطاعت — جہاں کو تجھ سے تجھے اپنے حق سے ہے سروکار

(قصائد قاسمی)

حدیث توسل بالعباس کی بحث: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۱۸ھ میں جسے عام الرماۃ کہتے ہیں سخت قحط پڑا۔ چوپائے اور انسان بھوک کی شدت سے مرنے لگے۔ لوگوں نے تنگ آ کر حضرت فاروق اعظمؓ سے استسقاء کے لیے درخواست کی جسے امام بخاری نے یوں نقل کیا ہے:

عن انس بن مالك ان عمر بن الخطّاب رضي اللّٰه عنه كان اذا قحطوا استسقٰى بالعباس بن عبدالمطلب رضی اللّٰه عنه فقال اللّٰهم نتوسّل اليك بنبيّنا صلى اللّٰه عليه وسلّم ستسقينا و انّا نتوسّل اليك بعمّ نبيّنا فاسقينا قال فيسقون۔ (باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

"انس بن مالک سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں میں قحط پڑا۔ عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی اور یوں عرض کیا۔ یا اللہ! ہم تیری جناب میں اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے پس تو ہمیں بارش عطا کر دیتا تھا۔ اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں۔ پس ہمیں بارش عطا کر

(قول راوی) پس بارش ہو رہی تھی۔''

ابن تیمیہ اور ان کے مقلدین نجدیہ کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم نے جو رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت عباسؓ سے توسل کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بعد وفات شریف توسل جائز نہیں۔ ورنہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ ایسا نہ کرتے۔ ابن تیمیہ کا یہ اجتہاد ایجاد بندہ ہے۔ علماء اہل سنت میں سے آج تک کسی نے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حیات و وفات میں اس طرح فرق کرنا کمال درجہ کی شقاوت ہے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ مسئلہ زیارت و توسل کی مخالفت کا خمیازہ جو ابن تیمیہ کو بھگتنا پڑا ہم اس کی طرف پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔ اب ہم حدیث زیر بحث کی نسبت بطریق اختصار حسب ذیل گذارشیں کرتے ہیں۔

صحابہ کرام نے اس دعاء باراں میں نام نامی حضرت عباسؓ کو وسیلہ نہیں بنایا۔ بلکہ یوں عرض کیا کہ اے پروردگار ہم تیری جناب میں اپنے نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ نام نامی لے کر وسیلہ پکڑنا بھی جائز تھا مگر اس موقع پر فاروق اعظمؓ اور دیگر صحابہ کرام کو حضرت عباسؓ کی قرابت نبوی جتلا کر گویا حضور علیہ السلام ہی کا وسیلہ پیش کرنا منظور تھا۔ چنانچہ خود حضرت عباسؓ اپنی زبان مبارک سے اقرار کرتے ہیں جیسا کہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں بدیں الفاظ مذکور ہے:

وفی الحدیث ابی صالح فلما صعد عمرو معه العبّاس المنبر قال عمر اللّٰهم انّا توجهنا الیك بعمّ نبیّك وصنوابیه فاسقنا الغیث ولاتجعلنا من القانطین ثم قال قل یا ابا الفضل العبّاس اللّٰهم لم ینزل بلاء الا بزنب ولم یکشف الا بتوبة فقد توجه بی القوم الیك لمکانی من نبیّك O (الحدیث)

''اور حدیث ابوصالح میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ و عباسؓ منبر پر چڑھے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا اللہ ہم تیری جناب میں تیرے نبی ﷺ کے چچا کو جو بجائے والد نبی ﷺ کے ہیں پیش کرتے ہیں تو ہمیں بارش عطا فرما اور ہمیں ناامید نہ کر۔ پھر کہا اے عباس تم بھی دعا کرو۔ حضرت عباسؓ نے یوں دعا کی۔ یا اللہ! نہیں اتری کوئی بلا مگر گناہ کے سبب سے اور نہیں دور ہوئی مگر توبہ سے۔ اور قوم نے اس واسطے میرا وسیلہ پکڑا ہے کہ میرا تعلق تیرے نبی ﷺ سے ہے۔''

خود عمر فاروق کے بیان سے بھی صاف پایا جاتا ہے کہ یہاں حقیقت میں آنحضرت ﷺ سے توسل ہے۔ حافظ ابن عبدالبر استیعاب میں حضرت عباس بن عبدالمطلب کے حالات میں لکھتے ہیں:

وروینا من وجوه عن عمر انّه خرج یستسقی و خرج بالعبّاس فقال اللّٰهمّ انّا

نتقرّب اليك بعمّ نبيك صلى الله عليه وسلّم و نتشفع به فاحفظ فيه نبيّك صلى الله عليه وسلّم كما حفظت الغلامين لصلاح ابيهما ○ (الحدیث)

"حضرت عمرؓ سے ہمیں کئی وجہ سے روایت پہنچی ہے کہ وہ اپنے ساتھ حضرت عباسؓ کو لے کر نکلے۔ اور عرض کیا۔ یا اللہ! ہم بوسیلہ تیرے نبی ﷺ کے چچا کے تیری جناب میں حاضر ہوتے ہیں اور ان کو اپنا شفیع بناتے ہیں۔ پس تو اس میں اپنے نبی ﷺ کی رعایت کر جیسا کہ تو نے ان دو یتیم بچوں کی رعایت ان کے باپ کی نیکی کے سبب کی (کہ ان کی گرتی دیوار کو سیدھا کھڑا دیا)۔"

حضرت عباسؓ میں آنحضرت کی رعایت کا مطلب یہی ہے کہ قرابت نبوی کو ملحوظ رکھ کر بارش کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرما۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں بھی یہی مضمون تقریباً ان ہی الفاظ میں مذکور ہے۔ عمدۃ القاری میں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب مرتدین کے مقابلہ میں لشکر اسلام کو روانہ کیا تو آپ حضرت عباس کے ساتھ مشایعت کے واسطے شہر سے باہر نکلے اور کہا:

يا عباس استنصر و انا ومن فانى ارجوا ان لا يخيب دعوتك لمكانك من نبى الله صلى الله عليه وسلّم۔

"اے عباس! مدد کی دعا مانگو اور میں آمین کہتا جاؤں۔ کیوں کہ مجھے امید ہے کہ تمہاری دعا بیکار نہ جائے گی بوجہ اس کے کہ تمہارا نبی ﷺ سے تعلق ہے۔"

خلاص کلام یہ کہ حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنانا صرف قرابت نبوی کے سبب سے تھا اور یہ توسل بالنبی ہے ﷺ۔ بایں ہمہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حدیث زیر بحث میں حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عباسؓ کی ذات خاص سے بلا تعلق قرابت نبوی کے وسیلہ پکڑا تو اس سے حضور علیہ السلام کی ذات پاک سے وسیلہ پکڑنے کا انکار نہیں نکلتا۔ حضور ﷺ کے وسیلہ ہونے اور حضور کے ذریعہ سے دعا مانگنے کا ثبوت مطلقاً اسی حدیث میں موجود ہے۔ اب اس مطلق توسل کو کہ عام ہے حالت حیات اور وفات سے، مقید بحالت حیات کرنا اور حالت وفات کی نفی کرنا کس قاعدہ سے ہے۔ اور دلالات اربعہ علم اصول (عبارۃ النص واشارۃ النص والالۃ النص واقتضاء النص) میں سے کون سی دلالت اس نفی توسل پر دلالت کرتی ہے۔ ہرگز کوئی دلالت نفی توسل پر نہیں کرتی۔ یہ اجتہاد بے بنیاد کسی علمی قاعدے پر مبنی نہیں۔ کیوں کہ اگر مثلاً ایک شخص میں ایک وصف پایا جائے تو وہ دوسرے شخص میں ان وصف کے نہ پائے جانے کی دلیل نہیں کر سکتا۔ پس اس صورت میں حدیث زیر بحث سے توسل بالنبی ﷺ کے علاوہ اہل بیت و دیگر صلحاء امت سے توسل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے مختلف اوقات میں ہر دو طریق پر

عمل کیا ہے۔ یہاں نجدیہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس موقعہ پر صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ (جو افضل ذریعہ ہیں) کو چھوڑ کر دوسرا وسیلہ کیوں اختیار کیا۔ اس کا جواب کئی طرح سے دیا گیا ہے۔

اولاً۔ حافظ ابن عبدالبر استیعاب (ترجمہ عباس بن عبدالمطلب) میں یوں لکھتے ہیں:

قال ابو عمر و کان سبب ذلك ان الارض اجدبت اجدابًا شدیدًا علی عهد عمر زمن الرمادة و ذلك سنة سبع عشرة فقال کعب یا امیر المؤمنین ان بنی اسرائیل کانوا اذا اصابهم مثل هذا استسقوا العصبة الانبیاء فقال عمر هذا عمّ رسول الله ﷺ و صنوابیه و سیّد بنی هاشم فمشی الیه عمر و شکا الیه ما فیه الناس من القحط ثمّ صعدالمنبر و معه عبّاس۔ الخ

"ابو عمرؒ نے کہا کہ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں عام الرمادۃ میں سخت خشک سالی تھی۔ اور یہ ۱۷ھ تھا۔ حضرت کعبؓ نے کہا۔ اے امیر المومنین بنی اسرائیل میں جب ایسا قحط پڑتا تھا تو وہ پیغمبروں کی ایک جماعت کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا اور بمنزلہ والد نبی اور سید بنی ہاشم ہیں۔ پس حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے قحط کی شکایت کی جس میں لوگ مبتلا تھے۔ پھر منبر پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت عباسؓ بھی تھے۔

پس یہاں بھی قرابت نبوی کی وجہ سے توسل ہے جو توسل بالنبی ہے ﷺ۔

ثانیاً۔ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی جوہر معظم ص ۷۷ میں فرماتے ہیں:

و کان حکمة توسّله به دون النبی ﷺ و قبره اظهار غایة التواضع لنفسه و ارفعة لقرابة النّبی فقی توسّله به توسّل بالنبی ﷺ و زیادة۔

"گویا نبی ﷺ اور آپ کی قبر شریف کو چھوڑ کر حضرت عباسؓ سے توسل کرنے میں حکمت بمقابلہ حضرت عباسؓ اپنی تواضع کا ظاہر کرنا اور قرابت نبوی کی رفعت کا اظہار تھا۔ پس حضرت عباسؓ سے توسل توسل بالنبی ﷺ ہے۔ اور زیادت ہے۔"

ثالثاً۔ شیخنا العلامہ مولانا مشتاق احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ دفع التامل عن التوسل بسید الرسل ص ۷۱ میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

یہ علم کلام کا مسئلہ مسلمہ ہے کہ ولی کی کرامت اس نبی ﷺ کا معجزہ ہے جس کی امت میں وہ ولی ہے۔ یہ جو کرامت حضرت عباسؓ سے اس موقع استسقاء پر ظاہر ہوئی کہ ان کی دعا سے مینہ برسا، یہ معجزہ رسول اکرم ﷺ کا ہوا۔ یہاں افضل ذریعہ کو صحابہ نے چھوڑا نہیں بلکہ اور زیادہ فضیلت کو جتلا دی اور جتلا

دیا کہ ہمارے پاس اپنا افضل ذریعہ ہے جس کے ادنیٰ خادموں یا جس کے قرابت داروں کے وسیلہ بنانے سے خداوند کریم دعا قبول فرمالیتا ہے۔ انتہیٰ

ان نجدیہ سے پوچھنا چاہیے کہ تمہارا دعویٰ توسل بالحدیث ہے۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ قیامت کے دن سب لوگ بغرض شفاعت دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس یکے بعد دیگر جائیں گے۔ پھر اخیر میں حضور سید المرسلین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ شفاعت عظمیٰ کے بعد جو حضور علیہ السلام سے مختص ہے۔ علماء اور شہداء امت بھی گنہگاروں کے لیے جو دوزخ میں ہوں گے شفاعت فرمائیں گے۔ پس وہاں افضل ذریعہ چھوڑ کر دوسرے وسیلہ کیوں اختیار کیے جائیں گے۔ اس حدیث تو ظاہر ہے کہ افضل ذریعہ کی موجودگی میں دیگر وسائل اختیار کرنا جائز ہے۔ غرض توسل بالنبی ﷺ جائز، توسل باہل البیت والصلحاء جائز۔ ایک وقت میں ہر دو معاً جائز اور مختلف اوقات میں علیحدہ علیحدہ بھی جائز ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال شریف کے بعد صحابہ کرام کو کئی موقعوں پر توسل کی ضرورت پڑی ہے۔ جن میں سے استغاثہ و توسل زیر بحث ایک مثال ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انہوں نے ایسے مواقع پر کس طرح توسل کیا ہے۔ اس کتاب میں ایسی دس مثالیں پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ جن کا ماحصل ہم یہاں بالترتیب دہراتے ہیں۔

۱۔ حضور اقدس ﷺ کا وصال شریف ہو چکا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ چہرہ مبارک سے چادر اٹھا کر یوں پکارتے ہیں:

اذكرنا يا محمّد عند ربّك ولنكن من بالك۔

''اے محمد ﷺ ہمیں اپنے پروردگار کے پاس یاد کرنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا۔''

۲۔ دفن شریف کے تیسرے روز ایک اعرابی مزار مقدس پر حاضر ہو کر عرض کرتا ہے۔ ''یارسول اللہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ ﷺ میرے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں''۔ قبر شریف سے آواز آئی تجھے بخش دیا گیا۔

۳۔ عہد فاروقی میں قحط پڑا۔ حضرت بلال بن حارث صحابی مزار شریف پر حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں۔ یارسول اللہ! آپ ﷺ کی امت ہلاک ہو رہی ہے۔ بارش کی دعا فرمائیں۔ حضور ﷺ خواب میں حضرت بلالؓ سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے میرا اسلام کہو اور بارش کی بشارت دو۔ اور ان سے یہ بھی کہہ دو کہ دین میں نرمی اختیار کریں۔ چنانچہ بلالؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ خبر سنائی، آپ سن کر رو پڑے۔ اگر بعد وفات شریف توسل جائز نہ ہوتا تو امیر المومنین ضرور منع کرتے۔

۴۔ ایک سال مدینہ منورہ میں قحط پڑتا ہے لوگ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فریاد کرتے ہیں۔ حضرت

ممدوحہ فرماتی ہیں کہ روضہ شریف پر حاضر ہو کر ایک روشندان آسمان کی طرف کھول دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ اور خوب بارش ہوتی ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے اس توسل پر اعتراض نہ کیا۔ بلکہ بعد میں یہ طریق توسل اہل مدینہ میں جاری رہتا ہے۔ حضرت صدیقہؓ کی علمی قابلیت محتاج بیان نہیں۔ اگر وفات شریف کے بعد توسل ناجائز ہوتا تو صحابہ کرام سکوت نہ فرماتے۔ یہ جواز توسل پر اجماع سکوتی ہے۔

۵۔ عہد فاروقی میں عام الرمادہ ہی کا واقعہ ہے کہ حضرت بلال بنؓ حارث صحابی اپنے اہل خانہ کے اصرار پر ایک بکری ذبح کرتے ہیں۔ کھال اتارنے پر سرخ ہڈیاں نظر آئیں تو یوں پکارتے ہیں۔ یا محمداہ۔

۶۔ عہد فاروق ہی میں ۱۵ھ میں مسلمانوں کا مقابلہ یوقنا حاکم حلب کے لشکر جرار سے ہوتا ہے۔ حضرت کعب بن حمزہؓ لشکر اسلام کے بچانے کے لیے بے چین ہو رہے ہیں۔ اور یوں پکار رہے ہیں۔

یا محمّد یا محمّد یا نصر اللّٰہ انزل۔

ترجمہ: ''یا محمد! یا محمد! اے نصرت الٰہی! نزول فرمائیے''

اس لشکر اسلام میں کس قدر صحابہ شامل ہوں گے۔ مگر کسی نے اس استغاثہ پر اعتراض نہیں کیا۔

۷۔ ۱۳ھ میں حضرت عمر فاروقؓ اپنا خط عبداللہ بن قرط صحابی کے ہاتھ حضرت عبیدہ بن الجراح کے نام یرموک بھیجتے ہیں۔ اور بوسیلۂ حضور رسول اکرم ﷺ سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ جاتے وقت حضرت عبداللہؓ روضہ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں۔ وہاں آپ کی درخواست پر حضرت عباسؓ و حضرت علیؓ روضہ شریف پر ہاتھ اٹھا کر یوں کرتے ہیں:

اللّٰھم انّا نتوسل بھذا النبی المصطفٰے والرسول المجتبیٰ۔ الخ

ترجمہ: یا اللہ! ہم اس نبی مصطفٰے و رسول مجتبیٰ کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں۔ الخ۔

اس موقع پر حضرات حسنینؓ و حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی اس دعا میں شریک ہیں اس کے بعد حضرت علیؓ حضرت عبداللہؓ سے فرماتے ہیں کہ اب جائیے۔ اللہ تعالیٰ عمرؓ و عباسؓ و علیؓ و حسنؓ و حسینؓ و ازواج رسول اللہ کی دعا کو رد نہ کرے گا۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑا ہے جو اکرم الخلق ہیں۔

۸۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سو گیا۔ آپ پکارتے ہیں یا محمد ﷺ! اور خوابیدگی دور ہو جاتی ہے۔

۹۔ ایک شخص کسی حاجت کے لیے بار بار حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ مگر حضرت خلیفہ توجہ نہیں فرماتے۔ حضرت عثمان بن حنیف صحابی اس شخص کو وہ طریق توسل بتاتے ہیں جو خود حضور رسول

اکرم ﷺ نے ایک نابینا کو بتایا تھا جس میں یہ الفاظ ہیں:

اللّٰھم انّی اسئلك و اتوجّہ الیك بنبیّك محمّد نبیّ الرّحمة یا محمّد انّی اتوجّہ باك الٰی ربّك ان تقضی حاجتی۔

''وہ شخص اس پر عمل کرتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے یہی عمل آج تک مشائخ امت میں جاری ہے۔''

۱۰۔ بنو عامر (قبیلہ حضرت نابغہ جعدی) بصرہ میں کھیتوں میں اپنے مواشی چرایا کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی ابوموسیٰ اشعری کو ان کے طلب کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ حضرت نابغہ اپنی قوم کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰؓ ان کو تازیانے لگاتے ہیں۔ حضرت نابغہ صحابی اس تشدد کی فریاد آنحضرت ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے یوں کرتے ہیں:

فیا قبر النبیّ و صاحبیہ۔ الایا غوثنا لو تسمعونا۔

''پس اے قبر نبی ﷺ کی اور آپ کے دو صحابہ کی دیکھنا اے ہمارے فریادرس کاش آپ سنیں۔''

میں نے یہ مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس واسطے دہرائی ہیں کہ مومنوں کے ایمان کو تازگی بخشتی ہیں۔ اس عشرہ کاملہ کے علاوہ قرآن کریم کی دو آیتوں سے توسل زیر بحث کا ثبوت۔ خود حضور اکرم ﷺ کا انبیائے سابقین علیہم السلام سے توسل۔ حضرات تابعین کا توسل بالنبی ﷺ۔ اعرابی کا قصہ بروایت امام عتبی (متوفی ۲۲۸ھ) جسے علماء مذاہب اربعہ نے آداب زیارت میں شمار کیا ہے۔ پھر اس زمانے تک توسل کی اور چالیس مثالیں۔ یہ سب کچھ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ زیادہ کی ضرورت نہیں۔

قارئین کرام! غور کا مقام ہے۔ حضور رسول اکرم ﷺ ابتداء آفرینش سے تا قیامت واسطہ و وسیلہ و ذریعہ ہیں۔ چنانچہ خلق عالم میں آپ ﷺ ہی واسطہ تھے۔ عالم ارواح میں انبیاء کرام کی روحوں نے جو علوم و معارف حاصل کیے وہ آپ ﷺ ہی کے واسطہ و ذریعہ سے کیے۔ اس عالم میں انبیاء کرام کو جو مشکلات پیش آئیں اور جو انعامات الٰہی ان پر ہوئے ان مشکلات کا حل اور ان انعامات کا حصول آپ ﷺ ہی کے واسطہ سے تھا۔ دنیا میں وجود عنصری کے ساتھ تشریف لانے پر خالق و مخلوق میں واسطہ آپ ﷺ ہی کی ذات اقدس تھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ''دیتا خدا ہے، بانٹتا میں ہوں''۔ صحابہ کرام قضائے حاجات کے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں آپ ﷺ ہی کا واسطہ پیش کیا کرتے تھے۔ وفات شریف کے بعد زمانہ صحابہ کرام سے آج تک ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے اور تا قیامت رہے گا۔ عرصات قیامت میں تمام امتوں کی مشکل کا حل آپ ﷺ ہی کے واسطہ سے ہوگا۔ اندریں حالات منکرین کا توسل بعد الوفات سے انکار نہایت حیرت انگیز ہے۔ حضور علیہ السلام اپنی قبر شریف میں بحیات حقیقیہ دنیویہ زندہ ہیں۔ آپ ﷺ کے تصرفات بدستور جاری ہیں اسی واسطے آپ ﷺ کی امت میں

قطب واوتاد وابدال تا قیامت رہیں گے۔آپ ﷺ کی دنیوی زندگی میں جس اعلیٰ وصف کے سبب سے آپ ﷺ سے توسل کیا جاتا تھا وہ وفات شریف کے بعد بھی بدستور ثابت ہے کیوں کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔

اسی طرح وصف رحمتہ للعالمین بھی بعد الوفات آپ ﷺ میں موجود ہے کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ میری حیات اور میری ممات دونوں تمہارے واسطے بہتر ہیں۔جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بایں ہمہ آپ ﷺ کی حیات وممات میں فرق کرنا اور توسل بعد الوفات کا انکار کرنا یقیناً حرمان وشقاوت کی علامت ہے۔اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔بجاہ حبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

اس کتاب میں شفاعت کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۴۔ **عرصات قیامت میں شفاعت وتوسل:** شفاعت کے جس قدر انواع ہیں وہ سب حضور سید المرسلین ﷺ کے لیے ثابت ہیں۔جن میں سے بعض حضور ﷺ سے مختص ہیں اور بعض میں مشارکت ہے۔قیامت میں سب سے پہلے جو باب شفاعت کھولیں گے وہ آنحضرت ﷺ ہوں گے۔ اس لیے حقیقت میں تمام شفاعتیں حضور ہی کی طرف راجع ہیں اور حضور ہی صاحب شفاعت علی الاطلاق ہیں۔وہ انواع حسب ذیل ہیں:

1- شفاعت عظمیٰ ہے جو تمام خلائق کو عام ہے۔اور حضور ﷺ کو مختص ہے۔میدان حشر میں طول وقوف کے سبب سے سب لوگ گھبرا جائیں گے اور بغرض شفاعت انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس یکے بعد دیگر جائیں گے۔مگر سب کی طرف سے یہی جواب ملے گا کہ ہم اس کے اہل نہیں۔آخر کار حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں گے اور حضور ﷺ انا لہا (میں اس کا اہل ہوں) فرماتے ہوئے بارگاہِ رب العزت میں طول وقوف سے نجات اور تعجیل حساب کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔

2- ایک جماعت کے حق میں بغیر حساب بہشت میں داخل ہونے کے لیے شفاعت ہوگی۔چنانچہ حضور علیہ السلام کی شفاعت سے ستر ہزار آدمی بے حساب بہشت میں جائیں گے۔ان ستر ہزار کے ساتھ اور بہت سے بھی بے حساب جنت میں چلے جائیں گے۔بعض کے نزدیک یہ نوع بھی آنحضرت ﷺ سے مخصوص ہے۔

3- وہ اقوام جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں۔شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔

4- جو لوگ دوزخ کے مستحق ومستوجب ہیں وہ حضور ﷺ کی شفاعت سے بہشت میں چلے جائیں گے۔

5- ایک جماعت کے رفع درجات کے لیے حضور ﷺ شفاعت فرمائیں گے۔

6- گنہگار لوگ جو دوزخ میں ہوں گے وہ شفاعت سے نکل آئیں گے۔ یہ شفاعت تمام انبیاء و ملائکہ وشہداء میں مشترک ہے۔

7- استفتاح جنت کے لیے شفاعت ہوگی۔

8- جو لوگ عذاب دائمی کے مستحق ہوں گے ان (میں سے بعض) کے عذاب میں تخفیف کے لیے ہوگی۔

9- خاص اہل مدینہ کے لیے ہوگی۔

10- آنحضرت ﷺ کے روضہ شریف کے زائرین کے لیے ہوگی۔ (اشعۃ اللمعات جلد رابع ص ۴۰۴)

اب اخیر میں توکلی مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے روتا ہوا دربار رسالت مآب میں یوں عرض کر رہا ہے:

''یا رسول اللہ! قیامت میں اس مسکین، عاجز، بے نوا، سراپا گناہ محمد نور بخش توکلی کی شفاعت فرما دیجیے گا''۔

هذا اخر الكلام في سيرة خير الانام۔ عليه الف الف تحية وسلام۔

رَبِّ تَقَبَّلْ مِنِّىْ هٰذِهِ الْهَدِيَّةَ الطَّفِيْفَةَ۔ لِجَنَابِ حَبِيْبِكَ الْخَصِيْبِ عَلَيْهِ اُلُوْفُ الصَّلٰوةِ وَالتَّحِيَّةِ۔ وَاجْعَلْهَا اِلٰى حُصُوْلِ رِضَاكَ وَنَيْلِ شَفَاعَتِهٖ وَسِيْلَةً۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَّبِعِيْنَ لِشَرِيْعَتِهِ الْمُتَّصِفِيْنَ بِمَحَبَّتِهِ الْمُحْتَدِيْنَ بِهَدْيِهٖ وَسِيْرَتِهٖ۔ وَتَوَفَّنِىْ عَلٰى سُنَّتِهٖ وَمِلَّتِهٖ وَلَا تَحْرِمْنِىْ فَضْلَ شَفَاعَتِهٖ۔ وَاحْشُرْنِىْ فِىْ اَتْبَاعِهِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ۔ وَاَشْيَاعِهِ السَّابِقِيْنَ وَاَصْحَابِ الْيَمِيْنِ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِشُيُوْخِىْ وَلِسَآئِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ بِرَحْمَتِكَ يَآ رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ يَا غَفَّارُ يَا وَهَّابُ۔ هٰذَا وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَوْلِيَآءِ اُمَّتِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ O

❀❀❀❀

حواشی

حوالہ جات (باب پہلا)

(۱) مصنف عبدالرزاق (متوفی ۲۱۱ھ) کے بروایت حضرت جابر بن عبداللہ انصاری۔ (۲) ترمذی شریف (۳) اس آیت کا ترجمہ یوں ہے "اور جب لیا اللہ نے اقرار پیغمبروں کا کہ البتہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب وحکمت سے پھر آوے تمہارے پاس رسول سچا کرنے والا اس چیز کو کہ تمہارے ساتھ ہے البتہ تم ایمان لاؤ گے اس پر اور البتہ مدد دو گے اس کو۔ کہا خدا نے کیا اقرار کیا تم نے اور لیا اس پر عہد میرا۔ کہا انہوں نے اقرار کیا ہم نے۔ فرمایا خدا نے تم گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔ انتہی (آل عمران رکوع ۵)۔ (۴) بلکہ لایا ہے حق کو سچا کیا ہے پیغمبروں کو (صافات رکوع ۲)۔ (۵) وفاء الوفاء فی فضائل المصطفیٰ لابن الجوزی۔ (۶) خصائص کبریٰ للسیوطی بحوالہ حاکم وطبرانی۔ (۷) مجموعہ قصائد ص ۴۰۔

حوالہ جات (باب دوسرا)

(۱) قصی کے حالات کے لئے دیکھو سیرت ابن ہشام اور سیرت حلبیہ۔ (۲) رفادت حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا سقایت حاجیوں کو آب زمزم پلانا۔ (۳) کامل ابن اثیر و سیرت حلبیہ۔ (۴) سلمی ہاشمی سے پہلے احیحہ بن جلاح کے تحت میں تھی۔ جس سے عمرو بن احیحہ پیدا ہوا۔ (۵) یہ شہر مصر کی طرف اقصائے شام میں واقع ہے۔ مطلب نے رومان میں عبد شمس نے مکہ میں اور نوفل نے سلمات میں وفات پائی جو عراق سے مکہ کے راستے میں ایک قطعہ آب ہے۔ (۶) ان کے حالات کے لئے دیکھو سیرت ہشامیہ اور سیرت نبویہ للسید احمد زینی المشہور بدحلان۔ (۷) استیعاب ابن عبدالبر۔ (۸) بقول واقدی حارث کی ماں کا نام صفیہ بنت جندب ہے اور اروی حارث کی سگی بہن ہے۔ (۹) صحیح بخاری کتاب النکاح باب وامھتکم التیٰ ارضعنکم نیز زرقانی علی المواہب (جز اول ص ۳۸) چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ ان حکمرانوں کے نام یہ ہیں۔ نوشیرواں، ہرمز بن نوشیرواں، خسرو پرویز بن ہرمز، شیرویہ بن خسرو پرواز ارشیر بن شیرویہ شہریار یا شہریراز کسریٰ بن شیرویہ (بقول بعض بن پرویز) ملکہ بوران، ہمشیرہ شیرویہ فیروز خشنش، ارزمیدمنت ہمشیرہ شیرویہ، خرزاد خسروانہ اولاد، پرویز بن ہرمز، ابن مہر جنس از نسل اردشیر بن بابک، فیروز بن مہران جنس یزد بن شہریار بن پرویز۔ (۱۰) مواہب زرقانی۔ (۱۱) ابن سعد وابونعیم وغیرہ۔ (۱۲) ترمذی شریف۔ (۱۳) کیا راندہ قوم کتا تیرے قافلہ کو پناہ دے گا؟ دیکھو عقد الفرید لابن عبدربہ۔ (۱۴) اور میں تیر اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دے رہا تھا۔ (۱۵) اعلام باعلام بیت اللہ الحرام للعلامۃ قطب الدین الحنفی ص ۱۴۔ (۱۶) شرعی گز ۲۴ انگل کا ہوتا ہے۔ (۱۷) (تفصیل

اعلام باعلام بیت اللہ الحرام میں ہے بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حجر کو حطیم نہ کہنا چاہئے کیونکہ یہ نام ایام جاہلیت میں وضع ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ ایام جاہلیت میں وہاں باہم قسم کھایا کرتے تھے اور عقد حلف کی علامت یہ ہوا کرتی تھی کہ معاہدین اپنا جوتا یا چابک یا کمان حجر کی طرف پھینک دیا کرتے تھے۔ اس واسطے حجر کو حطیم کہا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

حوالہ جات (باب تیسرا)

(۱) یہ خاکہ ابوالمنذر ہشام کلبی (متوفی ۲۰۴ھ) کی تصنیف کتاب الاصنام سے ماخوذ ہے جو مصر میں ۱۳۴۳ھ میں چھپ چکی ہے۔ (۲) طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی مطبوعہ بیروت ۱۹۱۲ء ص ۴۳۔ (۳) معجم البلدان یاقوت حموی۔ تحت انواط۔ (۴) سیرت ابن ہشام۔ قصہ اصحاب الاخدود (۵) مذہب واخلاق کی انسائیکلو پیڈیا۔ تحت عرب قدیم۔ (۶) حواۃ الحیوان للدمیری (جز اول ص ۱۶۹) بحوالہ بصائر القدماء وسرالحکماء للشیخ ابی حیان التوحیدی المتوفی ۳۸۰ھ (۷) کشف الغمہ الملقب الشعرانی جز ثانی ص ۵۶۔ (۸) شرح فقہ اکبر لعلی القاری۔ (۹) تفصیل کے لئے صحیح بخاری کتاب التفسیر دیکھو۔ (۱۰) صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ شعراء۔ (۱۱) سیرت ابن ہشام (۱۲) سیرت ابن ہشام (۱۳) سیرت ابن ہشام (۱۴) صحیح بخاری کتاب الاجہاد۔ باب طرح جیف المشرکین فی البشر۔ (۱۵) سیرت ابن ہشام (۱۶) صحیح بخاری، مناقب ابوبکر۔ (۱۷) مشکوٰۃ شریف بحوالہ شرح السند باب المصافحہ والمعانقہ۔ (۱۸) تفصیل کے لئے دیکھو صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ۔ (۱۹) سیرت ابن ہشام۔ (۲۰) خصائص کبریٰ للسیوطی بحوالہ بیہقی وابونعیم۔ (۲۱) صحیح بخاری۔ باب نزول النبی ﷺ مکہ۔ (۲۲) سیرت ابن ہشام۔ (۲۳) سیرت ابن ہشام۔ (۲۴) سیرت ابن ہشام۔ (۲۵) یہ مقام موصل سے چھ دن کا راستہ ہے۔ اور موصل سے شام کو قافلہ کا راستہ ہے اس پر واقع ہے۔ (۲۶) اخشبین دو پہاڑ ہیں۔ جن کے درمیان مکہ مشرفہ واقع ہے ان کے نام یہ ہیں۔ ابوقبیس اور تعیقعان۔ (۲۷) صحیح و بخاری و صحیح مسلم۔ (۲۸) اس بیعت کے حالات سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہیں۔

حوالہ جات (باب چوتھا)

(۱) سیرت ابن ہشام۔ خبر، دارلندوہ۔ (۲) قصد ہجرت کے لئے دیکھو صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ (۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان اونٹنیوں کو چار ماہ سے ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کیا تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ (۴) سیرت ابن ہشام۔ (۵) معجم البلدان لیاقوت الحموی۔ تحت۔ حزورہ۔ (۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر۔ (۷) مشکوٰۃ شریف

باب فی المعجزات فصل ثالث۔ (۸) صحیح بخاری باب علامات النبوت فی الاسلام۔ نیز باب مناقب المہاجرین وفضلہم۔ (۹) آپ کو اپنے پروردگار پر اعتماد تھا اس لئے آپ کو سراقہ کی کچھ پروا نہ تھی حضرت صدیق اکبر کو اپنا تو خیال نہ تھا مگر محبت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا بڑا خیال تھا۔ اس لئے از روئے شفقت پیچھے دیکھتے تھے کہ سراقہ کی طرف سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ (۱۰) صحیح بخاری۔ باب الہجرۃ الی المدینہ۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے سراقہ سے فرمایا کیف بك اذا بست سواری کسری۔ (تیرا کیا حال ہوگا جب تو کسری کے دو کنگن پہنایا جائے گا) جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین وطائف سے واپس ہوئے تو جعرانہ میں سراقہ نے وہ فرمان امن پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ آج وفا واحسان کا دن ہے۔ سراقہ آگے بڑھے اور ایمان لائے۔ جب عہد فاروقی میں ایران فتح ہوا۔ اور کسری ہرمز کے کنگن حضرت فاروق کے ہاتھ آئے تو آپ نے قول رسول کریم ﷺ کی تصدیق وتحقیق کے لئے وہ کنگن سراقہ کو پہنا دیئے اور فرمایا۔ الحمد لله الذی سلبهما کسری والبسهما سراقه۔ (یعنی سب ستائش اللہ کو ہے جس نے کسریٰ جیسے عثمان عجم کے کنگن چھین کر سراقہ جیسے غریب بدوی کو پہنا دیئے۔ سراقہ نے ۲۴ھ میں بعہد حضرت عثمان غنی وفات پائی۔ (۱۱) مشکوۃ باب فی المعجزات فصل ثالث۔ (۱۲) استیعاب لابن عبدالبر وفاء الوفا للسمہودی۔ (۱۳) اصابہ للحافظ ابن حجر۔ ترجمہ شموس بنت نعمان۔ نیز وفاء الوفاء۔ (۱۴) وفاء الوفاء جز اول ص ۱۸۱۔ (۱۵) زاد المعاد وفاء الوفاء۔ (۱۶) مرقات شرح مشکوۃ جزو خامس ص ۴۸۶ عینی شرح صحیح بخاری۔ جزء ثانی ص ۶۱۳۔ (۱۷) مشکوۃ بحوالہ ترمذی۔ (۱۸) جب آنحضرت ﷺ غزوہ دومۃ الجندل کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کی غیر حاضری میں حضرت ام سلمہ نے اپنا حجرہ بھی پکی اینٹوں کا بنالیا۔ آپ نے واپسی پر دریافت فرمایا کہ یہ عمارت کیسی ہے؟ ام سلمہ نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ میں نے یہ اس لئے بنالیا کہ لوگوں کی نظر نہ پڑے آپ نے فرمایا۔ ''ام سلمہ مسلمان کے مال کا برا مصرف عمارت ہے'' وفاء الوفاء جز اول صفحہ ۳۲۷۔ (۱۹) الادب المفرد للبخاری صفحہ ۸۸۔ (۲۰) اس ارتفاع میں بظاہر تین ہاتھ کی بنیاد محسوب ہے (واللہ اعلم بالصواب ۱۲) (۲۱) تعمیر مسجد ومکانات کی تفصیل کے لئے دیکھو صحیح بخاری اور وفاء الوفاء۔ (۲۲) معجم البلدان للحموی تحت مدینہ یثرب۔ زیادہ تفصیل وفاء الوفاء میں ہے۔ (۲۳) صحیح بخاری کتاب باب الصلوۃ علی الفراش۔ (۲۴) استیعاب واصابہ ترجمہ سراج التمیمی۔ (۲۵) صحیح بخاری کتاب المناقب۔ باب اخاء النبی ﷺ بین المہاجرین والانصار۔ (۲۶) صحیح بخاری۔ ابواب الحرث والمزارعۃ۔ (۲۷) صحیح بخاری کتاب المناقب باب ویؤثرون علی انفسهم۔ (۲۸) زرقانی علی المواہب۔ غزوہ بنی نضیر بحوالہ اکلیل حاکم نیشاپوری۔ نیز دیکھو فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر صفحہ ۲۶۔ (۲۹) صحیح بخاری کتاب الجہاد۔ باب ما اقطع النبی

ﷺ من البحرین وما وعد من مال البحرین والجزیہ۔ یہ حدیث کتاب المناقب اور کتاب المساقات میں بھی وارد ہے۔ (۳۰) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب رد المهاجرين الى الانصار منائحهم من الشجر والثمر حين استغنوا عنها بالفتوح۔ (۳۱) صحیح بخاری کتاب المغازی۔ باب ذکر النبی ﷺ ومن يقتل ببدر۔ (۳۲) ابواء ایک قریہ ہے جو جحفہ سے ۲۳ میل ہے یہاں آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر ہے۔ (۳۳) بواط ایک پہاڑ کا نام ہے جو ینبع سے ایک دن کی راہ۔ (۳۴) ذوالعشیرہ مکہ مدینہ کے درمیان میں ینبع کے نواح میں واقع ہے۔ (۳۵) یہ مقام مکہ و طائف کے درمیان مکہ سے ایک دن کی راہ ہے۔ (۳۷) عمرو بن حضرمی کا باپ عبداللہ حضرمی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا حرب بن امیہ کا حلیف تھا اور حرب قریش کا رئیس تھا اور عثمان و نوفل حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا مغیرہ کے بیٹے تھے جو روسا قریش کے زمرہ میں شمار ہوتا تھا۔ (۳۸) طبقات ابن سعد واستعیاب واصابہ ترجمہ عمیر بن ابی وقاص۔ (۳۹) حدیث کعب بن مالک میں ہے انما خرج النبی ﷺ يريد عير قريش حتى جمع الله بينه وبينهم على غير ميعاد۔ (یعنی آنحضرت ﷺ صرف قافلہ قریش کے قصد سے نکلے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق کو اچانک مقابل کر دیا، یہ حدیث صحیح بخاری مسلم میں ہے اور قرآن کریم کی آیت ذیل کی صحیح تفسیر ہے اور اگر آپس میں تم وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدے پر۔ لیکن اللہ کو کر ڈالنا تھا ایک امر کا جو ہو چکا تھا۔ حدیث کعب کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں۔ جو اسی مضمون کی تائید کرتی ہیں۔ (۴۰) صحیح مسلم کتاب الجہاد۔ باب سقوط فرض الجہاد عن المعذورین۔ حدیث انس بن مالک۔ (۴۱) بدر سے ۳۶ میل ہے۔ (۴۲) بدر سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ (۴۳) مقام روحاء تک حضرت مرثد کی جگہ حضرت ابولبابہ تھے۔ جب حضور اقدس ﷺ کی باری پیدل چلنے کی آتی تو حضرت علی و ابولبابہ عرض کرتے کہ آپ سوار ہو لیں ہم بجائے آپ کے پیدل چلتے ہیں مگر حضور فرماتے تم پیدل چلنے پر مجھ سے زیادہ قادر نہیں ہو اور نہ میں تمہاری نسبت اجر کا کم خواہاں ہوں طبقات ابن سعد۔ غزوہ بدر۔ (۴۴) سیرت ابن ہشام۔ (۴۵) صحیح بخاری باب ذکر النبی ﷺ من يقتل ببدر۔ (۴۶) سیرت ابن ہشام۔ (۴۷) قرآن مجید کی آیت ذیل میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور جس وقت سنوار نے لگا شیطان ان کی نظر میں ان کے کام اور بولا کوئی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن اور میں رفیق ہوں تمہارا۔ (۴۸) اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ کو مناخ بولتے ہیں۔ (۴۹) طبقات ابن سعد غزوہ بدر۔ (۵۰) جحفہ مدینے کے راستے میں مکہ سے تین چار منزل ہے اور غدیر خم سے دو میل اور ساحل بحر سے قریباً تین منزل ہے۔ معجم البلدان لیاقوت الحموی۔ (۵۱) کامل لابن الاثیر غزوہ بدر۔ بدر مواسم عرب میں ایک موسم بھی تھا جہاں ہر سال ایک دفعہ میلا لگا کرتا تھا حضور اقدس ﷺ نے بدر پہنچنے کے لئے جو راستہ

اختیار فرمایا تھا وہ روحاء میں سے تھا۔ روحاء اور مدینے کے درمیان چار دن کا رستہ ہے۔ پھر روحاء سے منصرف ایک برید۔ پھر ذات اجذال ایک برید پھر معاملات ایک برید پھر اثیل ایک برید اور اثیل سے بدر دو میل طبقات ابن سعد۔ (۵۲) قرآن کریم کی آیت ذیل میں اسی طرف اشارہ ہوا ہے اور مت ہو کہ جیسے نکلے وہ لوگ اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو دکھاتے اور روکتے اللہ کی راہ سے۔ اور اللہ کے قابو میں ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اس کا اصل نام ابی تھا مگر جب بنو زہرہ کو لوٹا لے گیا تو کہا گیا نفس بہم (وہ ان کی واپس لے گیا) لہٰذا اس کو اخنس کہنے لگے (طبقات ابن سعد) اس کے اسلام میں اختلاف ہے۔ دیکھو اصابہ فی تمیز الصحابہ۔ (۵۳) طبقات ابن سعد۔ مگر ضرب الامثال للبدانی میں ہے کہ ابو سفیان کا یہ خطاب بنو زہرہ سے تھا اور اسی نے لکھا ہے کہ یہ مثل سب سے پہلے ابوسفیان کی زبان سے نکلی تھی۔ بقول اصمعی اسے ایسے مقام پر بولا جاتا ہے جہاں کسی شخص کی قدر ے تحقیر و تصغیر منظو ہو۔ (۵۴) سورۃ الانفال رکوع اول میں ہے۔ کما اخرجك ربك من بيتك بالحق الايه۔ ۵ تا ۱۱۔ بعض نے پانچویں آیت میں وان فریقا من المومنین لکرھون کو حال حقیقیہ سمجھ کر کہا ہے کہ مدینہ سے نکلے اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت ایک ہی تھا۔ اور ساتویں آیت واذ یعدکم اللہ کی رو سے دو فریق (کاروان تجارت و فوج قریش) میں سے ایک کا وعدہ بھی مدینہ ہی میں تھا مگر یہ درست نہیں کیونکہ جملہ وان فریقا حال حقیقیہ نہیں بلکہ مقدرہ ہے جیسا کہ تمام کتب تفسیر میں مذکور ہے اور واذ یعدکم میں واؤ عاطفہ نہیں بلکہ استیناف ہے اور اذ ظرف ہے فعل مضمر اذکروا کا نہ کہ اخرجک کا اس میں شک نہیں کہ نویں آیت (اذ تستغیثون) میں اور گیارہویں آیت (اذ یغشیکم النعاس) میں اذ بدل ہے اذ یعدکم سے پس بنابر تقریر بعض مذکور خروج من البیت وعدہ احدی الطائفتین استغاثہ مسلمین نیند کا طاری ہونا اور مینہ کا برسنا یہ سب مدینہ ہی میں ہونا چاہیے وہذا کما تری تفصیل کے لئے رسالہ غزوات النبی مولف خاکسار دیکھو۔ (۵۴) سیرت ابن ہشام۔ (۵۵) صحیح بخاری غزوہ بدر باب قول اللہ اذ تستغیثون ربکم الایہ۔ سیرت ابن ہشام میں حضرت مقداد کی تقریر میں یہ بھی ہے۔ "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ برک الغماد کا قصد کریں گے تو ہم تلوار چلائیں گے۔ یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں۔" بعض روایتوں میں یہی الفاظ حضرت سعد بن معاذ کی طرف منسوب ہیں۔ ممکن ہے دونوں نے ایسا ہی کہا ہو۔ جیسا کہ ابن المدینہ کا قول ہے۔ (معجم البلدان کیا قوت الحموی) برک الغماد مکہ مشرفہ سے پانچ دن کی راہ قضائے یمن میں حبشہ کے مقابل ایک شہر ہے۔ (۵۶) فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون۔ تو جا اور رب دونوں لڑو ہم یہاں ہی بیٹھتے ہیں۔ (مائدہ ع ۴) (۵۷) سیرت ابن ہشام غزوۂ بدر۔ (۵۸) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔ (۵۹) قرآن

کریم میں ہے اور جب وعدہ کرتا ہے اللہ ایک کا دو جماعتوں میں سے کہ یہ واسطے تمہارے ہے اور تم دوست رکھتے ہو یہ کہ بن شوکت والا ہی ہووے واسطے تمہارے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ سچا کرے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹے پیچھا کافروں کا۔ حضور اقدس کا مطلب یہ تھا کہ کاروان اور لشکر قریش میں سے ایک کا وعدہ ہو چکا ہے۔ اب قافلہ تو ہاتھ سے جاتا رہا۔ لہٰذا قریش گرفتار ہوں گے تم سے۔ (۶۰) قرآن کریم میں ہے: جس وقت تم تھے درے کے ناکے پر اور وہ پرے کے ناکے پر اور قافلہ نیچے اتر گیا تم سے۔ یعنی مسلمان قریب کے میدان میں مدینے کی طرف کو اترے اور کفار پرلے ناکے پر مکہ کی طرف اترے اور قافلہ مسلمانوں سے نیچے کی طرف ساحل سمندر کے قریب تھا۔ (۶۱) سیرت ابن ہشام۔ مگر صحیح مسلم میں ایک غلام کا ذکر ہے بظاہر حدیث مسلم کے راوی نے ایک ہی کے ذکر پر اختصار کیا۔ واللہ اعلم قرآن مجید میں ہے۔ اور جس وقت ڈال دی تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کو اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے اور دور کرے تم سے شیطان کی نجاست اور محکم گرہ دے تمہارے دلوں پر اور ثابت کرے اس کے سبب تمہارے قدم۔ (۶۲) صواعق محرقہ لابن حجر المکی بحولہ مسند بزار ص ۱۴۔ (۶۳) منتخب کنز الاعمال بروایت ابن عساکر۔ (۶۴) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر بروایت ابن اسحاق۔ (۶۵) طبقات ابن سعد غزوہ بدر۔ (۶۶) طبقات ابن سعد۔ غزوہ بدر۔ (۶۷) ابو جہل لعین کے حلقہ دبر پر ایک برص کا داغ تھا۔ جسے وہ زعفران لگا کر زرد رکھا کرتا تھا۔ سیرت ابن ہشام۔ (۶۸) درمنثور للسیوطی بحوالہ دلائل بیہقی۔ جزء ثالث صفحہ ۱۶۷۔ (۶۹) قرآن مجید میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھایا تیرے خواب میں تھوڑے اگر وہ تجھ کو بہت دکھاتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے کام میں لیکن اللہ نے بچالیا اس کو معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں۔ (۷۰) قرآن مجید میں ہے:۔ اور جب تم کو دکھائی دی وہ فوج وقت ملاقات کے تمہاری آنکھوں میں تھوڑی۔ اور تم کو تھوڑا دکھایا ان کی آنکھوں میں تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو ہو چکا تھا اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی۔ (۷۱) صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب سقوط فرض الجہاد عن المعذورین۔ (۷۲) ابن سعد نے اس قول کو ثبت کیا ہے مگر سنن ابی داود میں بروایت حضرت علی وارد ہے کہ حضرت عبیدہ اور ولید میں مقابلہ ہوا۔ اور حضرت علی کا مقابلہ شیبہ سے ہوا۔ (۷۳) ان چھ (حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عبیدہ بن حارث، عتبہ، شیبہ، ولید بن عتبہ) کے بارے میں سورہ حج کی یہ آیت نازل ہوئی۔ ہذان خصمن اختصموا فی ربھم۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ حج) (۷۴) اللھم انجزلی ماعدتنی اللھم ات ماوعدتنی اللھم انك ان تھلك ھذہ العصابة من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض ۔ (صحیح مسلم باب الامداد بالملائکة فی غزوہ بدر وواباحتہ الغنائم)۔ (۷۵) امام خطابی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت

صدیق اکبر کو حضور اقدس ﷺ کی نسبت اس حالت میں وعدہ الٰہی پر زیادہ اعتماد تھا کیونکہ یہ قطعاً ناجائز ہے۔ بلکہ حضور نے اپنے اصحاب پر شفقت اور ان کے دلوں کی تقویت کے لئے ایسا کیا۔ اس لئے کہ یہ دشمن کے ساتھ پہلا مقابلہ تھا۔ لہٰذا دعا میں الحاح فرمایا کہ ان کے دل کو تسکین حاصل ہو۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ حضور کا وسیلہ مقبول اور ان کی دعاء مستجاب ہے۔ پس حضرت صدیق اکبر کو قوت وطمانیت قلبی سے معلوم ہو گیا کہ حضور کی دعا قبول ہو گئی۔ تو انہوں نے عرض کی کہ بس یہ کافی ہے۔ عینی شرح بخاری۔ (۷۶) قرآن کریم میں ہے جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو۔ کیا تم کو کفایت نہیں کہ تمہاری مدد بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترے البتہ اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیزگاری کرو۔ تم۔ اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے رب تمہارا پانچ ہزار فرشتے پلے ہوئے گھوڑوں پر۔ (۷۷) چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ پس جب سامنے ہوئیں دو فوجیں الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر۔ اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں۔ میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (۷۸) اسی کی نسبت قرآن میں وارد ہے۔ اور تو نے نہیں پھینکی تھی مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی۔ (۷۹) چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ ابھی ہو چکا ہے تم کو ایک نمونہ دو فوجوں میں جو بھڑی تھیں ایک فوج ہے لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری منکر ہے دیکھتے تھے وہ کافر مسلمانوں کو اپنے دو برابر صریح آنکھوں سے۔ اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے۔ اس میں عبرت ہے آنکھ والوں کے لئے۔ (۸۰) حیزوم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے۔ یعنی اے حیزوم آگے بڑھو۔ (۸۱) ترجمہ۔ شتاب شکست کھاوے گی جماعت اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر انتہی اس آیت میں نبوت ایک نشان ہے کیونکہ مکہ مشرفہ میں نازل ہوئی۔ جس میں پہلے یہ بتایا گیا تھا کہ کفار کو ہزیمت ہوگی۔ (۸۲) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔ (۸۳) صحیح بخاری کتاب الوکالتہ۔ (۸۴) اس لعین کا مطلب یہ تھا کہ تمہارا مجھے قتل کرنا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کو اس کی قوم قتل کر دے پس اس میں نہ تمہیں کوئی فخر ہے اور نہ مجھے کوئی عار ہے۔ (۸۵) صحیح بخاری۔ کتاب المغازی باب قتل ابی جھل۔ (۸۶) اس سماع موتی ثابت ہے اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو کتاب البرزخ مولفہ خاکسار دیکھو۔ (۸۷) غنیمت کے بارے میں مجاہدین میں جھگڑا ہوا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قل الانفال اللہ والرسول الایۃ نازل فرمائی اور تقسیم کا معاملہ آنحضرت ﷺ کے سپرد کیا۔ پس حضور بابی وامی نے برابر تقسیم فرمائی۔ (۸۸) سیرت ابن ہشام ۔ (۸۹) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔ (۹۰) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ھل یخرج المیت من القبر واللحد لعلۃ۔ (۹۱) صحیح مسلم باب الامداد بالملئکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم (۹۲) اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ۔ نہ تھا لائق واسطے نبی کے یہ کہ ہوئیں واسطے اس کے بندیوان یہاں تک کہ

خونریزی کرے بیچ زمین کے۔ ارادہ کرتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ ارادہ کرتا ہے آخرت کا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (۹۳) طبقات ابن سعد غزوہ بدر۔ (۹۴) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔ (۹۵) کامل ابن اثیر غزوہ بدر۔ (۹۶) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ''اے نبی کہہ دے ان کو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی اگر جانے گا اللہ تمہارے دل میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھن گیا اور تم کو بخشنے والا۔ مہربان۔ (۹۷) کامل ابن اثیر غزوہ بدر۔ (۹۸) سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔ (۹۹) لعل الله الطع على اهل بدر فقال عملوا ماشئتم فقدو جبت لكم الجنة او فقد غفرت لكم۔ (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی فصل من شهد بدرا)۔ (۱۰۰) صحیح بخاری باب شهود الملئكة ببدر۔ (۱۰۱) سفرنامہ محمد بن جبیر اندلسی (اردو ترجمہ) مطبع احمدی ریاست رامپور صفحہ ۱۹۲۔ (۱۰۲) اس قتل کے سنہ و ماہ میں یہ مختلف اقوال ہیں۔ رمضان ۶ ھ وذوالحج ۵ ھ ذوالحجہ ۴ ھ جمادی الاخری ۳ ھ رجب ۳ ھ۔ (۱۰۳) احد ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے قریباً تین میل پر ہے۔ (۱۰۴) طبقات ابن سعد بخاری شریف میں ہے کہ تلوار کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا جس کی تعبیر صحابہ کرام کی شکستگی و ہزیمت تھی۔ (۱۰۵) طلحہ بن ابی طلحہ کو کبش الکتیبہ کہ کرتے تھے۔ (۱۰۶) صحیح بخاری کتاب الجهاد باب مایكره من التنازع والاختلاف فی الحرب۔ (۱۰۷) یہ وہی حربہ ہے جس سے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ حضرت وحشی کہا کرتے تھے۔ قتلت فی کفری خير الناس وفی اسلامی شر الناس۔ یعنی میں نے اپنی کفر کی حالت میں خیر الناس کو شہید کیا۔ اور مسلمان ہونے کی حالت میں شر الناس کو قتل کیا۔ (۱۰۸) مسلیمہ کذاب کو امیر المومنین اس لئے کہا کہ اس پر ایمان لانے والوں کے امور کا مرجع وہی تھا۔ اس سے تلقیب مقصود نہ تھی۔ (۱۰۹) صحیح بخاری بب قتل حمزہ۔ (۱۱۰) سیرت ابن ہشام۔ (۱۱۱) سیر ابن ہشام بروایت ابن اسحٰق۔ (۱۱۲) صحیح بخاری کتاب الجہاد باب قول الله عزوجل من المئومنين رجال صدقوا ماعاهدوا الله عليه۔ (الایہ)۔ (۱۱۳) سیرت ابن ہشام۔ (۱۱۴) اصابہ ترجمہ ثابت بن وحداح۔ (۱۱۵) ابن جوزی نے اور خطیب نے تاریخ میں محمد بن یوسف حفظ فریابی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کا رباعیہ توڑا تھا اس کے گھر میں جو بچہ پیدا ہوتا اس کا رباعیہ نہ اگتا۔ زرقانی علی المواہب جزء اول ص ۳۸۔ (۱۱۶) سیرت ابن ہشام۔ (۱۱۷) تفسیر در منثور للسیوطی بحوالہ طبقات ابن سعد۔ (۱۱۸) سیرت ابن ہشام۔ (۱۱۹) اللہ کا غضب سخت ہے اس پر جس نے اس کے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام)۔ (۱۲۰) صحیح بخاری غزوہ احد۔ (۱۲۱) صحیح بخاری غزوہ احد۔ (۱۲۲) استیعاب ومواہب۔ (۱۲۳) وفاء الوفاء للسمہودی جز ثانی ص ۱۱۴) (۱۲۴) صحیح بخاری غزوہ احد۔ (۱۲۵) طبقات ابن سعد۔ (۱۲۶) فارسی گور کیا بہ ہندی گندھلین گندھیل

۔(۱۲۷) بخاری غزوہ احد۔(۱۲۸) طبقات ابن سعد۔(۱۲۹) بخاری (باب ما یکون من النیاحۃ علی المیت)۔(۱۳۰) زاد المعاد غزوہ احد۔(۱۳۱) طبقات ابن سعد۔(۱۳۲) استیعاب ابن عبد البر۔(۱۳۳) بخاری۔غزوہ احد۔(۱۳۴) سیرت ابن ہشام۔(۱۳۵) طبقات ابن سعد۔(۱۳۵) بخاری کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید۔(۱۳۷) فرط آنکہ پیش قوم رود تا اسباب آبخور را درست کند۔منتہی الارب۔(۱۳۸) صحیح بخاری مع قسطلانی باب حدیث بنی نضیر۔(۱۳۹) یہ موضع دمشق و مدینہ کے درمیان دمشق سے سات منزل پر ہے۔(۱۴۰) کفار کا بڑے زور شور سے مدینہ پر حملہ کرنا مخلصوں کا ثابت قدم رہنا اور منافقوں کے کلمات نفاق کا سرزد ہونا اور طوفان باد سے لشکر کفار کا برباد ہونا یہ سب کچھ سورۂ احزاب میں مذکور ہے۔(۱۴۱) صہ اصحاب فیل کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فیل کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا تاکہ جان و مال کا نقصان اور بیت اللہ کی بے حرمتی نہ ہو اور اس کے حبیب پر غلامی کا دھبہ نہ لگے اسی قسم کے امور کے لئے خدا تعالیٰ نے قصواء کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔(۱۴۲) حدیبیہ مکہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔(۱۴۳) بدیل مذکور فتح مکہ کے دن ایمان لایا۔ قبیلہ خزاعہ نے زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کے دادا عبد المطلب سے عہد موالات کیا تھا اسی کی رو سے بدیل کا اس موقع پر خدمت اقدس میں حاضر ہونا بغرض خیر خواہی تھا۔(۱۴۴) عربی میں امصصن بنظر الام گالی ہے۔حضرت ابو بکر نے بجائے ام کے لات کہہ دیا۔اس میں عروہ اور اس کے معبود کی تحقیر ہے۔وہ لات کو خدا کی بیٹی کہا کرتے تھے لہٰذا عروہ پر چوٹ ہے کہ لات اگر خدا کی بیٹی ہے تو اس کے لئے وہ چاہئے جو عورتوں میں ہے۔(۱۴۵) ایک دفعہ عروہ کو دیت دینی پڑی تھی اس میں حضرت ابو بکر نے عروہ کو مدد دی تھی یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔(۱۴۶) مغیرہ اور ثقیف کے تیرہ آدمی تحائف لے کر مقوقس والی مصر کے ہاں گئے تھے جو انعام ملا وہ تیرہ نے لے لیا اور مغیرہ کو کچھ نہ دیا۔واپسی پر رستے میں وہ تیرہ شراب پی کر سو گئے۔مغیرہ نے سب کو قتل کر دیا۔اور مال لے کر مدینہ میں حاضر ہوا اور اسلام لایا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تیرا اسلام ہم قبول کرتے ہیں مگر مال میں دخل نہیں دیتے۔اس پر فریقین میں لڑائی ہو۔عرہ نے دیت دے کر ثقیف سے صلح کر لی۔(۱۴۷) رسول اللہ ﷺ نے سہیل سے جو موافقت کی اس میں بڑی مصلحت تھی جو صحابہ کرام کو اس وقت معلوم نہ ہوئی۔یہ حقیقت میں بڑی فتح تھی۔یہی سہیل حجۃ الوداع میں حاضر ہے۔حضور انور قربانی دینے کے بعد اپنا سر مبارک منڈا رہے ہیں اور سہیل آپ کے بامبارک لے کر اپنی آنکھوں پر رکھ رہا ہے علاوہ ازیں باسمك اللھم اور بسم اللہ الرحمن الرحیم۔کے ایک ہی معنی ہیں۔(۱۴۸) اس شرط میں بھی موافقت بناء بر مصلحت تھی۔اور وہ اس صلح کے ثمرات و فوائد تھے اس سے کفار کو رسول اللہ ﷺ کے حالات سننے اور دیکھنے کا موقع مل گیا اور

وہ اسلام کی طرف مائل ہو گئے چنانچہ حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان کچھ لوگ اسلام لائے۔ مگر فتح مکہ کے بعد گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے۔ (۱۴۹) حالات مذکرہ کے لئے دیکھو قانی علی المواہب۔ (۱۵۰) یہ شہر اقصائے شام میں مصر کی طرف واقع ہے۔ (۱۵۱) صحیح بخاری کتاب العلم و کتاب الجہاد۔ (۱۵۲) اصابہ ترجمہ جد جمیرہ۔ (۱۵۶) ہدیۃ الجہادی لابن قیم مواہب لدنیہ۔ (۱۵۷) جب حضرت ابو موسیٰ اشعری کو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی خبر پہنچی تو وہ اور ان کے دو بھائی اور ان کی قوم کے باون یا ترپن آدمی یمن سے ہجرت کر کے ایک کشتی میں مدینہ کو روانہ ہوئے۔ مگر باد مخالف کے سبب سے امن کی کشتی ساحل حبشہ پر جا لگی۔ اس لئے وہ حبشہ میں حضرت جعفر طیار کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس سفر میں وہ بھی حضرت جعفر کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔ (۱۵۸) ہدیۃ الحباری ابن القیم۔ (۱۵۹) تفصیل کے لئے دیکھو ہدایۃ الجہاری اور مواہب لدنیہ۔ (۱۶۰) ذو قرد ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ اور خیبر کے درمیان مدینہ سے ایک دن (بقول بعض دو دن) کی مسافت پر ہے۔ (۱۶۱) خیبر مدینہ سے شام کی طرف ۹۶ میل کے فاصلہ پر ہے اس بڑی بستی میں سات قلعے اور کھیت و باغات کثرت تھے۔ قلعوں کے نام یہ ہیں ناعم۔ قموص۔ شق۔ نطاۃ۔ سلالم۔ وطیح۔ کتیبہ۔ معجم البلدان۔ (۱۶۲) صحیح بخاری غزوہ خیبر۔ (۱۶۳) فتوح البلدان بلاذری ذکر خیبر۔ (۱۶۴) بلاذری ذکر فدک۔ (۱۶۵) مشکوٰۃ شریف باب فی المعجزات فصل ثانی۔ (۱۶۶) یہ مقام شام و وادی القریٰ کے درمیان واقع ہے۔ موتہ اور مشارف دیہات بلقاء میں سے ہیں شہر معاابن بلقاء کے نواح میں ہے۔ (۱۶۷) زرقانی علی المواہب بحوالہ مغازی ابن عائذ بروایت ابن عمر۔ (۱۶۸) تم کرو جو چاہو البتہ میں نے تم کو معاف کر دیا صحیح بخاری باب غزوہ الفتح و ما بعث حاطب بن ابی بلتعہ الی اہل مکہ (۱۶۹) یہ مقام مکہ شریف سے چار منزل ہے۔ (۱۷۰) حضرت عثمان نے یہ معجزہ دیکھ کر تجدید شہادت کی ورنہ یہ معلوم ہے کہ آپ سال فتح سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ (۱۷۱) طبقات ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ)۔ (۱۷۲) سیرت ابن ہشام۔ (۱۷۳) لائف آف محمد مولفہ سر ولیم میور صاحب۔ (۱۷۴) صحیح بخاری و سیرت ابن ہشام۔ (۱۷۵) ایک وادی کا نام ہے جو مکہ سے طائف کی طرف قریباً بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ (۱۷۶) صحیح بخاری باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم الایۃ (۱۷۷) جعرانہ یا جغرانہ مکہ و طائف کے درمیان مکہ سے ایک برید (۱۲) میل) ہے۔ (۱۷۸) طائف ایک بڑا شہر ہے جو مکہ سے دو یا تین منزل مشرق کی طرف واقع ہے۔ (۱۷۹) منجنیق ایک قسم کا بڑا گوپھیا تھا جس میں بڑے بڑے پتھر رکھ کر دیوار قلعہ پر پھینکا کرتے تھے تا کہ دیوار ٹوٹ جائے۔ (۱۸۰) دبابہ ایک آلہ جنگ تھا جو چمڑے اور لکڑی سے بنایا جاتا تھا اس کی اوٹ میں دشمن کے قلعہ کی طرف جاتے تا کہ دیوار میں نقب لگائیں۔ (۱۸۱) ان حالات کے

لئے صحیح بخاری دیکھو۔(۱۸۲) سیرت حلبیہ واصابہ۔(۱۸۳) اصابہ۔ترجمہ ابوشروان۔(۱۸۴) صحیح بخاری،غزوہ حنین۔(۱۸۵) یہ شہر مدینہ ودمشق کے قریباً وسط میں ہے۔(۱۸۶) صحیح بخاری باب کتاب الانبیاء (۱۸۷) صحیح بخاری کتاب المغازی باب نزول النبی ﷺ الحجر۔(۱۸۸) زرقانی علی المواہب بحوالہ ابن اسحاق وواقدی وغیرہ غزوہ تبوک۔(۱۸۹) یہ شہر بحیرہ قلزم کے کنارے پر شام سے ملحق واقعہ ہے۔وہ یہود ہے۔وہ یہود جن پر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کا شکار سبت کے دن حرام کردیا تھا اسی شہر میں رہا کرتے تھے۔(۱۹۰) تفسیر درمنشور اور وفاء الوفاء۔

حوالہ جات (پانچواں)

(۱) وفاء الوفاء۔جزء اول ص ۲۲۶۔(۲) مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیحین۔باب وفات النبی ﷺ۔ (۳) مشکوٰۃ شریف۔باب الانفاق وکراہیہ الامساک۔(۴) ابن ماجہ۔ابواب الوصایا۔(۵) حیواۃ الحیوان للعلامہ کمال الدین الدمیری الشافعی المتوفی ۸۰۸ھ جزو اول ص ۴۲۔(۶) مواہب لدنیہ۔ کتاب شمائل انبیویہ۔(۷) مشکوٰۃ شریف باب فضل اصدقہ۔(۸) صحیح بخاری۔باب صفۃ النبی ﷺ۔ (۹) یہ حضور کے ربیب تھے۔کیونکہ خدیجۃ الکبریٰ حضور سے پہلے ابو ہالہ کے نکاح میں تھیں جس سے ہند مذکور پیدا ہوئے یہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور ۳۶ھ میں یوم جمل میں حضرت علی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔(۱۰) شمائل ترمذی۔باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ۔(۱۱) حلہ دو کپڑوں کو کہتے ہیں۔یعنی چادر اور شلوار۔(۱۲) دیکھو شمائل ترمذی۔باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ۔(۱۳) حمیراء لقب ام المومنین حضرت عائشہؓ۔گویند کہ حرہ معنی سفیدی نیز آمدہ وایشاں راحمیراء گویند ایشان سفید رنگ بودند۔کذافی المنتخب۔(۱۴) خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۸۰۔(۱۶) یعنی نہ چھوٹی اور نہ اتنی بڑی کہ باہر نکلی ہوئی معلوم ہو۔(۱۷) دلائل حافظ ابی نعیم مطبوعہ دائرۃ المعارف انتظامیہ حیدرآباد دکن ص ۵۴ ابونعیم کے علاوہ ابن سعد اور ابن عساکر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔(خصائص کبریٰ۔جزء اول ص ۹۱) (۱۸) ترجمہ۔بھکی نہیں نگاہ اور حد سے نہیں بڑھی۔(۱۹) زرقانی علی المواہب۔جزء رابع ۸۲۔(۲۰) خصائص کبریٰ جزء اول ص ۶۱۔(۲۱) صحیح بخاری۔باب عظۃ الامام الناس فی اتمام الصلوٰۃ وذکر القبلہ ۔(۲۲) ترجمہ۔جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے۔اور تیرا پھرنا نمازیوں میں۔اس آیت کے تحت میں تفسیر خازن میں لکھا ہے۔وقیل معناہ یری تقلب بصرك فی المصلین خانكان رسول الله صلی الله علیه وسلم یبصر من خلفه كما یبصر من قدامه۔(انتھی) (۲۳) اس حدیث مرسل کو امام حمیدی (متوفی ۴۰۹ھ) نے اپنی مسند میں اور ابن منذر (متفی ۳۱۸ھ) نے اپنی تفسیر میں

اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب لدنیہ۔ جزءاول۔ ص ۲۵۲ اور خصائص کبریٰ جزءاول میں ۶۱ (۲۴) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب وفات النبی ﷺ۔ (۲۵) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ۔ (۲۶) زرقانی علی المواہب جزء رابع۔ ص ۹۱۔ (۲۷) خصائص کبریٰ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ وابی نعیم۔ جزءاول ص ۶۵۔ (۲۸) مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل القرآن (۲۹) خصائص کبریٰ۔ جزءاول ص ۴۷۔ (۳۰) جب کسی شخص کو نماز میں جمائی آئے۔ تو وہ صرف ذہن میں اتنا یاد کرلے کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی جمائی نہیں آئی تھی اس کے بعد نہ آئے گی۔ (۳۱) اصابہ۔ ترجمہ عمیرہؓ بنت مسعود۔ (۳۲) دیکھو صحیح بخاری۔ باب غزوہ خیبر۔ (۳۳) حضرت مدیک بن عمرو اسلامانی۔ اور حضرت جرہد کا قصہ معجزات میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (۳۴) خصائص کبریٰ للسیوطی۔ جزءاول ص ۶۲۔ (۳۵) استیعاب واصابہ اور خصائص کبریٰ بحوالہ بیہقی وحاکم۔ (۳۶) زادالمعاد۔ غزوہ بدر۔ (۳۷) اصابہ۔ ترجمہ عمرو بن معاذ انصاری۔ (۳۸) اصابہ۔ ترجمہ ابوقتادہ انصاری۔ (۳۹) خصائص کبریٰ بروایت ابونعیم جزءاول ص ۹۱۔ (۴۰) استیعاب واصابہ اور خصائص کبریٰ بحوالہ بیہقی وحاکم۔ (۴۱) شمائل ترمذی۔ باب کیف کان کلام رسول اللہ ﷺ۔ (۴۲) استیعاب لابن عبدالبر۔ فصل سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے۔ کہ آپ کا کلام مبین وظاہر ہوت تھا۔ جیسا کہ روایت حضرت عائشہؓ میں وارد ہے۔ (۴۳) نسیم الریاض جلد اول صفحہ ۳۹۷۔ (۴۴) زرقانی علی المواہب بحوالہ ترمذی۔ جزء رابع ص ۱۷۸۔ (۴۵) دیکھو مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ۔ (۴۶) خصائص کبریٰ للسیوطی بروایت ابن سعد وابی نعیم وغیرہ۔ (۴۷) ترمذی۔ باب ماجاء فی بدء نبوۃ النبی ﷺ۔ (۴۸) صحیح بخاری باب صفۃ النبی ﷺ۔ (۴۹) صحیح مسلم۔ باب طیب ریحہ ولین سہ۔ (۵۰) دیکھو مواہب لدنیہ۔ (۵۱) قرآن کریم میں ہے (وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی) ترجمہ۔ ''اور نہیں پھینکا۔ تو جس وقت کو پھینکا تو نے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا۔'' (۵۲) خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی ص ۷۵ (۵۳) دلائل حافظ ابونعیم جزء ثانی ص ۱۸۸۔ (۵۴) قرآن مجید میں ہے۔ اقتربت الساعة وانشق القمر۔ (ترجمہ) نزدیک آئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔ (۵۵) صحیح بخاری۔ باب علامات النبوت فی الاسلام۔ (۵۶) امثلہ مذکورہ بالا میں سے نمبر ۲۱، ۲۲ معجم صغیر۔ طبرانی میں سے ہیں۔ اور نمبر ۲۳، ۲۸، ۲۹ خصائص کبریٰ للسیوطی اور باقی تمام اصابہ للعسقلانی میں سے ہیں۔ (۵۷) تور پیالہ کی شکل کا ایک برتن ہوتا ہے۔ (۵۸) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین باب فی المعجزات۔ (۵۹) ایک روایت ترمذی میں ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق تھے۔ (شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خاتم النبوۃ۔ (۶۰) استیعاب لابن عبدالبر وغیرہ۔ (۶۱) تنام عيني ولا ينام قلبي۔ صحیح بخاری۔ (۶۲) خصائص کبریٰ بحوالہ ابن سعد وطبرانی جزاول ص ۷۳۔ (۶۳) تفصیل کے

لئے دیکھو رسالہ حلیۃ النبی وموقّع خاکسار۔۔ (۶۴) خصائص کبریٰ بحوالہ احمد وبیہقی ۔ جزء اول ص۷۳۔ (الف) مدارج النبوۃ مطبوعہ نولکشور ۔ جلد اول ص ۶۵ (ب) اس طرح کی رفتار ممدوح ومستحسن ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ترجمہ۔ اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ کہیں۔ صاحب سلامت (ج) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی مشیہ ﷺ ۔ (د) حضور اپنے اصحاب کے مربی ونگہبان تھے۔ اس لئے ان کے حالات کے ملاحظہ کے لئے آپ پیچھے ہو جاتے تاکہ حسب حال ان کی تربیت وتادیب وتکمیل فرمائیں۔ یا آپ کا یہ فعل تواضع پر مبنی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔۔ (ر) بقول حافظ ابونعیم فرشتے آپ کی نگہبانی کرتے تھے۔ یہ امر کسی طرح واللہ یعصمك من الناس الایتہ۔ (اور اللہ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا) کے منافی نہیں ۔کیونکہ اگر یہ حالت اس آیت کے نزول سے پہلے تھی۔ (۶۵) خصائص کبریٰ وشرح ہمزیہ لابن حجر ھیتمی ۔(۶۶) مواہب لدنیہ بحوالہ عبداللہ بن الامام احمد وغیرہ۔ (۶۷) آپ کا ارتفاع معنوی دیکھنے والوں کے ممثل ہو جاتا ہے۔ اور آپ ان سب کو بلند نظر آتے (دیکھو زرقانی علی المواہب ۔ جزء رابع ۔ ص۱۹۹) ۔(۶۸) خصائص کبریٰ جزء اول ص ۶۸ ۔ (۶۹) زرقانی علی المواہب جزء رابع ص ۲۲۰۔ (۷۰) زرقانی علی المواہب جزء رابع ص ۲۲۳۔ (۷۱) عبیر ایک خوشبو ہے۔ جو صندل وگلاب ومشک سے بناتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک خوشبو ہے جس میں زعفران ملا ہوتا ہے۔ (۷۲) صحیح بخاری کتاب الصیام۔ باب مایذکر من صوم النبی ﷺ وافطارہ۔ (۷۳) یہ ایک حدیث کا مضمون ہے جسے ابو یعلی اور طبرانی اور ابن عرقہ ﷺ ۔ (۷۵) صحیح مسلم باب طیب عرقہ ﷺ والتبرک بہ۔ (۷۶) اس کو بزار اور ابو یعلی نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ۔ (۷۷) دیکھو وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی الشیخ الاسلام السمہودیؒ۔ جزء اول ص۱۲ا۔ (۷۸) خصائص کبریٰ جزء اول ص ۶۸۔ (۷۹) نظر بریں کہ حضور ﷺ کی آنکھیں قدرتی طور پر سرمگین تھیں اور بدن مبارک سے خوشبو آیا کرتی تھی۔ آپ کو سرمہ یا خوشبو کے استعمال کی حاجت نہ تھی۔ مگر بایں ہمہ آپ کا سرمہ اور خوشبو کا استعمال کرنا بغرض تعلیم امت ہوگا۔ فافہم۔ (۸۰) مشکوٰۃ المصابیح باب الترجیل۔ (۸۱) لباس کے متعلق دیکھو مشکوٰۃ شریف۔ کتاب اللباس۔ (۸۲) اخبار الاخیار مجتبائی۔ حاشیہ ص ۱۵۵۔

حوالہ جات (باب چھٹا)

(۱) صحیح مسلم۔ باب صلوٰۃ اللیل۔ (۲) مصیبت وایذا کے وقت اپنے آپ کو روکنا اور متاثر نہ ہونا صبر کہلاتا ہے۔ اپنی طبیعت کو غصہ سے ضبط کرنے کا نام حلم ہے۔ خطا پر مواخذہ نہ کرنے کو عفو کہتے ہیں۔

(۳) صحیح بخاری باب صفۃ النبی ﷺ (۴) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب البعث وبدء الوحی۔ (۵) صحیح بخاری۔ باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ۔ (۶) استیعاب الابن عبدالبر۔ ترجمہ قتیلہ بنت نضر۔ (۷) سیرت ابن ہشام۔ (۸) اصاحب بحوالہ واقدی۔ ترجمہ دعثور بن حارث غطفانی۔ (۹) مواہب لدنیہ وشفا شریف۔ (۱۹) صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد و کتاب المغازی۔ (۱۱) صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر۔ سورہ اذا جائك المنافقون۔ (۱۲) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب۔ (۱۳) ابوداؤد۔ کتاب الجہاد۔ باب۔ باب فی الجاسوس الزمی اصابہ ترجمہ ابن حیا۔ (۱۴) صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب وفد بنی حنیفہ (۱۵) مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسراء۔ (۱۶) مکہ مشرفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جہاں سے عمرہ بجالاتے ہیں۔ (۱۷) وفاء الوفا۔ جز اول ص ۲۲۵۔ جزء ثانی ص ۲۵۲۔ (۱۸) صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب اسماء النبی ﷺ۔ (۲۱) صحیح بخاری۔ باب ذکر ہند بنت عتبہ۔ (۲۲) اصابہ۔ سیرت حلبیہ۔ (۲۳) سیرت حلبیہ۔ (۲۴) صحیح بخاری۔ باب غزوۃ الطائف۔ (۲۵) اصابہ ترجمہ ہبار بن اسود۔ (۲۶) اصابہ وغیرہ۔ (۲۷) صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔ (۲۸) فاحش کے معنی ہیں کلام میں بالطبع فحش کرنے والا۔ اور متفحش کے معنی تکلف فحش کرنے والا ہیں۔ (۲۹) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ۔ (۳۰) صحیح بخاری۔ باب الادب۔ باب قول النبی ﷺ۔ یسروا ولا تعسروا۔ (۳۱) صحیح بخاری الادب۔ باب التبسم والضحک۔ (۳۲) ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی التجاوز۔ (۳۳) دلائل النبوت للحافظ ابی نعیم۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔ (۳۴) صحیح مسلم۔ کتاب صلوٰۃ الاستقاء۔ (۳۵) مشکوٰۃ بحوالہ مسلم کتاب الامارۃ والقضاء۔ (۳۶) صحیح مسلم۔ باب فضل فی التجاوز (۳۷) صحیح مسلم۔ باب دعاء النبی ﷺ لامتہ وبکاہ وشفقتہ علیہم۔ (۳۸) صحیح بخاری کتاب فی الاستقراض۔ باب الصلوٰۃ عن من ترک الدینا۔ (۳۹) صحیح بخاری۔ کتاب الجمعہ۔ باب من قال فی الخطبۃ بعد الثناء امابعد۔ (۴۰) صحیح بخاری۔ باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا۔ (۴۱) صحیح مسلم۔ باب شفقۃ النبی علی لمتہ۔ (۴۲) مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ﷺ۔ (۴۳) صحیح بخاری کتاب المغازی۔ باب قصہ دوس۔ (۴۴) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب مناقب قریش وذکر القبائل۔ (۴۵) صحیح بخاری تفسیر سورہ دخان۔ (۴۶) صحیح بخاری۔ باب وفد بنی حنیفہ۔ (۴۷) سیرت ابن ہشام۔ اسر ثمامہ بن آثال الحنفی واسلامہ۔ (۴۸) بخاری۔ باب الہدیۃ للمشرکین۔ (۴۹) نیلسن کی انسائیکلوپیڈیا۔ تحت لفظ Women (۵۰) صحیح بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب الغیرۃ۔ (۵۱) صحیح مسلم۔ باب جوار اداف الاجنبیۃ اذا عیت فی الطریق۔ (۵۲) مشکوٰۃ باب قصہ حجۃ الوداع۔ (۵۳) بخاری۔ کتاب العلم۔ باب ھل یجعل لنساء

یوم علیٰ حدة فی العلم۔ (۵۴) مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری۔ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق۔ (۵۵)
مشکوٰۃ بحوالہ احمد ترمذی۔ باب الشفقۃ۔ (۵۶) مشکوٰۃ بحوالہ احمد باب الشفقۃ۔ (۵۷) طبقات ابن سعد
جزء ثانی ص ا۔ (۵۸) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ (باب الشفقۃ۔ (۵۹) ترمذی۔ ابواب الزہد۔ (۶۰) صحیح
بخاری۔ کتاب الوضو۔ باب بول الصبیان۔ (۶۱) صحیح بخاری۔ کتاب الاستیذان۔ باب التسلیم علی
الصبیان۔ (۶۴) مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ باب آداب السفر۔ (۶۵) صحیح بخاری۔ باب الثلثۃ علی الدابۃ۔
(۶۶) ابوداؤد۔ کتاب الجہاد۔ باب من قال انہ یاکل مما سقط۔ (۶۷) صحیح مسلم۔ باب فضل المدینہ۔
(۶۸) صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب رحمۃ الولد وتقبیلہ۔ (۶۹) صحیح بخاری۔ کتاب الادب باب
من ترک صبیۃ غیرہ حتی تلعب بہ۔ (۷۰) صحیح بخاری کتاب اللباس۔ باب مایدعی لمن لبس ثوباً جدیداً۔
(۷۱) مسند دارمی۔ صفحہ اول۔ (۷۲) تنزل وزوال رومۃ الکبریٰ۔ جلد اول باب ۱۴۔ (۷۳) مشکوٰۃ
کتاب العتق۔ (۷۴) مشکوٰۃ بحوالہ احمد وابوداؤد۔ باب النفقات وحق المملوک۔ (۷۵) مشکوٰۃ بحوالہ
مسلم۔ باب النفقات وحق المملوک۔ (۷۶) دیکھو ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی حق المملوک۔
(۷۷) دیکھو ابوداؤد۔ کتاب الادب باب فی حق المملوک۔ (۷۸) تیسیر الوصول الی جامع الاصول
بحوالہ ابوداؤد۔ (۷۹) تیسیر الوصول الی جامع الاصول بحوالہ ابوداؤد۔ (۸۰) مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد۔
باب آداب السفر (۸۳) صحیح مسلم۔ باب مراعات مصلحۃ الدواب فی السیر۔ (۸۴) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی
وابوداؤد۔ کتاب الصید والذبائح۔ (۸۵) تیسیر الوصول بحوالہ بخاری ومسلم۔ (۸۶) تیسیر الوصول۔
بحوالہ مالک وبخاری ومسلم وابوداؤد۔ (۸۷) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی وابوداؤد۔ باب ذکر الکلب۔ (۸۸)
مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم۔ کتاب الصید والذبائح۔ (۸۹) مشکوٰۃ۔ بحوالہ صحیحین کتاب الصید
والذبائح۔ (۹۰) مرقات بحوالہ احمد وشیخین ونسائی۔ کتاب الصید والذبائح۔ (۹۱) مشکوٰۃ۔ بحوالہ ابو
داؤد۔ باب قتل اہل الردۃ۔ (۹۲) مرقات۔ بحوالہ مسند بزار۔ جزء رابع ص ۲۳۶۔ (۹۳) مشکوٰۃ
بحوالہ ابوداؤد۔ (۹۴) مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ﷺ۔ (۹۵) مشکوٰۃ کتاب
الاداب باب القیام۔ (۹۶) صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب از قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یامرکم
ان تذبحوا بقرۃ (الایۃ)۔ (۹۷) مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ باب المفاخرۃ والعصبیۃ۔ (۹۸) مشکوٰۃ
شریف کتاب الاداب۔ باب المفاخرۃ والعصبیۃ (۹۹) رکوسیہ گروہے است میان ترسیان صائبین۔
(۱۰۰) سیرت ابن ہشام امر عدی بن حاتم۔ (۱۰۱) مشکوٰۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ۔ (۱۰۲) صحیح بخاری۔
کتاب الادب۔ باب حسن الخلق والسخاء۔ (۱۰۳) مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ﷺ۔ (۱۰۴) صحیح
بخاری۔ کتاب الادب۔ باب الکبر۔ (۱۰۵) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ۔

(۱۰۶) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ (اس کی قیمت چار درہم تھی)۔ (۱۰۷) صحیح بخاری۔ کتب الجہاد۔ باب الردف علی الحمار۔ (۱۰۸) سیرت ابن ہشام۔ (۱۰۹) طبقات ابن سعد۔ غزوہ بدر۔ مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ۔ باب آداب السفر۔ (۱۱۰) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ﷺ۔ (۱۱۱) صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب لم یکن النبی ﷺ فحاشا والا متفحشا۔ (۱۱۲) صحیح بخاری۔ باب لم یکن النبی ﷺ فحاشا ولا متفحشا۔ (۱۱۳) مواہب لدنیہ بحوالہ سیرت محب طبری۔ (۱۱۴) ابن ماجہ۔ باب القدید۔ (۱۱۵) مواہب لدنیہ۔ (۱۱۶) ابوداؤد کتاب الادب باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان۔ (۱۱۷) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ کتاب الاداب۔ باب المزاہ۔ (۱۱۸) دیکھو مشکوٰۃ۔ باب المزاح اور شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی مزاح رسول اللہ ﷺ (۱۱۹) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی مزاح رسول اللہ ﷺ۔ (۱۲۰) صحیح بخاری۔ کتاب العلم۔ باب متی یصح سماع الصغیر۔ (۱۲۱) استیعاب لابن عبدالبر۔ ترجمہ زینب بنت ابی سلمہ۔ (۱۲۲) صحیح بخاری کتاب الادب۔ باب حسن الخلق والسخاء۔ (۱۲۳) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ (۱۲۴) صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب ماقطع النبی ﷺ من البحرین۔ (۱۲۵) بخاری۔ باب غزوۃ الطائف۔ (۱۲۶) مشکوٰۃ باب اخلاقہ وشمائلہ ﷺ۔ فصل اول۔ (۱۲۷) جامع ترمذی۔ باب ماجاء اعطاء المولفۃ قلوبہم۔ (۱۲۸) صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب الشجاعۃ فی الحرب والجبن۔ (۱۲۹) صحیح بخاری۔ کتاب الاستقراض باب ادار الدیون۔ (۱۳۰) صحیح بخاری۔ کتاب التجہد۔ باب بفکر الرجل الشئی فی الصلوٰۃ۔ (۱۳۱) صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب البرود والجرۃ۔ (۱۳۲) صحیح مسلم۔ باب المومن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعۃ امعاء۔ مہمان کا نام غالباً فضلہ بن عمرو غفاری تھا۔ (۱۳۳) ابوداؤد جلد ثانی۔ کتاب الخراج والفئی۔ باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔ (۱۳۴) صحیح بخاری۔ کتاب البیوع۔ باب شرئی الدواب والحمیر۔ باب اذا اشتری شیئا فوہب من ساعۃ قبل ان یتفرقا۔ (۱۳۵) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاق وشمائلہ ﷺ۔ (۱۳۶) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ﷺ۔ (۱۳۷) صحیح بخاری۔ کتاب الادب باب حسن خلق والسخاء۔ (۱۳۸) صحیح مسلم۔ غزوہ حنین۔ (۱۳۹) صحیح بخاری۔ غزوہ خندق۔ (۱۴۰) سیرت ابن ہشام۔ (۱۴۱) مواہب لدنیہ۔ (۱۴۲) صحیح بخاری۔ باب ماکان النبی ﷺ واصحابہ یاکلون۔ (۱۴۳) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب فضل الفقر۔ (۱۴۴) صحیح بخاری۔ کتاب ارقاق۔ باب افضل۔ الفقر۔ (۱۴۵) صحیح بخاری۔ باب کیف کان عیش النبی ﷺ واصحابہ۔ (۱۴۶) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فضل الفقراء۔ (۱۴۷) صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب فضل الفقر۔ (۱۴۸) صحیح بخاری کتاب المغازی۔ باب وفات النبی ﷺ۔ (۱۴۹) صحیح بخاری۔ باب بیان ان تخییرہ امراۃ لا یکون طلاقا بالنیۃ صحیح بخاری۔ باب النکاح

ب موعظۃ الرجال ابنۃ لحال زوجہا۔ (۱۵۰) جامع ترمذی ابواب الزہد۔ (۱۵۱) صحیح بخاری۔ کتاب
یض۔ باب ہل یصلی المراۃ فی ثوب حاضت فیہ۔ ابو داؤد باب المراۃ تغسل ثوبہا الذی تلبسھا فی
یضھا۔ (۱۵۲) عصب کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ ایک بحری جانور کے دانت کو عصب
کہتے ہیں۔ جس کو تراش کر منکے بنائے جاتے ہیں۔ عصب کے معنی پٹھے کے بھی ہیں ممکن ہے کہ بعض
یوانات کے پٹھوں کو شک کر کے کتر کر منکے بنالیتے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (۱۵۳) مشکوۃ بحوالہ
حمد وابوداؤد۔ کتاب اللباس۔ باب الترجل۔ (۱۵۴) صحیح بخاری کتاب الھبۃ۔ باب ہدیۃ ما یکرہ
سہا۔ (۱۵۵) ابوداؤد۔ کتاب الاطعمہ۔ باب الرجل یدعی فیری مکروہا (۱۵۶) ابوداؤد۔ کتاب اللباس
۔ باب فی الصور۔ (۱۵۷) مشکوۃ بحوالہ امام احمد۔ کتاب الرقاق۔ (۱۵۸) مواہب الدنیہ بحوالہ طبرانی
۔ (۱۵۹) جامع ترمذی۔ ابواب الزہد۔ باب ماجاء فی الکفاف والصبر علیہ (۱۶۰) صحیح بخاری۔
کتاب الجہاد۔ باب ماذکر من درع النبی ﷺ۔ وعصاہ وسفہ الخ۔ (۱۶۱) صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔
باب قول النبی ﷺ لو تعلمون مااعلم الخ (۱۶۲) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی عبادۃ رسول اللہ
ﷺ۔ (۱۶۳) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی عبادۃ رسول اللہ ﷺ۔ روایت ابوذر میں ہے کہ وہ آیت
یہ ہے۔ ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفرلھم فانك انت العزیز الحکیم۔ (سنن ابن ماجہ۔
باب ماجاء فی اقراء صلوۃ اللیل) (۱۶۴) مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد۔ باب صلوۃ اللیل۔ (۱۶۵) شمائل
ترمذی۔ باب ماجاء فی بکاء رسول اللہ ﷺ (۱۶۶) صحیح بخاری۔ باب مایذکر عن صوم النبی ﷺ وافطارہ۔
(۱۶۷) صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔ (۱۶۹) معجم صغیرہ طبرانی۔ اسم محمد (۱۷۰) معجم صغیر
طبرانی۔ اسم عبدان شروع۔ (۱۷۱) مستدرک حاکم۔ کتاب الاحکام۔ قصہ سرق رضی اللہ عنہ۔ (۱۷۲)
صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ (۱۷۳) ابوداؤد۔ باب القود بغیر حدید۔ (۱۷۴) سیرت ابن ہشام۔
(۱۷۵) حدیث بنیان الکعبۃ۔ (۱۷۶) ترمذی۔ باب ماجاء فی الرخصۃ فی الشراء الی اجل۔ (۱۷۷)
مشکوۃ شریف۔ باب فضل الصدقۃ۔ (۱۷۸) خصائص کبریٰ للسیوطی۔ بحوالہ ابن ابی شیبہ۔ وبیہقی وابی
نعیم۔ جزء اول ص ۱۱۴۔ (۱۷۹) صحیح بخاری تفسیر سورہ شعرا۔ (۱۸۰) ابوداؤد۔ باب فی الامام یستجن بہ
فی العہود۔ (۱۸۱) بخاری۔ باب اثم من قتل معاہدا بغیر جرم۔ (۱۸۲) ابوداؤد کتاب الادب۔ باب العدۃ
(۱۸۳) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی حیاء رسول اللہ ﷺ۔ (۱۸۴) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی تواضع
رسول اللہ ﷺ۔

حوالہ جات (باب ساتواں)

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نبیوں میں سے کوئی نبی نہیں۔ مگر یہ کہ معجزات میں سے اسے ایسا معجزہ عطا ہوا کہ جس کی صفت یہ ہے کہ اسے دیکھ کر لوگ ایمان لائے اور سوائے اس کے نہیں کہ مجھے جو معجزہ عطا ہوا وہ وحی ہے جو اللہ نے میری طرف بھیجی ہے اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے میں امت کے لحاظ سے ان سے زیادہ ہوں گا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (۲) (دیکھو مقدمہ تاریخ ابن خلدون۔) (۳) لفظ عرب اعراب سے ہے۔ جس کے معنی ہیں پیدا گفتن سخن روا بفصاحت سخن گفتن)۔ (۴) اے لوگو! تم کو آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفاء واسطے سینوں کے روگ کے اور ہدایت اور رحمت ایمان لانے والوں کے لئے۔ (۵) کتاب الشعر والشعراء لابن قتیبہ ترجمہ لبید بن ربیعہ۔ (٦) ان مثالوں کے لئے دیکھو شفاء شریف اور مواہب لاینہ۔ (۷) مطلب یہ ہے کہ جب وہ حضرت یوسف سے بہت مایوس ہو گئے تو الگ ہو کر باہم مشورہ کرنے لگے اور سوچنے لگے کہ باپ کے پاس جا کر کیا جھوٹ بنا کر کہیں گے۔ اور اس حادثہ کا کیا ذکر کریں گے۔ پس یہ تھوڑے سے کلمہ اس طویل قصے کو شامل ہیں۔ (۸) دیکھو حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین للنبہانی مطبوعہ بیروت ص ۳۰۹۔ (۹) دیکھو اتقان للسیوطی۔ جزء ثانی۔ صفحہ ٦٨۔ (۱۰) لقد سمعت قول الکحنة فما وهو بقولهم ولقد وضعت قوله عمی اقراء الشعراء فمايلتم علی لسان احد بعدی انه شعر والله انه الصادق وانهم لکاذبون۔ (۱۱) فوز الکبیر فی اصول التفسیر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۱-۲۳۔ (۱۲) شرارت سے مردان کا ظلم کرنا راہ خدا سے روکنا، سود لینا، حالانکہ ان کو ممانعت تھی۔ تورات کتاب الاخبار باب ۵۔ آیت میں اور لوگوں کا مال ناحق کھانا ہے۔ جیسا کہ سورہ نساء رکوع ۲۲ میں آیا ہے۔ (۱۳) تفسیر کامل قرآن بزبان انگریزی مولف ویری صاحب۔ جلد اول، صفحہ ۴۴-۴٦۔ (۱۴) انڈین این کوری جلد ۳۲ بابت جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۵۹۔ (15) دیباچہ ترجمہ قرآن بزبان انگریزی ص ۴۸۔ (۱٦) اخرج احمد والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن مردویہ وابو نعیم عن ابن عباس من رسول اللہ ﷺ قال لو ان لیهود تمنوا الموت لما تو اولرا امقاعدهم من النار۔ (درمور للسیوطی۔ جلد اول ص ۸۹) (۱۷) لایحج بعد العام مشرك ولا طيوف بالبيت عريان۔ (یعنی شرح بخاری جز رابع ص ٦۴۳)۔ (۱۸) درمنثور بحوالہ ابن اسحاق وابن جریر بیہقی روایت ابن عباس۔ (۱۹) دیکھو مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ فصل ثالث۔ (۲۰) اتقان للسیوطی۔ جز اول ص ۱٦۔ (۲۱) شیخ جمال الدین عبدالرحیم اسنوی شافعی شہر اسنا واقع ملک مصر میں ذی الحجہ ۷۰۴ھ میں پیدا

ہوئے۔ ۷۲۱ھ میں قاہرہ آئے اور وہاں مختلف استادوں سے ادب نحو، اصول فقہ اور حدیث میں تعلیم پائی۔ اپنے وقت میں فقہ شافعی میں یگانہ تھے صاحب تدریس وتصنیف تھے۔ فقہ واصول ونحو میں بہت سی کتابیں آپ کی تصنیف ہیں۔ آپ کا وصال جمادی الاولی ۷۷۲ھ میں ہوا۔ آپ کے جنازے پر انوار ولایت نمایاں تھے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو بغیۃ الدعا اور حسن المحاضرہ ہر دو مصنفہ جلال الدین سیوطی) رسالہ نصیحۃ اولی الالباب فی منع الستخد ام النصاریٰ آپ کی ہی تصنیف ہے جیسا کہ مصنف کے بیان سے ظاہر ہے۔ کشف الظنون میں ہے کہ علامہ سیوطی نے اس رسالہ کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام جہد القریحہ فی تجرید النصیحۃ ہے۔ علامہ جمال الدین اسنوی کے قلم سے اسی قسم کے ایک رسالہ حسن المحاضرہ میں لکھا ہے جس کا نام الریاسۃ الناصریہ فی الرد علی من یغظم اہل الذمہ ویستخدمہم علی المسلمین ہے۔ مگر کشف الظنوان میں الریاسۃ الناصریہ کو علامہ جمال الدین کے بھائی علامہ عماد الدین محمد بن حسن اسنوی۔ (متوفی ۷۹۴ھ) کی تصنیف ظاہر کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (۲۲) وجعلت من امتلك اقواما قلوبهم انا جميلهم (خصائص کبریٰ للسیوطی۔ جزء ثانی ص ۱۸۵۔ (۲۴) اس واسطے کے وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتب پر۔ اور اسکی خبر داری پر تھے۔ اس آیت میں کتاب سے مراد تورات ہے۔ (۲۵) دلائل حافظ ابی نعیم۔ مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد۔ ص ۹۱۔ ۹۲ (۲۶) اتقان للسیوطی جزء اول ص ۲۰۔ (۲۷) دیکھو مشکوٰۃ باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب۔ فصل اول ص (۲۸) دیکھو تفسیر کبیرہ جزء ثامن۔ تفسیر روح المعانی۔ جز اول ص ۲۸۔ (۲۹) فوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۳۹۹۲۔ (۳۰) کتاب آپس میں ملتی یعنی خوبی میں کوئی آیت کم نہیں۔ دوہرائی ہوئی۔ یعنی ایک مدعا کئی طرح تقریر کیا ہوا۔ (موضح قرآن) (۳۱) دیکھو سیرت ابن ہشام۔ ذکر اسلام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (۳۲) نحام کے معنی ہیں کھانسنے والا۔ یہ حضرت نعیم بن عبداللہ کا لقب ہے جس کی روایت وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں بہشت میں داخل ہوا تو میں نے نعیم کے کھانسنے کی آواز سنی (اصابہ)۔ (۳۳) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ۔ دفتر اول مکتوب سہ صد و دوم ۳۰۲۔ (۳۴) صحیح بخاری باب ہجرت النبی ﷺ۔ (۳۵) صحیح بخاری وصحیح مسلم دیکھو۔ (۳۷) دلائل النبوت للحافظ ابی نعیم۔ جزء اول ص ۷۸۔ ۷۹ یہ قصہ استیعاب لابن عبدالبر میں بھی مذکور ہے۔ (۳۷) دیکھو مواہب لدینہ للقسطلانی (۳۸) صنبور۔ خرما بن تنہا گانہ۔ مرد فرد بے برادر وفرزند۔ (۳۹) تعریض یہ ہے کہ ایک لفظ اپنے معنی میں مستعمل ہو۔ تا کہ اس کے ساتھ ایک اور معنی کی طرف اشارہ کیا جائے۔ (۴۰) اتقان جزء ثانی ص ۵۵۔ (۴۱) اتقان جزء ثانی ص ۹۶۔ (۴۲) صنعت طباق یہ ہے کہ کلام میں ایسے دو معنی ذکر کریں۔ جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ (۴۳) اشارہ یہ ہے کہ کلام قلیل

لایا جائے جس کے معنی بہت ہوں۔(۴۴) صنعت ارداف یہ ہے کہ متکلم ایک معنی مراد رکھے اور اسے لفظ موضع لہ سے یا دلالت واشارہ سے تعبیر نہ کرے۔ بلکہ اس کے مرادف لفظ سے ادا کرے۔(۴۵) تمثیل وہ ہے کہ جس کی وجہ متعدد امور سے منتزع ہو۔(۴۶) تعلیل کا فائدہ تقریر اور ابلغیت ہے۔ کیونکہ نفوس احکام معاملہ کو دوسروں کی نسبت زیادہ قبول کرتے ہیں۔(۴۷) احتراس یہ ہے کہ کسی کلام میں جو خلاف مقصود کو موہم ہو۔ وہ امر ذکر کریں۔ جو اس وہم کو دور کردے۔(۴۸) احسن النسق یہ ہے کہ متکلم پے در پے معطوف جملے لائے۔ جو باہم اس طرح پیوستہ ہوں کہ اگر ان میں سے کوئی جملہ علیحدہ کردیا جائے تو وہ بذات خود ایک مستقل جملہ ہو جس کے معنی سمجھنے کے لئے اسی کے الفاظ کافی ہوں۔(۴۹) مقصود کو معمول سے کم الفاظ میں ادا کرنا ایجاز کہلاتا ہے۔(۵۰) تسہیم یہ ہے کہ فاصلہ کا مقابل فاصلہ پر دلالت کرے۔(۵۱) تہذیب یہ ہے کہ کلام ایسا مہذب ہو کہ اعتراض کو اس میں گنجائش نہ ہو۔(۵۲) تمکین یہ ہے کہ فاصلہ اپنے محل میں متمکن اور اپنی جگہ قرار پذیر ہو۔ اور اس کے معنی کو کلام کے معنی سے ایسا تعلق تام ہو کہ اگر وہ گر جائے تو کلام کے معنی میں خلل آجائے۔(۵۳) انسجام یہ ہے کہ کلام پیچیدگی سے خالی ہونے کے سبب آب رواں کی مانند جاری اور ترکیب کی سہولت اور الفاظ کی شیرینی کے سبب نرم و آسان ہو۔(۵۴) اعتراض یہ ہے کہ ایک یا زیادہ جملوں کا کوئی محل اعراب نہ ہو۔ ایک یا دو کلاموں کے درمیان رفع ابہام کے سوا کسی اور نکتہ کے لئے لائیں۔(۵۵) کہتے ہیں کہ یہ فارس کے بادشاہ اردشیر کے قول کا ترجمہ۔ پھر رہ گیا فرق دو کمان کا میانہ یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے پر جو بھیجا۔(۵۸) اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو تحفہ احمدیہ در ثبوت معراج محمدیہ مصنفہ شیخنا العلامہ مولانا مولوی مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی چشتی صابری مع حواشی خاکسار، دفتر انجمن نعمانیہ لاہور سے طلب فرما کر مطالعہ کریں۔(۵۹) بعض قصہ خوان بیان کرتے ہیں کہ چاند جناب رسالت مآب کی جیب میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا مگر یہ بے اصل ہے۔(۶۰) مسند ابوداؤد طیالسی۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن جزء اول۔ ص ۴۸ (۶۱) ابو کبشہ حضور اقدس ﷺ کا ایک جد مادری تھا۔ زمانہ جاہلیت میں قریش بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور وہ ان کے خلاف شعری عبور کی پرستش کرتا تھا اس لئے جب حضورؐ نے بتوں کی پرستش میں قریش کی مخالفت کی۔ اور خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کی تعلیم دی تو وہ آپ کو اس مخالفت کے سبب ابو کبشہ کا بیٹا کہا کرتے تھے۔(۶۲) عرب میں خیبر سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔(۶۳) اللھم انه کان فی طاعتك وطاعته رسولك فاردد علیه الشمس۔ (شفاء مواہب و خصائص کبریٰ) اس حدیث کا امام طحاوی اور قاضی عیاض نے صحیح ۔۔۔ اور ابن منذر و ابن شاہین و طبرانی نے اسے ایسے اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جن میں سے بعض

صحیح کی شرط پر ہیں۔اور ابن مردویہ نے اسناد حسن کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔(۶۴) شفاء شریف۔اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط میں بسند حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔(مواہب لدنیہ) اور بیہقی نے اسماعیل بن عبدالرحمٰن سے بطریق ارسال نقل کیا ہے (خصائص کبریٰ للسیوطی)۔
(۶۵) دیکھو مواہب لدنیہ۔(۶۶) خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۶۷۔(۶۸) ایک قسم کا کھانا ہے۔جو روٹی کے ٹکڑوں کو گوشت کے شوربے میں تر کرنے سے تیار ہوتا ہے۔(۶۹) مواہب لدنیہ۔اس حدیث کو ابن ابی الدنیا بیہقی اور ابونعیم نے نقل کیا ہے۔(۷۰) بخاری کتاب الجہاد۔باب الصرعة والرکض فی الفزع۔(۷۱) صحیح مسلم وشفا شریف (۷۲) اصابہ بحوالہ طبرانی وابن مندہ اب السکن۔ترجمہ ام اول ہمزیہ۔(۷۳) شفا شریف ومسند امام احمد۔(۷۴) سیرت ابن ہشام۔(۷۵) استیعاب واصابہ۔
(۷۶) شفاء شریف وابن سعد۔(۷۷) اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔مواہب لدنیہ۔
(۷۸) اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۶۹ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ حضرت شمر بن عطیہ اتباع تابعین میں سے ہیں دیکھو زرقانی علی المواہب (۷۹) اس حدیث کو ابن ابی شیبہ وبغوی وبیہقی وطبرانی وابونعیم نے روایت کیا ہے (مواہب لدنیہ)۔(۸۰) مواہب لدنیہ۔کتاب فی المعجزات۔(۸۱) اس حدیث اور احادیث آئندہ کے لئے دیکھو خصائص کبریٰ للسیوطی۔جزء ثانی ص ۷۰۔(۸۲) یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔مشکوٰۃ شریف باب فی المعجزات۔(۸۴) کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں لشکر کی تعداد ایک لاکھ کو پہنچ گئی تھی۔کذا فی اشعۃ اللمعات۔(۸۵) صحیح بخاری باب قبول الہدیۃ من المشرکین۔(۸۶) صحیح بخاری۔باب کیف کان عیش النبی ﷺ واصحابہ۔(۸۷) مواہب لدنیہ بحوالہ صحیح مسلم۔(۸۸) صحیح بخاری۔باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔(۸۹) وسق بار شتر وشصت صاع۔(۹۰) صحیح بخاری۔باب قضاء الوصیۃ ودیون المیت۔(۹۱) صحیح بخاری۔تفسیر سورہ دخان۔(۹۵) یعنی مدینہ کے اطراف میں بادل تھا اور مینہ برستا تھا مگر مدینہ پر نہ بادل تھا نہ مینہ برستا تھا۔(۹۶) قنات ایک وادی کا نام ہے جو طائف کی طرف سے آتی ہے۔اور کوہ احد میں شہداء کی قبروں تک پہنچتی ہے۔(۹۷) صحیح بخاری تفسیر سورہ دخان۔(۹۸) زرقانی علی المواہب بروایت ابن ابی شیبہ وابی نعیم وغیرہما۔جزء رابع ص ۴۴۔(۹۹) ابن سعد کی روایت میں ہے کہ عاقب اور سید کچھ مدت بعد جلد مدینہ آئے اور حضورؐ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔(۱۰۰) صحیح بخاری۔باب علامات النبوت فی الاسلام (۱۰۱) اس حدیث کو امام احمد ونسائی نے روایت کیا ہے (مواہب لدنیہ) اور حافظ ابو نعیم نے بھی دلائل میں نقل کیا ہے۔(۱۰۲) اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔(تیسیر الوصول مواہب لدنیہ) (۱۰۳) دلائل حافظ اب نعیم ص ۱۳۵ امام احمد بزار نے بھی اسے روایت کیا ہے۔(نسیم

الریاض شرح شفائے قاضی عیاض۔ جزء ثالث ص ۸۰) (۱۰۴) اس قصہ کو شرح السنہ میں اور ابن عبد البر نے استیعاب میں اور ابن الجوزی نے کتاب الوفا میں نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ باب فی المعجزات۔ فصل ثالث)۔ (۱۰۵) مشکوۃ باب فی المعجزات۔ بحوالہ شرح السنہ خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۶۲ میں ہے کہ اس حدیث کو امام احمد و حافظ نعیم نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ (۱۰۶) بقول واقدی اس کا نام ... بن اوس اسلمی تھا جو حرۃ ابو برہ میں ریوڑ چرا رہا تھا۔ اہبان مزکور صحابی ہیں جنہوں نے حضرت امیر کے زمانہ میں انتقال فرمایا۔ (۱۰۷) حرۃ ابو بردہ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے۔ دیکھو وفاء الوفاء للطامۃ السمہودی۔ (۱۰۸) مشکوۃ بحوالہ ترمذی۔ باب اشراط الساعۃ۔ (۱۰۹) اس حدیث کو ... ابونعیم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی ص ۶۳۔ (۱۱۰) شیر کی کنیت ہے۔ (۱۱۱) اس حدیث کو ابن سعد و ابو یعلیٰ و بزار و ابن منزر و حاکم و بیہقی و ابونعیم نے نقل کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے اور بغوی و ابن عساکر نے بھی نقل کیا ہے۔ خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۶۵۔ (۱۱۲) اس حدیث کو بزاز و ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ (مواہب لدنیہ) (۱۱۳) مشکوۃ۔ باب فی المعجزات۔ (۱۱۴) اس حدیث کو امام احمد نے اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور دارمی و ترمذی و حاکم و بیہقی و ابونعیم و ابو یعلیٰ و ابن سعد نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ (خصائص کبریٰ ۔ جزء ثانی ص ۳۶) (۱۱۵) اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (مشکوۃ باب فی المعجزات ۔ فصل اول)۔ (۱۱۶) ترمذی شریف مطبوعہ احمدی جلد ثانی ص ۲۲۳۔ (۱۱۷) اس حدیث کو بزار و طبرانی و ابونعیم و بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ۔ مواہب لدنیہ) (۱۱۸) ابن عساکر کی روایت میں حدیث انس میں حضرت عثمان غنیؓ کے بعد یوں آیا ہے۔ ثم صیرھن فی ایدینار جلا رجلا فما سبحت حصاۃ منھن۔ (خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی ص ۷۵) پھر حضورؐ نے ان سنگریزوں کو ہم میں سے ایک ایک کے ہاتھ میں رکھا۔ ان میں سے کسی سنگریزے نے تسبیح نہ پڑھی۔ (۱۱۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے جو ابوذر کو باوجودیکہ وہ مجلس میں اوروں کی نسبت آپ سے زیادہ قریب تھے سنگریزے نہ دیئے بلکہ ان کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر و عثمان کو دیئے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوذر خلفاء میں سے نہ تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بظاہر اس موقع پر حاضر نہ تھے۔ (۱۲۰) دیکھو شفاء قاضی عیاض۔ (۱۲۱) صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔ (۱۲۲) اس حدیث کو بیہقی نے دلائل میں بالطوالت روایت کیا ہے۔ اور ابن ماجہ نے بالاختصار نقل کیا ہے۔ (مواہب لدنیہ) حافظ ابونعیم نے بھی دلائل میں اسے روایت کیا ہے۔ (۱۲۳) ان کے نام مبارک یہ ہیں۔ فضل، عبداللہ، عبیداللہ، قثم، معبد، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم یہ سب ام الفضل کے بطن سے تھے۔ (۱۲۴) اس حدیث کو امام بخاری و امام

احمد ترمذی وابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ (مواہب لدنیہ)۔ (۱۲۵) یہ حدیث نسائی، ترمذی ودارقطنی میں ہے۔ (مواہب لدنیہ) (۱۲۶) یعنی جو تجھ پر ہیں ان میں سے ہر ایک نہیں ہے مگر نبی یا صدیق یا شہید۔ مطلب یہ کہ ان میں سے ہر ایک اوصاف ثلاثہ سے خارج نہیں۔ (۱۲۷) عشرہ مبشرہ جو دس صحابی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی ان کے نام مبارک یہ ہیں۔ حضرت ابو بکر وعثمان وعلی وطلحہ وزبیر وسعد ابن ابی وقاص وعبدالرحمن بن عوف وابو عبیدہ بن جراح وسعید بن زید رضی اللہ عنہم۔ (۱۲۸) دیکھو مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ۔ (۱۲۹) اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ باب فی المعجزات) (۱۳۰) صحیح مسلم۔ غزوہ حنین۔ (۱۳۱) انتباہ الاذکیاء فی حیات الانبیاء مطبوعہ مطبع محمدی واقع لاہور۔ (۱۳۲) مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن۔ فصل اول۔ (۱۳۳) صحیح مسلم۔ جلد ثانی۔ کتاب الفتن۔ (۱۳۴) عبارت است از حصول تمام علوم جزئی وکلی واحاطہ آں۔ اشعۃ اللمعات۔ (۱۳۵) مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ۔ باب المساجد۔ (۱۳۶) مشکوٰۃ کتاب الایمان۔ باب ایمان بالقدر فصل ثانی (۱۳۷) مواہب لدنیہ مقصد ثامن۔ فصل ثالث۔ (۱۳۸) مواہب لدنیہ۔ مقصد ثامن فصل ثالث۔ (۱۳۹) خصائص کبریٰ للسیوطی۔ جزء ثانی ص ۱۹۷۔ (۱۴۰) مواہب لدنیہ۔ کتاب فی المعجزات والخصائص الفصل الثانی فیما خصہ اللہ تعالیٰ بہ من المعجزات۔ ایک روایت میں میری امت کی بجائے دنیا کا لفظ ہے دیکھو زرقانی۔ (۱۴۱) نقد بفتح نون وقاف۔ ایک قسم کی بدشکل بکری ہوتی ہے جس کے ہاتھ پاؤں چھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ ذلت میں ضرب المثل ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ اذل من النقد یعنی نقد سے زیادہ ذلیل۔ اس کی جمع نقاد۔ (۱۴۲) صحیح بخاری وصحیح مسلم۔ کتاب الفتن امام بخاری کی ولادت ۱۹۴ھ میں اور وفات ۲۵۶ھ میں، امام مسلم کی ولادت ۲۰۴ھ میں اور وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ (۱۴۳) ملک شام کے ایک شہر کا نام۔ (۱۴۴) مفصل حالات کے لئے دیکھو وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ للعلامۃ السمہودی المتوفی ۹۱۱ھ جزء اول صفحہ ۹۹ تا ۱۰۶۔ (۱۴۵) یعنی اہل وعیال اور مال واسباب کو بیلوں پر لاد کر جنگل کو چلے جائیں گے۔ (۱۴۶) ابوداؤد کی ولادت ۲۰۲ھ میں اور وفات ۲۷۵ھ میں ہوئی۔ (۱۴۷) مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن۔ باب الملاحم فصل ثانی (۱۴۸) اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن۔ باب الملاحم۔ ۱۱۰ تا ۱۱۶۔ (۱۴۹) مفصل حالات کے لئے دیکھو طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج السبکی المتوفی ۷۷۱ھ جز خامس ص ۱۰۰ تا ۱۱۶ (۱۵۰) کرخ بفتح اول وثانی وخائے معجمہ دہے است قریب بغداد وقیل محلہ از بغداد۔ غیاث اللغات۔ (۱۵۱) نہیں مانا ان سے پہلے کسی بستی نے جس کو ہلاک کیا ہم نے اب یہ کیا مانیں گے۔ (۱۵۲) حکمت یہ کہ ان میں سے بعض ایمان لائیں اور بعض کی نسل سے مومن پیدا ہوں گے۔

حوالہ جات (باب آٹھواں)

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دینے کا جس حال میں آپ ان میں موجود ہیں۔(۲) دیکھو زرقانی علی المواہب۔ جزء ثالث ص ۵۴۔(۳) خصائص کبریٰ بحوالہ صحیحین۔ جزء اول ص ۲۳۰۔(۴) جب غزوہ تبوک کے بعد رمضان ۹ ھ میں حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس نے آپ کی اجازت سے آپ کی مداح میں چند شعر کہے ہیں۔ ان میں سے ایک شعر یہ ہے۔ آپ حضرت خلیل اللہ کی آگ میں پوشیدہ داخل ہوئے۔ آپ ان کی پشت میں تھے وہ کیسے جل سکتے تھے۔ طبرانی وغیرہ نے اس قصہ کی روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب و زرقانی۔ غزوہ تبوک۔(۵) خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی ص ۷۹۔(۶) زرقانی علی المواہب جزء خامس ص ۱۹۳۔(۷) کشف الغمہ للشعرانی بحوالہ خصائل للسیوطی۔ جزء ثانی ص ۳۶۔

حوالہ جات (باب نواں)

(۱) موضح قرآن میں ہے کہ یہ جو فرمایا کہ جو نیکی پر ہیں ان کو بڑا ثواب ہے۔ حضرت کی ازواج سب نیک ہی ہیں والبیت للطیبین مگر حق تعالیٰ صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تا کہ وہ نڈر نہ ہو جاوے خاتمہ کا ڈر لگا رہے۔ مدارک و بیضاوی میں ہے کہ منکن میں من بیانیہ ہے۔ کیونکہ ازواج مطہرات سب محسنات تھیں۔(۲) یہ آنحضرت ﷺ سے خطاب ہے۔ یعنی اگر بر سبیل فرض و تقدیر تو شرک کرے گا اگرچہ یہ محال ہے تیرا عمل باطل ہو جائے گا۔ (زمر ع ۷)(۳) یہ حالات عموماً زرقانی علی المواہب سے ماخوذ زرقانی نے بحوالہ دیگر کتب ان کو یکجا جمع کر دیا ہے۔(۴) طبقات ان سعد۔ جزء ثامن ترجمہ زہرا(۵) وفاء الوفاء للسمہودی(۶) زہر الربیع للسیوطی و حاشیہ سندی بر نسائی۔

حوالہ جات (دسواں باب)

(۱) صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب موت یوم الاثنین۔(۲) نسیم الریاض بحوالہ ابوداؤد و بخاری۔(۳) وفاء الوفاء اول ص ۳۴۸۔(۴) نسیم الریاض بحوالہ احمد و ابن اسحاق۔ اصابہ ترجمہ ابوطالب(۵) بیہقی و بزار۔ اصابہ ترجمہ ابوطالب بحوالہ ابن اسحاق۔(۶) الادب المفرد للبخاری۔ باب مایقول الرجل اذا حذرت رجلہ۔(۷) شفاء شریف۔(۸) زرقانی علی المااہب بحوالہ امام احمد وغیرہ۔(۹) اصابہ بحوالہ طبرانی۔۱۰۰) اصابہ۔ ترجمہ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی۔(۱۱) سیرت ابن ہشام۔(۱۲) استیعاب ترجمہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔(۱۳) نسیم الریاض وغیرہ۔(۱۴) صحیح مسلم۔ باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ

بدر۔ (۱۵) ترمذی۔ ابواب الزہد۔ (۱۶) مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب الحب فی اللہ ومن اللہ (۱۷) درمنثور بحوالہ طبرانی وابن مردویہ وابونعیم فی الحلیۃ والضیاء المقدسی فی صفۃ الجنۃ (۱۸) اور منثور بحوالہ طبرانی وابن مردویہ وابونعیم فی الحلیۃ والضیاء المقدسی فی صفۃ الجنۃ (۱۹) بخاری۔ تفسیر سورۂ حجرات (۲۰) اسباب نزول للواحدی۔ (۲۱) صحیح مسلم۔ باب مخافات المومن ان یحبط عملہ (۲۲) صحیح بخاری کتاب الشروط۔ (۲۳) شمائل ترمذی۔ کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۂ احزاب۔ (۲۴) ترمذی ابواب المناقب۔ (۲۵) شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ۔ (۲۶) الادب المفرد للبخاری۔ باب قرع الباب۔ اس روایت سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دروازوں میں حلقے نہ تھے۔ صحابہ کرام بپاس ادب بجائے دستک دینے کے ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔ (۲۷) زادالمعاد لابن قیم۔ قصہ حدیبیہ۔ اور درمنثور للسیوطی تفسیر سورۂ فتح۔ (۲۸) صحیح مسلم باب کون الاسلام یہدم ماقبلہ وکذا الحج والمعرۃ۔ (۲۹) اصابہ، بحوالہ طبرانی۔ ترجمہ اسلع الاعرجی۔ تفسیر درمنثور بحوالہ طحاوی ودارقطنی وطبرانی وبیہقی وغیرہ۔ (۳۰) ترمذی۔ کتاب الطہارت۔ باب ماجاء فی مصافحۃ الجنب۔ (۳۱) کشف الغمہ للشعرانی۔ جزء ثانی ص ۱۸۴۔ (۳۲) جامع ترمذی۔ باب ماجاء فی میلاد النبی ﷺ (۳۳) اصابہ ترجمہ سعید بن یربوع۔ (۳۴) الادب المفرد للبخاری۔ باب الرجل یقبل ابنتہ۔ (۳۵) جامع ترمذی۔ ابواب الاستیذان والادب۔ باب ماجاء فی قبلۃ الید والرجل۔ (۳۶) ابن ماجہ باب الرجل یقبل ید الرجل۔ (۳۷) الادب المفرد للبخاری۔ باب تقبیل الید۔ تفسیر درمنثور بحوالہ ابوداؤد وترمذی وابن ماجہ وغیرہ۔ (۳۸) ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی قبلۃ الجسد۔ الادب المفرد للبخاری۔ باب تقبیل الید۔ (۳۹) زرقانی علی المواہب۔ وفد عبدالقیس الادب المفرد للبخاری۔ باب التودۃ فی الامور۔ (۴۰) دلائل حافظ ابی نعیم۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ص ۱۳۸۔ (۴۱) صحیح بخاری کتاب اللباس۔ باب الزند بالذہب۔ (۴۲) اصابہ بحوالہ ابن اسحاق ترجمہ محجن بن اورع اسلمی۔ نیز مشکوٰۃ بحوالہ بخاری باب اعداد آلتہ الجہاد۔ (۴۳) صحیح مسلم۔ باب اباحت اکل الثوم۔ (۴۴) شفاء شریف علی القاری شرح میں لکھتے ہیں کہ اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے۔ (۴۵) وفاء الوفاء بحوالہ ابن زبالہ۔ جزء اول ص ۳۹۸۔ (۴۶) مناصع مدینہ منورہ سے باہر ایک جگہ کا نام ہے جہاں عورتیں زمانہ جاہلیت میں رات کے وقت بول وبراز کے لئے جایا کرتی تھیں۔ کذا فی معجم البلدان للیاقوت۔ (۴۷) تاریخ صغیر للبخاری مطبوعہ انوار احمد الہ آباد ص ۴۴۔ (۴۸) طبقات ابن سعد۔ جز ثالث۔ قسم ثانی ص ۸۷۔ (۴۹) ایک قسم کی خوشبو ہے جو مرکب ہوتی ہے۔ (۵۰) کافور وصندل وغیرہ جو مردے کے کفن وجسم پر مل دیا جاتا ہے۔ (۵۱) حیاۃ الحیوان للدمیری۔ تحت عنکبوت۔ زرقانی علی المواہب۔ باب ہجرۃ المصطفیٰ واصحابہ الی المدینہ۔ (۵۲) صحیح مسلم

باب تحریم اناء الذہب والفضۃ علی النساء والرجال ۔ (۵۳) دیکھو وفاء الوفاء للسمہودی اور شفاء السقال للسبکی ۔ (۵۴) وفاء الوفاء ثانی ص ۴۱۲ ۔ (۵۵) وفاء الوفاء جزء ثانی ص ۴۴۴ ۔ (۵۶) السیف الصقیل فی الدعلی ابن زکیل ۔ تکملہ علامہ کوثری ۔ ص ۱۵۲ ۔ (۵۷) وفاء الوفاء جزء ثانی ص ۴۲۰ ۔ (۵۸) سنن دارمی باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ ﷺ بعد موتہ ۔ (۵۹) قاضی زین الدین ابوبکر حسین بن عمر عثمانی مراغی نزیل مدینہ منورہ (متوفی ۸۱۶ھ) نے مدینہ منورہ کے حالات میں اپنی کتاب تحقیق النصر بتلخیص معالم دار الہجرۃ لکھی ہے جس کے مبیضہ سے وہ ۷۶۶ھ میں فارغ ہوئے ۔ کشف الظنون (۶۰) وفاء الوفاء جزء اول ۳۹۸ ۔ (۶۱) وفاء الوفاء ۔ جز ثانی ص ۴۲۰ ۔ (۶۲) عمر بن شیبہ نے عبدالعزیز بن عمران سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ سوائے پانچ اشخاص کی قبروں کے اور کسی کی قبر میں نہیں اترے ۔ ان پانچ میں تین عورتیں اور دو مرد ہیں بدیں تفصیل ۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ۔ عائشہ صدیقہؓ کی والدہ ام رومان ۔ حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسد ۔ ابن خدیجہ اور عبداللہ بن نہم مزنی ملقب بہ ذوالجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔ وفاء الوفاء ثانی ۸۷ ۔ (۶۳) محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عتبہ بن ابی سفیان صحر بن حرب (متوفی ۲۲۸ھ) (۶۴) وفاء الوفاء ثانی ص ۴۴۱ ۔ (۶۵) عروس کے لئے سب چیزیں آراستہ کی جاتی ہیں ۔ سب اس کی خدمت کرتے ہیں اور اس کا حکم مانتے ہیں اور اس کو خوش کرنے کے اصحاب مہیا کیے جاتے ہیں ۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ ملک وملکوت میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مطلق ہیں ۔ بسائط ومرکبات میں آپ کو تصرف ہے ۔ اور یہ عالم آپ ہی کے لئے بنا ہے ۔ پس آپ عروس مملکت ہیں ۔ کذا فی مطالع المرات (۶۶) علامہ سمہودی اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ابوبکر مقری کا واقعہ وفاء ابن الجوزی میں ہے ۔ باقی واقعات مذکورہ بلا کو ابن جوزی کے علاوہ اوروں نے بھی ذکر کیا ہے (۶۷) وفاء الوفاء جزء ثانی ص ۴۲۹ ۔ (۶۸) پیٹ کی ایک بیماری کا نام ہے ۔ (۶۰) حجۃ اللہ علی العالمین للعلامۃ محمد بن شاکر بن احمد کتبی متوفی ۷۶۴ھ ترجمہ محمد بن سعید بوصیری ۔ (۷۳) وفاء الوفاء جز ثانی ص ۴۳۰ ۔

❀❀❀❀
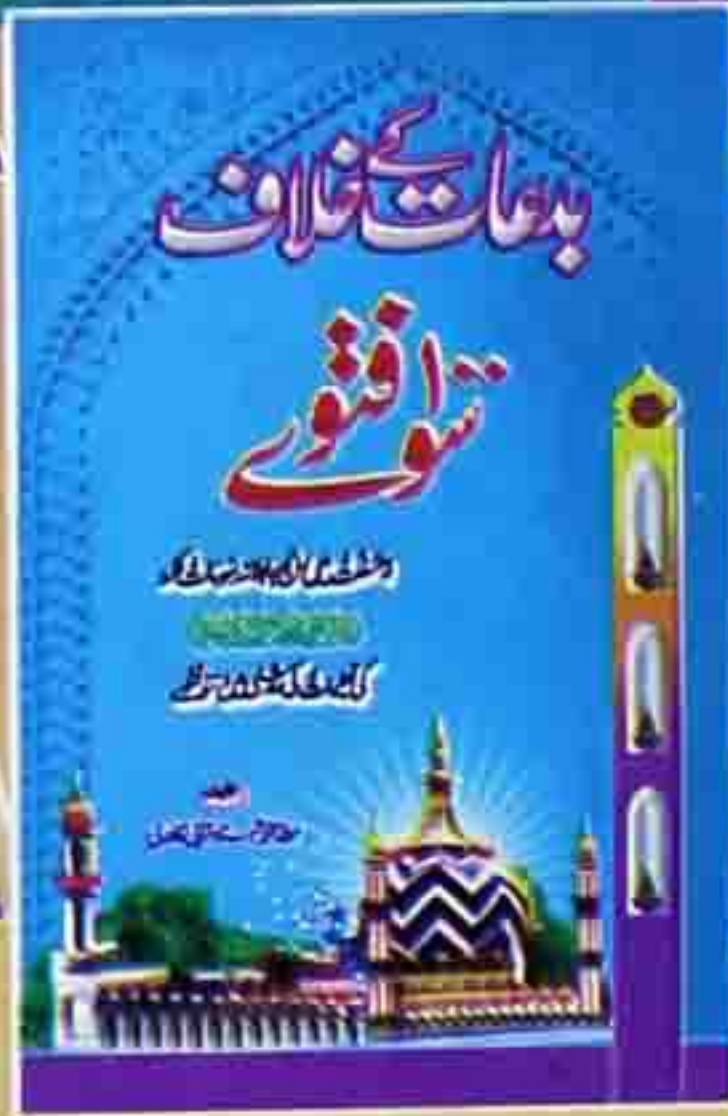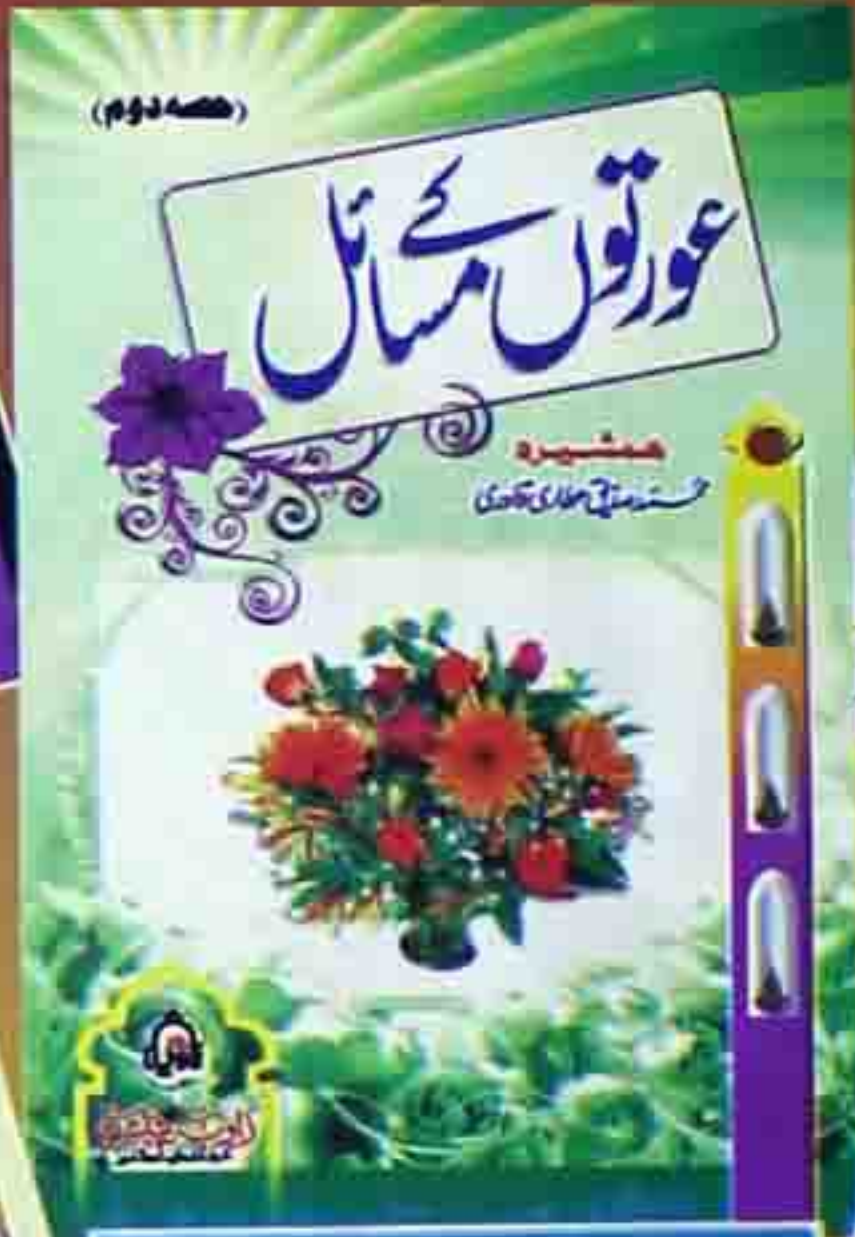
(حصہ دوم)
عورتوں کے مسائل
بدعات کے خلاف
سو فتوے
عورت اور مذاہب عالم
زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ، لاہور
Voice:
042-7248657
Mobile:
0300-9467047